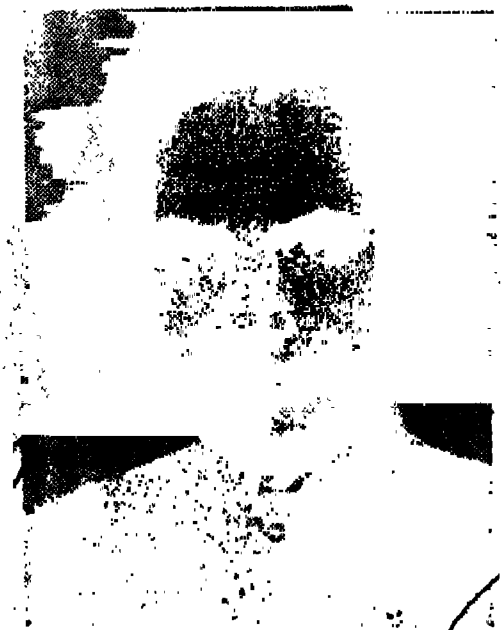
JANUARY—1977



M. Aqil Siddiqi Fatehpuri Jeddah
(Saudi Arab)

JASHAN-E-JAMH
ISSUE

RWAR TAUNSVI

Rs. 1.25

رجسٹرڈ نمبر ڈی ۲۷ - رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R.N. 644/57

فون نمبر: ۲۷۸۸۸۰

(یہ اشاعت جشنِ جمہوریت کی نذر ہے)

ماہنامہ شانِ ہند

ایڈیٹر: سرور تونسوی، قیمت سالانہ بارہ روپیہ، فی پرچہ ایک روپیہ ۲۵ پیسے

جلد ۳۸ — جنوری ۱۹۷۷ — شمارہ ۱

فہرس

حضرت مختار ہاشمی

"گردشِ رنگ" کے خالق حضرت مختار ہاشمی ... کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے دلی گیٹ میں راہیِ ملکِ عدم ہو گئے۔ مختار ہاشمی ایک اچھے اور عظیم شاعر تھے اُن کی شخصیت ... مختار صاحب پر مفصل مضامین شانِ ہند کی آئندہ اشاعتوں میں ... ہوں گے۔ جناب رمز صاحب آفاقی نے مرحوم کی تاریخِ وفات ...

تاریخِ وفات

"آہ! شاعرِ نایاب مختار الدین"

۱۹۷۷ء

مرض الموت ہے خدا کا غضب ÷ سہ دیے جس نے ...

کوئی توڑے تو یہ طلسمِ سکوت ÷ "ہائے مختار ..." ۱۳۹۷ھ

نتیجۂ فکر: — رمز آفاقی

ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے ... بازار دہلی سے چھپوا کر ... سے شائع کیا۔


قانون اس کی ممانعت کرتا ہے

افکار و واقعات

مشاعرہ جشنِ جمہوریت لال قلعہ

سب سے پہلے اس ناکام مشاعرے کا آنکھوں دیکھا حال روزنامہ "پرتاپ" کے رپورٹر جناب پرواز ردولوی کی زبانی سنیے جو "پرتاپ" ۲۸ جنوری ۱۹۷۷ء کے سرورق پر چھپا ہے۔

ہر سال کی طرح اس سال بھی ۲۴ جنوری کو لال قلعہ میں مشاعرہ جشنِ جمہوریت منعقد ہوا۔ اور موسم کی خرابی کے باوجود ہزاروں لوگ مشاعرہ سننے گئے لیکن مشاعرے میں شریک بکثرت شعرا کا کلام سن کر انھیں سخت مایوسی ہوئی۔ مایوسی کا آغاز تو اس وقت ہو گیا تھا جب جناب جیوتی رمپال نے یہ اعلان کیا تھا کہ مرکزی وزیر پٹرولیم مسٹر کیشو دیو مالویہ کچھ ضروری مصروفیات کی وجہ سے مشاعرہ کا افتتاح کرنے کے لئے تشریف نہیں لا سکے ہیں۔ لیکن انھوں نے یقین دلایا تھا کہ مسٹر مالویہ تھوڑی دیر کے لئے مشاعرے میں ضرور آئیں گے۔ سامعین کی بدقسمتی کہ مالویہ جی نے مشاعرہ میں ایک منٹ کے لئے بھی شرکت نہیں فرمائی۔

شاعروں کے انتخاب میں اس سال بھی معیار کا خیال کم اور عزیز داری، رشتہ داری، سفارش، اور خوشامد وغیرہ کا خیال زیادہ رکھا گیا۔ اعلان ہوا تھا کہ اختر الایمان بھی مشاعرے میں شرکت فرمائیں گے مگر وہ بھی نہ آئے۔ اور دوسرے کئی خوش گو اور خوش فکر مشہور شعراء نے بھی شرکت نہیں فرمائی۔ سامعین کو ہمیشہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ "ہوٹنگ" کرتے ہیں لیکن بیشتر اکثریت ایسے شاعروں کی ہوتی ہے کہ سامعین کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا ہے اور وہ ہوٹنگ کے ذریعہ اپنے دل کا غبار نکالنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اُن سے یہ نہیں برداشت ہوتا کہ جاہل شعراء کو سنتے چلے جائیں۔ ایک دو جاہل شاعر ہوں تو وہ برداشت بھی کر لیں... مگر جب جاہل شعراء کا تانتا بندھ جائے تو وہ کیسے صبر کریں؟

ہم نے گزشتہ سال ہی دہلی [illegible] بعض اخباری [illegible] سمارن جی کی قیادت میں لال قلعہ کے مشاعرے کے گرتے ہوئے معیار کی جانب [illegible] تھی۔ شاید ہی [illegible] جذبات کا خیال رکھا جائے گا اور اس تاریخی مشاعرے میں اُردو کے نمائندہ شاعروں کو ملک بھر سے بلایا جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ نادسمارن جی دل سے اس مشاعرے کے بجٹ کو [illegible] کرنے کے لئے [illegible] ہیں انھیں کیا معلوم کہ کون شاعر اچھا ہے اور کون اچھا نہیں ہے ان کے سامنے اُردو کے ٹھیکیدار جو نام پیش کرتے ہیں انھیں بلا لیا جاتا ہے۔ جگن ناتھ آزاد، ساغر نظامی، سردار جعفری، تاباں، ساحر ہوشیارپوری، ذکیہ سلطانہ نیر، حکیم منظور، ہلال رامپوری، ناوک لکھنوی، پرنس ثاقب، مخمور سعیدی، اور عمار رِنارہ بنکوی اگر ہوٹنگ سے بچ گئے تو اس لئے کہ ان کا شمار اُردو کے صفِ اول کے شاعروں میں ہوتا ہے ان کے علاوہ جن لوگوں کی ہوٹنگ ہوئی وہ بڑی حد تک اس ہوٹنگ کے لئے خود ذمہ دار تھے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دہلی کے پڑھے لکھے سمجھدار اور بالغ نظر شعراء کو ہمیشہ کی طرح اس سال بھی نظر انداز کیا گیا اور ان کا حق مار کر چند گلے بازوں کو زحمتِ سخن دی گئی اُن کے گلوں نے بھی کام نہ کیا۔ کیا محسن زیدی، زبیر رضوی، امیر قزلباش، کمار پاشی، گوپال متل وغیرہم سلیم شیرازی، نصرت گوالیاری، واجد سحری اور ناز لائلپوری سے بھی بدتر شاعر ہیں؟ کیا لکھنؤ میں صرف ناوک جیسے ہزل گو شعراء ہی پائے جاتے ہیں۔ لکھنؤ، دہلی، حیدرآباد اُردو ادب کے مراکز ہیں ان شہروں سے صفِ اول کے شعراء کو بلانے کی ضرورت ہے......

لال قلعہ کے مشاعرہ جشنِ جمہوریت کے ناخداؤں کو سرٹیفکیٹ "پرتاپ" نے دیا ہے وہ آپ نے پڑھ لیا۔ قارئینِ شانِ ہند

جانتے ہیں کہ دو ماہ ہوئے ہم نے شانِ ہند میں مشاعرہ کمیٹی جشنِ جمہوریت کے ارکان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی کہ وہ اس تاریخی مشاعرہ کو "بدستِ طفلاں" کا مصداق نہ بنائیں بلکہ اس مشاعرہ کو ایسے مشاعرہ کی صورت میں پیش کیا جائے جس سے ہر سننے والا یہ محسوس کرے کہ وہ اپنے ملک کے سب سے زیادہ دلکش قومی تہوار "جشنِ جمہوریت" کے شایاں شان مشاعرہ سن رہا ہے۔ ہم نے شانِ ہند کے اس مرکزی اداریے کے تراشے لیفٹیننٹ گورنر دہلی، لالہ دھارسن صاحب اور جیشور دیال صاحب کو بھجوائے اور مشاعرہ کمیٹی کے کچھ ارکان کے ہاں شانِ ہند جاتا ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مشاعرہ کمیٹی کے ارکان نے اس سال اس مشاعرہ کی اور بھی ریڑھ مارنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا۔ اور جو صدقِ دلانہ مشورے شانِ ہند کی طرف سے پیش کئے گئے تھے اُن کو نظرانداز کرنے کے علاوہ زیادہ سے زیادہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ اُن مشوروں کے الٹ عمل کیا جائے۔ اور تو اور ایڈیٹر شانِ ہند کو ہندی کوی سمیلن اور پنجابی کوی دربار کے دعوت نامے تو موصول ہوئے مگر اردو مشاعرہ کا دعوت نامہ بھی نہیں بھیجا گیا۔ مشاعرہ کمیٹی کے ارکان کا یہ فعل کتنا ہی گھٹیا کیوں نہ ہو مگو ہمیں اس کی کوئی شکایت نہیں کیونکہ ایڈیٹر شانِ ہند نے تو سالہا سال سے اس مشاعرے میں جانا ہی چھوڑ رکھا ہے کیونکہ اس مشاعرے میں شاعروں کا ایک مخصوص طائفہ ہی اپنے بھانے کلام سے سامعین کا وقت ضائع کرتا ہے اور جشنِ جمہوریت کی مناسبت سے تو کسی کسی شاعر کو ہی کلام سنانے کی سعادت نصیب ہوتی ہے ورنہ اکثر شعرا تو عشقیہ رطب و یابس سنا کر معاوضہ اور شہرت حاصل کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ مشاعرہ کے کنوینر جیشور دیال صاحب تھے۔ اور جائنٹ کنوینر ویر بینر پکار رتیا کی ڈائریکٹر اطلاعات و اشاعت دہلی انتظامیہ اور ارکین مشاعرہ کمیٹی میں سوشیل کمار ری کے گوسوامی، اسے۔ ایل اروڑہ، اشوک پردھان، کنور جیندر سنگھ بیدی سحر، گلزار زتشی، بہار برنی، انور علی دہلوی، ایس۔ ایچ۔ اے جعفری، زکیہ سلطانہ نیّر، خورشید عالم خاں کے اسمائے گرامی ...

اس فہرست میں اکثر حضرات اُردو مشاعرہ اور اردو شاعروں کے انتخاب سے دُور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے۔ اور جن حضرات کو اس سنگلاخ زمین کا خاصا تجربہ ہے کیا وہ اپنے خدا کو حاضر ناظر جان کر حلفاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے شاعروں کے انتخاب میں سفارش یا کسی اور وجہ سے مجبور ہو کر بددیانتی کا مظاہرہ نہیں کیا؟ جشنِ جمہوریت ایسے قومی تہوار پر ایسے ناکام مشاعرہ کی تمام تر ذمہ داری اسی مشاعرہ کمیٹی پر ہے اور سرکاری روپیہ ضائع کرنے کی ذمہ داری بھی انھیں حضرات پر ہے۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی خدشہ محسوس نہیں کہ ایسے قومی تہوار پر ایسا گھٹیا اور ناکام مشاعرہ کرا کے اُردو مشاعروں کی سابقہ روایات کو بٹہ لگاتا ہے۔ وہاں مشاعرہ کمیٹی کے ارکان نے اس قومی تہوار پر اپنے فرائض کی انجام دہی میں سو فیصدی کوتاہی سے کام لیا ہے۔

ہمیں باوثوق ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ لال قلعہ کے مشاعرہ جمہوریت کو یادگار مشاعرہ کی حیثیت میں دیکھنے والے دانشوروں کا ایک وفد الیکشن کے بعد محترمہ اندرا گاندھی کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کرے گا کہ لال قلعہ کے اس مشاعرے کو حکومتِ ہند کے تحت کرایا جائے اور مشاعرہ کمیٹی کے ارکان ایسے حضرات ہوں جنھیں واقعی یہ علم ہو کہ اس قومی تہوار پر کیسا مشاعرہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ دہلی انتظامیہ قطعی طور پر اس مشاعرے کو ناکامی کی حدود تک لے گیا ہے۔

لکھنؤ کی شاعرہ اور بریلی کا پولیس افسر

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ لکھنؤ کی ایک کنواری اور حسین شاعرہ بریلی کے کسی مشاعرہ میں شریک ہوئی۔ مشاعرہ کے بعد جب وہ اپنے ہوٹل میں پہنچی تو کچھ عاشق حضرات نے ایک پولیس افسر کی قیادت میں اس شاعرہ کو ہوٹل کے باہر بلوایا اور کہا کہ تم لکھنؤ سے بھاگ کر آئی ہو۔ لہذا تھانے چلو۔ اور اس کنواری اور حسین شاعرہ کو تھانے لے جایا گیا مگر منتظمین اور ہوٹل کے مالکان بھی تھانے پہنچ گئے اور اس شاعرہ کا عزت بچ گئی ... معاملہ رفع دفع کر کے کہا کہ ... [illegible]

نفتش [illegible] جا رہا ہے

کمشنر کی یہ شاعری شرکتی ہے یا نہیں۔ کنزرویٹو ہی تھی یا نہیں حسین ہے یا بہر صورت یہ سب باتیں فضول ہیں۔ مطلب کی بات یہ ہے کہ کیا کوئی کمشنر صاحب ان شاعری کے پہلے میں سرکاری کمیونسٹ ہے۔ جب یہ نقلی شاعرات اپنی نقلی شاعری کی ملک میں سارا [illegible] کے تحفظ و صداکاری کی اچھوٹا کو ایسے تا خوشگوار حادثات کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔ ہم اس سلسلے میں ایک مفصل مضمون اشاعت آئندہ میں لکھ رہے ہیں۔

مزید یہ بھی ضرور مطالبہ کرتے ہیں کہ کلکٹر صاحب بریلی نے اس سلسلے میں کیا کیا اس کی اطلاع اخبارات میں آنی انتہائی ضروری ہے۔

کرگس سہوانی کے ساتھ دھوکا

ایک جعلی دعوت نامہ جس پر از ردولوی سکریٹری بزم ادب آر۔ کے۔ پورم نئی دہلی کی طرف سے جاری کیا گیا جناب کرگس سہوانی کو موصول ہوا کہ ۱۵ جنوری کی شام کو بمقام آر۔ کے۔ پورم نئی دہلی ایک آل انڈیا مشاعرہ شری بی۔ ڈی۔ جٹی (نائب صدر حکومت ہند) کی زیر صدارت منعقد ہونا قرار پایا ہے عالیجناب محمود ہاشمی صاحب کی خواہش اور ہماری درخواست ہے کہ ۱۵ جنوری ۷۷ بروز اتوار شام کے ۸ بجے سے قبل تشریف لا کر ممنون فرمائیں کہ مشاعرہ میں شرکت فرمائیں۔ مشاعرہ کی شام آپ کو نائب صدر جمہوریہ ہند کے مشاعرہ سے مطلع بھی نشر کیا جائے گا۔

کرگس سہوان ضلع بدایوں سے اس مشاعرہ میں شرکت کی غرض کے لئے تشریف لائے مگر مشاعرہ کا معلوم نہیں تھا تمام و مقام نہیں تھا۔ دوسرے دن کرگس صاحب دفتر شاعر ہند میں آئے اور یہ سارا واقعہ سنایا اور دعوت نامہ بھی دکھایا۔ اسی وقت فون پر جناب پرواز ردولوی سے دفتر شاعر ہند میں بات کی گئی تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور پرواز صاحب نے کرگس صاحب کو ہدایت کی کہ اس جعلی دعوت نامہ کو اپنے خط کے ساتھ محکمہ اینٹی جنس حکومت ہند کو رجسٹری سے بھجوا دیا۔ بقیہ صفحہ ۸ پر

علام عشق آبادی

کویتری

جن لوگوں کے نام [illegible] وحید الدین، اختر الایمان، مظہر الاسلام ہوں یا [illegible] ہوں [illegible] یعقوب، یوسف علی، سلیمان احمد، انوار حسین وغیرہ اور وہ کسی تخلص کے حامل ہوکر شعر کہتے ہوں میں ان سب کو قرآن پاک کی سورۃ الشعراء کا شاعر مانتا ہوں۔ لیکن جن حضرات کے تخلص اور نام عربی حجاب [illegible] ہیں۔ جیسے شکیل، نیاز کل، چکیست، رشمی۔ کندن، ارتن، سہگل، الوکا چاند۔ نروی۔ وغیرہ کو ویدک کا کوی کہتا ہوں۔ میں شاعر کا ہندی ترجمہ کوی ہرگز نہیں مانتا۔ زبان خواہ کوئی ہو یعنی اردو ہو یا ہندی، فارسی ہو یا [illegible]۔

صنف نازک جو شعر کہتی ہے اسے میں کویتری سمجھتا ہوں شاعرہ میری وسعت تحقیق سے پچیس ہزار میل کا فاصلہ رکھتی ہے۔ جس زبان کا لفظ شاعر ہے اسی زبان کا لفظ عاشق ہے۔ شاعری کی جڑ اور خصوصاً غزل کی بنیاد رکھنا صرف عاشق کا کام ہے اور اس زبان میں جہاں ہر مقام پر تذکیر و تانیث کا بڑا امتیاز ہے عاشق کی کوئی تانیث نہیں۔ تو شاعر کی تانیث شاعرہ کس طرح وجود میں آگئی۔ جیسے بچہ کی کوئی مؤنث ہوتی ہی نہیں تو لفظ بچی بے معنی ہے۔ پارس ایک پتھر ہے) اور ہندی لفظ ہے اس کا فارسی یا عربی کوئی مترادف لفظ نہیں ایسے ہی کویتری کے لئے کسی زبان میں کوئی لفظ نہیں۔ مجھے نشیشور پرساد منور لکھنوی (ڈاکٹر [illegible]) کا مطلع یاد آگیا۔

> توبہ محبت میں بیتاب رد و بدل کیسا معنی
> عاشقی کی جب بچی نہیں تو غزل کیا معنی

صاحب [illegible] کہتے ہیں کہ [illegible] (۱۱) رسول اللہ صلعم کے [illegible] [illegible] کا شاعرہ [illegible] عورت اپنے [illegible] اور شوہر کا محبت [illegible] کویتری [illegible] عورت کی شاعری سے [illegible] عورت

کا شاعری کے خلاف ہی ہے عورت [illegible] کا ایک [illegible] جس کے [illegible] ہے۔ [illegible] ہے اور [illegible] کے [illegible] عشق [illegible] ناصر نظر [illegible] کا [illegible] ہیں۔ [illegible] فرماتے ہیں

> در محبت چوں زنان ہندی کسے مردانہ نیست
> سوختن بر شمع مردہ کار ہر پروانہ نیست

اور حضرت خسرو رحمۃ اللہ علیہ محبوب نظام الدین اولیا فرماتے ہیں ؎

> خسروا در عشق بازی کم ز ہندو زن مباش
> کز برائے مردہ سوزد زندہ جان خویش را

یہ لغت ہے خالق کائنات [illegible] دے۔ بھلا اس [illegible] مجسم کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ [illegible] کویتری کی [illegible] صنف لاجواب [illegible] خیالات کا اظہار [illegible] ہے اس پر ایک کوی نے [illegible] جواب دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

> [illegible]
> [illegible]

(از [illegible])

دیگر ؎

> [illegible]
> [illegible]

(از [illegible])

[illegible]

[illegible]

عربی: غزل میں مرد فاعل اور عورت مفعول

فارسی: غزل (چگامہ) میں مرد فاعل اور امرد مفعول

ہندی: کویتا میں عورت فاعل اور مرد مفعول

اب میں چند اشعار (جن پر کسی کا نام نہیں لکھتا کہ مجھے کسی کی تنقیص منظور نہیں) پیش کرتا ہوں۔ ذرا دیکھئے کہ ان سے مردانہ لہجہ رہا ہے یا کسی عورت کی عام زبان ایسی ہی ہوتی ہے۔

(۱) ورق ورق ہوئے پھرتے تھے تیرے کوچے میں — پھرتی تھیں
ہمارا حال شکستہ کتاب جیسا تھا

۲ درد کا درد ہے رسوائی کی رسوائی ہے
پھر ترے شہر کی جانب ترا سودائی ہے — تری

۳ ہم یوں تمام عمر رہے زندگی کے ساتھ — رہیں
جیسے ہر ایک غم ہو گوارا خوشی کے ساتھ

۴ میں پھوٹ پھوٹ کے روتا رہا مرے اندر — روتی رہا
بکھیرتا رہا بے ربط قہقہے کوئی

پہلا شعر دیکھئے کیا ایک صنف نازک کے یہی اطوار ہو سکتے ہیں۔ میں روتا رہا مرد کی زبان ہے یا عورت کی؟ اور طرّہ یہ ہے کہ ہر شعر مجروح نظر آتا ہے۔

دوسرے شعر میں معلوم نہیں کہ مخاطب کون ہے۔ صاحبہ کی کوئی سہیلی ہے یا بہیلی۔ کہ جس سے وہ کہہ رہی ہیں کہ ترے شہر کی جانب ترا سودائی ہے۔ ادھر پہلی رسوائی کی ئی کا۔ ساقط ہے۔

تیسرے شعر کے دوسرے مصرع میں۔ سے۔ کی جگہ۔ کے ساتھ کس ادا سے فٹ کیا ہے۔

چوتھے شعر میں تضمین کا عیب ہونے کے علاوہ کھلا ذم ایک زخم نہیں بل کہ ناسور ہے۔

جتنے اشعار میرے سامنے آئے ہیں ان میں ایک بھی مرغوب نہیں۔ یہاں میں تین اشعار چنچل کماری (کویتری) کے پیش کرتا ہوں جن میں فعل تانیث ہے جو ہندی کویتا کی شان ہے

سامنے اُن کے جب پہنچتی ہوں ✣ تب دہن میں زبان نہیں ہوتی
غم وہ ان کو میں خود دکھاتی ہوں ✣ غمِ محبوب مجھ کو کھا رہا ہے
ہو گئی ہوں فنا محبت میں ✣ اب یہ سمجھی ہوں میں نے کیا کیا ہے

میں نے پانچ لفظوں کی تانیث دیکھی ہی نہیں۔ یہ الفاظ عربی زبان کے ہیں جہاں تذکیر و تانیث کا بڑا لحاظ ہے۔
نبی۔ شاعر۔ عاشق۔ ساقی، نقش (موسیقار)

نیا سویرا

سحر سعیدی

روان خلوص کا دریا دکھائی دیتا ہے
یہ دور کتنا سنہرا دکھائی دیتا ہے

ہوا ہے ملک میں جب سے نفاذ بیس نکات
ہر ایک شے میں سلیقہ دکھائی دیتا ہے

ترقیات کا اک سلسلہ ہے چار طرف
جگہ جگہ یہ کرشمہ دکھائی دیتا ہے

زمین جب سے ملی بے زمیں کسانوں کو
خوشی کا گاؤں میں میلہ دکھائی دیتا ہے

جو گاؤں گاؤں میں بجلی کی لہر دوڑ گئی
ہر ایک گھر میں اُجالا دکھائی دیتا ہے

یہ اُونچ نیچ کی دیوار گر گئی جب سے
ہر ایک سر مجھے اونچا دکھائی دیتا ہے

اب ایسے موڑ پہ پہنچا ہے کارواں اپنا
افق کے پاس اُجالا دکھائی دیتا ہے

ملی ہیں منزلیں اندرا کی رہنمائی میں
بہت قریب سویرا دکھائی دیتا ہے

پدر کے نام کو روشن کیا ہے دُختر نے
بلند جس کا ستارہ دکھائی دیتا ہے

بقیہ صـ۶ کرکس سہوانی کے ساتھ دھوکا

نہ معلوم کرکس صاحب کے علاوہ اور کس کس شاعر کو دھوکا دیا گیا ہوگا۔ پچھلے دنوں مراد آباد میں بھی ایسا ہی واقعہ ہوا کہ دیگر بیرونی شاعر بلوائے گئے مگر مشاعرہ تھا ہی نہیں اور بیچارے شاعر چائے اور کھانے تک سے محروم رہے اور کچھ مخیر حضرات نے انھیں چائے پلائی اور کھانا کھلایا اور واپسی کے لئے ریل پر بٹھایا۔ شاعروں کے ساتھ دھوکہ دہی کے مختلف واقعات شانِ ہند کی آئندہ اشاعت میں انہی صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ ہم محکمۂ پولیس صاحبان سے گزارش کرینگے کہ وہ اس معاملہ کی سرکوبی پوری طرح کریں۔

کرشن الاحسان

مشاعرۂ جشنِ جمہوریت لال قلعہ دہلی

گوشۂ عقیل:- جناب عقیل صاحب جدہ (سعودی عرب) نے شانِ ہند کی ضخامت میں آٹھ صفحات کا اضافہ کرنے کی تمام ترمالی ذمہ داری لیتے ہوئے ایک ہزار روپیہ بھجوایا تھا۔ جنوری ۷۷ء سے شانِ ہند کی ضخامت میں گوشۂ عقیل کے لئے آٹھ صفحات کا اضافہ کیا جارہا ہے۔ زیر نظر اشاعت میں مشاعرۂ جشنِ جمہوریت لال قلعہ گوشۂ عقیل کے تحت شائع ہو رہا ہے۔ اشاعت آئندہ سے گوشۂ عقیل کے تحت بہترین مضامین شائع ہوا کریں گے۔ (ادارہ)

یہ وہ مشاعرہ ہے جسے جشنِ جمہوریت کا نمائندہ مشاعرہ کہا جاتا ہے لیکن اس سے اچھے مشاعرے تو قصبات میں ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ مشاعرہ ہے جو جشنِ جمہوریت کی تقریبات کے سلسلے میں خالص جمہوری طور پر منعقد کیا جاتا ہے یہ الگ بات کہ یہ جمہوریت کو نظر انداز کیا جاتا ہے

یہ وہ عظیم مشاعرہ ہے کہ جس میں آٹھ شعراء نے غزلیں پڑھیں اور بیکر نے مختلف کلام پیش کیا۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس میں شعرا کی اس ٹیم نے شرکت کی جو پورے ملک میں کرتب دکھاتی پھرتی اور اردو کے نام پر اپنے بنک بیلنس میں اضافہ کر رہی ہے۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس میں ہر صوبہ کے مشاہیر شعرا کو مدعو نہیں کیا گیا کیا ستم ہے کہ پھر بھی یہ مشاعرہ آل انڈیا ہی رہا ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس میں صوفہ سیٹ، کرسیاں زیادہ نظر آتی تھیں اور سامعین کم۔

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس میں ٹی۔ وی اور اے۔ آئی۔ آر والوں نے نہایت چابکدستی سے شعرا کی تصاویر لیں اور کلام ریکارڈ کیا یہ الگ بات کہ کئی مشاعروں کی تعداد نہیں لیں اور جب یہ مشاعرہ نشر ہوگا تو کتنے ہی متعدد شعراء کو نظر انداز کر دیا جائے

یہ وہ مشاعرہ ہے جس میں پاس سسٹم جاری کیا جاتا ہے پھر یہ مشاعرہ اسی وقت نشر کیوں نہیں کیا جاتا۔ یہ غالباً منتظمین حضرات کو ڈر اور خدشہ ہوتا ہے کہ پنڈال میں اگر بولنے لگیں گے اس پر جلی رات میں کون لال قلعہ تک آنے کی تکلیف برداشت کرے گا اور کون یہاں سے مایوس لوٹے گا؟

یہ وہ مشاعرہ ہے کہ جس میں علامہ جمیل مظہری، کلیم عاجز، سید ابراہیم رضا، علامہ ساحر، دھورام آرزو سہارنپوری، کرشن بہاری نور لکھنوی، قیصر ونڈوری، اعجاز صدیقی، منصور سبزواری، علامہ شکر محمد آبادی، پرتھی جیم اختر فلمی، دواکر راہی رامپوری، کیا ب... ، ڈاکٹر بشیر بدر، قیوم کھدوڑ کرکے سامعین پر ظلم کیا جاتا ہے۔

آئیے اب اس آل انڈیا مشاعرہ کی ایک جھلک بھی دیکھتے چلئے۔ دیکھئے یہ لال قلعہ دلی ہے۔ ۲۴ ر جنوری ۷۷ء کی بھیگی اور بارانی شب میں آپ کو دیوان عام کے قریب ایک حسین پنڈال میں لے چلتا ہوں ٹھہر یئے —— پھولوں کی بے ادبی اور نا قدری پر جیسے آپ ان کو پاؤں میں نہ روند یئے۔ کیا ہوا اگر پھولوں کے بازمنع ... سیر تصویریں کھینچ پھیلا رکھے ہیں ذرا ان سے بچ کر چلئے —— بجلی کی روشنی کو بغور دیکھئے لیکن قلعہ کے باہر کہیں ٹھوکر نہ کھا جائیے کیا فضول خرچی ہو جاتی جو ... روشنی کا ... کر دیا جاتا۔ تو ہم چکے ہیں، اور لوٹ ... میں ۹ ... ...

خالی نظر آ رہی ہیں مجوزہ صدر جناب کیشو دیو مالویہ جی مرکزی وزیر پٹرولیم تشریف نہیں لائے لہٰذا مہیشور دیال جی اعلان فرما رہے ہیں کہ آج کے مشاعرہ کی صدارت جناب راو عارف جی چیف ایگزیکٹو کونسلر دہلی فرمائیں گے۔ تالیوں کے شور میں محترم راو عارف جی تشریف لے آئے ہیں اور راو صاحب۔ وی کے مارکن ایکشن ہو گئے ہیں محترم راو عارف جی دلی کی خالص ٹکسالی زبان میں یوں گوہر افشانی فرما رہے ہیں۔

معزز حاضرین مختلف علاقوں سے آئے ہوئے نامی گرامی شعراء۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ اس سال بھی ہم باوجود اس موسم کے مشاعرہ کروا رہے ہیں ہم مشاعرہ جیسا چاہتے تھے یہ مشاعرہ ویسا تو نہیں ہے ——— حضور والا آپ جیسا بھی مشاعرہ چاہتے ویسا ہی ہوتا ایسا تاریخی اور شاندار ہو سکتا تھا۔ مگر آپ کے مصاحبین کے مفاد کا کچھ اور ہی تقاضا تھا اس سال یہ مشاعرہ پورے ملک میں ایک مذاق بن کر رہ گیا ——— پچھلے سالوں میں یہ مشاعرے بہت مقبول ہوئے ہیں ——— بجا ارشاد ہوا۔ اسی مشاعرہ کو سننے کے لئے بیرون دلی سے اردو کے شیدائی شعر و سخن کے قدردان آیا کرتے تھے مگر آج تو دلی والے ہی نہیں آتے اور کیوں دلی والے اس برفیلی رات میں اپنی نیند حرام کریں جب کہ وہ جانتے ہیں کہ اس مشاعرہ میں کیسے شعراء شرکت کرتے ہیں ——— ابھی ابھی مہیشور دیال جی نے اردو اکیڈمی کے بارے میں کچھ کہا ہے میں اس سلسلے میں صرف اتنی بات کہنا چاہتا ہوں کہ سرکار اس فرض کی ادائیگی میں پوری کوشش کر رہی ہے ——— تعجب ہے کہ تیس سال سے یہ کوشش جاری ہے مگر آج بھی ہنوز روز اول والا معاملہ ہے سرکار کے ہاں ایسے پلان تو سالوں نہیں مہینوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں لیکن اردو کا بھلا سمجھ میں نہیں آتا بیچاری۔ بدنصیب اردو ——— [illegible] ——— مرکزی سرکار کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ جلد سے جلد اس طرف توجہ دے۔ [illegible] اردو کو تسلیم شدہ [illegible] زبانوں کے زمرہ میں آتی ہے تو پھر سرکار کو سنجیدہ [illegible] سوال ہی پیدا [illegible] صرف اردو زبان سے [illegible]

کا جواب دے ——— ؟ یہاں دلی میں اگر دس لڑکے بھی کسی کالج میں اردو پڑھنا چاہتے ہیں تو ہم ان کے لئے ایک استاد دے رہے ہیں ——— کیوں دے رہے ہیں حضور والا ایک استاد ؟ ابھی حضور یہ اگر مگر والی بات جانے دیجئے یہ کہئے کہ ہر اسکول میں ایسے اساتذہ موجود ہوں گے جو اردو بھی جانتے ہوں گے اور اگر ایک بچہ بھی اردو پڑھنے کا خواہش مند ہو تو اسکول اور ٹیچر [illegible] ——— دلی والے اردو سے محبت کرتے ہیں — کتنے متعصب ہیں دلی والے سمجھ کر اردو ہی سے محبت کرتے ہیں اس عالمی ہندی کانفرنس کا کیا بنے گا اس پر کیا گزرے گی ——— ؟ دلی والو یہ بھی تو سوچو ——— ؟ اسکو عزیز رکھتے ہیں ——— محترم المقام یہ تو سب کچھ بجا لیکن یہ تغافل۔ یہ تساہل کب تک اور کیوں ؟ ۳۰ سال میں اس خانماں برباد پر کیا بیتی ہوگی اللہ رے دلی والوں نے اس کی کسمپرسی پر دھیان ہی نہ دیا ——— اردو کو ہم اپنی زبان مانتے ہیں ——— تالیاں — آپ حضرات اپنی تجاویز ہم تک پہونچا دیجئے ہم اس پر عمل کریں گے ——— لیجئے ہم ہی بسم اللہ کئے دیتے ہیں لال قلعہ کا مشاعرہ ختم کرائیے اور اس پر جو بھاری رقم برباد کی جاتی ہے وہ صرف اردو کے فروغ پر خرچ کرائیے پھر اردو کیسے زندہ نہ رہے گی یہ مشاعرے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار کر ہی دم لیں گے ——— قبلہ نہایت شگفتہ اور پر کیف تقریر فرما کر تالیوں کے شور میں اپنی جگہ تشریف لا رہے ہیں اور مہیشور دیال جی ملک زادہ منظور احمد سے درخواست نظامت فرما رہے ہیں وہ دیکھئے منظور صاحب تالیوں کی جھنکار میں مائک سنبھال کر مختصر سی تقریر فرما کر سلیم [illegible] سے درخواست غزل کر رہے ہیں سلیم صاحب اپنے دلکش ترنم سے یوں محفل گرما رہے ہیں —

مائل بہ کرم جب وہ ستمگار ہوا ہے ٭ ہر زخم جگر اور بھی خوں بار ہوا ہے
ظالم وہ جب سر بازار ہوا ہے ٭ دل بیچنے والا ہی خریدار ہوا ہے

لیجئے داد دینے والے تالیوں پہ آ گئے ہیں اور ۲۰۷ والے سو گئے ہیں حیرت ہے کہ سلیم صاحب کی تصویر نہیں لی حالانکہ سلیم صاحب کی تصویر [illegible] کہ آپ [illegible] اور پورا ملک اپنے مشہور شاعر کو دیکھ [illegible] مگر ایسا ظلم اور کئی شعراء کے ساتھ بھی ہوا۔

جیسے ستارہ شمع کی ہاں تو سلیم صاحب غزل سرا ہیں ؎

دل سے محبت ترا شرب سمجھ لیکن ÷ ناداں کبھی خود سے بھی تجھ پیار ہوا ہے
شت زدۂ موت کو ظلمت نہیں ملتی ÷ سر جس نے دیا عشق میں سو دار ہوا ہے
دیتے محبت میں سدا اہلِ جنوں کو ÷ نظارۂ محبوب سرِ دار ہوا ہے

داد تالیوں سے دی جا رہی ہے اور آپ فرما رہے ہیں جہاں حضرات بیٹھے ہیں وہ اپنی جگہ سنیں ـــ اور کھڑے ہوئے حضرات سو رہیں ـــ ایک قہقہہ ـــ اور سلیم صاحب فرما رہے ہیں ؎

تھنے لگے واماندۂ منزل کے قدم بھی ÷ یہ کون سنا نا فلہ سالار ہوا ہے
شیخ کے کاندھے پہ برہمن کا جنازہ ÷ کس شان سے جشنِ رسن و دار ہوا ہے

سلیم صاحب مشاعرہ کا لاجواب آغاز کر کے داد و تحسین اور تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور منظور صاحب دعوتِ سخن دے رہے ہیں جواں سال ـ خوش فکر شاعر نصرت گوالیاری کو ـ نصرت صاحب لیول لحنِ طلوعت میں غزل سرا ہیں ؎

یں نے کہا تم سے دوستی کر لی ÷ ساری دنیا سے دشمنی کر لی
ہلے میرا ز کچھ خیال کیا ÷ اپنے دل کی تو ہر خوشی کر لی
حبت آہ کبھی نہیں سے ہیں ÷ اتنی مصروف زندگی کر لی
ہلے تجھ سے رہتا اک تعلق خاص ÷ اب ترے غم سے دوستی کر لی
ندر سوائیوں کا ڈر نہ ہوا ÷ احتیاطاً نگاہ بھی کر لی
اجسے مجھ میں کر رہے ہو تلاش ÷ اس نے تو کب کی خودکشی کر لی

نصرت صاحب کو ہر شعر پر وہ داد دی گئی کہ لطف آ گیا محفل لوٹ کرتا لیوں کے شور میں خراماں خراماں آ رہے ہیں اور منظور صاحب زحمتِ سخن دے رہے ہیں راز لائلپوری کو ـــ راز صاحب مائک پر کے آ کر گلزار صاحب نے مسکرا کر فرمایا ؎

آج یہ راز فاش ہوتا ہے

اس راز کو سینۂ راز میں رکھ دیا جاتا ہے ـــ ایک آواز ـــ اور راز صاحب فرما رہے ہیں ؎

بگ و گل آزاد ہوئے گلستاں آزاد ہے
سبزہ و غنچہ بہارِ گلستاں آزاد ہے
وہ [illegible] دل [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] آزاد ہے

آج بھی آزاد ہے شاعر کا فن آزاد ہے
فکر بھی آزاد ہے طرزِ سخن آزاد ہے
راز مجھ کو یہ مسرت ہے کہ اپنے دیش میں
قدر و قیمت کا یقیناً بانکپن آزاد ہے

راز صاحب داد وصول کر کے چلتے بنے ÷ بالفرت و آپ جو نگی میں ڈوب کر گئے تھے ابھی اس کا اثر باقی ہے ـ اس لئے راز صاحب وہ بات نہ بنا سکے جس کا اس وقت تقاضا تھا منظور صاحب یاد فرما رہے ہیں واجد سحری کو ـ واجد صاحب دلکشی سے غزل سرا ہیں ؎

جو پھول کی زد میں بھی پتھر سے ڈراتا ہے
دیوانہ سہی پھر بھی محتاط و مکتا ہے
اس سوچ میں بیٹھا ہوں کہ نام لے سو جائے
بکھری ہوئی زلفوں میں اترا ہوا چہرا ہے

اس شعر پر سامنے والے من چلے زیادہ اچھل کود کر رہے ہیں واجد صاحب [illegible] رہے ہیں ؎

جس پھول کو [illegible] ہوا میری جانب سے
ظالم نے اسی گل کو مسلا نہیں روندا ہے

پھر دوسرے مصرعہ پر ایک ہنگامہ ہے اور آپ تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں منظور صاحب لیول حقیقت [illegible] کا اظہار کر رہے ہیں [illegible] وہ فضا [illegible] ہو [illegible] وہ فضا پیدا ہو ـــ [illegible] کلام [illegible] [illegible] [illegible] خاموش [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سراج [illegible] [illegible] منشی منقی ـ شمسی مینائی ـ [illegible] [illegible] ستارہ [illegible] [illegible] وہاں کلام [illegible] پیدا کر سکے تھے [illegible] [illegible] مشاعرہ کا انجام معلوم ادراس کی [illegible] شہرت ظاہر ہے ـــ کبھی کبھی ایسی [illegible] جاتی ہے کہ [illegible] ہوتا ہے کہ [illegible] داد [illegible] [illegible] ـــ [illegible] منظور صاحب [illegible] [illegible] [illegible]

سارے جہاں کا درد تنہا اسے جگر میں لیں لی ؟..

وہ دیکھئے مسعودہ حیات صاحبہ فرما رہی ہیں سے

مانا کہ ہم کرم کے سزاوار ہی نہیں ٭ لیکن جہاں میں ہم سا وفادار بھی نہیں

آپ نے یہ غزل کتنی بار پڑھی؟ یاد ہے ــ؟ لہٰذا میں نے صرف سُننے پر اکتفا کیا اور آپ داد و تحسین پاکر تالیوں کی صدا کار میں پلٹ رہی ہیں اور منظور صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں۔ محترم کنور مہندر سنگھ بیدی سحر سے ۔ قبلہ کنور صاحب کا تالیوں سے پُر زور خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور آپ ایک طویل نظم سُنا کر کا... رہے ہیں آپکی بھی تصویر لی گئی ہے منظور صاحب سلیم شہزاد کو دعوتِ کلام دے رہے ہیں۔ سلیم صاحب عالمِ زدیا ... لئے ان کے ... نے خودکشی کر لی ارشاد ہوا ہے سے

... اس سے کہا جائے ٭ پلو کا ہم اپنے خون میں نہا لیا جائے

... کہ مصروفِ گفتگو رہنے ٭ ہمیں یہ فکر کہ جگر ... کا لیا جائے

کپڑا چرا لیا جائے ــ ایک آواز ــ ایک قہقہہ ــ اور آپ فرما رہے ہیں سے

... ٭ چلو اسے بھی ذرا آزما لیا جائے

سلیم صاحب اپنی جگہ پر جھومتے ہوئے جا رہے ہیں اور ادھر منظور صاحب ... دے رہے ہیں عزیز وارثی کو۔ عزیز صاحب ... سُنا کر چلے ٭ اور پھر منظور صاحب فرما رہے ہیں کہ اب آپ ایک دل۔ ایک نظر۔ ایک تڑپ ایک خیال شوری بھوپالی لوٹیں گے شعوری صاحب بڑے ترنم سے عطا کر رہے ہیں

مجھے ... رہا ہے ٭ تبسم کو چھپایا جا رہا ہے

قریب آ ... ان کو تکلف ٭ وہیں سے مسکرایا جا رہا ہے

داد نقطۂ عروج سے سوا ہے اور منظور صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں آپ وہیں ہیں جہاں اب سے ۲۵ سال پہلے تھے اس پر لوگ بھی مسکرا رہے ہیں اور قبلہ شعوری صاحب غزل سرا ہیں سے

... زندہ رہی ہے داستاں میری

میں تھک کر سو گیا چلتی رہی عمرِ رواں میری

... ملتفت وہ واقعاتِ دہر کی جانب

سنا دیتا کوئی سرخی بدل کر داستاں میری

... تو میری بربادی میں شامل ہے

وہ کیا جو سر ... کو کس لئے میری داستاں میری

قبلہ شعوری صاحب خوب خوب داد لوٹنے کا حق ... ہیں اور منظور صاحب بذلہ گو اور رنگ محفل بدلنے کے لئے ناوک کو دعوتِ طنز و مزاح دے رہے ہیں ناوک صاحب ترنم سے مخالف قہقہوں پر یوں اتارنے چلے ہیں سے

وہ عجب انداز سے چل دکھا کر رہ گئے ٭ اور ہم مارے خوشی کے سر جھکا کر رہ گئے

عورتیں آزاد ہو کر اور آگے بڑھ گئیں ٭ مرد خالی جشنِ آزادی منا کر رہ گئے

ہائے ہو کا شور اور ایک غل غپاڑہ ہے اور آپ فرما رہے ہیں

بکھری ہوئی زلفیں ہیں شانوں پہ برابر سے

کس رُخ سے کوئی دیکھے یہ ٹھہرے کہ ماد

پھر ایک ہڑبونگ ہے اور اس عالم میں رخسانہ سلطانہ آگئی میں ہی بیٹھ گئی ہیں اور آپ اسی دلکشی سے فرما رہے ہیں سے

کپڑے بھی پہناتا ہوں پہناتا ہوں گہنا

قبضے میں کسی طرح سے آتی نہیں

اس پر بھی تو تنہائی کا غم پڑتا ہے سہنا

اس پر بھی تو بیوی کا ہر وقت یہ کہنا

میں میکے چلی جاؤں گی تم دیکھتے رہنا

اس ہلڑ بازی میں کچھ سنائی نہیں دے رہا اور آپ ایک طویل نظم سُنا کر تالیوں کے بے ہنگم شور میں جا رہے ہیں اس نظم کا ایک مصرعہ

ادب نواز ہے دلہن مشاعرہ ہوگا

اور میں نے حضرت صاحب سے عرض کیا ایک مصرعہ یوں کہا جائے ع

پڑے گا جب کوئی چپل مشاعرہ ہوگا

دیکھا تو منظور صاحب تازہ اور نامکمل اشعار عطا کر رہے

تعمیرِ زیست فکر کا عنوان ہوئی تو ہے ٭ اب کچھ تلافیٔ دوراں ہوئی تو ہے

کلیاں عمل کی عزم کے غنچے عمل کے پھول ٭ آرائشِ عروسِ بہاراں ہوئی تو ہے

داد شباب پر ہے اور آپ داد سے بے نیاز فرما رہے ہیں سے

اب اور تیز گام رفیقانِ راہِ شوق ٭ کچھ روشنی افق سے نمایاں ہوئی تو ہے

... یقیں کو جب سے ملا تیشۂ عمل ٭ خوابیدہ زندگی شرر افشاں ہوئی تو ہے

جب بھی کفِ عمل پہ چڑھا ہے حنا کا رنگ ٭ تصدیقِ حرفِ خونِ شہیداں ہوئی تو ہے

منظور صاحب داد و تحسین وصول کئے اپنی جگہ آکر محترم ... سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں تاباں صاحب ... تابندگی کرنے چلے ہیں سے

ہم ایک عمر چلے ہیں رنگ یار کے ساتھ ہو ۔ اجالا ہو گیا دل سے گیا ماتھے قمر کی طرح
کہاں کی محبت کہ یہاں محبتیں چاک ہو گئے ۔ پیار آلئی قیامت کے نظر کی طرح
نہ جانے لوں کی کمی ہے نہ سوز شوق کی کمی ۔ جو بھی برق ہی ملتی ہے بال و پر کی طرح
نہ جانے کیسے چراغ یہ بیابانیں بن سکا ہے ۔ سبھی کے گھر میں لیا ہے پھول کی طرح

قیام آل صاحب نہایت شاداں جا رہے ہیں اور منظور صاحب زحمت سخن دے رہے ہیں ملک کے مشہور اور منفرد شاعر رفعت سروش کو۔ سروش صاحب عطا کر رہے ہیں سے

اہل نظر گئے نہ اہل جنوں گئے ۔ اُن کے حریم ناز میں ہم بے خبر گئے
دن بھر تو آفتاب کی شمعیں جلائے ۔ دربار شب سجا تو یہ موتی بکھر گئے
آسودگان منزل دشوار ہم کہاں ۔ طوفاں ہمارے پاؤں کو چھو کر گزر گئے
ان کے کمال شوق کی معراج دیکھئے ۔ بے بال و پر جو عرش پہ پرواز کر گئے
ہم ایسے تشنہ لب جنہیں صدیوں کی پیاس تھی ۔ لاکھوں فرات پاس سے ہو کر گزر گئے

سروش صاحب خوب خوب داد لوٹ کے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور منظور صاحب یاد فرما رہے ہیں رام کرشن مضطر کو۔ مضطر صاحب یوں گرج اور برس رہے ہیں سے

دنیا کے ہر انسان کا ایماں ہے محبت ۔ سب کے لئے اک شمع فروزاں ہے محبت
ایثار کے ہر باب کا عنواں ہے محبت ۔ دیباچۂ تاریخ شہیداں ہے محبت
ہر بیکس و مظلوم کو سینے سے لگا لو ۔ ہر بیکس و مظلوم کا ارماں ہے محبت

مضطر صاحب محفل کو گرما کے جا رہے ہیں اور منظور صاحب دعوت دے رہے ہیں آبروئے غزل بیگم ممتاز مرزا کو۔ ممتاز صاحبہ محفل کا جائزہ لے کر غزل سرا ہیں سے

کہنے کو سبھی شہر میں ہمراز کہے ہیں ۔ کچھ لوگ مجھے درد کی آواز کہے ہیں
بے روک فضاؤں میں جو گھر تے ہیں اٹھائیں ۔ کیا جانیں کیسے حسرت پرواز کہے ہیں
شامل ہے مرا خون جگر مری نوا میں ۔ کیوں لوگ اسے نطق کا اعجاز کہے ہیں
غالب کا وطن بھی تھا ہمارا بھی وطن ہے ۔ وہ شہر جسے ہند کا شیراز کہے ہیں

ممتاز صاحبہ محفل کا جھولا کر داد وصول کئے جا رہی ہیں اور منظور صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں جگن ناتھ آزاد صاحب سے۔ آزاد صاحب بھی آج ایک پرانی غزل یوں دلکشی سے سنا رہے ہیں سے

یہ مانا حسن قرب دوست کا عالم نہیں ہوتا
مگر آزاد فرقت کا مزا بھی کم نہیں ہوتا
مرے دل کو بھی تیرا سہارا مل ہی جائے گا
اگر اتنا سہارا ہو تو یہ بھی کم نہیں ہوتا
محبت کس کو کہتے ہیں خود اپنا ایک عالم ہے
جو خود عالم ہو اس کا پھر کوئی عالم نہیں ہوتا
مرا آنسو ہے یہ دامن کہیں تیرا نہ جل جائے
کہ ہر آنسو محبت قطرۂ شبنم نہیں ہوتا

آزاد صاحب داد پا کر تالیوں کی جھنکار میں آ رہے ہیں میں سوچ رہا ہوں کل اس مشاعرہ کو T.V. پر بھی دیکھا جائے اور ریڈیو سے بھی سنیں گے تو سر پیٹ کر نہ رہ جائیں گے کہ جمودی اور سچ کا مشاعرہ ہے یہ اور یہ

فقیہ شہر نہ واعظ ہیں اسے کرتی آپ

آپ تو اس مشاعرہ کو اردو دوستوں کی خدمت میں یوں پیش کر دیجئے اب آپ ایک انداز۔ ایک لہجہ ایک منفرد سماعت فرمائیے محترم پرنس میر نقی علی خاں ثاقب حیدرآباد سے۔ یہ پہلی غزل ہے جسے اس مشاعرہ کی نمائندہ غزل میں مجھے کوئی باک نہیں ہے ہاں تو اس حسین اور شگفتہ کو سنئے اور سر دھنئے اور مجھے بھی داد دیجئے کہ میں نے قدم نکالا تو بارش نے دلی تک پہنچا کیا آپ کی محبت نے یہ سفر اختیار کرنے پر مجبور کیا ملاحظہ فرمائیے سے

جسے تبسم صبح بہار کہتے ہیں ۔ مرے خیال میں وہ نام بھی نہیں
یہ بات بھی ہے کہ ہم بھول بھی نہ سکے ۔ یہ بات بھی ہے کہ سالا چمن

داد کے سنجیدہ شور میں عطا فرما رہے ہیں سے

دیکھا ہے اسے اور نہ ملاقات ہی کی ہے
برسوں سے مگر پھر بھی شناسائی رہی

داد کا عالم نہ پوچھئے اور آپ اسی چونکا دینے والے انداز سے کر رہے ہیں سے

کس دل سے کریں خواہش [illegible]
تم بھی ہو [illegible] گردش دوراں [illegible]
اک چیخ کسی گنبد بے در سے نکل کر
تم گشتہ زبانوں کی خموشی [illegible]
کہ تم کو [illegible] ڈھونڈے
[illegible]

اک پھول کی سو کمی ہوئی ٹہنی پہ لکھا تھا
اس کلی پہ بہت تہمتِ خندہ گلی ہے

پھر اد نعرۂ عروج سے سوا ہے اور محترم ثاقب صاحب تالیوں کی جھنکار میں شاداں و فرحاں تشریف لا رہے ہیں اور ادھر منظور صاحب علامہ انور صابری سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں علامہ انور صاحب بھی آج یوں پرانا کلام سنا کر گلو خلاصی کر رہے ہیں ؎

پرکھا ہے نہ محبت کے آبگینوں کو ٭ ملی جو فرصت تنقیدِ غم کمینوں کو
زبان سے جو کہیں ان میں رہا نہیں [illegible] ٭ حجاب کے دیکھو تو لوا پی آستینوں کو

آہ اور واہ کا ایک نعرہ بلند ہوا ہے غالباً آج علامہ موڈ میں نہیں ہیں بڑی بیدلی سے سنا رہے ہیں شاید آپ کی زبان سمجھنے والا طبقہ بھی کم ہو ہاں تو ارشاد ہوا ہے ؎

شاید ہمارا ضبط نظر جان گئے ہیں ٭ کیوں عرضِ تمنا پہ برا مان گئے ہیں
سنتی سنی محبت انھیں ناز ہیں لیکن ٭ مجھ کو مری آواز سے پہچان گئے ہیں

علامہ گلو خلاصی کر کے چلتے بنے تعجب ہے کہ آج علامہ نے نیا کلام نہیں سنایا اب کس شاعر سے امید کی جائے کہ وہ اس مبارک جشن کے متعلق کچھ سنائے گا لیجئے ملک کے مشہور وطن دوست شاعر علی سردار جعفری ایک طویل نظم سنا کر جا رہے ہیں اور منظور صاحب دعوتِ سخن دے رہے ہیں صغیر احمد صوفی کو صوفی صاحب بھی رواں دواں سنا کر چلتے بنے اور میں دیکھتا رہ گیا وہ دیکھئے تالیوں کی جھنکار میں بہار برنی رکن ادارہ الجمعیۃ اکرم عنایت کر رہے ہیں ؎

فاصلوں نے گھیر رکھا ہے ہر قدم پہ راہوں میں ٭ آ نہیں سکتا ہے زندگی کی باہوں میں
ہر خوشی نظر آئی داوعم کی اک منزل ٭ ہر نفس مقید ہے منت کی [illegible]

بہار صاحب خوب خوب داد لوٹ کے اپنی جگہ پلٹ رہے ہیں۔ لیجئے پنڈال میں ایک طرزبازی اور بدنظمی کا عالم ہے یہ ایسا کیوں ہوا ــــ ؟ یہ کر مرزا نے فتنہ دار دو جناب گلزار زتشی دہلوی کی۔ جونہی آپ مائک پر آئے تو .T.V.D والے بھی حرکت میں آ گئے ہیں اور یار لوگ تفریح کے موڈ میں نظر آ رہے ہیں گلزار صاحب یوں گرج اور برس رہے ہیں ؎

فضا میں چھوڑ کے معنی اک ستارہ ٭ غرور لوٹ دیا سامراج کا سارا
دہائی کمرے میں دھک دیا جوہر کا ٭ نقیب خاندانِ فرد اسعد گوہر کا
دلوں نے خوش جگافت کر دیا گیا ٭ نعرے و گاک نام لے کے جہاں جلے

عجیب شان سے آیا ہے پرچم آزادی ٭ ادا ہو جشنِ تشکر سے جرمِ آزادی
نئی ادا سے نیا انقلاب آیا ہے ٭ یہ ایک اک میں کیا شباب آیا ہے
جہاں میں ہند کی گنگا ان زندہ باد ٭ مرا وطن مرا ہندوستان زندہ باد

گلزار صاحب جس شدت سے محفل کو گرماتے رہے اسی شدت سے داد و تحسین پاتے رہے محفل میں بیداری پیدا کر کے بے ہنگم تالیوں کے شور میں پلٹ رہے ہیں منظور صاحب فرما رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ سننے کے لئے آئے ہیں ـــ ارے سبحان اللہ۔ اس برفیلی رات میں صرف آپ کی زیارت کرنے کے لئے آئے ہیں اگر اس کڑاکے کی سردی میں لوگ سننے آئے ہیں نہ کہ بور ہونے۔ لیکن کوئی سنانے والا تو ہو حضور والا ع

لوگ بیتاب ہیں گالی ہی سنا دے کوئی

یہ تو گلزار صاحب کے ساتھ تفریح تھی یا محلہ کے لڑکوں کی داد۔ آپ غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ اور پھر دعوتِ طنز و مزاح دے رہے ہیں ہلال رضوی رامپوری کو ہلال صاحب نیا بنجارہ نامہ پیش کر کے محفل کو قہقہہ زار بنانے چلے ہیں سماعت فرمائیے ؎

اب وقت نے لی ہے انگڑائی طوفان نے بدلا ہے دھارا
جو کام ہیں ہوس پر ور لیڈر ہو جائیں وہ اب تو در کیارہ
ہوگا نہ الکشن سے بھی کچھ دیگا نہ الکشن بھی یارا
ووٹنگ میں گڑ بڑ ہوئے گی نیتا جی جنتا یہ کہے گی وہ مارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

اب موٹے موٹے پیٹوں میں اپنی نہ کمائی جائے گی
اب خون سے اہلِ محنت کے وسکی نہ بنائی جائے گی
اب دھن والوں کی رگ رگ کو گرمی نہ پلائی جائے گی
اے اہلِ دولت غربت کا بجنے ہی کو ہے بس نقارہ
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

ہلال صاحب محفل کو قہقہہ زار بنا کر جا رہے ہیں ادھر جناب رسن جی بھی ۱۲ بجے تشریف لے جا رہے ہیں اب یہ مشاعرہ بے صدارت جاری ہے منظور صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں مشیر جھنجھانوی سے۔ مشیر صاحب کا تالیوں سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور آپ ایک تازہ شاہکار غزل عنایت کر رہے ہیں سنئے ؎

عشق میں کرگسوں کبھی ہوتے ہیں ٭ فخر دار و رسن بھی ہوتے ہیں

...خود بخود بستیں کشتی ✤ زندگی کے چلن سبھی ہوتے ہیں
...مسافر کا اعتبار نہ کر ✤ اجنبی راہزن سبھی ہوتے ہیں
...توں میں گزارنے والے ✤ آپ ہی انجمن سبھی ہوتے ہیں
...ہے کچھ حسین یادیں ✤ وجہ رنج و محن سبھی ہوتے ہیں
...دلیل مسرت فزا ✤ نوحہ خواں نغمہ زن سبھی ہوتے ہیں
...نا وارث نہیں ادب کیتیر ✤ کچھ تو اہل دکن سبھی ہوتے ہیں

...مشیر صاحب کے شایان شان ہر شعر پر وہ داد دی گئی کہ گلوکار ...خود صرف ... آپ تالیوں کے شور میں شادماں پلٹ رہے ہیں ...منظور صاحب دعوت دے رہے ہیں محترمہ ذکیہ سلطانہ نیر صاحبہ کو۔ ...نیر صاحبہ دلکش ترنم سے غزل سرا ہیں۔ سنئیے ؎

...ن میں شاخ شاخ چراغاں ہے آج کل
ہر پھول ایک شمع فروزاں ہے آج کل

داد مطلع ہی سے شباب پر ہے۔ اور محترمہ مغز ماری ہیں ؎

...اہتمام جشن غریباں ہے آج کل ✤ ہر ذرہ آفتاب درخشاں ہے آج کل
...کھیتوں پہ ابر کا سایہ نہ تھا کبھی ✤ ان کھیتیوں پہ ابر خراماں ہے آج کل
...تھے جس سے کوئے غریباں میں لاکھوں ✤ وہ گم شدہ چراغ فروزاں ہے آج کل
...کسی سے رک نہ سکے گا یہ کارواں ✤ ہر لحظہ انقلاب درخشاں ہے آج کل

محترمہ نیر صاحبہ خوب خوب محفل کو گرما کر شاداں پلٹ رہی ہیں منظور صاحب ...رہے ہیں کیا مرصع غزل ہے — میں نے اس داد پر سرپیٹ لیا منظور صاحب کو غزل اور نظم کا فرق بھی معلوم نہیں یہ حالات حاضرہ پہ ...ہے صرف نہ کہ غزل۔ اور منظور صاحب کا ارشاد ہوا ہے ...زم جوان ہے اس پر یار لوگ مسکرا رہے ہیں اور پھر جواں سال ...وان فکر شاعر محمود سعیدی کو زحمت سخن دے رہے ہیں محمود صاحب ...بھی آج خلاف توقع بھاری غزل سنانے آئے پھر سن لیجئے گا ؎
...گزرتے ہوئے جھونکے نے کہا ہے مجھ سے

تم جو ناراض ہو تو موسم بھی خفا ہے مجھ سے

...جو دیوار آکے پلٹ جاتی ہے
سر گراں کیوں ہے ستاروں کی صدا مجھ سے

...گر رہ جاؤں کہ اس موڑ کا پتھر بن جاؤں
وہ پھر آنے کے لئے کہہ تو گیا ہے مجھ سے

... [illegible]

...جیسے ... ہر پیار کا ... آپ ...

بے تعلق سی مرے گھر کی فضا ہے مجھ سے

محمود صاحب داد لوٹ کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور اب منظور صاحب ساحر ہوشیارپوری سے درخواست کلام کر رہے ہیں ساحر صاحب نے ایک طویل نظم پیش کی جسے میں نے سننے پر ہی اکتفا کیا آپ داد وصول کئے کھسک رہے ہیں اور ادھر منظور صاحب پھر شکار کی ... کی سمت کے مصداق شہر یار غزل حکیم منظور صاحب کشمیری سے ... کلام عطا کرنے کی مؤدبانہ گزارش کر رہے ہیں منظور صاحب لال قلعہ اور دہلی کے لئے نئے ہیں لیکن لال قلعہ نے منظور صاحب کو پہلے یاد کیا ایک منظور ہی کیا نہ جانے کتنے شعر و ادب کے لعل و گہر ملک میں پڑے ہیں مگر ان کی قدر و قیمت ادب کی لال قلعہ کی نظروں سے اوجھل ہے منظور صاحب ہر چند کہ کشمیری ہیں لیکن لب لہجہ نہایت شستہ اور اجلا ہے آپ نے اس سہانے اور منفرد غزل کو چپ چاپ سن لیجئے گا ؎

چھوڑ کر مجھ کو کہیں پھر اس نے کچھ سوچا نہ ہو
میں ذرا دیکھ لوں وہ اگلے موڑ پر ٹھہرا نہ ہو

داد کا سالا تو ریکارڈ مطلع ہی سے ٹوٹا ہے آنکھیں کھلی کی کھلی ہیں دیکھ رہا ہے یہ کیسا بھونچال آ گیا۔ کئی بار دہرا کر اسی متانت اور پروقار انداز سے فرما رہے ہیں ؎

میں بھی اک پتھر لئے تھا بزدلوں کی بھیڑ میں
اور اب یہ ڈر ہے مجھ کو اس نے پہچانا نہ ہو

ہم کسی بہروپئے کو جان لیں مشکل نہیں
اس کو کیا پہچانئے جس کا کوئی چہرا نہ ہو

پھر داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ عطا کر رہے ہیں ؎

اس کو الفاظ و معانی کا تصادم کھا گیا
اب تو یوں چپ ہے کہ جیسے کچھ کہا نہ ہو

پھر داد نقطۂ عروج سے سوا ہے الیاس ... کر رہا ہے کہ اگر کلام میں جان ہو تو گلو کا ... کبھی جناب ... اور باذوق کلام کو پسند کرتے ہیں قوالی کی طرح کبھی سننے کو ... ہیں ارشاد ہوا ہے ؎

یہ بھی ہو سکتا ہے گر جاؤں میں خواہش کی طرح
... [illegible]

پھر داد پر سی ہنگامہ کا گمان ہو رہا ہے اور آپ نشاداں مشں کو چھکا کر اور جان ثمال کو کرا اپنی جگہ آرہے ہیں ادھر منظور صاحب ملک کے مشہور و طن دوست شاعر ساغر نظامی صاحب کو زحمت سخن دے رہے ہیں قبلہ ساغر نے کچھ ایسے پکے ترنم نہ سہی تحت سے غزل پڑھی کہ باوجود کوشش کے قیمِ ضبطِ تحریر میں نہ لا سکا۔ صرف ایک شعر مشکل تمام نوٹ کر پایا اسے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایک اچھے اور سنجیدہ کلام سے محروم رہے ارے آپ تو اپنی محرومی پر رو دیئے رونا بند کر دیجئے اور ذرا سنئے ؎

دریکتا لاطم کا احسان نہیں لیں گے ؛؛ موج کے سمندر میں گم ہل جائیں گے ہم تنہا

قبلہ ساغر صاحب داد میں غرقاب مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور منظور صاحب دعوتِ غزل دے رہے ہیں خمار بارہ بنکوی کو خمار صاحب عالمِ سرور میں مائک پر آ گئے ہیں اور سامنے سے ایک آواز بلند ہوئی خمار صاحب السلام علیکم ــ وعلیکم السلام خمار صاحب نے جواب دیا کیا اسی ہنسی مذاق میں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

گزرا شباب دل کو لگا نے کے دن گئے ؛؛ جشنِ نیاز و ناز منانے کے دن گئے

خود حسن نے پاؤں میں زنجیر ڈال دی ؛؛ کوچے بتاں میں ٹھوکریں کھانے کے دن گئے

وہ دیکھئے پنڈال میں ایک بھونچال سا آیا ہے اور آپ اسی سحر سازی سے محفل کو چونکا رہے ہیں سنئے ؎

نظروں کو تاک جھانک کی عادت نہیں رہی ؛؛ بے اختیار جلوے دکھانے کے دن گئے

پھر لوگ جان من چلے تالیوں پر اتر آئے ہیں اور آپ اسی جانِ لیوا ترنم سے لہرا رہے ہیں ؎

دل کے معاملات پہ بیٹھیں ہوئے تمام ؛؛ ناصح کو ہمخیال بنانے کے دن گئے

داد دینے والے زیادہ اچھل کود کر رہے ہیں اور اسی عالمِ کیف و سرور میں بارانِ رحمت کا نزول ہو رہا ہے مشاعرہ ذرا اجڑا ہے اور خمار صاحب نے پا بہ زنجیر کر کے رکھ دیا ارشاد ہوا ہے ؎

فرصت ملی بفضلِ خدا احتیاط سے ؛؛ روئے بغیر اشک بہانے کے دن گئے

اقتباسِ راہِ عشق کا خطرہ نہیں رہا ؛؛ دھوکے میں راز دوستی کا آنکھ لگا ہو گئے

لیجئے داد دینے والے پھر تالیوں پر اتر آئے ہیں من چلوں نے آپ کو ہار پہنایا ہے جس پر پھر تالیوں کا ہنگامہ شباب پر ہے اور آپ پنڈال کو گرما رہے ہیں ؎

اچھا ہوا کہ سر سے بلا ٹل گئی خمار ؛؛ کمبخت دل کے ناز اٹھانے کے دن گئے

خمار صاحب ۔۔۔ کی تالیاں ۔۔۔ جب کہ خود پیچھا ہے خراماں خراماں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی اس نام نہاد قومی اور جمہوری مشاعرہ کا پہلا دور جو تقریباً ۱۲ بجے ختم ہو رہا ہے اور دوسرا دور بارش کی وجہ سے خدا کو پیارا ہو گیا یہ بھی اچھا ہی ہوا ورنہ اور کچھ دیر بور ہونا پڑتا۔!

میری اس صاف گوئی اور حقیقت بیانی سے نہ جانے کتنی پیشانیوں پر بل پڑیں گے اور کتنے بزعم خود منتظمین مشاعرہ برہم ہوں گے لیکن ہم اردو کے نام پر کوئی سودا بازی نہیں کریں گے اور اردو کے نام پر کوئی بھیک بھی نہیں مانگیں گے اگر سال میں ایک بار جشنِ جمہوریت کا مشاعرہ ہوتا ہے تو ہم پر کوئی احسان نہیں کیا جاتا یہ تو اردو کا حق ہے کہ اردو کا بھی مشاعرہ ہونا چاہئے اور عوام کو اس کے بارے میں تفصیلات کا علم ہونا از حد ضروری ہے کم از کم عوام کو یہ تو معلوم ہو جائے کہ غریب اردو کے نام پر کیا خرچ ہوا ــ کس طرح خرچ ہوا امید ہے کہ مشاعرہ کمیٹی اپنی سالانہ رپورٹ میں تمام تفصیلات سے آگاہی دے گی یہ کوئی بری بات نہیں ہے اور حساب فہمی اچھی بات ہے اور ایسا پوچھنا ہر جمہوری کا حق ہے لہٰذا اخبارات کے ذریعہ عوام کو اس مشاعرہ کے جملہ اخراجات کی تفصیل بتلا دی جائے جس مشاعرہ کو ملک کا نمائندہ مشاعرہ کا نام دیا جاتا ہے کیا عوام کو یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ جان سکیں یہ محاسبہ جائز بھی ہے اور عوامی دور میں ایسے سوالات کرنے کا ہر کسی کو حق بھی پہنچتا ہے برا منانے یا گالیاں دینے سے بہتر عوام کی تشفی ضروری ہے اس تضیع اوقات کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ خدا حافظ میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

سروری ریاض
علی کو — مئوناتھ بھنجن (یو۔پی)

اندھیرا

گھر میں بڑی چہل پہل تھی۔ سبھی لوگ بے حد مصروف تھے۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کی آمد آمد تھی۔ نزہت اپنے کمرے میں بیٹھی اپنے مستقبل کے سنہرے خوابوں میں گم تصورات اور خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ سہیلیوں نے آکر اُسے گھیر لیا۔ اُس کے خیالات اور تصورات کے موتیوں کی لڑی ٹوٹ کر بکھر گئی —— "کہو بیگم صاحبہ! ابھی سے دولہا بھائی کی یاد ستانے لگی؟" شائستہ نے اُسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ ساری سہیلیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

نزہت جو پہلے ہی سے سمٹی شرمائی بیٹھی تھی شرم سے دوہری ہوگئی۔ سہیلیاں چلی گئیں تو وہ پھر اپنے خوش آئند مستقبل کے حسین خوابوں میں کھو گئی۔ شام ہوتے ہی گھر میں ہنگامہ شروع ہو جاتا ڈھولک کی تھاپ پر لڑکیاں شادی کے گیت گانے لگتیں۔

نزہت اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اس لئے وہ اس کی شادی پر اپنے سارے ارمان پورے کر لینا چاہتے تھے۔ لیکن انسان جو چاہتا ہے وہ کہاں ہوتا ہے دنیا میں ہر آدمی کو من چاہی چیزیں نہیں مل پاتیں۔ انھیں ایک فکر تھی جو دیمک کی طرح دن رات چاٹ چاٹ کر اندر سے کھوکھلا کئے جا رہی تھی۔ اُن کے چہرے پر تیزی سے بڑھتی ہوئی جھریوں نے انھیں وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔ اور ایک دن نزہت کو جب معلوم ہوا کہ اُس کے والدین کی فکر اور پریشانیوں کی وجہ اس کا جوان وجود ہے تو وہ کراہ اٹھی اسے محسوس ہوا جیسے وہ اپنے والدین پر بہت بڑا بوجھ ہے ——

اُس دن رات کے بارہ بج چکے تھے ساری سہیلیاں اپنے اپنے گھر جا چکی تھیں گھر کے سارے افراد سو رہے تھے۔ لیکن نزہت کی آنکھوں میں نیند کا سایہ بھی نہ تھا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے کمرے سے باہر آگئی ہال کے کمرے کی بتی جلتی ہوئی دیکھ کر اُسے خیال آیا شاید ابا ابھی جاگ رہے ہیں اور اُس کے قدم ان کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے پل وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کے ابو گلوگیر آواز میں کہہ رہے تھے —— "وہ لوگ نزہت کے رشتہ کے لئے ہزار نقد جہیز مانگتے ہیں! تم ہی بتاؤ میں کہاں سے اتنے روپے کا بندوبست کروں اور اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے کروں۔ سوچا آموں کا باغ فروخت کر دوں گا تو تیس چالیس ہزار مل ہی جائیں گے لیکن مشکل وقت میں بنتا ہوا کام بھی بگڑتا ہے خریدار جانتے ہیں کہ میری اپنی غرض ہے اس لئے اونے پونے دام لگاتے ہیں اتنا بڑا باغ اگر میں بیس ہزار میں بیچ بھی دوں تو باقی کہاں سے لاؤں گا؟" نزہت بت بنی چپ چاپ کھڑی تھی جیسے اسے اپنے وجود کا احساس ہی نہ تھا اس کے سنہرے خوابوں کے شیش محل گرتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی اور ساری رات روتی رہی۔ اپنے والد کے چہرے پر تفکرات کی بھیانک پرچھائیاں اُسے رفتہ رفتہ اس رشتہ سے انکار کر دینے پر اکساتی رہیں تو کبھی اپنی ماں کی پریشانی اور ان کے چہرے پر بڑھتی ہوئی جھریوں کو دیکھ کر اُسے احساس ہوتا کہ ان کی ذمہ دار وہ خود ہے۔ اُس نے کئی بار سوچا اس رشتے سے انکار کر دے گی اور ایسی خوشی جو والدین کی مسرتوں اور خوشیوں کو کچل کر مل رہی ہو باپ اور دادا کی جائداد بیچ کر مل رہی ہو ایسی خوشی وہ کبھی نہ قبول کرے گی چاہے اُسے اپنی جان کیوں نہ دینی پڑے۔ وہ اپنے والدین کے لئے بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ جب بھی اُس کے ابو اُس کے سامنے ہوتے اُس کے دل میں ایک طوفان برپا ہو جاتا۔ اُس کا جی چاہتا وہ چیخ کر کہہ دے —— ابو! ایسے ظالم لوگوں سے میرا رشتہ کرنے سے انکار کر دیجئے! لیکن ہر بار الفاظ حلق میں آ کر

تے۔ لیکن آج اس نے اپنی ساری ہمت کو یکجا کر کے
پ کے سامنے شادی سے انکار کر دیا ــــــــ مگر کہاں
ـــــــ وہ اپنے ابو کی گنہگار و ارشن کردہ کانپ گئی اور
بلک بلک کر رونے لگی اپنے آنسوؤں کو دوپٹے میں خشک
تے ہوئے بولی۔

"اس سوال کا جواب دینا بہت ضروری ہے ابو! وہ جہاں
بہت مال ہو"! اس نے ابو سے اور تیز آواز میں کہا ـــــ
میں صرف اتنا ہی کہوں گی کہ میری شادی کرنی ہی ہے تو
یسی جگہ کیجئے جہاں جہیز کا نام اپنا چمن سجانے کا نہ ہو۔
مجھے ڈاکٹر نہیں چاہیئے، انجینئر نہیں چاہیئے مجھے صرف
ایک گھر چاہیئے جہاں میری عزت ہو آپ کا احترام ہو۔
ایسے خاندان میں بیاہ نہیں کر سکتی جس کے لئے آپ کو
اپ دادا کی جائداد بھی بیچنی پڑے۔ میں ایسے گھرانے میں دلہن
بن کر جانا نہیں چاہتی جس کے لئے اپنے خاندان کی عزت
ناموس کا سودا کرنا پڑے۔

"ابو جان! یہ میرا آخری اور اٹل فیصلہ ہے! اگر پھر بھی آپ
بزرگوں نے مجبور کیا تو مجھے زندہ نہ پائیں گے!"

نزہت کے اس فیصلہ پر سارا محلہ چونک پڑا۔ عزیز و اقارب
حیرت میں ڈوب گئے۔ کسی کی آنکھیں تھیں جن میں آنسو تھے
لیکن نزہت کے ابو کی آنکھوں میں خوشی اور مسرت کے
آنسو جھلملا رہے تھے جیسے نزہت نے ان کے سر سے بہت
بڑا بوجھ ہٹا دیا ہو۔ اُن کے دل کا درد ہلکا کر دیا ہو۔
ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ انھوں نے آگے بڑھ
کر فرطِ جذبات سے نزہت کو سینے سے لگا لیا اور کہا۔
بیٹی مجھے تم پر فخر ہے، ناز ہے! کاش ہر لڑکی تمھارے
جیسی ہو جائے۔ ہر نرگس، ہر ناہید اور ہر نصرت نزہت
بن جائے تو یہ تمام رسم و رواج، یہ لعنت جو پورے معاشرے
پوری قوم کو ایک بھیانک غار کی طرف لئے جا رہی ہے اس
سے نجات مل جائے۔

نزہت کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی جیسے
جس نے بہت بڑی جنگ جیت لی ہو اپنے اور اپنے والدین
کے سروں پر منڈلاتے ہوئے پریشانیوں کے خوفناک طوفان
کو مار گرایا ہو۔

نزہت کے ابو کو ایسا محسوس ہونے لگا۔ ان کے
سامنے چھایا ہوا پریشانی کا اندھیرا دور ہو گیا ہو۔

بہارِ آزادی

اسماعیل ذبیح

افق پہ چھا گیا ابرِ بہارِ آزادی
نظر کے سامنے ہے لالہ زارِ آزادی
برس رہی ہے مئے خوشگوارِ آزادی
اٹھائے جام نہ کیوں میگسارِ آزادی
قرارِ جاں ہے دلِ بے قرارِ آزادی
مسرتوں کی ہے پروردگارِ آزادی
عظیم ہند کا جشنِ عظیم ہے امروز
کہ بام و در سے عیاں ہے وقارِ آزادی
برنگِ خندۂ فصلِ بہار ہے تم کو
تبسمِ چمنِ روزگارِ آزادی
تمہاری خوبیٔ قسمت کا ہے میسر آج
طراوتِ گہرِ آبدارِ آزادی
اگر یہ سچ ہے کہ ہم بھی چمن میں ہیں آزاد
تو پھر بتا ہمیں اے تاجدارِ آزادی
کہ مثلِ شمع ہمیں اشکبار کیوں ہیں یہاں
ہمیں سے کیوں ہے خفا حسنِ لالہ زارِ آزادی
ہمارے درد میں کیوں قید میں برنگِ ذبیح
نہیں ہے کیوں ہمیں حاصل بہارِ آزادی

گھر کا سکندر

مقرب حسین مقرب

اک روز ایک دوست سے ملنے چلا گیا
کمرے میں تھے پلنگ پہ برتن پڑے ہوئے
تکیے پہ سر کا تیل ہوا کالا پھیل کے
فرش پہ دھول اتنی جمی تھی کہ الاماں
جوتے پھٹے پرانے تھے ٹیبل کے آس پاس
کرسی کی ٹانگ سے تھا بندھا اک ازاربند
دیوار پر نشان کہ تھوکا کسی نے پان
ہر چیز تھی نمونۂ عبرت بنی ہوئی
فضلِ خدا سے بچے بھی کافی بڑے ہوئے
مکڑی کے جالے چھت پہ نظر آتے تھے نفیس
ویرانی مکان کی تھی پورے شباب پر
بیٹھا تھا میں تصورِ وحشت کیے ہوئے
کہنے لگا کہ بیٹا ذرا دیکھ بھال کے
اب کیا کہوں کہ بچے ہیں گھر کے بڑے پلید
کمرے میں آئے کھیلتے بچے جو تین چار
میں نے کہا کہ کتنے ہیں بولے کہ صرف سات
ہاں! دوست میری بیوی کو سمجھا ہے تم نے کیا
کہنے لگے طفیل ہے یہ خاکسار کا
ہوں اپنے خاندان کا سکندرِ عظیم تر
میں نے کہا سکندرِ اعظم کا دعویٰ سن
چہرے ہیں تیری فوج کے پیلے پڑے ہوئے
ہیں تیری فوج کے بھی مقدر بڑے عجیب
تیرے اک اک سپاہی کا [illegible] پھٹا ہوا
یہ بات ہے پتے کی ذرا کان کھول کے
بچے اگر زیادہ ہیں تو اس میں ہیں [illegible]

دیکھا یہ حال میں [illegible] ماجرا
کونے میں چند کیلوں کے چھلکے پڑے ہوئے
چادر پہ بھی پڑے تھے وہیں داغ میل کے
بکھری پڑی تھی کمرے میں ہر شے یہاں وہاں
اوندھے پڑے ہوئے تھے وہیں ایک دو گلاس
لگتا تھا جیسے بیوی ملی ہے سلیقہ مند
کرسی کے نیچے الٹا پڑا تھا اگالدان
دیوار پر تھی ساٹھ کی گنتی لکھی ہوئی
یعنی کوئلے سے تھے پہاڑے لکھے ہوئے
یہ ایسے سین تھے کہ نہ تھی جن کی کوئی فیس
پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا کتاب پر
اتنے میں دوست آ گیا بس چائے لیے ہوئے
اچھا ہے آپ کپ کو پکڑ لیں سنبھال کے
ساری پیالیوں کے بھی گندے [illegible] شدید
کہنے لگے کہ باپ ہے ان سب کا خاکسار
اس پہ بھی یار [illegible] کہاں سے بات
بیوی ہے یا سپاہی ہے دشمن کی فوج کا
[illegible]
ہر سال گھر میں [illegible] کلینڈر
کس کام کی وہ فوج [illegible]!
یہ کیسی فوج جس کے ہیں [illegible] ہوئے
[illegible]
[illegible] اک سپاہی ہے جو [illegible] ہوا
کس کام کی وہ فوج [illegible]
[illegible] اک ذکر آن

٭ [illegible] ٭

سب کو یہی ہے فکر ہم ایسے جتن کریں — دنیا کی اتنی تیز نہ آبادیاں بڑھیں
یہ سوچ اتنے بچوں کو کیسے پڑھائے گا — اُنمیں سے ایک بھی نہ تیرے کام آئے گا
بچے جو ہوں گے کم تو بڑھاؤ گے شان سے — دیکھو گے تم عزیز اُنھیں اپنی جان سے
یہ سن کے میرے دوست کی گردن لٹک گئی — کہتے بنا نہ اُس سے زباں ہی اٹک گئی
تقریر میری سن کے وہ کچھ ہو گیا اُداس — میں نے کہا چلا بھی جا اب ڈاکٹر کے پاس
اب ڈاکٹر ہی راستہ تجھ کو دکھائیں گے — تجھ کو قریشی(۱) آج ٹھکانے لگائیں گے
سوئے ہوئے کو میں نے مُقرّب جگا دیا — بھولے ہوئے کو راستہ میں نے دکھا دیا

(۱) قریشی فیملی پلاننگ کے ڈاکٹر میرے دوست

سروش یزدانی

جنگ

جنگ روئے گل پہ کانٹے کی خراش — جنگ دستِ دہر میں خوں گشتہ لاش
جنگ شعلے آہیں ہو جیسے اضطراب — جنگ کشت و خون و قتل و پیچ و تاب
جنگ شمشیر و سناں توپ و تفنگ — جنگ ہی دار و رسن تیر و خدنگ
جنگ قلتِ ساز و وجہِ انتشار — جنگ طوفان و وبا گرد و غبار
جنگ ظلم و جور و جبرِ بے حساب — جنگ سازِ قہر بیداد و عتاب
جنگ موجبِ ہر شکست و ریخت کی — جنگ پسپائی سکوں سوزی ہزار افرنگی
جنگ اربابِ سیاست کا خروش — جنگ خون آشام قاتل اے سروش
جنگ نکہت کے جزیروں پر سموم — جنگ ہائے جہل پہ فرقِ علوم
جنگ دُنیا میں چراغِ دود خیز — جنگ گل سے خار سرگرمِ ستیز

جنگ چوراہوں پہ لاشوں کا ہجوم
جنگ ناچیزوں کے زیرِ پا نجوم

وقت آیا

ڈاکٹر خنجر خیر نگری گورودائی

محبت باہمی سب کو بڑھا دینے کا وقت آیا
یہ تفریقیں مذاہب کی مٹا دینے کا وقت آیا
مصیبت پر مصیبت جھیلنا حق پر اڑے رہنا
وطن پر جان دے دینا حقیقی زندگانی ہے
حقیقت میں مزا اب آئے گا آزاد ہونے کا
فراست وقت پر بھارت کے کام آئی ہے اندرا کی
ادا اپنے فرائض سب کرو ایمانداری سے
سبھی کی زندگی یکساں بنا دینے کا موقع ہے
ترقی کی جو تدبیریں ہیں آج ہیں ذہنِ اندرا کی
ملے گی روشنی اب شمعِ گاندھی کی ضیاؤں سے

پرانی رنجشیں دل سے مٹا دینے کا وقت آیا
زمانے بھر کو اب انساں بنا دینے کا وقت آیا
یہ فطرت ہندوالوں کی جگا دینے کا وقت آیا
پیامِ عام یہ سب کو سنا دینے کا وقت آیا
سبھی تخریب کاروں کو بتا دینے کا وقت آیا
خوشا بھارت کو اب جنت بنا دینے کا وقت آیا
کہ آزادی کو آزادی بنا دینے کا وقت آیا
امیری کو غریبی پر لٹا دینے کا وقت آیا
عمل ان کو اب کر کے دکھا دینے کا وقت آیا
بآزادی پیامِ اب یہ سنا دینے کا وقت آیا

زمانے کے لہو کی آتشِ تفریق اے خنجر
مئے جوئے محبت سے بجھا دینے کا وقت آیا

قطعات بیس نکاتی پروگرام

از جمیل احمد خاں جمیل بستوی

اندرا گاندھی کے اس دیش میں یہ بیس نکات
بن گئے آکے غریبوں کے لئے وجہِ نجات
دیکھو پھوٹی ہے امیدوں کی گہر بار کرن
ڈھل گئی جیسے تمناؤں کے ساغر میں حیات

جب یہ بیس نکاتی یہاں آئی اسکیم
ہو گئی ہر کس و ناکس میں نمایاں ترمیم
بدلی بدلی سی نظر آتی ہے تقویمِ حیات
نکھری نکھری سی نظر آتی ہے گلشن کی نسیم

زمزمے عیش کے حسرت کی پری گائے گی
جیسے امید غریبوں کی بھی بر آئے گی
دیش پر ہوگا بہاروں کا تسلط گویا
کھل کے ہر غم کی کلی پھول بھی بن جائے گی

اندرا گاندھی نے اس دیش کو طاقت دی ہے
جو تھے بدحال و پریشاں انھیں راحت دی ہے
دے کے اس دیش کے افراد کو یہ بیس نکات
میرے نزدیک جمیل اک بڑی دولت دی ہے

اپنے اسٹیشن کو صاف رکھئے

- اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک طرف کسی شخص کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس کردار کو نکھارتا ہے۔ صاف ستھرا گرد و پیش خوشی اور مسرت بکھیرتا رہتا ہے
- ہم اپنے گھر صاف ستھرے رکھتے ہیں تو پھر ان جگہوں کو صاف شفاف کیوں نہ رکھیں جنھیں ہم سب استعمال کرتے ہیں
- ریلوے پلیٹ فارموں، ویٹنگ روموں، سواری ڈبوں اور در حقیقت ان تمام جگہوں کو جہاں بڑی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں گرد و پیش کو صاف شفاف رکھنا بہت ہی ضروری ہے

ریلوے نے صفائی مہم شروع کی ہے جس کے بہت اچھے نتائج نکلے ہیں۔ اب ریلوے صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم زیادہ صفائی کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

آپ بھی اس سلسلہ میں ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ آپ کے آس پاس کی جگہ بالکل صاف شفاف حالت میں رہے۔ اس طرح اسٹیشن اور ملحقہ مقامات صاف ستھرے رہ سکتے ہیں۔ اور ہاں آپ ریلوے صفائی محکمہ کے کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ صرف آپ کی خدمت کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔

آپ بھی ذرا خیال رکھئے کہ کوڑا کرکٹ آپ کے ہاتھ سے ادھر ادھر نہ بکھرنے پائے بلکہ کوڑا دان میں پھینکا جائے آپ کا یہ معمولی سا کام ہمیں آپ کی بہتر خدمات کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔

ریلوے آپ کی پراپرٹی ہے اسے صاف شفاف رکھئے

ناردرن ریلوے

اندرا دخترِ جواہر لال تو سلامت رہے ہزاروں سال

شریمتی اندرا گاندھی کی اقتصادی پالیسی سے متاثر ہوکر

جگر جالندھری

واقعہ ہے یہ تھوڑے عرصے کا
عالمِ خواب میں جو میں پہنچا

ایک گلشن وہاں نظر آیا
باغِ جنت سے بھی جو بڑھ کر تھا

باغ میں جب اِدھر اُدھر دیکھا
طُرفہ عالم میں اک شجر دیکھا

کئی شاخوں پہ مشتمل تھا شجر
کوئی تھا زیر اور کوئی زبَر

چھوڑ کر صرف ایک شاخ اُس کی
باقی ہر شاخ ایک جیسی تھی

اُس کی وہ شاخ اتنی بھاری تھی
جس نے اُس کی کمر جھکا دی تھی

اُس کی جڑ بھی اُکھڑنے والی تھی
اُس کی دُنیا اُجڑنے والی تھی

خطرے میں تھی سلامتی اُس کی
چند لمحے تھوا زندگی اُس کی

دیکھ کر اُس شجر کی حالتِ زار
غم کا خنجر ہوا جگر کے پار

میں نے سوچا اگر یہ حال رہا
جلد بکھرے گا اس کا شیرازا

میں ابھی سوچ میں تھا ڈوبا ہوا
باغباں اُس چمن کا آپہنچا

اُس نے آتے ہی ایک جھٹکے سے
کی اُس شاخ کے کئے ٹکڑے

جب تنے سے ہوئی وہ شاخ جُدا
وہ شجر اُٹھا لہکے نام خدا

دیکھ کر باغباں کی حکمت کو
دی دُعا میں نے اُس کی محنت کو

اتنے میں اک صدا بلند ہوئی
جس کو سنتے ہی میری آنکھ کھلی

آنکھ کھولی تو میں نے کیا دیکھا
سامنے میرے ایک پرچہ تھا

ایک سرخی مجھے نظر آئی
پرچے میں اس طرح جو شائع تھی

دیش کی اقتصادی پالیسی
کالا دھن اور اندرا گاندھی

اُس میں شائع تھی حکمتِ عملی
جس کی قائل وزیرِ اعظم تھی

جب نظر اُس خبر پہ دوڑائی
داستاں اُس شجر کی یاد آئی

واقعہ آنکھوں میں وہ گھوم گیا
عالمِ خواب میں جو دیکھا تھا

میرے ہونٹوں سے یہ دُعا نکلی
سارے سنسار میں جو گونج اُٹھی

اندرا دخترِ جواہر لال
تو سلامت رہے ہزاروں سال

ضیاء علی خاں اشرفی بدایونی

ضیاء علی خاں ہمارا نام ہے۔ والد ماجد کا اسم گرامی منشی ناظم علی خاں تھا۔ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے اشرفی لکھتا ہوں۔ ۷ رفروری ۱۹۱۳ء کو بمقام بدایوں محلہ نئی سرائے پیدا ہوا۔ یہیں نشوونما پائی اور مستقل طور پر سکونت پذیر ہوں۔ انگریزی تعلیم انٹرمیڈیٹ تک ہے۔ ہندی اور عربی بقدرِ ضرورت جانتا ہوں۔ اُردو اور فارسی کا شوقیہ طالب علم رہا ہوں۔ طالب علمی کے زمانہ سے شعر و ادب سے دلچسپی رکھتا ہوں۔ کتب بینی میرا محبوب مشغلہ ہے اور خدمتِ ادب میرا شعار۔ تاریخ سے مجھے خاص شغف رہا ہے بایں وجہ تاریخی اور تنقیدی مضامین کی کتابیں زیادہ تر میرے مطالعہ میں رہتی ہیں۔ میرا سیاسی نظریہ کوئی نہیں اور نہ میں کبھی کسی سیاسی جماعت سے وابستہ رہا ہوں البتہ گاندھی جی کے اصولوں کی قدر کرتا ہوں اور اُن کو ایک عظیم قومی رہنما مانتا ہوں۔ اُن کی تعلیمات نے مجھے کھدر پوشی کی ترغیب دی اور میرے اندر حُب الوطنی کا جذبہ پیدا کیا۔ نام و نمود کی خواہش میں نے ہمیشہ حقیر سمجھی ہے۔ شہرت پسندی پر عزلت نشینی کو ترجیح دیتا ہوں۔ توکل بخدا اور راضی برضا رہنا میرا مسلک ہے۔ مرنجاں و مرنج کے اصول پر کاربند ہوں۔ مذہب کے بارے میں بلا قیل و قال یہ کہنے کو تیار ہوں کہ ہر اہلِ علم انسان دوستی اور انسانی ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے اور یہی بنیادی اصول ہے دنیا کے تمام مذاہب کا۔ کسی زمانہ میں شعر بھی کہتا تھا اور جناب آبر احسنی سے مشورۂ سخن کرتا تھا مگر طبیعت فطرتاً شعر گوئی کے منافی تھی اس لئے چار سال تک بالمواجہ اور اس کے بعد بذریعہ مراسلات اصلاح لینے کے باوجود شاعری کا ٹٹو نہ چل سکا۔ رفتارِ ترقی سست رہی۔ تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل۔ بالآخر شعر و شاعری کو خیرباد کہہ کر افسانہ نویسی کی طرف قدم بڑھایا۔ حالانکہ یہ راستہ بہت دشوار گزار ہے اور شاعری کی راہ سے زیادہ پُرخطر ہے مگر اس صنفِ ادب میں مجھے خاص کامیابی حاصل ہوئی جس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب میرا افسانوی مجموعہ کلیاں اور کانٹے منظرِ عام پر آیا اور ملک کے معتبر دانشوروں نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ میری دوسری کتاب "مردانِ خدا"[1] اتر پردیش اُردو اکاڈمی لکھنؤ کے مالی اشتراک سے شائع ہو رہی ہے جس میں بدایوں کے تمام صوفیاء اور اولیاء اللہ کے مقدس حالات درج ہیں۔ اسکے علاوہ اور بھی کئی کتابوں کے مسودے طباعت کیلئے تیار ہیں۔ ان میں میرا دوسرا افسانوی مجموعہ بھی ہے مردانِ خلا میں نے جس ذوق و شوق سے لکھی ہے اس کو بیان نہیں کر سکتا۔ یہی میری زندگی کے حسین خوابوں کی تعبیر ہے اور یہی میرے آخرت کے سفر کی زادِ راہ۔

تعلیم سے فراغت پانیکے بعد بدایوں کلکٹری میں بزمرۂ اہلکاراں ملازم ہوگیا تھا۔ دفتری ماحول میں زندگی گزارنے کے باوجود ادب کی خدمت سے کبھی غافل نہ رہا۔ ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتا رہا اور خدمتِ خلق کو افضل العبادت سمجھا۔ اڑتیس سال مختلف عہدوں میں کارِ منصبی انجام دینے کے بعد ۱۹۷۰ء میں ریٹائر ہو کر خانہ نشین ہوگیا ہوں۔ اب صرف لکھنے پڑھنے کا مشغلہ ہے۔ اُردو کی خدمت جس حد تک کر سکتا ہوں کر رہا ہوں۔ اس کی ترقی اور بقاء کا خواہشمند ہوں۔ مومن و میر، غالبؔ، اقبال، انیس و دبیر، انیسم و حسن، جوش و فراق، فانی و حسرت، جگر اور اصغر میرے دلپسند شاعر ہیں۔ فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، علی سردار جعفری اور معین احسن جذبی کا مداح ہوں۔ اختر شیرانی، احسان دانش، ن۔ م۔ راشد، میراجی، سکندر علی وجد اور آنند نرائن مُلا بھی میرے نزدیک اُردو کے بلند پایہ شاعر ہیں۔

میرا کوئی شعر احباب کو کبھی پسند نہ آیا اس لئے نمونۂ کلام بھیجنے سے قاصر ہوں۔

آپ کی عزت افزائی اور کرم نمائی کا بے حد شکر گزار ہوں۔

[1] مردانِ خدا شائع ہو گئی ہے۔ قیمت -/۲۵ روپیہ دفتر شانِ ہند دہلی سے مل سکتی ہے۔

حضرت ظرفہ قریشی

بیس نکاتی معاشی پروگرام

اللہ رے یہ بیس نکاتی پروگرام   ششدر ہے عقل دنگ ہے تدبیر خاص و عام
باتیں فلک سے کرنے لگے اب تو قصر و بام   سارے جہاں کے واسطے جرأت کا ہے مقام
جمہوریت کے خواب کی تعبیر آئی ہے
مستقبلِ حیات کا آئینہ لائی ہے

منصوبہ وہ بنا کہ جہاں کو ہلا دیا   اہلِ دول کے زعم کو جڑ سے مٹا دیا
انسانیت کا راستہ سب کو بتا دیا   یکجہتی و عمل کا طریقہ سکھا دیا
بھارت کا ذرہ ذرہ تجملِ صفات ہے
یہ اندرا کے فہم و فراست کی بات ہے

فصلیں بڑھائی جائیں گی پھل پھول آئیں گے   اشیائے خوردنی کے ذخیرے دکھائیں گے
سب ناپ تول ایک ہی میزان پائیں گے   فاقہ کشی کو ملک سے اپنے مٹائیں گے
چیزوں کی قیمتوں کو گھٹائے گا یہ پلان
جمہوریت کی شان بڑھائے گا یہ پلان

ہوگا نصیب اب تو معیشت کو ارتقا   انصاف اب سماج کی گلیوں میں چھا جائے گا
افلاس دور ہوگا بہ ترکیبِ اندرا   منصوبہ ہے ترقی و طرز [illegible] گا
روزی کے در کھلے ہیں غریبوں کے واسطے
بیدار ارماں ہیں خفتہ نصیبوں کے واسطے

پسماندہ طبقے جتنے تھے سارے اچھل پڑے   کمزوروں کی جبینوں پہ نصرت کے بل پڑے
ذوقِ عمل کو لے کے گھروں سے نکل پڑے   حشراتِ ارض کی طرح سکے ابل پڑے
اسمگلروں کو عارضۂ قلب ہو گیا
جاگا ہوا نصیب سرِ شام ہو گیا

احساس غربتوں کا نہ ذہنوں پہ چھائے گا   یہ درد اب نہ دل کو کچوکے لگائے گا
اب کوئی غم نہ کرب کا چہرہ دکھائے گا   آسودگی کا گیت ہر اک فرد گائے گا
افراط ہوگی دیش میں غلے کی چار سو
گھٹے گا اب رگوں میں نہ مزدور کا لہو

فاضل زمینیں دیہی علاقوں میں بٹ گئیں   بپتائیں لے سہارا غریبوں سے چھٹ گئیں
زنجیریں سب اسیروں کی اک پل میں کٹ گئیں   تقدیریں بے زبانوں کی فوراً پلٹ گئیں

نقشہ بدل گیا ستمِ امتیاز کا
باقی رہا نہ نام نشیب و فراز کا

ارضی ریکارڈ دیہی علاقوں میں بٹ گئے — ظالم کاشتکاروں کے کھاتے سمٹ گئے
جن بینکوں کے جو بند تھے اور اب کھل گئے — بیگار کے شکنجے سے جو بادل تھے چھٹ گئے

ہمت بڑھائی اس طرح دیہی پلان نے
دہقان سارے لگ گئے فرض اپنا جاننے

پائی زمین خانہ بدوشوں نے بے لگان — اب تو بھی اور ہی ہے ادیباسیوں کی شان
رہنے کے واسطے ملے مضبوط تر مکان — محنت کشوں کی جان میں اب آگئی ہے جان

دشت و دمن میں رقص ہے شاہینِ عاز کا
شیوا ہے سینہ آشوبِ صحرا گداز کا

امدادِ باہمی نے غریبوں کو دی اماں — قرضوں سے ساہوکاروں کے چھوٹی ہر اک کی جان
کاریگروں کی بینکوں نے سلجھائیں گتھیاں — پہنچا ہے سب کو فائدہ کیا پیر کیا جوان

بے کار جتنے لوگ تھے باکار ہو گئے
مجبور مسکرا اٹھے مختار ہو گئے

کھیتوں میں کام کرنے کی اُجرت ادا ہوئی — محنت کشوں کو قلبی مسرت عطا ہوئی
حق تلفیوں سے پاک وطن کی فضا ہوئی — آوازِ عدل موجبِ ردِّ بلا... ہوئی

ماضی کے جتنے شکوے تھے سب خواب ہو گئے
سارے علاقے لطف سے سیراب ہو گئے

چاروں طرف کنوؤں کی کھدائی عمل میں ہے — کھیتوں کی صبح و شام سینچائی عمل میں ہے
سڑکوں کی نالیوں کی صفائی عمل میں ہے — بھارت کے ہر بشر کی بھلائی عمل میں ہے

باندھے گئے ہیں باندھ ریاست کے واسطے
نہریں نکل رہی ہیں زراعت کے واسطے

بجلی کا گاؤں گاؤں ہے پھیلاؤ آج کل — قصبوں میں بھی ہے شہروں سا برتاؤ آج کل
یکساں ہے ساری جنتا کا سو بھاؤ آج کل — آتا نہیں نظر کہیں ٹھہراؤ آج کل

کپڑا بنائی۔ غلہ بڑھانے پہ زور ہے
واللہ گاؤں گاؤں مشینوں کا شور ہے

بتھ کر گھوں کے زوال کا امکان اب نہیں — مطلق جلا ہے لوگوں کو نقصان اب نہیں
کوئی غریب... و بے سروسامان اب نہیں — جرمانہ، ڈاکہ، قرقی و تاوان اب ہیں

صنعت گروں سے دور ہوئے رنج و ہراس و یاس
مشترکہ کارخانوں کی ڈالی گئی اساس

شہری زمینیں شہر کے باشندوں کی ہیں جہاں   تعمیر کر رہی ہے حکومت جہاں مکاں
کم زر طبقہ والے رہیں گے وہاں بہ شان   ہوگا نہ کوئی دیش میں اب شکوہ برزباں

آسودگی کے نغمے چھیڑے ہیں جگہ جگہ
چنگ و رباب بجنے لگے ہیں جگہ جگہ

ملحوظ ہوسٹل کا غذائی نظام ہے   پیش نظر وہاں طلبا کا قیام ہے
شیر و شکر، اناج کی تقریباً عام ہے   چیزوں کی قیمتوں میں تناسب کا کام ہے

حاصل ہر ایک طرح کی ان کو سبیل ہے
امداد باہمی طلبا کی کفیل ہے

ہے جھونپڑی شدہ عمارت کی اسکیم کامیاب   کٹرا کے رہنے والوں نے محلوں کا دیکھا خواب
افسردہ چہرے کھل اٹھے مثل تختہ گلاب   بوڑھوں کو بھی نصیب ہوئی لذت شباب

آیا ہے اعتدال پہ قوم کا معاشرہ
ہوگا وطن سے اپنے غریبی کا خاتمہ

کم ہو گئی ہیں درسی کتابوں کی قیمتیں   ملتی ہیں کمزوروں کے نرخوں پہ پنسلیں
تحتانی مدرسوں کو ترقی عوام دیں   کالج کے ساتھ ثانوی اسکول بھی چلیں

تعلیم پا کے بچے جو میدان میں آئیں گے
اپنے وطن کی مٹی سے سونا بنائیں گے

سڑکوں سے پیڑ اگانے کی اسکیم نیک ہے   سب کو قریب لانے کی اسکیم نیک ہے
سادہ لگن رچانے کی اسکیم نیک ہے   جوڑا جہیز اڑانے کی اسکیم نیک ہے

اس میں فلاح قوموں کی ہے جان لیجیے
یہ ماننے کی باتیں ہیں سب مان لیجیے

وطن کے لوگ

عزیز احمدی

نذرِ اندرا گاندھی

پورب نے جب پکارا تو اُٹھے دکن کے لوگ
وقت آگیا تو ایک ہوئے ہیں، وطن کے لوگ

وہ انجمن جو مرکزِ علم و ہنر رہی !
پھر جاگتے ہیں آج اُسی انجمن کے لوگ

ماہ و نجوم و کہکشاں کی جبیں جھکی
اُٹھے جو جھومتے ہوئے گنگ و جمن کے لوگ

کانٹے تو کانٹے کانٹوں کے سایے سمٹ گئے
خوشبو وفا کی لیکے چلے جب چمن کے لوگ

ہر راہ اپنے آپ سنورتی چلی گئی
جب تیز گام ہو کے بڑھے ہیں وطن کے لوگ

خنجر ہمارے ہاتھ میں عزم و عمل کا ہے
کیا خاک اپنے سامنے آئینگے تن کے لوگ؟!!

ایک اور انیک

شمس تمن گرامی

زنانہ طنز کہا شیرنی سے کتیا نے
تمہیں خدا نے فقط ایک ہی دیا بیٹا!
اک آنکھ ایک پسر کا کوئی ٹھکانا ہے
خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو کیا ہوگا !-
یہی کرو کہ چلی تم کو لوگ بولیں گے
مذاق اڑائے گی ہر وقت بد گہر دنیا
ملاحظہ ہو خدا کی نوازشیں مجھ پر
کئے ہیں پانچ نفوس ایک جھول میں پیدا
اُچھلتے کودتے بچوں کو دیکھتی ہوں جب
تو پھول جاتا ہے آنند سے مرا سینا
جہاں میں کثرتِ تعداد اصل طاقت ہے
یہی تو کلیۂ جمہوریت کی دولت ہے
وگرنہ قوتِ بازو بھی کوئی قوت ہے؟
یہ سن کے بول اٹھی شیرنی کہ اے ناداں
دلیل پوچ ہے تیری کلام لغو ترا
ترا وجود کمینہ مرا وجود اشرف
تری حیات سپردن مری حیات انا
تری خوراک غلاظت مری خوراک لہو
ترا مذاق جدا ہے مرا مذاق جدا
تری نظر کی پہنچ تنگ و تار گلیوں تک
مری نگاہ میں رہتی ہے وسعتِ صحرا
غلام بنتے ہیں بچے ترے جواں ہو کر
مرا یہ لال بہ صد شان ہے راجا
ہزار دانشوروں میں یہ ایک شعر ہے بس
کہ بزدلوں کے مقابل میں اک دلیر ہے بس
وگرنہ آگہی ذات بھی اندھیر ہے بس

کرگس سہسوانی

کرسی کے طلب گار بڑی دیر سے چپ ہیں
جمہوری اداکار بڑی دیر سے چپ ہیں

سپنوں میں جو بنتے تھے سدا چیف منسٹر
وہ بدلے کے طلب گار بڑی دیر سے چپ ہیں

"فارن" کوئی بھاگا تو کوئی جیل میں پہنچا
اب ملک کے غدار بڑی دیر سے چپ ہیں

"ہڑتال" کو سمجھے تھے جو بچوں کا تماشا
وہ سارے گنہگار بڑی دیر سے چپ ہیں

"مہنگائی" کو دیتے تھے جو ہر روز بڑھاوا
ایسے سبھی تجار بڑی دیر سے چپ ہیں

کرتے تھے حکومت پہ جو الزام تراشی
وہ ناشر و اخبار بڑی دیر سے چپ ہیں

گرماتے تھے ہر وقت سیاست کے جو "بیٹھک"
وہ جیل کے اس پار بڑی دیر سے چپ ہیں

اسٹیج "پہ جو شیر سے لڑتے تھے لڑائی
وہ سارے چرطی مار بڑی دیر سے چپ ہیں

تعمیر کو تخریب سے بدلا تھا جنہوں نے
غنڈوں کے وہ سردار بڑی دیر سے چپ ہیں

ہلڑ ہے نہ بلوہ، نہ فسادات، نہ جھگڑا
غنڈوں کے مددگار بڑی دیر سے چپ ہیں

نادم ہیں پشیمان ہیں اعمال پر اپنے
غیرت سے خطا کار بڑی دیر سے چپ ہیں

ہر ایک کو اُلٹی ہی پڑھاتے تھے جو پٹی
وہ سارے غلط کار بڑی دیر سے چپ ہیں

کرگس کے یہ اشعار یہاں کون سنے گا
اُس کے تو سبھی یار بڑی دیر سے چپ ہیں

اے حکومت تری سوگند ایمرجنسی میں
دشمنِ ملک ہوئے بند ایمرجنسی میں

کھائیے خوب قلاقند ایمرجنسی میں
بند والے ہوئے بند ایمرجنسی میں

ایسے لوگوں نے تو چولا ہی بدل ڈالا ہے
ہند میں جو تھے گروبند ایمرجنسی میں

ملک بھر میں جو کیا کرتے تھے ہلڑبازی
ہو گئی ان کی زباں بند ایمرجنسی میں

جو جیا کرتے تھے جنتا کا لہو پی پی کر
آج ہیں وہ بھی نظربند ایمرجنسی میں

کالے بازار کے بھگوان اور اُن کے چیلے
ہو گئے جیل میں سب بند ایمرجنسی میں

اب نہ شغفتہ، نہ تذلیل، نہ اُودھم بازی
کیوں نہ ہو دنیا ہو بجا چند ایمرجنسی میں

ملک میں آج ہر اک شئے کی فراوانی ہے
اب ہے آنند ہی آنند ایمرجنسی میں

گیہوں سستا ہے شکر سستی ہے صابن سستا
اب ہے مہنگائی کا دربند ایمرجنسی میں

رات بیگم نے کہا شفتہ ہو گلو کے بیتا
مجھکو منوا دو گلوبند ایمرجنسی میں

اب جو چھیڑے گی کوئی بات کرے گا کرگس
اُس کا بن جائے گا گلقند ایمرجنسی میں

مفتون کوٹوی

جناب مائل سعیدی ٹونکی

(حکیم سید) عبدالرزاق نام، مائل تخلص۔ ان کے والد حکیم سید سعید احمد اسعد ٹونک (راجستھان) کے طبیب حاذق بھی تھے۔ اردو، فارسی اور عربی کے عالم بھی۔ طب اور دینیات میں جس طرح اُن کے تلامذہ کی تعداد کافی تھی۔ شعر گوئی میں بھی بہتوں نے اُن سے استفادہ کیا تھا۔ جناب مائل سعیدی کی نسبت اپنے والد کے نام سعید کی بنا پر ہی کرتے ہیں۔ یہ بسمل سعیدی کے بڑے بھائی ہیں اور جناب بسمل سعیدی ملک کے معروف و شہرت یافتہ شاعر ہیں۔ جناب بسمل اپنے ایک مقطع میں فرماتے ہیں۔

جس شخص کی بسمل سے ملاقات ہوئی ہے
وہ شخص محبت کے پیمبر سے ملا ہے

جناب مائل کا ایک مقطع یہ ہے۔

تخلص اپنا ہے مائل دلیل آپ اس کی
کبھی مزاج ہمارا بھی عاشقانہ تھا

عشق و محبت کی پرستاری، دونوں کے مقطعوں سے ظاہر ہے۔ اور دونوں ہیں بھی۔ غزل ہی کے شاعر۔ جس میں حسن و عشق کی کیفیات و واردات کا ذکر بالعموم ہوتا ہے۔ جناب مائل کی بیاض میں قطعات بھی ہیں اور نظمیں بھی، سہرے بھی اور مبارکبادیں بھی۔ لیکن غزلیں اکثر و بیشتر ہیں۔ اس لئے ان کی قدرتِ بیان۔ لطافتِ خیال۔ اور بلندیٔ افکار کا تجزیہ غزل ہی سے ممکن تھا۔ چنانچہ غزل ہی کے اشعار، بیشتر اس تعارف میں پیش خدمت کئے جائیں گے۔

جناب مائل تقریباً دس سال سے کوٹہ (راجستھان) میں تشریف فرما ہیں۔ اور اپنے آبائی پیشہ طبابت سے خدمتِ خلق میں مصروف ہیں۔ نباضی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں مرحوم حکیم اجمل خاں کے مطب کے تربیت یافتہ ہیں۔

مولوی صورت، مولوی سیرت اور پابندِ شریعت انسان ہیں۔ اوامر میں چور، مناہیات سے نفور۔ ویسے کبھی چھیاسی سال کی عمر ہے۔ خمیدہ کمر ہیں۔ لیکن قویٰ ماشاء اللہ مضبوط و تنومند ہیں۔ آواز میں کڑک ہے اپنا کلام ترنم سے عطا فرماتے ہیں، آواز ایسی پُراثر اور پُرسوز ہے کہ محفل پر چھا جاتے ہیں۔ پھر کلام بھی ایسا سلیس اور دلنشیں ہوتا ہے کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ کوٹہ کی مقامی نشستوں اور سرکاری (وغیرہ سرکاری) مشاعروں میں مدعو کئے جانے پر اپنی شمولیت لازمی سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے پڑھنے کا اتنا شوق نہیں جتنا سننے کا ہے پھر اردو کی ترقی و استواری اسی میں ہے کہ ایسے مواقع پر شمولیت ضرور کی جائے چنانچہ اپنے وجود سے ان محافل کو زینت بالعموم بخشا فرماتے رہتے ہیں۔ مقامی شعراء محفل کی شمولیت سے چوک جائیں لیکن یہ نہیں ہو سکتے۔ اور جہاں تشریف لے جاتے ہیں، سامعین کو ان سے لطف اندوز ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔

اصل سکونت ٹونک (راجستھان) جو ایک مسلمان نوابی ریاست تھی۔ جہاں کی فضا شاعرانہ اور ماحول ادیبانہ تھا۔ جہاں تقریباً ہر فن کے ماہر و کامل موجود تھے۔ اساتذۂ فن شعر و ادب بھی ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ مومن و داغ کا رنگ وہاں کے شعراء پر کافی اثر انداز تھا۔ طرحی مشاعروں کا عام چلن تھا۔ ہار جیت کا بھی مقامی طور پر کافی شور رہتا۔ غرض عوام و خواص شعر و سخن کے نشے میں چور تھے۔ جناب مائل بھی قدیم غزل کے پرستار اور روایاتِ غزل کے علمبردار ہیں۔ شباب و جمال، مسرت و ملال، فراق و وصال، ان کی غزل میں بھی جابجا ہیں۔

مجھ سے آرزوئے جلوہ، اس کا بے ادبانہ تقاضہ، [illegible]
بھی ہے اساتھ ہی گردش [illegible]

بالخصوص جوانی کی حقیقت اور غنچوں کے مسکرانے کی اصلیت آپ ان کے اشعار میں پائیے گا۔ بطور نمونہ کچھ کلام پیش خدمت ہے جس سے آپ پر سب کچھ واضح ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو ؎

مسرت کا انجام غم ہو گیا ٭ کرم رفتہ رفتہ ستم ہو گیا
ستم سے امید کرم ہو گئی ٭ ستم مرے حق میں کرم ہو گیا
غرورِ حسن کو تکلیف رسم و راہ کبھی دے ٭ مجھے نواز لیا ہے تو اب نباہ بھی دے
ترے کرم ہی نے توفیقِ معصیت دی تھی ٭ ترے کرم ہی کو لازم ہے اب نباہ بھی دے
کیوں آنکھ نہیں ملتی کیا وجہ ندامت کی ٭ کیا میں نے کیا شکوہ کیا میں نے شکایت کی
اس چیز سے ساغر کیا محروم ہے میخانہ ٭ ساقی تری نظروں سے جو چیز عنایت کی
روشن تو ہیں دونوں ہی لیکن یہ مقدر ہے ٭ اک شمع ہے محفل کی اک شمع ہے تربت کی
کبھی تو بتکدۂ دل میں آ گئے ہوتے ٭ صنم کدہ کو بھی کعبہ بنا گئے ہوتے
اُن کا دیدار اگر مجھ کو دوبارا ہو جائے ٭ پھر وہی گلشنِ جنت کا نظارا ہو جائے
حسنِ کامل پہ جب نظر ڈالی ٭ دل کی حالت خراب کر ڈالی
مندر کہیں ہوتے نہ مساجد کہیں ہوتیں ٭ اس طرح جو ارزانی جلوہ نہ کیا کرتے
وہ ہم پہ ستم ڈھائے چلے جاتے ہیں مائل ٭ ہم اپنی زباں سے کوئی شکوہ نہ کیا کرتے
نوازشِ جو کرم سے وہ خوش خصال مجھے ٭ تو میں یہ سمجھوں ملا اشک کا [illegible] مجھے
لگائے بیٹھا ہوں سینے سے یار کی تصویر ٭ شبِ فراق ہے گویا شبِ وصال مجھے
شکایت ہے ستم سے گلہ اپنی دل آزاری کا ٭ غم ہے خود دل کی یہ دل [illegible] ہوتا
وسعتِ دہر میں تھی گوشۂ راحت کی تلاش ٭ قبر ہے گوشۂ راحت مجھے معلوم نہ تھا
دیکھتے ہیں وہ اپنے مسکرانے کا مآل ٭ پھر کبھی ہیں مجبور غنچہ مسکرانے [illegible]
میرے ہنسنے کی حقیقت کوئی کیا جانتا نہیں ٭ یوں بھی کرتا ہے فریاد لیتا دل میں
بتکدہ و حرم کا زمانہ کہاں ہے اب ٭ میری جبیں ہے اور ترا آستانہ اب
اخفائے رازِ عشق ہے افشائے رازِ عشق ٭ ہر جنبشِ نگاہ میں اک داستان اب
اک رات ہے اصل میں جوانی ٭ اور رات بھی ایک خواب کی ہے
بے جذبۂ عشق اگر کوئی ہے ٭ [illegible] نشاطِ زندگی ہے
اب روح میں رچ گئی ہے الفت ٭ رگ رگ میں [illegible]
اب اُن سے کبھی ناآشنا ہو گئے ہم ٭ یہ ان کی محبت میں کیا ہو [illegible]
یہی دولت ہے وقت کے چند سجدے ٭ اسی بندگی پر خدا ہو گئے ہم
مجھے [illegible] تو معلوم ہے عرضِ محبت کا ٭ مگر امید کی وابستگی انکی نہیں تک ہے
[illegible] یہ ذوقِ نظر بیمارِ غم تیرا ٭ جمالِ دوست کی حسرت نگاہ و دید تک ہے

ناصحا ہیں ہوش خود دار عشق میں ٭ دار فلک کو رہبر کامل بنا لیجے
وہ اک نگہ جو دل سمٹائے ہر آرزو ٭ اس اک نگہ کو آرزو مشغلہ بنا لیجے
قفس میں کھتا ہوں تا ہر شب آشیاں ٭ محبت ہم اڑائیں گلستاں کی ہمیں تک ہے
تری شوخ ستم میں وہ دردِ افزونی نہیں ٭ مگر میری تباہی کی حد آخر کہیں تک ہے
مرا افسانہ سن لو اس پہ کیوں ہنستے ہو ٭ تری نظر سے تعلق ہو جس فسانے کو
اگر سمجھتے کہ ہے بارِ خاطرِ صیاد ٭ ہمیں نہ آگ لگا دیتے آشیانے کو
کبھی پہ پڑے تھے تری رہ گزر کے نقشِ قدم ٭ وہ انقلاب بدل لیتے ہیں جو زمانے کو
یہ خوف ہے کہ بگولوں میں کہیں کعبہ ٭ جنونِ شوق میں مائل اس آستانے کو
ہمارے سجدے نہ تھے قابلِ جبیں سائی ٭ ترے کرم کو تو منظور اک بہانہ تھا
چلی نہ کچھ بھی ہماری یہاں تو یہ دیکھا ٭ کہ وہ نگاہ جدھر تھی اُدھر زمانہ تھا
تخلص میاں ہے مائل لیکن ایک اسکی ٭ کبھی مزاج ہمارا بھی عاشقانہ تھا
جب گلشنِ ہستی کی حقیقت نظر آئی ٭ کانٹوں میں بھی کلیوں کی لطافت نظر آئی
ہر رنگ میں اپنی ہی نگاہوں کے ہیں جلوے ٭ ہر آئینہ میں اپنی ہی صورت نظر آئی

غزل کی ان لطافتوں، بلندیوں اور رنگینیوں کے ساتھ جناب مائل کے مذہبی جذبات اور عقیدتی روایات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ الغرض [illegible] حضور سرورِ عالم کی [illegible] پاکیزہ تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ اور ایک [illegible] کی صفت انسان سے اس سے روگردانی کی توقع کی بھی نہیں۔ جا [illegible] اُن کی نعتوں کے کچھ اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

مائل مری نظر میں تو قندیلِ عرش ہے ٭ روضہ کہیں کہ گنبدِ خضرا کہیں جسے
اے صلِ علیٰ کیا رخ نیکو کے ہیں جلوے ٭ اک آئینہ حسنِ ازل روئے [illegible]
کھنچ گئی آنکھوں میں تصویر پیارے رسول ٭ جم گیا دل میں خیال روئے زیبائے رسول
جو بخشوائے گا عاصیوں کو ٭ کون ہو گا تمہیں تو ہو گے
جو کام آئے گی روزِ محشر وہ اک تمہاری ہی ذات ہو گی
[illegible] ہے کیا بادشاہی کی آرزو ٭ جو احمد کے در کا گدا ہو گیا ہے
سکون ہر دل و جاں شعور [illegible] ٭ فروغِ دین و ایماں ہے خیال سرورِ عالم

[illegible] بیں نظمیں بھی [illegible] بھی، اور وہ بار کہانی بھی تضمینیں بھی [illegible] لیکن غزلیں بیشتر ہیں۔ اسی لئے اُن کو بحیثیت شاعرِ غزل سے متعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُمید ہے اُن کے کلام کی رنگینیاں سدا بہار رہیں گی۔

ریاست علی تاج کریم نگری
ایم اے۔ بی ایڈ (عثمانیہ)

غزل

فکرِ سلمان و سلیمان کہاں سے لاؤں
مَیں وہ ایمان، وہ ایقان کہاں سے لاؤں

ہوش میں آنے کا ارمان بہت ہے لیکن
اپنے کھوئے ہوئے اوسان کہاں سے لاؤں

آج کے دور میں جینا ہی بڑی مشکل ہے
عشرت و عیش کے سامان کہاں سے لاؤں

زندگانی میں غریبوں کی۔ کوئی حُسن نہیں
خوبصورت کوئی عنوان کہاں سے لاؤں

آہ۔ وہ دل ہی رہا اب نہ وہ ارمان رہے
اب وہ دل، اور وہ ارمان کہاں سے لاؤں

صرف چہرے ہیں۔ انھیں دور سے دیکھو تو بھلے
دورِ عفریت میں انسان کہاں سے لاؤں

ہائے وہ دورِ تمنا، وہ طبیعت، وہ شباب
وہ شب و روز، وہ ارمان کہاں سے لاؤں

نہ صداقت کا سہارا، نہ سفارش ہے، نہ مال
[illegible] کے یہ سامان کہاں سے لاؤں

اپنی ہستی ہی [illegible]
[illegible] کا عرفان کہاں سے لاؤں

جا نہیں سکتے تو [illegible] بھجوا دو
[illegible] ارمان کہاں سے لاؤں

۱ غزل مرتبے ہے [illegible] مدیر
۲ وحید الدین ارمان فاروقی استاذ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج جگتیال۔ تاج

آپ جب بھی دفترِ شانِ ہند کو خط بھجوائیں تو جوابی خط بھجوایا کیجیے۔ (ادارہ)

نصیر آفسر (فیملی پلاننگ سے متعلق)

لہو کی مانگ

دن کا سورج اُجلے اُجلے
اپنے پَر کو پھیلائے جب
اُڑتا ہوا مغرب کی جانب
دُور گگن میں چھینٹے ڈالے
لال گلابی لال گلابی
تب مَیں دن کا بوجھ اٹھائے
بوجھل سی اک لاش اٹھائے
بڑھتا رہا ہوں جانبِ منزل
میری منزل دُکھ کا پیکر
جس کا تن کپڑوں کو ترسے
چین کو ترسے من بھی جس کا
اب تو لہو کی مانگ کرے ہے
چہرہ اپنا پیلا پیلا
جب سے لہو کو بانٹ دیا ہے
سات بدن میں جلدی جلدی

غزل

ابو احمد عمر

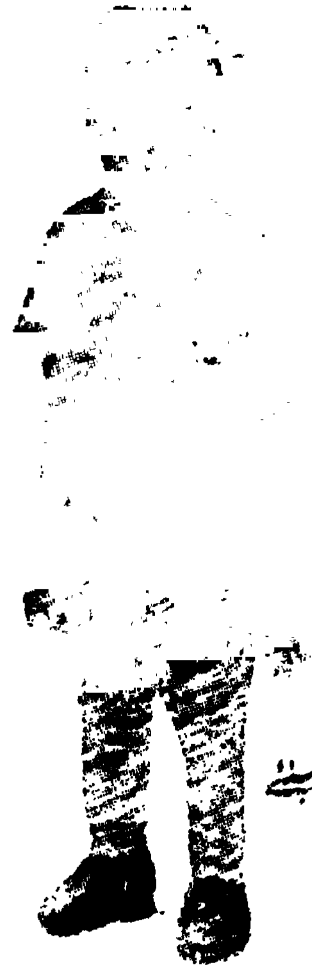
فکرِ اقبال کی ہر شعر میں خوشبو رکھیے
اپنے اخلاق و عمل کا وہی پہلو رکھیے

اب بھی سورج کی شعاعوں میں بڑی تیزی ہے
منتشر شانوں پہ اپنے ذرا گیسو رکھیے

اس کے سرشاری پیہم کا تقاضا ہے یہ
میرے آگے ابھی جامِ مئے اردو رکھیے

اے عمر ذہن رسا کچھ تو ہو ہوش اپنا
دامنِ فکر پہ اشعار کے جگنو رکھیے

مائیں تندرست ہوں تو بچے بھی توانا ہونگے



ماں اور بچے کی تندرستی کیلئے
ہیلتھ سینٹر جائیے

معیار کی کسوٹی پر

ادارہ

خراشیں: یہ نام رادھا کرشن سہگل صاحب کے مجموعۂ کلام کا ہے۔ سہگل صاحب کسی کے شاگرد نہیں۔ حضرت ضیا فتح آبادی کو وہ محبِ گرامی کہتے ہیں اور انہیں سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ ضیا صاحب فرماتے ہیں کہ میری مشکل اور بھی بڑھ گئی جب دیکھا کہ سہگل صاحب کسی مشورے کو بغیر بحث و مباحثہ کے اور بنا قائل ہوئے مانتے ہی نہیں ہیں۔ متروکات کا استعمال بھی جائز رکھا ہے۔ سہگل صاحب کا کلام بھی کم و بیش انہیں خوبیوں اور برائیوں کا حامل ہے" وغیرہ

راقم الحروف کی طرح سہگل صاحب بھی تقدیر اور چاند ستاروں کی گردش کے قائل نہیں۔ وہ سرد شکتی مان کے سچے پرستار ہیں۔ شاعر اور موحد بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ سہگل صاحب کے کلام میں اچھوتا پن ان سب باتوں کی غمازی کرتا ہے

زندگی کو مجھ پہ ناز اتنا تو ہونا چاہئے ؛ موت بھی آئے تو مجھ کو دے دعائے زندگی

جب تک اُن کے دل میں ہو محبت کی کسک پیدا

دل ناداں ترے دردِ نہاں سے فائدہ کیا ہے

قید طور حُسن ہے ہر سمت بے نقاب ؛ دیکھئے اُٹھا کے آنکھ یہ کس کی مجال ہے

زندگی رنگ بدلتی رہی کیسے کیسے ؛ بے نیازی سے توجہ کی نظر ہونے تک

ہے وہ بھوک جو کھا جاتی ہے انسانوں کو

ہائے وہ جسم جو بک جاتے ہیں بازاروں میں

ہر قدم پر ہے آگ کا دریا ؛ کیا یہی موسمِ شباب نہیں

جلنے والوں میں شمع کی لو پر ؛ کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا

میرے ایک عزیز کا یہ مصرع

پروانوں میں آپس میں رقابت نہیں ہوتی

جو رقابت نہ ہو نا صرف ذاتِ احد ہی کا عشق ہو سکتا ہے

کا عشق کی طرف سہگل اپنے انداز میں بات پتے کی کہہ گئے۔ آفریں

داغِ عصیاں سے جبینِ آرزو کو پاک رکھ

بن نہ جائے آرزو ناداں بلائے زندگی

جمع کر کے اس کو کہیں راتوں کی نیندیں بھی حرام

وہ عذابِ روح نکلا جس کو دھن سمجھے تھے ہم

آنکھوں سے ترا جلوہ جب دل میں اُتر آیا

محسوس ہوا کوئی بھولا ہوا گھر آیا

کرنوں کے حسیں ناوک کرتے نہیں دل چھلنی

لو تم سے کہیں اچھی ہے رات اماوس کی

سوامی دیانند جی نے وید کا قول لکھا ہے کہ کوی فہیم ہوتا ہے لیکن ترجمہ کرنے والے نے کوی کا ترجمہ شاعر کر ڈالا۔ شاعر اور کوی میں بڑا فرق ہے۔ صرف ہندی یا عربی زبانوں کا فرق نہیں بلکہ اس سے کہیں دور فرق ہے جس کا اس تبصرہ میں موقع نہیں کہ اجاگر کر دوں۔ لیکن چند لفظوں میں بتا دوں۔ شاعر کی حقیقت " قرآنِ صمد میں سورۃ شعراء دیکھ لیجئے۔ اور لکھا ہے کہ میرا نبی (محمد صاحب) شاعر نہیں " لیکن برخلاف شاعر کے کوی کا مرتبہ حضرت علام عشق آبادی کی رُباعی سے حاصل کیجئے۔ فرماتے ہیں :-

پہنچے نہ جہاں رُوح وہاں پہنچے کوی
پرواز ہے بے نظیر لمبی اونچی
تخلیق پر اُس کی ہے مفخرِ خالق
رُتبہ نبیوں سے کم نہ دگر سے عالی

(دگیان گنگا صفحہ ۱۱)

مَیں سہگل صاحب کو شاعر نہیں کوی کہتا ہوں۔ زبان اُردو ہو یا فارسی اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ تمام کلام نفاست اور لطافت سے لبریز ہے کہیں خرافات یا گھناؤنی بات نہیں۔

اُن کا کلام ان کے دل کا شفاف آئینہ ہے۔

سہگل صاحب قرآن کریم والا شاعر ہرگز نہیں بلکہ علام کی

رباعی والا گوی ہے۔

کتاب کے آخر میں قطعات تاریخ ہیں لیکن مصنف کے سنین اور تینوں بے کار ہیں یہ نہ ہوتے تو اچھا تھا۔

قیمت دس روپے دفتر شانِ ہند سے طلب فرما سکتے ہیں

مردانِ خدا :- ضیاء علی خان اشرفی کی مرتبہ ہے

جوہر بدایونی نے لکھا کہ ؎

مردانِ خدا خدا نہ باشند ❊ لیکن ز خدا جُدا نہ باشند

مولوی محمد عبد القیوم فرماتے ہیں۔

"مردانِ خدا" اولیاء اللہ کے روح پرور اور ایمان افروز حالاتِ زندگی کا دلکش مجموعہ ہے اس کا مطالعہ بزرگانِ دین سے عقیدت میں اضافہ کا موجب ہوگا اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کا جذبہ پیدا کرے گا۔

یہ کتاب میں نے کہیں کہیں سے پڑھی اور حالات اولیاء اللہ دیکھے۔ صفحہ نمبر ۳۴۲ پر حضرت شاہ عبد القادر کا ذکر آیا ہے صفحہ ۳۴۵ پر لکھا ہے کہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ طے الارض کے حامل تھے۔ نمازِ جمعہ مکہ معظمہ پہنچ کر حرم شریف میں ادا کرتے تھے۔ دربارِ غوثیت میں حضوری کا شرف حاصل تھا مکہ معظمہ میں تجلیاتِ باری کا دیدار ہوا تھا۔ فاضل بریلوی کے اس شعر سے پتا چلتا ہے ؎

صفا مروہ پہ تو نے جو دیکھا ❊ وہ مجھے بھی دکھا محبِ رسول

صفا اور مروہ دو پہاڑوں کے نام ہیں جن کے درمیان حج کرنے والے دوڑتے ہیں۔ اور محبِ رسول ان کے والد پیار میں کہتے تھے۔

مولانا ابو الکلام آزاد اپنی کتاب تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

میرے والد عقائد میں شدید تھے اُن کے سامنے اگر کوئی مسئلہ پیش ہوتا تھا تو پوچھتے تھے۔ مولانا عبد القادر بدایونی کا اس مسئلہ میں کیا خیال ہے۔ علماء میں یہی ایک ہستی ایسی تھی جسے وہ مستند تسلیم کرتے تھے۔

ردِّ وہابیت پر متعدد کتابیں لکھی تھیں ؎ (فاضل بریلوی)

رفض و تفضیل و ندویت کا گلا ❊ تیرے ہاتھوں کٹا محبِ رسول

ایک بار حاجیوں کا قافلہ جب واپس آیا تو انھوں نے کہا۔ ہم نے بڑے مولوی صاحب کو بھی مکہ معظمہ میں دیکھا تھا۔ اس وقت یہ راز کھلا کہ آپ ہر جمعہ کو بجلی میں بیٹھ کر طے الارض کے ذریعہ مکہ تشریف جاتے تھے۔

میں نے طے الارض۔ طے السما۔ اور عرش پیما الفاظ حضرت زندہ قلندر علامہ عشق آبادی کی زبان سے سنے ضرور تھے لیکن حیران تھا کہ ایسا بھی ممکن ہے! لیکن حضرت عبد القادر بدایونی کے حالات میں طے الارض کا ذکر آیا تو بے شبہ علامہ کے فرمان کی تصدیق ہوئی۔ حضرت کے مرشد موصد و مومن ہیں ان کا مطلع ملاحظہ فرمائیے

حُسنِ مطلق میں سما کر میں غزل کہتا ہوں
فرش سے عرش پہ جا کر میں غزل کہتا ہوں

یہ دُنیا ہے نبی کو اُس وقت تک نبی نہیں مانتی جب تک وہ کوئی اعجاز نہ دکھائے اور کسی ولی کو ولی نہیں مانتی جب تک وہ محیر العقول کرامت نہ دکھالے۔ غرض مذہبِ اسلام سے عقیدت اور محبت رکھنے والوں کے لئے مردانِ خدا ایک بے بہا تحفہ ہے۔ اس دَور میں اس ضخیم کتاب کی قیمت ۲۵ روپے زیادہ نہیں۔ دفتر شانِ ہند سے آپ طلب فرما سکتے ہیں۔

اُردو نثر کا دہلوی دبستان :- یہ تالیف ڈاکٹر احمد عبد الرحیم جاگیردار کی ہے

۶۶۲ صفحہ سے ۶۸۵ صفحہ تک حوالوں کی فہرس ہے اور قدیم جدید مردہ اور زندہ احباب نے جو کچھ اردو نثر کے متعلق لکھا ہے وہ تمام مواد جاگیردار صاحب نے سمیٹ کر سلیقے سے اپنی کتاب میں سجا دیا ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ "دلی کا دبستانِ شاعری اور لکھنؤ کا دبستانِ شاعری کے زیرِ عنوان دونوں دبستانوں کے شعراء اور ان کی شاعری پر سیر حاصل نقد و تبصرہ دو اعلیٰ پایہ ناقدین کا مرہونِ منت ہے لیکن ایسا کوئی نقد و تبصرہ ابھی نثر نگاروں پر دستیاب نہیں۔ موجودہ مقالہ اسی کمی کو پورا کرنے کی غرض سے ترتیب دیا گیا ہے۔"

کسی چیز کی تحقیق اور تکمیل کوئی کھیل نہیں۔ کتاب کے ۶۸۸ اوراق صفحہ ۲۰ سیر ہیں۔ جاگیردار صاحب کی اس کاوش کی داد نہ دینا سخت ظلم ہے۔ کتاب کی قیمت بھی زیادہ نہیں صرف تیس روپے ہے آپ دفتر شان ہند سے طلب کر سکتے ہیں۔

رشی پٹیالوی کی نظموں کا مجموعہ ہے صفحات
یر تو جمہور:- ۹۶ ہیں اس پر محکمہ السنہ پنجاب سرکار سے
رہ سو روپیہ دیا گیا ہے۔ کلام نہایت سلجھا ہوا ہے خیالات
یزہ ہیں۔ غلو جو شاعری کی دیوی کی ماتھے کی بندیا ہے ہر صفحہ
جلوہ گر ہے۔ حتیٰ کہ حمد میں بھی ؎
نے والا ترے در سے نہ خالی جا سکا
جس نے جو چاہا اُسے وہ بے تکلف مل گیا
یہ غلو رشی کی خوش فہمی ہے ورنہ دیکھئے۔ خاتِ غالب
گی بھر یہی کہتا رہا ؎
جب اپنی اس طور سے گزری غالبؔ ؛ ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
ڈاکٹر اقبال کہتا ہے ؎
ندر سے ملے پیاسے کو شبنم ؛ بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے
بیدم کہتا ہے ؎
ینے والے ترے صدقے مجھے اتنا دیدے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیٔ داماں ہو جائے
ورلاکھوں ایسے ہی کہتے ہوئے مر گئے
آخری شعر میں رشی صاحب فرماتے ہیں ؎
خضر نے پائی تجھی سے زندگی جاوداں
سب کا داتا ہے تو ہی اے مالکِ کون و مکاں
خضر اور آبِ حیات دونوں فرضی ہیں اور محض شاعرانہ
ختراع ہیں۔ جس زبان کے یہ الفاظ ہیں اُس زبان کی
ستند کتابوں میں کہیں ان کا وجود نہیں۔
رشی صاحب نے کئی جگہ غیر فانی لفظ کا استعمال کیا ہے
الانکہ غیر فانی صرف پرماتما ہے اور سب کچھ فانی ہے حسن کل
لی ؎ جب لفظ کُل آگیا تو استثنا کی بھی گنجائش نہ رہی ؏
تیرے پروردہ ہیں سب جن و ملک کرّو بیاں
کرّوبی کی جمع کرّوبیاں یعنی فرشتے ہے پھر ملک کی جگہ
بشر کا محل تھا۔
کتاب کے صفحہ ۴۴ اور ۴۵ پر مقام غالب اور وقار
لیشیا غالب کے عنوانات سے جو اشعار ہیں اُن سے راقم
لحروف متفق نہیں۔ غالب بیچارہ یہ کہتے کہتے مر گیا ؎

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
رشی صاحب فرماتے ہیں ؎
حسن کا عالم سراسر تھا عالمِ سرشارِ عشق
وادیٔ اُلفت میں تھا جو کارواں سالارِ عشق
اور غالب خود کہتا ہے ؏
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا
صفحہ ۹ پر چھپی نظم کا وزن محلِ نظر ہے۔
باقی کلام نہایت عمدہ ہے کہیں پیچیدگی یا غرابت نہیں۔
رشی صاحب تعصب کے مہلک مرض سے بہت گریزاں ہیں اور
ایک نیک دل کوی کو ہونا بھی ایسا ہی چاہئے۔ وطن کی محبت
سے اُن کا دل و دماغ لبریز ہے یہ بہت اچھی بات ہے
صفحہ ۵ سے دس تک جو انھوں نے اردو کے متعلق نظریہ پیش
کیا ہے اُس سے میں متفق ہوں اور آفریں کہتا ہوں۔
قیمت صرف آٹھ روپے ہے۔
دفتر شان ہند سے آپ طلب کر سکتے ہیں۔

نایاب اور مشہور اردو کتابیں منگائیے

سال اجراء ۱۹۳۸ء رجسٹرڈ نمبر ڈی ۷۰ - رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R-N-644/57

فون نمبر :- ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شانِ ہند نئی دہلی

ایڈیٹر :- سرور تونسوی ، قیمت سالانہ بارہ روپیہ ، فی پرچہ ایک روپیہ ۲۵ پیسے

جلد ۳۸ | فروری ۱۹۷۷ء | شمارہ ۲

فہرست

نئے انتخاب

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے جس جواں ہمتی سے پارلیمنٹ کے نئے انتخابات کا اعلان فرمایا ہے وہ اس امر کا مظہر ہے کہ وزیر اعظم صاحبہ جمہوریت میں یقین کامل رکھتی ہیں۔ **لہذا**

آپ اپنا ووٹ دیتے وقت مندرجہ ذیل حقائق پیش نظر رکھئے۔

۱- کانگریس اور دوسری جماعتوں میں سے کون خالص جمہوری جماعت ہے

۲- کس جماعت کے ہاتھوں میں اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہیں۔

۳- ملک سے غریبی، بیماری - اور دوسری سماجی برائیوں کو دور کر کے ملک کو ترقی کے راہ پر لے جانے کی صلاحیت کس جماعت میں ہے۔

۴- انتہائی ایمانداری کے ساتھ اپنے دل کی آواز پر یہ فیصلہ کیجئے کہ کیا اس وقت سارے ہندوستان میں کوئی بھی ایسا لیڈر ہے جو اندرا گاندھی سے بہتر طور پر وزارت عظمیٰ کی ذمہ داریاں [illegible] کی صلاحیت رکھتا ہو۔ **یاد رکھیے**

ووٹ کا غلط استعمال قومی غداری ہے۔

ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے [illegible] بازار دہلی سے چھپوا یا - اور دفتر ۲۵ [illegible] [illegible] کیا - سوہن لال - ایم - اے [illegible]

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو

ادارۂ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات، یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دُنیائے اُردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت :- دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین :- سرورؔ تونسوی، عزیزؔ اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر "جشنِ سحر نمبر" ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائیگا اسلئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا مظہر ہے

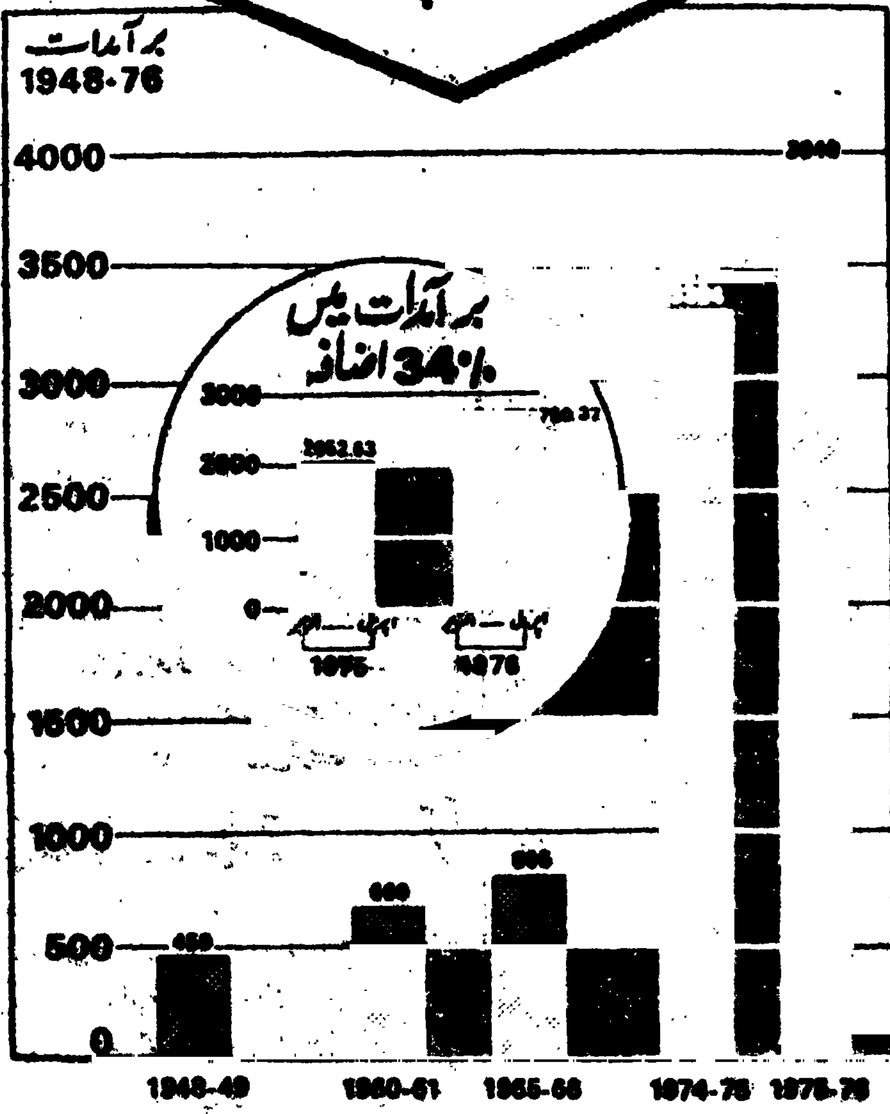
اُجرتِ اشتہار :- عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے، نصف صفحہ ۱۵۰ روپے سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے :- سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے ۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھیے

ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۸- انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲

بھارتی برآمدات کا نیا ریکارڈ

(کروڑ روپوں میں)



افکار و واقعات

شعرا کی "رسمِ گلا چھوائی"

جناب ڈاکٹر خنجر کوروائی لکھتے ہیں :- "۲۶ جنوری ۷۷ء کو میلہ گرام ونڈ کوروائی میں ایک غیر طرحی مشاعرہ ہوا جس میں بجائے [illegible] اٹھائی کے ایک نئی رسم ادا ہوئی جسے آپ جو کچھ بھی کہہ لیں میں تو اسے رسمِ "گلا چھوائی" کہوں گا۔ اس مشاعرہ میں مقامی دو شعرا کو ان کے مداحوں نے نوٹوں کے ہار غزل پڑھنے کے دوران پہنائے۔ مشاعرہ ایسی ادبی محفل میں اس عمل پر اکثریت نے [illegible] کیا۔ اگر دہلی یا لکھنؤ میں یہ رسم جائز مانی گئی ہو اور آپ کے علم میں ہو تو براہِ کرم مطلع فرمائیں۔"

خنجر صاحب یہ بدعت پنجابی کوی دربار (پنجابی زبان کے مشاعروں) میں اکثر و بیشتر پائی جاتی ہے۔ بلکہ جس پنجابی کوی کو زیادہ سے زیادہ روپیہ کلام سناتے وقت سامعین کی طرف سے ملیگا وہ اتنا ہی بڑا اور مقبول شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ نوٹوں کے ہار بھی پنجابی کوی درباروں میں ہی پنجابی کویوں کو پہنائے جاتے۔ اکثر دیکھنے میں آئے ہیں۔ بلکہ اس بدعت کو پنجابی شعرا خود ہوا دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے مداحوں سے پہلے ہی ملی بھگت کر لیتے ہیں کہ کوی دربار میں انھیں نقد روپیہ انعام کے طور پر دیں اور نوٹوں کے ہار پہنائیں تاکہ انھیں دیکھ کر دوسرے سامعین بھی نقد روپیہ انعام میں دیں۔ ملی بھگت والے مداحوں کا روپیہ بعد میں واپس کر دیا جاتا ہے۔

ایڈیٹر شانِ ہند نے کئی بار اردو مشاعروں میں بھی اس بدعت کو دیکھا مگر اردو کے انہی شعرا نے یہ قوالیانہ نذرانہ عام طور پر قبول کیا۔ جو شراب پینے کے عادی ہیں۔ کرنال کلب میں مشاعرہ ہو رہا تھا کہ ایک سردار صاحب جو شراب کے نشہ میں بدمست ہو رہے تھے۔ سامعین میں سے اٹھے اور مائک کے قریب آ کر نور جہاں نور حیدرآبادی کو بیس روپیہ کا نوٹ پیش کیا۔ نور جہاں نور روپیہ کے معاملہ میں اپنے سسر حضرت مولانا [illegible] سے بھی کوسوں آگے ہیں لہٰذا انھوں نے بیس روپے کا نوٹ جھٹ قبول کر لیا۔ اس پر کرنال کے اس وقت کے ڈپٹی کمشنر جناب سکھ دیو پرشاد اپنی نشست سے اٹھے اور نور صاحبہ سے بیس روپیہ کا نوٹ واپس لے کر کلب کے سکریٹری کو دے دیا کہ اسے کلب کے حساب میں جمع کر لیا جائے۔

مشاعروں میں اس قسم کے خالص قوالیانہ یا طوائفانہ مجرا قسم کے نذرانے ان لوگوں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں جنھیں شعر و شاعری سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور وہ اپنی [illegible] پسندی کا مظاہرہ اس طرح سے کرتے ہیں۔ اور جو شاعر ایسے نذرانوں کو قبول کرتے ہیں وہ لیاقت [illegible] روپیہ کے ضرور متمنی ہوتے ہیں۔

ویسے اردو مشاعروں کے اکثر سامعین بہت ہی غلط قسم کے ہوتے ہیں وہ شرابی شعرا کو مشاعرہ سے پہلے یا بعد میں [illegible] یا عمدہ شراب پلا کر اپنی ملاقی کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور شاعرات جو مشاعرہ کے سامعین [illegible] ہیں وہ اپنے مداحوں سے بھی [illegible] اگر صاحبان قبول کرتی ہیں سامعین کے تحفے دینے میں عام طور پر [illegible] سنانے والے کارخانہ دار خاصی شہرت رکھتے ہیں کیونکہ [illegible] شاعرہ یا شاعر کے کلام یا ترنم کے معیار کی نسبت [illegible] یا مشاعرہ کے [illegible] جاتی ہے۔ اور [illegible] اردو شاعرات یا شاعر [illegible] اس قسم کی "ملاقی" سے نوازتے ہیں تو اس میں حیرت کی بات نہیں کیونکہ اردو شاعری کا نام ہی اس تثلیث کا [illegible] شراب، حسن اور موسیقی سے مرکب ہے۔

اردو مشاعروں میں قوالیانہ اور طوائفانہ مجرا کا رنگ ملانے کو شاعری کے پردہ میں حسن پرستی کرنے والے منتظمین مشاعرہ ہی کا ہاتھ ہے۔

عروں کے دشمن شاعری منتظمین

جناب فیض الرحمٰن صاحب فیض سردار (ضلع رائے چور کرناٹک)
تحریر فرماتے ہیں۔ شان ہند کے چند شماروں سے پیش ور
کی بدمعاملگی اور دوسرے عنوانات سے لکھا جا رہا ہے اور
ین مشاعرہ کی کالی کرتوتوں پر پردہ ڈالا جا رہا ہے۔ شانِ
نے صرف تصویر کا ایک ہی رُخ دیکھا ہے دوسرے رُخ پر توجہ
ہوئی۔ میں اس ضمن میں دو حقائق پیش کر رہا ہوں۔ توقع
ہے منتظمین مشاعرہ کی بداعمالیوں کی جانب بھی توجہ فرمائینگے۔
ں نقاب کشائی راقم الحروف کر رہا ہے۔
ضلع ٹمکور صوبہ کرناٹک میں دو سال قبل ایک ادبی انجمن
ت سے ایک شاندار مشاعرہ کا اعلان اخبارات کے ذریعہ
ا۔ اور شعرا کو جو دعوت نامے بھجوائے گئے اس میں نہایت
ی کے ساتھ یہ استدعا کی گئی تھی کہ ہمارے شہر میں پہلی بار
الشان مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے جناب سے قوی توقع ہے
شاعرہ میں شریک ہو کر ہماری عزت افزائی فرمائیں گے۔
بات آمد و رفت، قیام و طعام جملہ سہولیات کے علاوہ
ہ روپیہ نذرانہ پیش کیا جائے گا۔
اس خوبصورت دعوت نامہ پر تاریخ مقررہ پر جملہ مدعو
شعرائے کرام کا جم غفیر ٹمکور پہنچا تو ٹمکور کو مشاعرہ کے
ڑوں اور بینرز سے اٹا پایا۔ مگر کسی شاعر کے بھی قیام و طعام
ا انتظام کسی جگہ بھی نہیں تھا۔ آخر کار شعراء کا یہ قافلہ
ا ہوا منتظمین مشاعرہ کے گھروں پر پہنچا تو ایک منتظم نے
ہ مشاعرہ کے خازن صدر رقم کے ہمراہ غائب ہیں۔
لئے مشاعرہ کا انعقاد ممکن نہیں اس پر شاعروں نے واپسی
راجات کا مطالبہ کیا۔ ۔۔۔ حالات کچھ ایسے ہی ہیں
پ کا یہ مطالبہ بھی منظور نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ شعرا بیچارے
ا دھرام نہ معلوم کیسے اپنے گھروں کو واپس ہوئے بعد میں
ا ہوا کہ چند منچلوں نے عوام کو الو بنا کر سوچی سمجھی اسکیم کے
ت سات ہزار روپیہ اس طرح بٹور لیا۔
چند سال پہلے آندھرا پردیش کے ایک تعلقہ میں بھی اس قسم
کا واقعہ پیش آیا وہاں کے منتظمین مشاعرہ نے شعرا حضرات کو دعوت
نامے جاری کئے۔ شعرا کو بہترین قیام گاہوں میں ٹھہرایا گیا مشاعرہ
بڑے ٹھاٹ سے ہوا۔ اور مشاعرہ کے بعد شعراء سے کہا گیا کہ اب
آپ آرام فرمائیے صبح ناشتہ کے بعد آپ حضرات کا معاوضہ ادا کر
جائے گا۔ مگر صبح تک تمام منتظمین مشاعرہ فرار ہو چکے تھے نتیجہ
میں شعرا کو اپنے قیام و طعام کے جملہ بل بھی خود ادا کرنے پڑے
اور واپسی بھی اپنے ہی اخراجات سے ہوئی۔
چند سال ہوئے بنگلور میں مدراس کے چرم فروشوں نے
ایک مشاعرہ بذریعہ ٹکٹ منعقد کیا۔ شعرا کی سپلائی بھی انہوں نے
ایک شاعر کی ذریعہ کی۔ لوگ کافی تعداد میں مشاعرہ میں شریک ہوئے
اور ٹکٹ بھی خوب فروخت ہوئے۔ لیکن مشاعرہ کے بعد منتظمین
نے نقصان کا بہانہ بنا کر شعرا حضرات کو صرف اور صرف واپسی
کا کرایہ ہی دیا۔
فیض صاحب اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ان حقائق کی روشنی
میں آپ ہی بتلائیے کہ منتظمین کو مشاعرہ منعقد کرنے کی ضرورت ہی
کیوں محسوس ہوتی ہے۔ کیا ادب کی خدمت صرف مشاعروں سے
ہی ممکن ہے۔ شعرا تو منتظمین مشاعرہ کو مجبور نہیں کرتے کہ وہ مشاعرے
منعقد کرائیں کہ ہم فاقوں مر رہے ہیں۔ یہ منتظمین محض اور محض جلب
منفعت کے لئے مشاعرے کراتے ہیں اور شعرا پر بھی ایک پیسہ بھی
خرچ نہیں کرتے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ شاعر بیچارا بھوکا ہوگا۔
منتظمین کا اتنا ہی فائدہ ہوگا۔ اگر علمی شاعر یا کوئی انجمن محض علمی شغف
یا حق شاعری کم گو کا رد عمل کیا ہے تو منتظمین کی پانچوں انگلیاں گھی
میں ہوتی ہیں۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض شعرا کی زندگی کا دارومدار
شاعری پر ہی ہے اگر ایسے شاعر معاوضہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو کیا برا
ہے۔ دور دراز کا سفر صعوبتوں سے طے کرکے اور درد سر مول لیا
یہ شاعر نہیں کیا ۔۔۔ ہوگا۔ اگر شاعر سفر کرکے بیمار ہو جائیں تو
علاج کون کرائے گا وغیرہ وغیرہ۔
ایڈیٹر شان ہند: فیض صاحب کی اکثر تفصیلی تحریر سے متفق
ہے مگر یہ بعض شعرائے کرام کی کمزوری ہے کہ ایسے منتظمین کو
قانون کی گرفت سے دور رکھنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔

بیس سال ہوئے قنوج میں ایسا ہی ایک مشاعرہ ہوا۔ شعرا کی ٹکڑیاں بھر بھر کر قنوج کی عطر بیز سرزمین پر اپنے شاعرانہ کمالات دکھانے کے لئے میدان میں اتریں اور خدا کی قسم مشاعرہ اتنا بہترین ہوا کہ مدتوں بعد ایسا کامیاب اور بہترین مشاعرہ دیکھنے اور سننے میں نہ آیا۔ مشاعرہ صبح چار بجے ختم ہوا۔ پانچ دس منٹوں میں شامیانے، بجلی کے قمقمے، دربان، سٹیج وغیرہ سب ختم۔ منتظمین کا کہیں پتہ نہیں۔ قیام گاہ پر شعرا حضرات واپس آئے تو وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ مالک مکان نے فرمایا کہ اب مشاعرہ ہو چکا آپ لوگ تشریف لے جائیے۔ بیچارے شعراء نے حیرت سے مالک مکان سے مشاعرہ کے منتظمین اور کنوینر مشاعرہ کے بارے میں دریافت کیا تو یہ صاحب جو خالص قسم کے مالک مکان تھے اپنی گرجدار آواز میں کہنے لگے کہ مجھ سے تو ان لوگوں نے چند گھنٹوں کے لئے جگہ مانگی تھی اور کہا تھا کہ مشاعرہ کے بعد یہ لوگ اپنے آپ چلے جائیں گے۔

شاعروں کا مالک اللہ قنوج کی گلیوں میں بے یار و مددگار پھر رہا تھا اور انہیں کوئی چائے پلانے والا بھی نہیں تھا۔ یاد دہلوی فرمانے لگیں سرور بھائی مجھے تو اندور ریڈیو پر کل رات کو مشاعرہ پڑھنا ہے میں تو جا رہی ہوں ایاز جھانسوی بھی ان کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے۔ ایڈیٹر شان ہند کو سیٹھ چندر گپت صدر میونسپل بورڈ اپنے ہاں لے گئے۔ ایڈیٹر شان ہند نے سیٹھ چندر گپت سے کہہ کر ان بے یار و مددگار شعراء کو چائے پلائی اور کھانا کھلانے کا بندوبست کرایا۔ اصغر علی محمد علی عطر والوں کی شاخ کے انچارج اور دوسرے کارخانہ جات عطر کے مالکان نے مل کر ان شعراء کو واپسی کا کرایہ دیا۔

ایڈیٹر شان ہند مشاعرہ کے بعد تین دن قنوج میں رہا اور ضلع فرخ آباد کے کلکٹر سے مل کر یہ سارا معاملہ ان کے سامنے رکھا جنہوں نے وعدہ فرمایا کہ وہ ان بدقماش منتظمین مشاعرہ کو سبق سکھائیں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جملہ شعراء کو معاوضہ بعد میں منی آرڈر سے موصول ہوا۔

حال ہی میں مراد آباد میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ کیا شاعر میں یہ سکت نہیں کہ وہ اس معاملہ کو قانون کے ہاتھوں میں دے۔ اگر ایسے گھناؤنے کردار کے منتظمین مشاعرہ کو قانون کے سپرد کر دیا جائے تو اس قسم کے واقعات یقیناً بند ہو جائیں گے۔

حق کانپوری باطل کی راہ پر

جناب ایم۔ قاسم رسا دتیاوی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی ودیشہ (ایم۔ پی) سے تحریر فرماتے ہیں۔

محترم سرور صاحب:۔ تسلیم و نیاز

ماہ جون ۱۹۷۶ء کے "شان ہند" کا شمارہ دو تین ماہ قبل نظر سے گذرا تھا۔ اسی شمارے کے صفحہ دس پر سہارنپور کے مشاعرے کی روداد میں جناب حق کانپوری کے کچھ اشعار بھی نظر نواز ہوئے تھے چونکہ گذشتہ دو تین ماہ سے میں کچھ پریشانیوں میں مبتلا رہا اس لئے آپ کو خط بھی تحریر نہیں کر سکا۔ دراصل حق صاحب کے ان اشعار میں بشیر صاحب کے دو شعر جو حاشیہ پر درج غزل میں مارک کئے گئے ہیں شامل تھے اس لئے بہت تعجب ہوا۔ بشیر گوالیاری کی یہ غزل میں ۱۹۵۸ء سے سنتا چلا آ رہا ہوں لہٰذا یہ اشعار حق صاحب کے تو ہو ہی نہیں سکتے ہیں۔

گذشتہ ۹ ر دسمبر ۷۶ء کو باسودہ میں منعقد مشاعرے میں اتفاق سے حق اور بشیر دونوں موجود تھے وہاں بھی بشیر نے یہی غزل پڑھی۔ محترم جوہر صاحب کے دو ٹوک کہنے پر حق صاحب نے یہ اعتراف بھی کیا کہ وہ اشعار ان کے نہیں ہیں اور غلطی سے سہارنپور میں پڑھ دیئے تھے۔ انہوں نے توبہ کا بھی وعدہ جناب کول بھوپالی سے فرمایا تھا۔ ہنوز توبہ نہیں ہوئی اس لئے یہ خط میں آپ کو تحریر کر رہا ہوں تاکہ حق کی حقیقت لوگوں کے سامنے آ جائے۔ جناب بشیر گوالیاری کی اصل غزل ملاحظہ فرمائیے۔ اور ان دو اشعار حق صاحب نے سہارنپور کے مشاعرے میں اپنے اشعار کہہ کر پڑھے جناب بشیر کی غزل ملاحظہ فرمائیے۔

غزل

کیوں دے دیا دل ہم کو یہ اب یاد نہیں ہے
کچھ اپنی تباہی کا سبب یاد نہیں ہے

اے دوست میں کس طرح بتاؤں تیری جانب
کیوں بڑھ گیا دامانِ طلب یاد نہیں ہے
کیا پوچھتے ہو دوستو روداد محبت!
بس لُٹ گئے لُٹنے کا سبب یاد نہیں ہے!
تم بزم میں میری کسی لغزش پہ نہ بگڑو!
دیوانہ ہوں میں رسم ادب یاد نہیں ہے
اُس پہلی نظر پہلی ملاقات کا عالم!
کچھ کچھ تو مجھے یاد ہے سب یاد نہیں ہے
اے دوست شبِ غم مجھے کیا کہہ کے پکارا
اس وقت مجھے کوئی لقب یاد نہیں ہے
کس طرح تبشیر اُن کو دیا دل یہ نہ پوچھو!
مدت ہوئی اس بات کو اب یاد نہیں ہے

جناب ایم قاسم صاحب کے گرامی نامہ سے حق صاحب کی شاعرانہ چوری کا انکشاف کچھ حیرت کا موجب نہیں ہے کیونکہ ایڈیٹر شانِ ہند کا یہ نظریہ ایک مدت سے ہے کہ حق صاحب شاعر نہیں ہیں۔

باسودہ میں جناب جوہر صاحب کے دولتکدہ پر حق صاحب کا یہ اعتراف کہ وہ بشیر صاحب کے دو شعر غلطی سے پڑھ گئے تھے اس امر کا منہ بولتا اعتراف ہے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو شاعر نہیں مانتے۔

وہ منتظمین مشاعرہ جو حق صاحب کو بطور شاعر اپنے ہاں بُلاتے ہیں ان کی شاعرانہ چوری کے اس واقعہ سے سبق سیکھیں اور آئندہ گلے باز متشاعروں کو بُلا کر اُردو مشاعروں کو مزید بدنام نہ کریں۔

"نذرِ وطن" کو ایوارڈ

راجستھان ساہتیہ اکاڈمی نے جناب محمد عثمان عارف نقشبندی ممبر راجیہ سبھا کو ان کی تصنیفِ لطیف "نذرِ وطن" کو ایک ہزار روپیہ کا انعام دیا ہے۔ "نذرِ وطن" اور جناب عارف صاحب کی اس عزت افزائی پر ادارہ شانِ ہند عارف صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

یکم فروری ۱۹۷۷ء کو ایک سرکاری تقریب میں یہ ایوارڈ عارف صاحب کو عطا کیا گیا۔

۱۹۷۷ء کا المناک سانحہ

صدرِ جمہوریہ ہند کا انتقال

۱۱ر فروری ۱۹۷۷ء کو صدرِ جمہوریہ ہند عالیجناب فخرالدین علی احمد حرکتِ قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال فرما گئے۔ ہر ہندوستانی کو اس المناک سانحہ پر دلی افسوس ہے۔ مرحوم چالیس سال سے ملک و قوم کی خدمت جس دیانتداری اور سیکولر انداز سے کر رہے تھے۔ وہ ہر ہندوستانی کے لئے مشعلِ راہ کا مقام رکھتا ہے۔ سچے محبِ وطن، سچے مسلمان اور ایک اچھے انسان میں جو خوبیاں ہوتی ہیں۔ وہ سب مرحوم میں پائی جاتی تھیں اور اُنھوں نے اپنے قول و فعل سے ہمیشہ یہ ثابت کیا کہ وہ ملک کے ہیں اور ملک کے ہر باشندے کے حقوق بحیثیت راشٹرپتی ان کے ہاتھوں میں یکساں طور پر محفوظ ہیں۔ ادارہ شانِ ہند ملک کے اس عظیم نقصان میں برابر کا شریک ہے۔

مشاعرۂ جشنِ جمہوریت شمالی

کریمی الاحسانی

یہ وہ مقدس اور قابلِ احترام سرزمین ہے کہ جہاں سے جنگِ آزادی کی لڑائی لڑی گئی اور ہزار ہا مجاہدین۔ سرفروشوں نے ملک کی آزادی کے لئے ہنسی خوشی قربانیاں دیں۔

یہ وہ شہرِ حریت ہے کہ جہاں انگریز کے خلاف ایک مہاذ قائم [illegible] عظیم نام [illegible] سے جم کر [illegible] کر لی۔

یہ وہ شہر ہے کہ جس کے ایک مجاہد حریت، انسانیت کے علمبردار، ہندو مسلم اتحاد کے سرگرم مجاہد، وطن دوست، وطن پرست شہید [illegible] نے سر [illegible] کیا اور جن کو صرف ان [illegible] آزادی کا [illegible] سے [illegible] کر دیا [illegible] اور قومی [illegible] ان کی روح [illegible]

یہ [illegible] شاعر نواز اور ادب دوست ہے کہ جس نے اس [illegible] میں [illegible] بجے تک خوب [illegible] اور [illegible] مبارکباد کے مستحق [illegible]

دہلی کے مشاعروں اور [illegible] سے فراغت پا کر [illegible] [illegible] ہو چکا ہوں یہاں [illegible] [illegible] گیا [illegible] یہاں بچوں کا پروگرام چل رہا تھا اور سامعین کا [illegible] [illegible] احمد جناب [illegible] [illegible] صدارت کے لئے جناب [illegible] [illegible] سامعین نے [illegible] کیا ہے اور آپ مختصر سی تقریر فرما کر شعراء ہی میں بیٹھ گئے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سے ہیں۔

تکلفات کا دور ہے کیا کیا جائے
مرے مزاج میں الجھن ہے کیا کیا جائے
ہر ایک خواب کسی بھول کی امانت ہے
حیات دھوپ کا آنگن ہے کیا کیا جائے
میں غم لپیٹے ہوں مجھ کو نہ تم خوشی بخشو
چراغ غم سے ہی روشن ہے کیا کیا جائے

داد وصول کرتے ہوئے فرما رہے ہیں

شاداں حسن کو ملی وہ دادِ زندگی اپنی
ہر ایک آنکھ میں ساون ہے کیا کیا جائے

عرفان صاحب داد پا کر تالیوں کے شور میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور منیش صاحب ایک انداز۔ ایک لہجہ، ایک ترنم، ایک مجسم غزل نظر آتی ہوئی خوبصورت [illegible] رہے ہیں۔ مالک قدرے مسکراتے تمنا صاحب [illegible] کر فرما رہے ہیں [illegible] اسی پیار [illegible] [illegible] ہیں اور نظر صاحب [illegible] داد دی [illegible] غزل سرا ہیں

تم راز زمانے پر خود عشق کا کھولو ہو
تم نام مرا [illegible]

داد پر کسی ہنگامہ کا گماں ہو رہا ہے اور آپ اسی بانکپن سے غزل کو گرما رہے ہیں

مجھ پر تو قیامت ہے ہر رات جدائی کی
حیرت ہے کہ تم کیسے آرام سے [illegible]
مجھ سے نہ کہو لیکن [illegible] [illegible]
تم بھی مری حالت [illegible]

پھر [illegible] داد کا ایک ہنگامہ سا آیا ہے کئی بار [illegible] [illegible] سے [illegible] رہے ہیں

جب مجھ سے تعلق ہی اب کوئی نہیں تم کو
تم خواب میں آ آ کر کیوں [illegible]

پھر ایک ہنگامہ کا عالم ہے اور آپ غزل [illegible] ہیں

ارباب محبت کو حیرت ہے [illegible] [illegible] [illegible]

نظر صاحب محفل کو گرما کر ہجوم تالیوں کے شور [illegible]

رہے ہیں اور مشیر صاحب دعوتِ غزل دے رہے ہیں ملک کے مشہور نابینا شاعر سلیم کچھولوی کو۔ سلیم صاحب فرما رہے ہیں ایک حسین غزل کے بعد مجھ ایسے شاعر کو بلوایا جا رہا ہے جس شاعر نے ایسی حسین خواہشات وہ کیسا حسین ہوگا — ایک قہقہہ — پہلے یہ بتائیے یہ چوٹ کہاں کھائی — ؟ مظفر رزمی مسکرا کر فرما رہے ہیں اس پیار [illegible] ہیں سلیم صاحب کے ماتھے پر چوٹ آئی ہوئی تھی [illegible] ہیں۔ سلیم صاحب لہک رہے ہیں ؎

زندگی گذری ہو جس کی کچھ بھی انسانوں کے ساتھ
وہ محبت سے ملے گا اپنے بیگانوں کے ساتھ
[illegible] پیدا کریں گے ربط ویرانوں کے ساتھ
زندگی گذرے گی دیوانوں کی دیوانوں کے ساتھ
[illegible] محبت کا الگ دستور ہے
ہوش کی باتیں نہ کیجئے آپ دیوانوں کے ساتھ
[illegible] یہ ہم دنیا نرالی چیز ہے
ظلم اپنوں سے روا اور لطف بیگانوں کے ساتھ
[illegible] اس لئے سرچشمۂ انوار ہے
زندگی بھر میں نبھا ہوں جلوہ سامانوں کے ساتھ

سلیم صاحب داد تو ہر حال میں لے ہی لیتے ہیں لہٰذا محفل کو خوب خوب گرما کر اپنی جگہ لائے جا رہے ہیں اور مشیر صاحب ولو دانشک کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں دانشک صاحب رواں دواں [illegible] صاف گئے اور میں نے چپکے سے کہا ؎

اس بے رخی پہ کون نہ مر جائے گا ولو

آئیے ایک شعر تو سنتے ہی جائیے گا۔

پرچھائیوں سے ننگا بدن ڈھانکتا تھا میں
سہمی ہوئی سی چاندنی اور ہانپتا تھا میں

آئیے پھر اس کا غزل میں چل کر کوثر زیدی کیرانوی سے یہ حسین غزل سنئے ؎

ان کی ہر صبح صبحِ رعنائی ٭ میری ہر شام شامِ تنہائی
جب تعلق نہ تھا کوئی ان سے ٭ یاد کیوں ان کی بار بار آئی
[illegible] کانپ کانپ اٹھی ٭ صبح دم لی جو اس نے انگڑائی
[illegible] دوستی کی مگر سزا پائی

کوثر صاحب محفل کی تشنگی دور کر کے تالیوں کے شور میں ملک سے جدا ہونا چاہتے ہیں کہ ایک اعلان ہوا ہے کہ مسٹر شرون کمار رنگ و روغن والوں کی طرف سے کوثر صاحب کو پانچ روپے پیش کئے جا رہے ہیں کوثر صاحب نے شکریہ کے ساتھ قبول کر کے جا رہے ہیں اور مشیر صاحب رنگِ محفل بدلنے کے لئے ناوک لکھنوی کو دعوتِ طنز و مزاح دے رہے ہیں ناوک صاحب ترنم سے فرما رہے ہیں ؎

وہ عجب انداز سے چل دکھا کر رہ گئے
اور ہم مارے خوشی کے سر جھکا کر رہ گئے
وہ نظر سے دل پہ ایٹم بم گرا کر رہ گئے
چاہنے والے [illegible] جتنے تلملا کر رہ گئے
راہ میں کالج کی لڑکی نے جو دیکھا ناز سے
نوجواں ہونٹوں میں کالر کو دبا کر رہ گئے

ناوک صاحب ایک طویل نظم سنا کر محفل شعر و سخن میں قہقہہ زار کر کے تالیوں کے شور میں اپنی جگہ کر رہے ہیں اور مشیر صاحب ایک خوش گلو، خوش ادا، خوش فکر شاعر تمنا جھنجھانوی کو دعوتِ کلام دے رہے ہیں تمنا صاحب نے مائک بلند کیا ہے اس پر شریف صاحب مسکرا کر فرما رہے ہیں بہت اونچا اٹھا لیا آپ نے خود کو — پہلے کون سے اونچے نہیں تھے — ایک آواز — ایک قہقہہ — اور تمنا صاحب یوں محفل کو چونکانے چلے ہیں ؎

پوچھا تو حالِ زار مگر دور دور سے
اُمید ہم نے کی تھی بہت کچھ حضور سے

داد تالیوں سے وصول ہو رہی ہے اور آپ یوں محفل کو گرما رہے ہیں ؎

مانا کہ گفتگو کے بھی لائق نہیں مگر ٭ دیوانہ ان سے بات کرے بھی شعور سے
دل نے [illegible] ٭ [illegible]
ہم مست [illegible] ٭ [illegible]

پھر داد [illegible] سے سنا ہے اور آپ [illegible] سے سرکا کر رہے ہیں ؎

دل پر غمِ فراق کے سائے تھے [illegible] ٭ پرچھائیوں [illegible]
تیری [illegible] ٭ [illegible]

پھر داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ اپنی جگہ [illegible]

تالیوں کی گونج میں شاعرہ پیچھے ہٹ رہی ہیں ادھر تعظیم حامد رضوی کو مشیر صاحب یاد فرما رہے ہیں۔ یہ کیوں پہلو رہے ہیں ——؟
ایک آواز —— حالانکہ آپ تو صرف بچوں کو سلانے کے لئے تسنیم صاحبہ کے ساتھ آئے ہیں —— دوسری آواز —— سب جانتا ہے —— تیسری آواز —— اسی ہلکی مذاق میں آپ فرما رہے ہیں
کہتے ہیں کہ بچے اسی نفرت سے مر جائیں گے ۔ ضبط کی راہ میں اگر دم جائیے
اس سے پہلے کہ اندھیرا کا عالم چھائے ۔ ہم بھی اس دور سے گزر جائیے
ایسا لگتا ہے تری زلف پریشاں کی طرح ۔ ہم بھی ان شہر ہواؤں میں بکھر جائیں گے
تعظیم صاحب مناسب داد پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں چونکہ تسنیم صاحبہ جو لکھی بلبلا کر گئے ہیں اسکا اس کا تاثر باقی ہے لہٰذا فیضی صاحب جم نہ سکے اور مشیر صاحب عامل صدیقی کو یاد فرما رہے ہیں عامل صاحب فرما رہے ہیں ؎

سب کچھ تو لٹ چکا ہے اے آسمان والے
اب اتنی التجا ہے بس آبرو بچا لے
ہر سمت سے اٹھنے لگے ہیں تیر بلا ہے ہیں
کل تک جو بہر رہے تھے جھولی میں پھیلانے لے

واہ واہ کا شور کم ہوا تو ارشاد ہوا ہے ؎

اظہارِ آرزو کی ایسی سزا ملی ہے ۔ اجنک پڑے ہوئے ہیں میری زباں پہ تالے
میں ہوں اگرچہ عامل تاریکیوں کا مجرم ۔ کیا ساتھ دیں گے میرا یہ صبح کے اجالے

عامل صاحب داد لوٹ کر مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور مشیر صاحب سلیم شیرازی لکھنوی کو زحمتِ غزل دے رہے ہیں سلیم صاحب یوں دلکشی سے غزل سرا ہیں ؎

ہم کو ہمدردی کے الفاظ بھی ڈس جائیں گے
ہم وہ گل ہیں جو سہاروں سے جھلس جائیں گے
مجھ سے مت پوچھو مرا حال ہے کیا اہل سخن
راز تیرے مری آنکھوں سے برس جائیں گے

اس کے بعد ارشاد ہوا ہے ؎

سنگ اٹھائے ہوئے پھرتی ہیں یہاں کی گلیاں
ہم نے سوچا تھا اس شہر میں بس جائیں گے
ہم کو معلوم نہ تھا شہر میں ہوں گے
[illegible]

سلیم صاحب مناسب داد و تحسین پا کر مائک سے الگ ہٹ گئیں اور مشیر صاحب دعوت سخن دے رہے ہیں تسنیم فیضی کو۔ تسنیم صاحبہ ایک بہت شاندار غزل الاپ رہی ہیں سنئے ؎

چھوتے ہی برگِ گل کو مرا ہاتھ جل گیا ۔ لیکن تمام عمر کا کانٹا نکل گیا
پہلے تو منزلوں کی حدوں سے نکل گیا ۔ پھر خود ہی رہنما کا ارادہ بدل گیا
ماضی کا احترام ضروری ہے آج بھی ۔ یہ اور بات ہے کہ زمانہ بدل گیا
پہلے بھی نا قبول نہ تھا عالمِ فراق ۔ تم یاد آ گئے تو ذرا دل بہل گیا

تسنیم صاحبہ بڑے رنگ کو جنم دے کر تالیوں کے بے ہنگم شور میں مائک سے جدا ہوا چاہتی ہیں کہ ایک اور ایک اور کا ہنگامہ ہے لیکن مشیر صاحب نے تسلی کرتے ہوئے فرمایا کہ دوسرے دور میں سنئے گا اب آپ کے سامنے شرعی قربانی کا مکرر اکرمی الاحسانی کو رہا ہوں —— ادھر ایک اور ایک اور کا نعرہ بلند ہے اور اس عالمِ شور و غل میں مشیر صاحب نے مذاق کیا ہے آپ یہ سن کر نہایت خوش ہوں گے کہ واقعی مجھے سن لیا گیا آئیے آپ بھی سماعت فرمائیے گا ؎

گمان بھی نہ تھا انساں یہ ارتقا دے گا
ہر ایک شہر میں بارود ہی بچھا دے گا
ہمارے کشتی میں ہر شخص ناخدا تو نہیں
کوئی تو ڈوبنے والوں کو آسرا دے گا
یہاں تو پیچھے بھی مصلوب اب نہیں ہوتے
یہ دور جھوٹوں کو کیا دار پر چڑھا دے گا
ان اونچے محلوں سے کالا کو ڈھونڈ لیا تو
وگرنہ سایہ بھی ان کا تمہیں دبا دے گا
یہ بھیڑ یاروں کی یہ دوستوں کا ہجوم غفیر
انھیں نہ جانچ کہ یہ وقت سب بتا دے گا
کسی ولی و قلندر کی بات کیا کہئے
خدا اسے بندہ کو اقبال بھلا دے گا
جنگ ہو یا دور کوئی [illegible]
[illegible]

زمانہ کچھ ناجیوں کو مجرمِ الفت سمجھتا ہے
وہ پہلا کون ہے جس سے یہ نادانی نہیں ہوتی

جاوید صاحب داد لوٹ کے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور مشیر صاحب رنگِ محفل بدلنے کے لئے دعوتِ غزل دے رہے ہیں منظر رزمی کیرانوی کو۔ رزمی صاحب یوں گویا ہوتے ہیں غزل سرائی سے

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آئینہ گر کر ہاتھ سے
میرا چہرہ ان گنت چہروں میں بٹ کر رہ گیا

میں چلا تھا ڈھونڈنے غنچہ و گل کی مگر
ایک کانٹا میرے دامن سے لپٹ کر رہ گیا

حادثہ در حادثہ ۔ حادثہ در حادثہ

اس مصرعہ پر پنڈال میں ایک بھونچال سا آیا ہے اور آپ کئی بار دہرا کر لہک رہے ہیں ؎

سارا ماضی ایک آنسو میں سمٹ کر رہ گیا

پھر داد ہے کہ کچھ نہ پوچھئے رزمی صاحب محفل کو گرما کر داد کی جھنکار میں اپنی جگہ کامران پلٹ رہے ہیں اور مشیر صاحب فرما رہے ہیں کہ ان کے چہرے پر نہ جائیے ان کی پارسائی کو نہ دیکھئے لیکن ان کے اشعار میں دل کی سیاہی ضرور ملاحظہ فرمائیے اور آپ ہیں مولانا شاکر حجتا رزمی ۔ دیکھا تو شاکر صاحب الرشید مبارک باد لے کر آ کر یوں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

زلف کا رخ سیہ نام نہ آئے ؛ صبح کی حد میں شام نہ آئے

مطلع نورِ علی نور ۔ ترنم شعلہ سا لپک رہا ہے اس پر سامعین خوش فہم اور باذوق لیکن داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے کئی بار دہرا کر محفل کو یوں گرما رہے ہیں ؎

میری دنیا لوٹنے والے ؛ تجھ پہ کوئی الزام نہ آئے
قاصد ان سے سب کچھ کہنا ؛ لیکن میرا نام نہ آئے

پھر داد لفظ عروج سے سوا ہے اور آپ اسی طرح لہک رہے ہیں ؎

مفت گیا ہے دل کا سودا ؛ چھین لی اور دام نہ آئے
ڈھونڈ رہا ہوں ایسا سویرا ؛ شاکر جس کی شام نہ آئے

شاکر صاحب [illegible] اپنی جگہ پلٹ رہے ہیں اور [illegible]

نصرت صاحب [illegible] ترنم [illegible]

جب کبھی افسانۂ غم کوئی کہتا ہے یارو
دل نصرت سے ہمارے یاد کیا ہے یارو

ہم کو کب اپنی تباہی کا گلہ ہے یارو
حق پرستوں پہ سدا ظلم ہوا ہے یارو

[illegible] دینے والے [illegible] کو دکھ ہے یارو نصرت صاحب [illegible] چلے ہیں ؎

اب بھی آنکھیں نہیں کھولو گے تو پچھتاؤ گے
وقت احساس کی چوکھٹ پہ کھڑا ہے یارو

یہ جو کچھ اشک بکف اس میں لئے پھرتا ہوں
زندگی بھر کی وفاؤں کا صلا ہے یارو

کچھ بھی کہتے رہو تم اپنی زباں سے لیکن
کون حق پر ہے خدا دیکھ رہا ہے یارو

نصرت صاحب داد و تحسین وصول کئے مائک سے ہٹ رہے ہیں اور مشیر صاحب بلال رامپوری سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں۔ بلال صاحب خوب [illegible] محفل کو زعفران زار بنا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور اب مشیر صاحب نہایت متانت اور سنجیدگی سے عطا کر رہے ہیں ؎

وہ لوگ جو اس دور کا معیار بنے ہیں
احساس کی بھٹی میں شب و روز تپے ہیں

بجھتا ہوا شعلہ بھی جلانے کو بہت ہے
سوکھے ہوئے پتوں کے یہاں ڈھیر لگے ہیں

تہذیب کے دامن میں جو ہیں بیٹھے ہوئے
یہ پھول مقاصد کی ہواؤں سے کھلے ہیں

اے گردشِ دوراں تجھے کچھ یہ بھی خبر ہے
ہم لوگ جنم کی وفاؤں میں پلے ہیں

تسبیح کا رشتہ ہو کہ زنار کا رشتہ
دونوں ہی روایات کے رشتوں سے بندھے ہیں

جھلسے ہوئے پودوں پہ تعجب [illegible]
ایسے بھی ہیں کچھ [illegible] سے جلے ہیں

[illegible]

[illegible] الفاظ کے پیکر [illegible]

مشیر صاحب ہر شعر پر داد و تحسین پا کر [illegible]
[illegible] آکر [illegible] بلاغت [illegible]
مشہور شاعر قبلہ شوری سیوہاروی سے کر رہے ہیں شوری صاحب
[illegible] ترنم سے لہک رہے ہیں
[illegible]

[illegible] مشکل [illegible] مشکل ہے
[illegible]

[illegible] کے قابل ہے
[illegible]

[illegible] مشکل ہے
[illegible]

[illegible]
پر [illegible] لیکن اس شعر پر داد نے
[illegible] اور آپ [illegible] کر رہے ہیں ۔
نظر [illegible] میں [illegible]

[illegible] کے قابل ہے
[illegible] عنایت
کر رہے [illegible]

انھیں دیکھا [illegible]
[illegible] معلوم ہوتی ہے
سبب [illegible] وحشی کو
[illegible] معلوم ہوتا ہے
کوئی سمجھے محبت کو تو آخر کس طرح سمجھے
[illegible] معلوم ہوتی ہے

قبلہ شوری صاحب محفل کو گرما کر خوب خوب داد و تحسین پاکر
تالیوں کے شور میں [illegible] ہیں اور آپ کے
ساتھ [illegible] ۔ لا جواب اور یادگار
محفل شعر و سخن برخاست [illegible] ہے
[illegible] صاحب چیئرمین [illegible]
نے اس مشاعرہ کو کامیاب کرانے میں انتھک کوشش فرمائی۔
[illegible] خصوصی دلچسپی

[illegible] سے آئے ہوئے شعراء [illegible] کر کے
[illegible] یادگاری مشاعرہ بنا دیا ہمدرد حضرات اور [illegible]
مبارکباد کے مستحق ہیں کہ سب ہی نے اس مشاعرہ کو کامیاب
کرانے [illegible] نوازی میں بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا۔
پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔
خدا حافظ ——!

[illegible]

غزل

ہر التفات تری بے رخی لگے ہے مجھے
خود اپنے شہر میں ہر اجنبی لگے ہے مجھے

میری تباہی کا الزام دشمنوں کو [illegible]
یہ دوستوں کی کرم پروری لگے ہے مجھے

نہ جانے کون سی [illegible] باقی ہے
بہت حسین مری زندگی لگے ہے مجھے

وہ جن کو ہم نے [illegible]
[illegible] لگے ہے مجھے

مقام اہل شرافت کو پا نہیں سکتے
وہ لوگ ظرف میں جن کے کمی لگے ہے مجھے

ہے اک فریب مسلسل [illegible]
یہ رہبری تو نہیں رہزنی لگے ہے مجھے

کچھ ان کی فکر کرو سیم و زر کے متوالو
وہ جن کے چہروں پہ اب [illegible] لگے ہے مجھے

اب اس مقام پہ [illegible]
کہ دوستی بھی [illegible] دشمنی لگے ہے مجھے

افسانہ

اُفق کے آگے

سوشیالوجی
شاکرہ افروز ـ ایم اے فائنل
جامعہ ملیہ اسلامیہ

وہ میٹرنٹی وارڈ کے برآمدے میں بے چینی سے ٹہلتا رہا ـ اس کی انگلیوں میں پھنسا ہوا کنگ سائز سگریٹ سسک سسک کر اپنے وجود کو ختم کر رہا تھا ـ مگر اس کے ذہن میں روحی کی مسلسل چیخ گونجتی رہی ـ وہ دل ہی دل میں چیخ اس کے وجود کو تنکے کی مانند ہلکا کرتی رہی ـــ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتی روحی ـ کبھی نہیں جا سکتی ـ خدایا!

اس نے نظریں نیلے آسمان کی جانب ڈالیں ـ میری روحی کو بچا لے ـ ایک تمہارا ہی سہارا ہے ـ وہ موت و زیست کی کشمکش میں تڑپ رہی ہے ـ کیا میرا پیار اتنا جلد فنا ہو جائے گا؟ نہیں ـ نہیں ـ ایسا نہیں ہو سکتا ـ روحی مجھ سے نہیں بچھڑ سکتی ـــ اس نے تو ہمیشہ ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کی قسمیں کھائی ہیں ـ ابھی ہم لوگوں نے زندگی کی دو بہاریں دیکھی ہیں ـ میں خزاں کا منحوس سایہ اپنی زندگی کے مسکراتے اور سنہرے چمن پر برداشت نہیں کر سکتا ـ خدایا ـــ تو میری روحی کو بچا لے ـ بچا لے ـ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے ـ اور دل کی بہت ہی اندرونی گہرائی سے دعائیں نکلنے لگیں ـ

مگر پھر اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے وہ خوفناک سپنا گردش کرنے لگا ـ وہی سپنا جس نے اس کے جسم کے سارے خون کو دھیرے دھیرے کسی لمبی جونک کی مانند چمٹ کر چوس ڈالا تھا ـ وہ سپنا ـــ روحی نے ایک بہت ہی خوبصورت سرخ و سپید گول مٹول بچے کو جنم دیا ہے مگر اس کا سارا جسم نیلا پڑ گیا ہے ـ اس کی آنکھوں کی روشنی ماند پڑ گئی ہے ـ زبان اینٹھ چکی ہے ـ اور وہ خاموش سنسان قبرستان کی جانب کاندھے پر روحی کا سفید جنازہ لا رہا ہے ـ اس کے قدم ڈگمگا رہے ہیں ـ اس ماحول میں نہ جانے کیسی عجیب سی خاموشی اور ویرانی ہے اور قبرستان کے بہت ہی پرانے، گھنے املی کے پیڑ کے اوپر ایک الو اپنی چھوٹی چھوٹی گول آنکھوں سے اس جنازہ کو گھور رہا ہے ـ

پھر اس کا ذہن پیچھے کی جانب بھاگا کہ کسی بہشت کی مانند گیا جہاں وہ روحی ملا کرتے ـ اس کا انتظار کرتی رہتی ـ ندی کے اوپر سبز سبز نرم گھاس شرمائی ہوا کے جھونکے سے جھومتی رہتی اور ندی کا پانی کناروں سے ٹکرا کر چھپ چھپ کرتا رہتا ـ اور اوپر آسمان کا چاند اس کے ٹھنڈے پانی میں دھیرے دھیرے ہلکوریں مارتا ـ روحی کو یہ سماں بہت ہی اچھا لگتا ـ وہ دھیرے سے اس کے کاندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیتی اور کہتی ــــ فراز! جی چاہتا ہے تمہارے ساتھ زندگی کا ہر ایک لمحہ اسی طرح گزار دوں ـ ہوائیں چلتی رہیں موجیں بہکتی رہیں ـ اسی ندی کے کنارے ایک ایسا چھوٹا سا گھر ہو جس کے دریچے سے میں ندی کی لہروں پر بہتے ہوئے چاند کو دیکھ پاؤں ـ اور ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ندی کنارے ریت سے گھروندے بنائیں اور توڑ ڈالیں ـ اچانک وہ شرم سے خاموش ہو جاتی ـ اور اس کے کاندھے میں منہ چھپا لیتی ـ

گھر تم بناؤ گی ـ دریچے سے تم جھانکو گی ـ بچے تمہارے ہوں گے اور رات میں گھر بناؤں ـ یہ کیسی بات ہوئی ـ وہ اس کی آنکھوں کی بے کنار وسعت میں ڈوب کر کہتا ـ

گھر تو ہم دونوں کا ہو گا ـــ بچے بھی آپ کے اور آپ ہی کے ہوں گے ـ اور دریچے سے کبھی کبھی تم بھی جھانک لیا کرنا ـــ وہ ہنس کر جھانکنے کی اجازت دے دیتی ـ

روحی! کیا ہم دونوں کی محبت کامیاب ہو گی ـ میں اچانک اداس ہو کر پوچھتا ـ

ارے! او بھولے ہیں بھروسہ رکھو ـ سچا پیار امر ہوتا ہے نا ـ اور پھر میں تمہاری ہوں، فراز صرف تمہاری ـــ اور اچانک کالی گھٹاؤں کی آغوش میں چھپا ہوا چاند جھانکنے لگتا ـ

اور پھر دیکھو وہ چاند چپکے چپکے ہم دونوں کی باتیں سن رہا ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیار کو نظر لگ جائے ـ

آؤ ـــ میں تمہیں چاند کی کرنوں سے چھپا کر چھپا لوں

اپنی گھنی کالی لمبی لمبی زلفوں کو چہرے پر پھیلا دیتی اور چاند کی کرنیں مایوسی سے پلٹ جاتیں۔ چاند بڑی حسرت سے ان گھنیری زلفوں والوں کو تکتا رہتا۔

اور ایک شام معجزہ رونما ہو گیا۔ روحی کے ڈاکٹر بھیا اس کے گھر روحی کا پیغام لے کر آئے۔ اور بڑی سی کشمکش کے بعد اس رشتے کو منظور کر لیا گیا۔ روحی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فراز کے دل کی دھڑکن بن گئی۔ اور اس کی آنکھوں میں ایک ابدی پیار بس گیا۔ اس کے گھر میں چاندنی کی مانند پھیل گئی۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ اس کا پیار اتنی جلد امر ہو جائے گا۔ اور اسے اپنی پاک محبت میں کامیابی مل جائے گی۔ لیکن کوئی بے یقینی اسے عجیب سے خواب دکھا رہی تھی۔

روحی نے سرخ و سپید گالوں پر شعلوں کے [illegible] ہے۔ اس کا جسم نیلا پڑ گیا ہے۔ اور وہ مسلسل قبرستان کی جانب کاندھے پر روحی کا سفید جنازہ اٹھائے چلا جا رہا ہے۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ اور قبرستان کے بہت ہی پرانے گھنے املی کے پیڑ سے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اس جنازہ کو گھور رہا ہے۔ اس نے کئی بار یہ خواب دیکھا۔ اور وہ بے حد پریشان رہنے لگا۔ شادی کے [illegible] تھی قرار توں سے اس کا آنگن محروم تھا۔ ننھی اور پیاری پیاری بولیاں اس کے کانوں تک [illegible] کے بچے [illegible] ہو گئے۔ وہ خود کھو گیا۔ روحی کے ذہن میں وہ ہمہ لے چھپے بچے گھوم جاتے [illegible] اور توڑ ڈالتے —— عورت کی فطرت اور نفسیات ابھر کر سامنے آنے لگی۔ رات کی [illegible] کو دیکھ کر [illegible] کر دیتی گئی سوچ کر کانپ جاتا۔ کچھ پانے کے لئے اپنی زندگی کھو دینا سارا سرمایہ لٹا دینا [illegible] ۔ مگر [illegible] سے [illegible] اور پھر ملاقات کرتا اندھیرا ہی رہا۔ [illegible]

گر پڑے میں [illegible] زمانہ گزشتہ رات جب روحی ہسپتال میں داخل ہوئی وہ ساری رات اس کے سرہانے بیٹھا اس کی بکھری زلفوں کو سلجھاتا رہا۔ وہ

درد اور تکلیف سے تڑپتی بیوی اصغر فراز کے ذہن میں وہ ناگ پھر پھنکارنے لگا۔ اس کی زلفیں کھلی ہوئی تھیں۔ اور نظریں دور رات کے سناٹے میں کھڑکی کے پار خاموش فضا میں بھٹکتی رہیں۔ اسے محسوس ہوا جیسے اچانک بڑے زوروں کا [illegible] آ گیا ہو۔ ہر شے اتھل پتھل ہو کر رہ گئی۔ ہسپتال کا سفید پردہ اسپرنگ کے ساتھ اکھڑ کر طوفان کے بہاؤ میں آ گیا ہو۔ کھڑکیاں تھپیڑوں سے [illegible] ہوں۔ اور اچانک ہر طرف اندھیرا چھا گیا ساری شمعیں بجھ گئیں۔ روحی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخیں اچانک بند ہو گئیں۔ اور اس کا دل بڑے زوروں سے دھڑکا۔ اس کے چہرے پر موت کی [illegible] چھا گئی۔ ناگ ایک بار پھر پھنکارا۔ سامنے دو آدمی ایک لاش کو اسٹریچر پر رکھ اس طرف آ رہے تھے۔

روحی۔ جی۔ جی۔ وہ بہت زوروں سے چیخا۔ اس کی چیخ ہسپتال کے سارے در و دیوار اور کھڑکیوں سے ٹکرا کر لوٹ آئی۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا وارڈ میں گھسا اور اچانک سامنے سے آتی ہوئی نرس سے ٹکرایا۔ کانگریچولیشن ـــ آپ کو بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اور

اور میری بیوی ـــ اس کی آواز گھٹ گئی۔ آنکھیں پھٹ گئیں اور سانسیں زوروں سے چلنے لگیں۔ گھبرائیے نہیں۔ آپ کی وائف بھی بالکل ٹھیک ہیں۔

اور وہ فوراً ہی سجدے میں گر پڑا۔

تنہائی کی ساتھی کتابیں ہوتی ہیں

یعنی یونیورسٹی لائبریری ہوتی ہے

اس کے لئے عوامی لائبریری

دیال سنگھ پبلک لائبریری

میں

ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں۔ اُردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی میں ہر موضوع
پر ذوقِ مطالعہ کی سیری کے لئے منتخب کی گئی ہیں تاکہ
آپ صبح دس بجے سے شام کے پانچ بجے تک اپنی پسند کی
کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔ اخبار، ماہنامے اور ہفت روزے بھی ہیں۔

اتوار اور دوسری تعطیلات کو لائبریری بند رہتی ہے

دیال سنگھ پبلک لائبریری

ٹرسٹ سوسائٹی راؤز ایونیو۔ نئی دہلی

حُسن آرا بریلوی بی اے فاضل

شکست... اور...

موسم کافی رومانی ہو رہا تھا۔ آسمان پر ہلکے سُرمئی رنگ کے بادل کے ٹکڑے تیر رہے تھے گلاب اور چنبیلی کے پھول دلوں میں گدگدی پیدا کر رہے تھے۔ بہار تقریباً آ چکی تھی۔ ہر چیز کو خوبصورتی میں لپٹے دیکھ کر اُس کا دل چاہتا تھا موسم کی داد دی جائے اور اسی موسم کی رنگین فضاؤں میں کھو جاؤں۔

باتھ روم سے نکل کر فرید کو ایک جانی پہچانی آواز کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ڈاکئے کو دیکھ کر اس نے تسلی کا سانس لیا خطوط کو میز پر رکھنے کا اشارہ کر کے گرم گرم دودھ کے گھونٹ پینے میں محو ہو گیا۔

یہ خطوط اس کے مداحوں کے تھے۔ اس لئے ہر چیز کو ترتیب دینے کے بعد اُس نے خطوط کی طرف توجہ کی۔ تمام خطوں کے دیکھنے کے بعد اس کی نظر ایک نیلے رنگ کے لفافے پر پڑی۔ جس سے پرفیوم انٹیمیٹ کی بھینی بھینی خوشبو نکل کر کمرہ کی فضا کو خوشگوار بنا رہی تھی۔ فرید نے دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے لفافہ اٹھا کر چاک کیا اور خط پڑھنا شروع کیا۔

۲۷ر اگست ۱۹۷۶ء

فرید صاحب!

سلام! میں کافی عرصہ سے آپ کے شور انگیز افسانے نہایت دلچسپی اور انہماک سے پڑھتی چلی آ رہی ہوں۔

فرید نے شروع کا یہ حصہ پڑھا تو اس کا دل حیرت اور مسرت سے اور بھی زیادہ دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے خط کو پڑھے بغیر ہی میں مطلب اُلٹ کر کاتب تحریر کا نام دیکھا۔ خط کے خاتمے پر لکھا ہوا تھا: آپ کی پرستار رسیدہ۔

خط کو نظر انداز کر کے فرید دیر تک خط لکھنے والی کے متعلق سوچتا رہا۔ آخر ایک دم ہی اس کا ذہن اس نام کے متعلق جاننا چاہتا محسوس ہوا۔ تب اس کی آنکھوں میں مسرت کے دیئے جل اٹھے اور اس نے پھر خط کو وہیں سے پڑھنا شروع کر دیا جہاں سے ابھی ابھی اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی تھی۔ لکھا تھا:

"آپ کی تحریر میں سادگی اور روانی ہوتی ہے۔ آپ کی ہر کہانی نیا رنگ اور ایک نیا روپ لئے ہوئے ہوتی ہے۔ آپ کا طرزِ بیان اتنا موثر ہے کہ میں اس کی گرویدہ ہو کر رہ گئی ہوں۔ میں نے ہر وہ رسالہ خریدنے کی کوشش کی ہے جس میں آپ کے قلم سے کوئی افسانہ اشاعت پذیر ہو رہا ہو۔ جب بھی کوئی رسالہ آتا ہے تو سب سے پہلے میری آنکھیں آپ کا نام دیکھنے کے لئے بے قرار رہتی ہیں اور جب کبھی رسالہ میں آپ کا نام نہ دیکھ کر آنکھیں مایوس لوٹتی ہیں تو میرا دل اداس ہو جاتا ہے اور میری تمام امیدوں پر پانی کی اوس پڑ جاتی ہے۔

کئی بار دل نے چاہا کہ خط کے ذریعہ آپ کو خلوص کا نذرانہ پیش کروں۔ مگر ہر بار میری کم ہمتی اور معذوریت مانع رہیں۔ آخر آج دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر زبان پر آئے ہوئے شکوؤں اور محبت کو صفحۂ قرطاس پر رقم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ خواہ آپ جواب دینا گوارا کریں یا خط کے لفافہ کو ویسے ہی پھاڑ ڈالیں۔ میرا مقصد تو صرف آپ تک دل کی آواز پہنچانا تھا۔

سنیئے۔ مجھے ہاتھوں آپ کو اپنا تعارف بھی کرا دوں تفریحی سے مجھے بھی آپ ہی کی طرح افسانے لکھنے کا شوق تھا۔ لیکن ابھی تک گھروں میں کچھ ہی چل رہی ہوں۔ ہاں......... یہ چاہتی ہے کہ آپ جیسے ادیب اس ناچیز کی رہنمائی فرمائیں تو شاید یہ شوق کی بلندیوں کو چھو لوں......... کہئے! کیا خیال ہے؟

اس ماہ آپ کی کون سی کہانی کون سے رسالہ میں شائع ہو رہی ہے؟ اللہ کرے آپ بخیر ہوں ——— والسلام۔ ناچیز۔

(سعیدہ)

خط پڑھ کر فرید حیرت میں کھویا رہا ۔ یوں تو اسے اپنے شائع شدہ افسانوں کے متعلق ہر روز مختلف پڑھنے والوں کے خطوط ملا کرتے تھے مگر یہ خط اپنی نوعیت کا پہلا خط تھا ۔ جسے پڑھ کر وہ ایک دم ہی جواب دینے پر مجبور ہو گیا ۔

سعیدہ کا نام اس کے لئے اجنبی نہیں تھا ۔ وہ اکثر رسالوں میں اس کے افسانے دلچسپی سے پڑھا کرتا تھا ۔ اس نے لیٹر پیڈ اٹھایا اور خط لکھنا شروع کیا ۔ پہلے تو اس نے شکریہ ادا کیا اور پھر لکھا :

" اگر آپ میری تعریف کرنے کے بجائے میری غلطیوں اور لغزشوں پر روشنی ڈالیں تو میں اس طرح اپنے فن میں پختگی پیدا کر سکتا ہوں ۔

خط لکھ کر اس نے دوبارہ پڑھا اور پوسٹ کر دیا ۔

سعیدہ کے خط نے فرید کی زندگی میں انتشار پیدا کر دیا تھا وہ جواب کا شدت کے ساتھ انتظار کرنے لگا ۔ آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں ۔ اور اسے سعیدہ کا خط ملا ۔ جس میں مزید باتوں کے علاوہ لکھا تھا کہ آپ نے میری بے ربط سی سطروں کو شاعری سے تشبیہ دی ہے تو اس کے لئے تہِ دل سے شکریہ ۔ ورنہ من آنم کہ من دانم ۔ "

اس کے بعد دونوں میں خط و کتابت جاری رہی ۔ دونوں خاصے بے تکلف ہو چکے تھے ۔ افسانے شائع ہوتے رہے ۔ ویسے دونوں نے اپنے اپنے دل کا اظہار تا ہنوز نہیں کیا تھا ۔ کچھ دنوں کے بعد سعیدہ نے اپنے محبوب فنکار سے تصویر کی فرمائش کی جو اس نے بخوشی منظور کر لیا ۔ ساتھ ہی اس نے لکھا کہ

" دیکھئے سعیدہ ! اگر آپ کو میری تصویر پسند نہ آئے یا آپ کے خیال تصویر سے نہ ملے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ مجھ سے لکھنا چھوڑ دیں ۔ اگر پسند نہ آئے تو خدارا واپس کر دیجئے گا ۔ اس طرح میں معاملے کی نزاکت سمجھنے میں دیر نہ کروں گا ۔ کیونکہ بقول آپ کے ..... فن کار ..... جو ٹھہرا .... ہیں نا ۔ "

جب سعیدہ کی طرف سے جواب ملا ۔ تو مسرت کی حد نہ رہی ۔ خوشی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں ۔ کیونکہ سعیدہ نے اس کی تصویر کو بہت سراہا تھا ۔

تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد فرید نے بھی سعیدہ سے تصویر کی فرمائش کی ۔ جسے وہ نہایت خوبصورتی سے ٹالتی رہی ۔ بعد میں فرید نے سعیدہ کو اپنے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی ۔ سعیدہ نے اطلاع دی کہ اتوار کی صبح وہ اسے اسٹیشن پر لینے کے لئے پہنچ جائے ۔ پہچان یہ ہوگی کہ میں سیاہ عربی برقعے میں ہوں گی ۔ اور دائیں ہاتھ میں نائلون کا کالا پرس ہوگا اور ہاں ! چونکہ آپ کی تصویر میرے پاس ہوگی ۔ اس لئے آپ پہچاننے میں مجھے دیر نہیں لگے گی ۔

اتوار کی صبح فرید نے پلیٹ فارم پر بڑی بے چینی سے گزارا آگرہ ملینیم تال ایکسپریس گاڑی آنے کے انتظار میں پلیٹ فارم پر بھیڑ تھی ۔ فرید ادھر اُدھر ٹہل ٹہل کر اپنی اَن دیکھی محبوبہ کا انتظار بڑی بے چینی سے کر رہا تھا ۔ ابھی گاڑی آنے میں پندرہ منٹ باقی تھے ۔ اسٹیشن پر گاڑی آنے کی گھنٹی بجی ۔ فرید کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں ۔ گاڑی آئی مگر کوئی سیاہ برقعے اور کالے پرس والی لڑکی اُسے نظر نہیں آئی ۔ وہ مایوس اور اداس بھر کر بھاری قدموں سے گھر پہنچا تو اُسے ایک تار ملا ۔ لکھا تھا " امی کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے نہ آسکی ۔

دوسرے دن سعیدہ کا ایک لمبا چوڑا خط ملا ۔ جس میں اس نے معذرت کے ساتھ لکھا تھا ۔ کہ مجھے اس کا احساس ہے کہ میرے نہ آنے سے آپ کے دل پر کیا بیتی ہوگی ۔ کون کون سے خیالات اور وسوسوں نے آپ کے دل کو آماجگاہ بنا یا ہوگا لیکن امی کی طبیعت اچانک ناساز ہو جانے کی وجہ سے میں مجبور تھی ۔ اور ہاں رہا تصویر کا سوال ۔ تو اس کے لئے عرض یہ ہے کہ اگلے مہینے ماہنامہ "اوجِ ثریا" میں میری تصویر شائع ہو رہی ہے ۔ آپ بصد شوق دیکھ سکتے ہیں ۔ اللہ کرے میری تصویر بھی آپ کے خیالی تصویر کے برعکس نہ ہو ۔ خدا وہ دن جلد لائے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکیں "

فرید نے نہایت بے چینی سے دو ہفتے گزارے ۔ اوجِ کا تازہ شمارہ خریدا ۔ ورق الٹتے ہی ایک جگہ اس کی نگاہیں

گئیں۔ جس کے نیچے لکھا تھا۔ یہ ہیں آپ کی نئی افسانہ نگار مس سعیدہ صاحبہ — حیرت و تعجب سے کبھی اس کی آنکھیں کھلتیں کبھی بند ہوتیں۔ اُسے یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ اس کی محبوبہ کی تصویر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک ساٹھ باسٹھ سال کی بدرنگ عورت کی تصویر تھی۔ ساتھ ہی اس کے برابر ایک نیلی آنکھوں اور لمبی پلکوں والی چھوٹی والی ادیبہ کی تصویر مسکرا رہی تھی جس کے نیچے لکھا تھا۔ زینت ساجدہ

فرید نے اسی وقت سعیدہ کو ایک خط لکھا۔ جس میں خوب جلی کٹی سنانے کے علاوہ یہ بھی لکھا "آپ کو کیا حق تھا اس عمر میں ایک نوجوان سے رومان لڑانے کا ...... یہ عورتیں ہی ہیں جنھوں نے مردوں کو برباد کر رکھا ہے .....

مہربانی فرما کر آئندہ مجھے کبھی کوئی خط مت لکھئے۔ ورنہ ....

شکست خوردہ فرید — ایک مہینے کے بعد "ارجِ ثریا" کا نیا شمارہ فرید کی نظر سے گذرا۔ اس میں وہی دونوں تصویریں پھر سے شائع ہوئی تھیں۔ اور اُن کے نیچے لکھا ہوا تھا:۔

ہمیں افسوس ہے کہ پچھلے شمارہ میں غلطی سے مس سعیدہ صاحبہ کی تصویر کے نیچے زینت ساجدہ اور زینت ساجدہ کی تصویر کے نیچے مس سعیدہ صاحبہ لکھ دیا گیا تھا۔ قارئین حضرات تصحیح فرمالیں۔ شکریہ۔"

شدتِ جذبات سے رسالہ فرید کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے سعیدہ نے اُس کے منہ پر تھپڑ لگائے ہوں۔ اور کہہ رہی ہو۔ "بیوقوف ..... فنکار ...... خدوخال تو صاف نظر آسکتے ہیں ... مگر ... اُسے پرکھنے والی نظر چاہیئے۔

غزل

اشک سنبھلی

غم کو کتنی بڑی مسرت ہے
ہر مسرت سے دل کو نفرت ہے

دوستی کی طرح عداوت ہے
رسم کتنی یہ خوبصورت ہے

آتشِ غم سے دل پہ فرحت ہے
کیا جہنم صفت میں جنت ہے

دل دعا مانگتا ہے جینے کی
کیا کسی کو مری ضرورت ہے

کون ہے کیوں ہے یہ معلوم
اک سہانی سی دل میں عداوت ہے

مسکرائے پھر آنکھوں میں آنسو
اک نئے غم کی یہ ضرورت ہے

جل رہے ہیں چراغِ دیر و حرم
روشنی کی مگر ضرورت ہے

لاکھ طوفاں ہیں ایک قطرہ میں
اشکؔ ظاہر میں بے حقیقت ہے

محمد نثار جہنگیزی جمیہ

اندرا کی بدولت

جگایا رہے اندرا کی حکومت
نئی زندہ محنت کشوں کو دکھا کر
ہوئیں آپ پاسی کی آسانیاں بھی
جلے قمقمے ہوگیا گھر اجالا
جہاں گاؤں میں جنگلوں کے تھے اڈے
ہوا کچھ نہ کچھ اجرتوں میں اضافہ
ہمارے لئے یہ غنیمت ہے موقع
اسی میں ہر اک آدمی کا بھلا ہے
غریبی ہٹے گی یونہی تو ہٹے گی
یہ کس میں ہے ہمت کہ بیگار لے لے
نہ اب قرضِ سودی کا غم ہے کسی کو
کیا نیست و نابود اسمگلروں کو
کہیں شرپسندوں کی دھجی اڑادی
ہوئی لوم کی صنعتوں کو ترقی
دئے ان کو آسان بینکوں سے قرضے
جو بے روزگاری سے تنگ آچکے تھے
کہا ہے یہ محنت سے اب جی چراؤ
اداروں کو صحت کے دی ہے ترقی
بہت پڑھنے والوں کو آسانیاں دیں
جو دیکھا تھا ہم نے کبھی خواب دیں

بدل دی جنھوں نے غریبوں کی قسمت
عنایت سے بخشے نئے عزم و ہمت
کسانوں کو جس سے ملی ہے سہولت
ہوا ہوگئی اب مکانوں سے ظلمت
وہاں بھی ہے اب سب کو راحت ہی راحت
ہوئی دور اب کچھ گرانی کی لعنت
جہاں تک ہو ممکن کریں خوب محنت
صلہ بھی ملے گا کریں گے جو محنت
ٹلے گی اسی طرح سر سے یہ آفت
گئی اب یہ بیگار کی بھی نحوست
زمانے کی زحمت سے حاصل ہے فرصت
کہیں ٹیکس چوروں کی کردی حجامت
بہت خوب ہے اندرا تیری حکمت
اگر بنکروں کو ملی ہے سہولت
بڑھے تاکہ اب ہینڈ لوموں کی صنعت
دیا ان کے ہاتھوں میں بھی سازِ عشرت
کہ محنت میں مضمر ہے رازِ معیشت
عطا کی ہے اردو زباں کو بھی عزت
ادیبوں کی بھی کی ہے تھوڑی سی مدحت
وہی اب نثار آگیا وقتِ راحت

یہ آسانیاں جو میسر ہیں ہم کو
یہ سب ہیں فقط اندرا کی بدولت

(۱۲ داس کا)

معیار کی کسوٹی پر

مشعل :- آٹھ نظموں ۳۲ غزلوں پر مشتمل ہے اور اسلم لکھنوی کی تصنیف ہے۔ صفحہ ۴۸ پر جو گیت لکھا ہے وہ گیت نہیں چکامہ ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی جلد خوب صورت ہیں قیمت پانچ روپے ہے۔

اسلم صاحب فرماتے ہیں ؎

جس پہ دُنیا کو فخر ہے اسلم　　وہ زباں خاص لکھنؤ کی ہے

یہ بات تو ہزار فی ہزار صحیح ہے لیکن روزنامہ "انقلاب" بمبئی نے جو نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے انتقال پر یہ لکھا تھا۔ اب لکھنؤ میں حضرت سراج و سالک و اسلم ہی ایسے مستند شاعر ہیں جن پر بجا طور پر شعر و سخن کو ناز ہے وغیرہ۔

مجھے "انقلاب" کے اس تبلیغی انتخاب سے اتفاق نہیں۔ اسلم صاحب کی مشعل تو سامنے ہے اور اسی کی روشنی میں ۱۹۷۶ء کی زبانِ لکھنؤ دیکھ رہا ہوں کہ کیا یہی زبان ایک مستند شاعرِ لکھنؤ کی فخرِ عالم ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

۱- غبار اٹھتا ہے جس طرح سے فضا میں ہر کارواں سے پہلے

طرح سے۔ میں "سے" حشو ہے۔ اور متروک ہے۔ مصرع ایک عجوبہ چیستاں ہے۔ یہ ہے مخالفتِ قیاس کی خاص مثال۔ قافیہ کارواں اور "سے پہلے" ردیف ہے۔ غبارِ کارواں یا گردِ کارواں۔ کارواں کے پیچھے ہوتی ہے۔ لیکن اسلم کا مشاہدہ یہی ہے۔

۲- اب آج اپنا چمن اپنا آشیانہ ہے

یہ "اب آج" لکھنؤ کی تازہ زبان کہیے۔

۳- عنوان ہے "عزمِ محکم" یہ شعر دیکھیے ؎

بہار آئی ہے پھولوں کا کارواں لے کر　عروسِ نو کے لئے ہر روش سجانا ہے

شعر تو اچھا ہے لیکن یہ عروسِ نو کس کی ہے؟

۴- اسی نظم کا یہ مصرع

جدید دور کی رعنائیوں کے سایہ میں

رعنائیوں کا سایہ اگر آپ نے نہ دیکھا ہو تو شاعرِ لکھنؤ دکھا سکتے ہیں۔

۵- بپا ہے آج ہر اک سمت مجلسِ ماتم

قطع نظر اک۔ حشوِ قبیح سے آپ "مجلس بپا ہے" نوٹ کر سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

۶- تمہارا احسان نہ بھولیں گے ہم خدا کی قسم۔

اگر احسان کا الف گر جائے تو پروا نہیں۔

۷- مستند شاعرِ لکھنؤ کیا فرماتے ہیں۔

جس پر تھا فن کو ناز وہ اب اہلِ فن نہیں

قیامت ہے جگر سے ہو گئی بزمِ ادب خالی

شہنشاہ تغزل رونقِ بزمِ سخن والی

(الف) یہ جگر مراد آبادی کے لئے اسلم صاحب نے لکھا ہے۔ یہ کیا عقیدت ہے۔

(ب) اہلِ فن جمع کے لئے آتا ہے۔ صاحبِ فن لکھنا چاہئے لیکن وہ صاحبِ فن تھا ہی کہاں!

(ج) بزم ادب میں جگر نہیں تو کون سی قیامت آ گئی مینا اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی"

(د) جگر تو شہنشاہ ہوئے اور اسلم صاحب "شہنشاہ"

(ھ) جگر کے لئے جو الفاظ یگانہ چنگیزی اور نیاز فتحپوری لکھے ہیں وہ جچے تلے ہیں۔ میں اُن کے فرمان پر اسلم صاحب کے غلو کو ترجیح نہ دے سکوں گا۔

۸- صفحہ ۱۴ کے دوسرے مصرع میں۔ ہیں۔ کاتب کی بے پروائی سے رہ گیا۔

۹- ہر ذرہ وطن کا بنے خورشید منور۔

خورشید۔ منور۔ یہ شید اور منور کا استعمال ناظر

ہیں۔
آزادیٔ وطن کے قوافی ترانہ۔ زمانہ۔ خانہ وغیرہ ہیں
ن اب لکھنوی شاعر۔ اس میں اٹھانا، تمتانا، مسکرانا اور
نا بھی لکھ سکتے ہیں۔ علم قافیہ جائے بھاڑ میں۔
ا۔ پاؤں میں جو پڑی تھیں وہ اب ٹوٹی بیڑیاں۔
جمہورِ فصحا لفظ۔ پاؤں۔ بروزن فاع لکھتے ہیں لیکن
نو کے مستند شاعر بروزن فعلن لکھتے ہیں اور لطف یہ کہ
ع میں پاؤں حشو قبیح ہو کر رہ گیا کیونکہ بیڑیاں (ناک یا کان
یور تو ہے نہیں) کہنے کے بعد پاؤں ... اگر پاؤں میں۔
بہ مدت سے کہا جاتا تو (کیا لکھنو کی پاکیزہ زبان پر حرف
تا؟)
۔ ظاہر ہیں گرچہ تکلّف برق و شرر نہیں۔
برق و شرر کا محل بند میں اکثر دیکھ رہا ہوں قطع نظر اس
سے لفظ گرچہ دیکھئے کہ سند ہے متروک نہ کہئے۔
ا۔ لیلائے حریت کو بنانا ہے اور حسیں
حسن سے حَسَن مذکر حسنہ اور حسنیٰ مونث اور حسین مخنث ہے
لیکن آپ لفظ اور بھی زیادہ بروزن اُر دیکھئے اور شاعر
م کو داد سے نوازیئے۔
ا۔ ضعیفی میں بھی جواں ہمتی سے کام لیا۔
آپ جواں ہمتی پر نہ شکلیں۔ سقوطی (ضعیفی کی) سند
ہیں۔ حال آں کہ بڑھاپے لکھ سکتے لیکن .....
ا۔ کسی کی نیم نگاہی سے پیش پا نہ سکے۔
پیش پا۔ غلبہ اور سبقت کو کہتے ہیں۔ لیکن پیش پانا یہی
م سے باہر ہے۔ ممکن ہے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء (جو مشغول
ن کرنے کی تاریخ ہے) میں کوئی نیا محاورہ پیش پانا وجود میں
د۔ سبقت یا غلبہ کی صورت میں ایک اور پا کی ضرورت تھی۔
اسے بھول نہ کیجئے بل کہ ستم ڈھائیے۔
۔ نسبت ہے جس جبیں کو ترے آستاں کے ساتھ
آستاں ہے۔ کی جگہ آپ بھی ۔ کے ساتھ ۔ لکھ کر
ِ لکھنو سیے۔
۔ صفحہ ۲۷ کے پہلے مصرع میں گلہ کاتب کی غلطی ہے گلا الف

سے چاہئے کہ حرف روی تمام قوافی میں الف ہے۔
۱۸۔ کچھ بندگی کا ملنا نہیں ہے مزا مجھے
دُنیا کے حادثات کا اسلم نہیں ہے غم
نہیں کے بعد " ہے " بالکل بے کار ہے۔ اس طرح۔ کچھ
بندگی کا ملنا نہیں اب مزا مجھے۔ اور۔ دُنیا کے حادثات کا اسلم نہیں الم۔
۱۹۔ مل جاتا ہے جہاں پہ ترا نقشِ پا مجھے
(تجلی خود جہاں پر سر بسجدہ تھی وہاں ہم تھے)
جہاں پہ۔ لکھنو کی زبان ہے آپ۔ پہ یا پر کو حشوِ قبیح
سمجھتے ہیں تو کیا ہوا۔
۲۰۔ ابھی تک مگر شکوۂ تشنگی ہے۔
شکوہ عربی ہے اس کی صورت۔ شکوائے تشنگی ہو سکتا ہے
لیکن کیا کیا جائے کہ دُنیا کا یہی دستور ہے۔
۲۱۔ جو رکھتا ہے انجام پہ اپنی نظر
یہاں کاتب سے مصرع کے آخر میں۔ ہے۔ رہ گیا ہے۔
۲۲۔ کبھی تیرے گلستاں کی بہارِ جاوداں ہم تھے۔
قافیہ جاوداں کے ساتھ۔ تھے۔ مخل میں ٹاٹ کا پیوند۔
لیکن سند ہے۔
۲۳۔ صفحہ ۳۴ پر ساتویں مصرع میں لفظ "جو" زیادہ ہے۔
کاٹ دیجئے۔
صفحہ ۳۵ پر کاتب نے دیجئے کی جگہ دیکھے لکھ مارا ہے۔ تصحیح
فرما لیجئے اور ردیف میں جو۔ ئے۔ پر ہمزہ ہے اُسے بھی اُڑا دیجئے
صفحہ ۳۶ پر ساتواں مصرع۔ عجب تصور کا ہے تماشہ نہ کوئی
اپنا ہے نہ پرایا۔ یہ کاتب کی غلطی ہے یوں بنا لیجئے۔
عجب تصور کا ہے تماشا نہ کوئی اپنا نہ ہے پرایا
صفحہ ۴۱ پر اسلم سے پہلے۔ ا ہے۔ کاتب چھوڑ کر گیا۔ آپ
لکھ لیجئے۔
صفحہ ۴۲ کے آخری مصرع میں کاشانے کی جگہ آستانہ لیجئے
۲۴۔ آنسوؤں کے بجائے ہنسی دے گئے۔
کے بجائے ہنسی۔ بجائے کی اضافت اُردو لفظ ہنسی کے
ساتھ غلط ہے۔ اس لفظ کا استعمال بڑی احتیاط سے کرنا ہے
مصرع اس طرح بنا لیجئے۔ ساتھ آنسوؤں کے ہنسی دے گئے۔

۲۵۔ صفحہ ۴۹ کی غزل کے دو مطلع ہیں اور دونوں میں ایطا ہے
تیسرے شعر میں جا بجا ہیں اور رہے ہیں میں تقابل ردیف ہے
اور ہم قافیہ ردیف کا عیب تو تکا بہی ڈھیروں ہے۔

۲۶۔ "چھین کر مجھ سے میری سب ہوشیاریاں"
یہ مصرع وزن میں نہیں۔ اس طرح بنا لیجئے۔
"وہ چھین کر مجھ سے میری وہ ہشیاریاں"

۲۷۔ خورشید تجلی جو سر بام نہ آئے
خورشید منور کی طرح تجلی بھی مجرد ہے۔ مصرع یوں بھی ہو سکتا ہے۔
سورج جو تجلی کا سر بام نہ آئے۔

۲۸۔ آج درکار تری چشم کرم ہے ہم کو
کرم کی کانگه اور وہ بھی بجبر ردیف (ہے) صرف ایک — درکار ہے۔ غیر لکھنوی شاعر نگاہ کرم اور نظر کرم لکھتے ہیں مصرع میں سرا خاص کرم ہو تو کیا لکھنوی شان کے خلاف ہو جائے گا!

۲۹۔ وہ اک وہ ہیں ہنسی جن کے لبوں پر رقص کرتی ہے
وہ اک ہم ہیں ترستے ہیں ہنسی کو اک زمانے سے
اک واحد ہے۔ ہم ہیں جمع ہے اسی طرح وہ ہیں جن کے جمع ہیں۔ کیا اب لکھنؤ میں ایسے شتر گربہ روا ہو چکا ہے؟

۳۰۔ عمداً ترک آرزو کی ہے۔
عمداً کا میم ساکن ہے لیکن اسلم صاحب نے متحرک نظم کر دیا۔ حیرت ہے۔

۳۱۔ نہ رہا ہے وہ زمانہ نہ رہے گا وہ زمانا
اس مصرع میں دوسرا وہ کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے یہ ہوگا۔

۳۲۔ تقدیر جو کچھ دکھلائے گی اے گردشِ دوراں دیکھیں گے
دکھلائے کی جگہ دکھائے ٹکسالی زبان ہے کیا یہ مصرع یوں نہیں ہو سکتا۔؟ تقدیر دکھائے گی جو کچھ ....

۳۳۔ تم نے تو کیا تھا اسے موسیٰ۔
تم کے ساتھ اسے نہ اشیہ واحد۔؟ یہ شتر گربہ!

۳۴۔ وہ دیکھ فضا میں بن کر بادل
پھیلا تیری آنکھوں کا کاجل

اس مطلع میں نہ معلوم اسلم صاحب کو کس طرح دھوکا ہوا لفظ وہ وزن سے قطعی باہر ہے۔
میں آخر میں وہ اشعار پیش کر رہا ہوں جو مجھے مرغوب ہیں۔

جو میرے دل پہ گزرتی ہے میں سمجھتا ہوں
تری نظر کی شرارت کسی کو کیا معلوم

ہے جلوؤں کے جھرمٹ میں حسنِ مجسم
جوانی بڑے چین سے سو رہی ہے

کسی کو دیکھا نہ دنیا میں شادماں ہم نے
یہاں ملا جو ہمیں غم سے ہمکنار ملا

بہار آئی۔ کھلے غنچے۔ مسکرایا چمن
مگر فسردہ دلوں کو نہ کچھ قرار ملا

دشمن زمیں بھی اور مخالف فلک بھی ہے
اس کشمکش میں کوئی رہے تو کہاں رہے

وہ مرنے کی زندگی تھی وہ مرنے کا تھا زمانا
سختی گلوں سے ہم نشینی تھا چمن میں آشیانا

قرآن کہہ رہا ہے یہی انقلاب ایک روز آئے گا
شکستہ جھونپڑے بدلیں گے کاشانے میں پلٹیں گے

دکھائے جائیں گے ٹھنڈی گرمیاں لعنت کے متوالے
لگی تو جب بجھے گی جب یہ خس خانے بھی بدلیں گے

اگر آپ کو اس وقت کی زبانِ لکھنؤ کی سند بید رکار ہو تو اسلم صاحب کی مشعل فوراً طلب فرما لیجئے۔
ملنے کا پتہ :۔ علوی پبلشرز ۔ ۳ امین آباد اسکوائر ۔ لکھنؤ
مکتبہ شانِ ہند سے بھی دستیاب ہے۔

ہم تینوں ۔ کتابی سائز صفحہ ۲۰ مکمل علام نبی کا لکھا ہوا ناول ہے کہ مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ آپ بیتی کہانی ہے یا کسی کی داستان حقیقی ہے اور مینڈولی ناول کی سب سے بڑی خوبی پائی جاتی ہے۔ کتاب کی زبان بے تکلف عوام کی بول چال ہے جس میں کوئی بناوٹ نظر نہیں آتا۔ تخلیص صاحب خلوص، محبت، اخلاص سے دو لڑکوں کی تصویریں دکھائی ہیں اور لڑکی بیہ بات سے اُن میں جنگ آمیزی کی ہے ناول دلچسپ ہے۔ قیمت سات روپے ہے۔
میرا عظم، پی ایڈ ہاؤس۔ دہلی۔ روڈ باڑہ ہندو راؤ۔ کشمیر سے یا دفتر شانِ ہند نئی دہلی ۱۰/۲ سے طلب فرمائیں۔

غزلیں

گوشۂ عقیل

وفاؔ رحمانی کوٹوی

ے معصوم، جفا جو بھی ستمگار بھی ہے
ت مجبور وفادار بھی خود دار بھی ہے

یقت ہے مرے دل میں ترا پیار بھی ہے
ۂ وصل بھی ہے، ہجر کا بیمار بھی ہے

شق و وفا صرف زلیخا ہی نہیں
ف وقت بھی ہے، مصر کا بازار بھی ہے

ہ کے ایک ہی پہلو کو نہ دیکھے کوئی
جھے جور پسند اور وفادار بھی ہے

جنوں منزلِ گیتی کی طنابیں کھینچ جائیں
پاؤں میں ابھی وادیٔ پُر خار بھی ہے

، کیا طرفہ تماشا ہے کہ حُسنِ خود بیں
کے مائل بکرم شکل سے بیزار بھی ہے

فرہاد کی تیشے کی ضرورت ہے ابھی
ت پتھر ہی نہیں راہ میں دیوار بھی ہے

رفتار بلا کیسے بچائے دل کو
ب ناز بکف ہے ابروئے خمدار بھی ہے

وفاؔ خون بھی دیا اور وفادار رہا
تو یہ ہے کہ وہی باغ کا حقدار بھی ہے!

خورشید جہاں طربؔ

زمانہ کروٹیں لیتا رہے گا
کوئی حاسد کبھی اپنا رہے گا

اگر خورشید میں حدت بڑھے گی
زمیں کا رنگ بھی گہرا رہے گا

تری پلکوں کے دروازے کھلیں گے
اگر ہم سے یوں ہی چھپتا رہے گا

مرا عزم سفر تو لو چکے ہو
زمیں کا تن بدن میلا رہے گا

جسے خورشید کی رفعت ملے گی
ہر اک ذرّہ کا دم بھرتا رہے گا

اُلٹ ڈالو مرے اوراق۔ لیکن
تمہاری سوچ پہ پردہ رہے گا

طربؔ کی زندگانی کا ستارہ،
شبِ تاریک میں ہنستا رہے گا!

طاہرؔ تلہری

پی لیتے ہیں سرشکِ الم بولتے نہیں
یہ کیسی بے بسی ہے کہ ہم بولتے نہیں

اس کائناتِ درد کا وارث کسے بناؤں
الفاظ چپ ہیں لوح و قلم بولتے نہیں

اس کا لہو الگ ہے الگ ہے اک آگئی لئے
یہ کس نے کہہ دیا کہ صنم بولتے نہیں

آخر متاعِ عصمتِ فن کس نے لوٹ لی
خاموش کیوں ہیں اہلِ قلم بولتے نہیں

دانتوں کے درمیاں ہے یہاں تو زباں بھی
شکوئی ہے اک جہاں کو ہم بولتے نہیں

ہر راہ رو کو کرتے ہیں منزل سے آشنا
حالانکہ نقشہائے قدم بولتے نہیں

طاہرؔ ہم اپنے فن کو نکھاریں گے عمر بھر
دیکھیں کہاں تک اہلِ قلم بولتے نہیں

غزلیں

نفیس افسر

وقت کی دھوپ میں وہ شخص تپا ہو جیسے
حادثہ بن کے ہر اک گام پڑا ہو جیسے

سیکڑوں من کا کوئی بوجھ رکھا ہو جیسے
تیر کی طرح مرا لفظ گڑا ہو جیسے

عجب سنگل ہجر بھی تھا کچھ تلخ لاوا تیری
دوستی جان کے ہر پل وہ لٹا ہو جیسے

سوز ہے ساز بھی ہے رقص مگر ہے ساکت
ناچتے وقت تجھے خار گڑا ہوا جیسے

آخری بار پلٹتے ہی نہ دیکھا یہ مجھ کو
پیڑ کی طرح مرا یار کھڑا ہو جیسے

سیکڑوں سال نہ جینے کی دعا بھی دینا
زندگی آج بھی پُرکیف سزا ہو جیسے

دکھ سہنے والے کا انداز نگاہیں افسر
خوفِ طوفاں ہی سے ساحل پہ مرا ہو جیسے

امتیاز انجم

قدم قدم پہ وفاؤں کا احتساب ہوا
تری نگاہ میں اتنا تو کامیاب ہوا

شمیمِ گل سے مجھے نشۂ شراب ہوا"
چمن میں رہ کے میں رسوائے اجتناب ہوا

جنوں ہی مری وحشت کا سدِباب ہوا
جب ان کو میری محبت سے اضطراب ہوا

سکونِ دل کے لئے آج تک ترستا ہوں
وہ کہہ رہے ہیں ترا عشق کامیاب ہوا

زمانہ ساز و فائیں رہیں سرِ فہرست
تمہاری بزم میں چہروں کا انتخاب ہوا

بہک نہ جائیں قدم راہِ عشق میں انجم
نفس نفس مجھے اِس غم سے اضطراب ہوا

اسمٰعیل سعیدی آذر

ساحل سمجھ کے پاس بلا لو کبھی کبھی
آنکھوں سے اپنی مجھ کو لگا لو کبھی کبھی

آنسو سمجھ کے مجھ کو گرا دو سفر میں
اور پھر گہر کی طرح اٹھا لو کبھی کبھی

کھاتے رہے ہیں شوق سے ہم تو جہاں کے زخم
پتھر اٹھا کے تم بھی مزا لو کبھی کبھی

مقدور ہو تو فکر کے دریا میں ڈوب کر
مفہوم زندگی کا نکالو کبھی کبھی

مانا کہ ہے نقاب ابھی ہے عروسِ حال
ماضی کا عکس دل میں چھپا لو کبھی کبھی

آذر حسین خوابوں کا بس ذکر تا بکے
تعبیر خواب کی بھی نکالو کبھی کبھی

غزلیں

ڈاکٹر غیاث عارف نظام آباد

کس مقام پہ پہنچا ہے انتشارِ حیات
نہیں ہے کوئی کسی کا بھی غمگسارِ حیات

قدم قدم پہ ہے دھوکا نظر نظر میں فریب
رہا نہ آج وہ انساں کا اعتبارِ حیات

ہر ایک لب پہ یہی چیخ ہے بچاؤ مجھے
اٹھائے جانے کے قابل نہیں ہے بارِ حیات

بنامِ نظمِ چمن کب سے بہہ رہا ہے لہو
مگر نکھر نہ سکا چہرۂ بہارِ حیات

گزرتے رہتے ہیں کتنے ہی قافلے لیکن
رہِ عدم میں نہیں دور تک غبارِ حیات

مجھے تو ہر کوئی دیوانہ سا نظر آیا
عجیب رنگ میں ہے آج کاروبارِ حیات

[illegible] جس کو سلام ماضی میں
ملے گا صرف کتابوں میں وہ وقارِ حیات

جہاں میں ایک بھی [illegible] نہیں عارف
بھگت رہا ہے سزا ہر گناہگارِ حیات

حبیب الرحمٰن راہی

غموں کے سائے میں کیا قہقہے ہنسی کتنی
ان آندھیوں میں چراغوں کی زندگی کتنی

اسے نہ روکو مچلنے دو مسکرانے دو
بہارِ گلشنِ ہستی کی عمر ہی کتنی

نہ درد میں ہی کمی ہے نہ ان اندھیروں میں
یہ غم کی رات ابھی اور رہ گئی کتنی

نہ دیکھو بازوئے قاتل میں زور کتنا ہے
یہ دیکھو گردنِ بسمل ابھی جھکی کتنی

مجھے بھی آتا ہے پتھر کو موم کر لینا
تمہارا عذر ہے کتنا یہ بے رخی کتنی

لیا تھا میں نے محبت کا نام بس راہی
کہ بات بات میں یہ بات بڑھ گئی کتنی

ارحم صدیقی

اک حسنِ مسلسل ہے [illegible] تک
اک عشقِ مکمل ہے ہر تارِ رگِ جاں تک

مجنوں کی ادا جانیں کیونکر وہ بیاباں تک
پہنچے ہیں بصد وقت جو محفلِ جاناں تک

خاروں کو سمیٹا ہے اوروں کے لیے لیکن
کیوں پھول بکھیرے ہیں گلشن سے بیاباں تک

تعمیرِ محبت ہے ہر چیز زمانے کی
اس صبحِ درخشاں سے شامِ غمِ ہجراں تک

ہر چیز پہ جادو ہے اُن مست نگاہوں کا
یکسوئی فطرت سے افکارِ پریشاں تک

زینت وہ گلشن ہیں یہ خار بھی اے ارحم
اس بزم میں رونق ہے اشکوں کے چراغاں تک

غزلیں

ڈاکٹر راہی ایڈوکیٹ

ہم اسی واسطے بیٹھے ہیں یہاں دل والے
بھٹکے بہکے چلے آئیں مسائل والے

صرف اک بار ہی گذرا تھا اُدھر سے لیکن
کھائے جاتے ہیں مجھے کوچۂ قاتل والے

اس نے ہر دور میں پایا ہے خراجِ تحسین
جس کو گمراہ نہ کر پائے دلائل والے

جب بھی پڑتی ہیں مرے چہرے پہ اُن کی نظریں
تکنے لگتے ہیں مجھے رشک سے محفل والے

موجِ طوفاں سے لڑو، خوب لڑو، جم کے لڑو
ڈوبنے سے نہ بچا پائیں گے ساحل والے

حوصلے اور بڑھے۔ اور بڑھے۔ اور بڑھے
جب سے دب نہ سکے طوق و سلاسل والے

بجھ گئے ہیں جو دئے اُن کو جلاؤ راہی
ورنہ بھٹکیں گے بہت جادۂ منزل والے

راز لائلپوری

جب طرف تیغِ ادا حسن کی چل جاتی ہے
چیرتی سینکڑوں سینوں کو نکل جاتی ہے

عاشقانہ ہے طبیعت مری کیا اس کا علاج
ہر حسیں شکل پہ کمبخت مچل جاتی ہے

سر پہ ہو جس کے بھی اُس رشکِ مسیحا کا ہاتھ
موت بھی آئی اُس کی تو وہ ٹل جاتی ہے

وہ تو یہ دیکھنے آئے ہیں مری بالیں پہ
آج جاتی ہے مری جان کہ کل جاتی ہے

راز کہنا ہے کہو رنگِ تغزل میں غزل
بے تغزل نہ کہو شانِ غزل جاتی ہے

ازکی دہلوی

نظروں سے چھپ گئے وہ محبت جتلا کے
ڈوبی ہے میری کشتی ساحل کے پاس آکے

رقصاں ہے آجتک وہ منظر مری نظر میں
دیکھا تھا جب کسی نے محفل میں مسکرا کے

بتخانہ ہو حرم ہو کعبہ ہو یا کلیسا
مانگا ہے صرف تم کو دستِ طلب اُٹھا کے

اب بڑھ چکا ہے حد سے ذوقِ جنونِ اُلفت
اب کر رہا ہے ٹکڑے خود اپنی ہی قبا کے

شاید وہ زُلف بر دوش آئے ہیں پھر چمن میں
مسرور کر رہے ہیں جھونکے مجھے صبا کے

پُرساں نہیں ہے کوئی اس دورِ بیکسی میں
مایوس ہو چکی ہے رُوداد لب پہ آ کے

بارِ گراں ہوئی ہیں تنہائیاں ازکی کچھ
لیکن میں رہ گیا ہوں ہر بار تلملا کے

نسیم لدھیانوی

ہر گوشہ تری بزم کا پُر نور ہوا ہے
ہر ذرہ یہاں جلوہ گہِ طور ہوا ہے

یہ چشمِ بصیرت بھی اُسے پا نہ سکے گی
یوں تارِ رگِ جاں میں وہ مستور ہوا ہے

جس دن سے ہوئے راہنما شیخ و برہمن
کچھ اور بھی منزل سے بشر دُور ہوا ہے

یہ رُتبہ میسر ہے کسی کو بُت کافر
ہر کوئی تجھے سجدے پہ مجبور ہوا ہے

اس ناز کا انداز کا شوخی کا ادا کا
دُنیا میں کوئی بھی فسانہ مشہور ہوا ہے

کیا سوز دیا تو نے مرے قلب و جگر کو
ہر نغمہ مرا نغمۂ منصور ہوا ہے

آتے ہی نسیم اُن کا یہ کہنا شب وعدہ
اب جاتے ہیں شکوہ ترا منظور ہوا ہے

غزلیں

(۴)

سوزؔ نعمانی

اک صدا بن کے فضاؤں میں بکھر جاؤں گا
ہنستے ہنستے ہی کسی روز میں مر جاؤں گا

ٹوٹ جائے گا مرے سر پہ مصیبت کا پہاڑ
ہائے جس روز ترے دل سے اتر جاؤں گا

تو محبت سے کسی روز مجھے یاد تو کر
تیرے ہونٹوں پہ ہنسی بن کے بکھر جاؤں گا

اس طرح سنگِ تغافل تو نہ پھینکو مجھ پر
راکھ کا ڈھیر ہوں پل بھر میں بکھر جاؤں گا

تو مجھے غیر سمجھ ، غیر سمجھ ، غیر سمجھ
میں تجھے غیر جو سمجھوں گا تو مر جاؤں گا

صرف اک بات بس اک بات بتا دے صیاد!
میں جو چھوٹوں گا قفس سے تو کدھر جاؤں گا

وقتِ رخصت میں یہی سوچ رہا تھا اے سوزؔ
وہ اگر مجھ سے کہیں گے تو ٹھہر جاؤں گا

ڈاکٹر شمیمؔ قدوائی بارہ بنکوی

محبت کو تو بہر عنوان وقفِ امتحاں کر دے
حیاتِ چند روزہ میں اِسے تو جاوداں کر دے

خلوص اِک واہمہ سا بن کے رہ جاتا ہے نظروں میں
کوئی جب اس کے پردے میں کسی کا خون جاں کر دے

وہ مجبورِ طلب ہی میری مجبوری کو سمجھے گا
یہ قسمت ہے مری اُلفت کسی کو بدگماں کر دے

یہ ممکن ہے کہ میرے بعد ایسا وقت بھی آئے
کوئی مجبور انساں داستاں میری بیاں کر دے

شمیمؔ اُس کیفیت کے دل مزے لیتا ہے رہ رہ کر
زباں رکھتے ہوئے بھی کوئی جب تو بے زباں کر دے

شادؔ کوٹلوی

جرعۂ بادہ گلے سے جو اُتر جاتا ہے
اُس گھڑی ہوش و خرد اور سنور جاتا ہے

خود ہی ہو جاتی ہے تدبیر مداوا ہمدم
زخم گہرا ہو تو پھر پیار سے بھر جاتا ہے

راحتِ دل وہی پاتا ہے جو انسان اکثر
امتحانِ غمِ دوراں سے گزر جاتا ہے

سوزشیں دل میں کریں کس لئے درماں کی تلاش
عشق تپ تپ کے تو کچھ اور نکھر جاتا ہے

جس میں ہر دل کی صدا جذب ہے وہ نغمۂ غم
میرے احساسِ تصور میں اُبھر جاتا ہے

مٹھیاں باندھ کے آتا ہے جہاں میں انساں
ایک دن ہاتھ لیارے ہی گزر جاتا ہے

مجھ سا دیوانہ رہِ عشق میں اکثر اے شادؔ
منزلِ شوق تک میں منزل سے گزر جاتا ہے

بیدلؔ سرحدی

یُوں گھر کو دیکھتا ہوں حسرت بھری نظر سے
جیسے بہت دنوں میں لوٹا ہوں میں سفر سے

پلکوں تک آئے تھے جو بے انتہا خوشی میں
اے دوست عمر بھر ہم اُن آنسوؤں کو ترسے

بیٹا خریدنا تو ممکن نہیں ہے لیکن
لڑکا خرید لینا ممکن ہے مال و زر سے

آنکھیں کھلیں ہماری جب گردشوں کو دیکھا
ہم اپنے آپ ہی سے اب تک تھے بے خبر سے

نا اہل دوستوں نے بخشی مجھے وہ عزت
میں گر گیا ہوں بیدلؔ خود اپنی ہی نظر سے

بدر النساء رازؔ

گزرے ہیں بیخودی میں یہ ہم کس مقام سے
کرتے ہیں سب سلام ہمیں احترام سے

تاریکیٔ حیات سے گھبرا نہ جائے دل
روشن کئے چراغ نہیں ہم نے شام سے

ہے داستانِ غم جہاں اس جہان کی
میں ابتدا کروں گی اُسی اختتام سے

کیا احتیاج میکشی ہو ان کو دہر میں
جو چور ہے [illegible]

یوں نام لے کے مجھ کو مخاطب نہ کیجئے
اُن کو تو واقف [illegible]

غزلیں

طرفہ قریشی

فصلِ گل آتے ہی پردہ رخِ محمل سے اٹھا
نعرۂ جشنِ جنوں شورِ سلاسل سے اٹھا

[illegible] تری شوخیٔ رفتار پہ حرف
حشر تو میں نے اٹھایا ہے مرے دل سے اٹھا

میں یہ سمجھا کہ ہوئی صبحِ تمنا کی نمود
اک بگولا سا سرِ شام جو منزل سے اٹھا

یہ تری طرزِ تغافل، یہ ترا نازِ جمال!
اور اگر دوست، کوئی نالہ مرے دل سے اٹھا!

مری افتادگیٔ شوق کا انجام تو دیکھ
مجھ کو آنکھوں میں لئے کوئی تری محفل سے اٹھا

آہِ دیوانے کی ہوگی نہ تاثیر نہیں
وہ بھی آگ، دھواں دیکھ کے محمل سے اٹھا

ایک کشتی تھی بھری کتنی مرادوں کی ابھی
کتنے جذبات کا طوفاں لبِ ساحل سے اٹھا

یاسِ امید کی یہ مورچہ بندی کب تک
نوا بن بھی شورشِ گریہ دل سے اٹھا

بچ بھی جو کہنے لگے جانبِ کعبہ آ کر
کفر جب شکوۂ غم کا مرے دل سے اٹھا

کلیم سرونجی

بے کیف سی ہے آج نظاروں کی زندگی
مانا کہ ہے حسین بہاروں کی زندگی

وہ کیا سمجھ سکیں گے مصائب کی عظمتیں
جو لوگ ڈھونڈتے ہیں بہاروں کی زندگی

ہر لمحہ انقلاب بہر گام حادثے
یہ زندگی ہے درد کے ماروں کی زندگی

جوشِ بہارِ گل سے ترے میکدے میں آج
بدلی ہوئی ہے بادہ گساروں کی زندگی

کچھ اور مل سکا نہ کہیں سے سوائے درد
مانگی تھی ہم نے چاند ستاروں کی زندگی

مانا کہ بے ثبات ہے ہر شے مگر کلیم
کس درجہ پُرسکوں ہے کناروں کی زندگی

ڈاکٹر طاہر رضوی برق

دل کو آدابِ غمِ عشق کا محرم رکھئے
پاسِ وابستگیٔ کاکلِ پُرخم رکھئے
آستیں وقف پئے دیدۂ پُرنم رکھئے
زخم اپنوں نے دئے ہوں تو نہ مرہم رکھئے
ربط ہے نظمِ دو عالم سے رہے یہ بھی خیال
اس قدر اپنا مزاج آپ نہ برہم رکھئے
لذتِ دردِ محبت کی قسم ہجر کی شب
ہے دعا وصل کی امید اثر کم رکھئے
آتشِ گل سے گزرتا ہوا آیا ہے کوئی
راہ میں آپ بھی کچھ گوہرِ شبنم رکھئے
بوریا فقر کا اور رنگ سلیمانی ہے
کس لئے پھر ہوسِ تختِ کے و جم رکھئے
دل ہے اے برق مرا آئینۂ حسنِ ازل
نظر اس شیشہ کی اب یہ ہر دم رکھئے

مختار شمیم

زمیں آسماں کی دُہائی نہ دے
خدایا! کسی کو خدائی نہ دے
کبوتر کی پرواز کو کیا ہوا؟
کنگوروں سے اُڑتا دکھائی نہ دے
مجھے نرگسیت کا آئینہ دے
مگر زندگی خودنمائی نہ دے
وہ گھر ہر [illegible] کا دعویٰ کریں!
جنھیں روشنی بھی دکھائی نہ دے

غزلیں

مفتول کوٹوی

ضبطِ خوبی سے ہیں ہم خوش و خرم کتنے
ہاں مگر ایسی اداؤں کے ہیں محرم کتنے
روئے گل، فصلِ بہاراں میں ہیں پُر نم کتنے
عید لے آئی ہے ہمراہ محرم کتنے
اُن سے سب شکوہ بہ لب ہی سہی تاہم کتنے
ان کی دلچسپی کے ہیں ڈھنگ سبھی مبہم کتنے
یادِ عشرت میں بھی۔ دیدۂ پُر نم کتنے
ہم کو کرنے پڑے خوشیوں کے سبھی ماتم کتنے
آدمی کو مرو انجم پہ لئے پھرتی ہے
ایک نازک سی ہوا۔ اس کے ہیں پیچ و خم کتنے
تیغِ احباب کی یادیں، نہ مٹائے سے مٹیں
مرے زخموں پہ رکھے وقت نے مرہم کتنے
پاس آئینۂ تقدیرِ سکندر گو نہیں
ہم قلندر ہی سہی، ہیں خوش و خرم کتنے
سختیوں پر سبھی کبھی لے گئے رہے نام ترا
کبھی ہر نام سے تیرے ہوئے برہم کتنے
آ رہے ہیں وہ یہاں میرے سیہ خانے میں
اب جلاتے ہیں دیئے۔ دیدۂ پُر نم کتنے
رُخ پہ غصہ بھی عیاں، چشمِ توجہ بھی نہاں
تولتے ہیں وہ نگاہوں میں کہ ہیں ہم کتنے
وہ نگاہِ غلط انداز، اُچٹتی سی نظر
گزر رہے ہم پہ ابھی اک لمحے میں عالم کتنے
غم کے طوفاں نہ ہاں تک نہ لگا سکے سفینے
دھارے دریائے محبت کے تھے مدغم کتنے
جس کے کھاتے ہیں غریب آگ غلط یہ دنیا کے فریب
ہوش ناموں سے خوشیوں کے گئے غم کتنے
پھول کبھی کبھی برہم کس خود آرائی سے
برق و باراں تھے تباہی پہ منظم کتنے
رہا مفتول تری نظر ملا کے بس اپنا ہی غم
رہنما فرش دکھا کے مجھے بیدم کتنے

اسماعیل ذبیح (سرونج)

انجام کیا ہو دیکھئے پیپل کی چھاؤں کا
اک ایک لمحہ رنگ بدل رہا ہے گاؤں کا

پھیلا ہوا زمین سے تھا آسماں تک
صحرا کی وسعتوں میں نہ تھا نام و نشاں کا

ہر شہر اس طرح ہے زمیں پر بسا ہوا
ڈیرہ لگا ہو جیسے کہیں بے نواؤں کا

دیکھے تماشا کون اُجالوں کا اس جگہ
میلا جہاں لگا ہو سلگتی چتاؤں کا

آؤ سنواریں عہدِ گزشتہ کی داستاں
ہاتھوں سے اپنے روپ سجا کر گپھاؤں کا

آواز تیری کون سنے اس جگہ ذبیح
اک شورِ بازگشت جہاں ہو صداؤں کا

ذاکر لدھیانوی

دہر میں آگ تعصب کی بجھا دی میں نے
اے محبت ترے دامن کی ہوا دی میں نے

سازِ الفت پہ زمانے کو صدا دی میں نے
تیری آواز میں آواز ملا دی میں نے

بزم میں شمعِ محبت کی جلا دی میں نے
زندگی کے اندھیروں کو ضیا دی میں نے

کیوں نہ میں فخر کروں اپنی تباہی پہ ندیم
زندگی اُن کی محبت میں گنوا دی میں نے

زلزلے آنے لگے قصرِ مظالم میں رفیق
آج ہر ظلم کی بنیاد ہلا دی میں نے

ہوش والے بھی ہوئے میرے جنوں کے قائل
جب حقیقت وہ سب کو سمجھا دی میں نے

یاد کو ان کی بسا کر غمِ اُلفت کی قسم
رشکِ فردوس زمینِ دل کی بنا دی میں نے

کیف ہی کیف ہے ہر دل میں اگر تھا بے نور
ان کی آنکھوں سے جو پی کر پلا دی میں نے
سرِ منزل پہ پہنچا کوئی مجھ سے نہ رہا
جب کبھی جنت اللہ کو بھلا دی میں نے

شکر پر میرے پشیماں اُسے ہونا پڑا
جب دمِ مرگ بھی قاتل کو دعا دی میں نے
کیوں نہ سینہ میں مرے اشک اٹھائے ذاکر
آگ احساس کی سینے میں لگا دی میں نے

بہ انتخاب

کل اور آج

ڈاکٹر افتخار احمد فخرؔ دھولیادی

وفاداری کے پردے میں بہانہ تھا ستانے کا
وفا کے نام پر اک ظلم تھا ہم پر زمانے کا

رہا اصرار بھی جنسِ وفا کے آزمانے کا
ثبوتِ لو طلب کرتے رہے قربان جانے کا

نظر آیا نہ جب پہلو کوئی، پہلو بچانے کا
ہوا تھا فیصلہ دُنیا سے آخر کو ہٹانے کا

چمن تو اب نہیں ہے برق اور طوفان کی زد پر
بلا سے مٹ گیا نام و نشاں گر آشیانے کا

چمن میں جانے کیا گزری کل اپنے ہمسفروں پر
قفس تک اپنے آ پہنچے تو دھواں تھا آشیانے کا

لگی تھی آگ کچھ ایسی چمن میں آتشِ گل سے
ٹھکانا تھا نہ گلشن میں کہیں پر سر چھپانے کا

چمن کے غنچہ و گل کا تھا دامن دستِ گلچیں میں
اُڑایا غنچہ بن کلیاں مجرم کرتیں مسکرانے کا!
یہ کیا کم ہے کہ طوفانوں سے ٹکرا کر نکل آئے
نہ کر غم ناخدا ساحل پہ کشتی ڈوب جانے کا

اب اس انتشار سے پھر لطف اٹھائیں لطف فرمائیں
ان ہی کے دل میں جلنے دو دیے سارے زمانے کا
نظر آئی اندھیرے کو خود اپنے دل کی تاریکی
اگرچہ اب ارادہ فخرؔ ہے سورج پہ جانے کا

غزلیں

ستیش قمرؔ سلطانپوری

ہم ہی ہم رہ گئے زمانے میں
ذکر اپنا ہے ہر فسانے میں

اور دُنیا ہے غم کے ماروں کی
کون کس کا ہوا زمانے میں

دیر و کعبہ سے لوٹ آئے ہم
بات کیا تھی شراب خانے میں

دہرِ خاکی میں ہم ہیں یوں جیسے
کوئی مجرم ہو قید خانے میں

حاصلِ زیست پا سکی نہ حیات
رہ گئی سانس آنے جانے میں

عیش کرنے گئے ہیں وہ جن کی
عمر گذری ہے قید خانے میں

وہ کبھی اپنا ہوا نہ آہ قمرؔ
مٹ گئے جس کو ہم بنانے میں

کاملؔ آفریدی گدھی

حسن پوری

ہوا جذبِ سوزِ دل آنکھوں کا پانی
نہ آنسو نہ اب آنسوؤں کی روانی
جہاں ہوگی جس طرز کی حکمرانی
اسی وضع کے ہوں گے لفظ و معانی
کہیں نامرادی کہیں شادمانی
سب ان کے اشارے وہی ان کی بانی
کہا تم نے روداد فرسودہ جس کو
وہی ہے مرے دردِ دل کی کہانی
یہ دریا جو ہے علم و دانش کا دریا
نہ ہوگی کبھی ختم اس کی روانی
ہمیں پر گلستاں میں مشقِ ستم ہے
ہمیں کر رہے ہیں مگر باغبانی!
یہاں میں کبھی ہوں تیرے جلوے کا ہمراز
نہ تیرا ہی ثانی نہ میرا ہی ثانی
جو ہو فطرتاً کشتۂ یاس و حرماں
اسے راس آئے گی کیا شادمانی
چلیں چار جھونکے جہاں بادِ غم کے
وہیں ہو گیا ختم نازِ جوانی
ہوس کی حقیقت سو اس کے کیا ہے!
ادھوری محبت ادھوری کہانی
نہیں چاہیے اور کچھ اس کو کاملؔ

شوکت جلالی ـ شخصیت اور شاعری

پروفیسر آفاق احمد ایم اے ـ بھوپال

آپ کا پورا نام شوکت علی ہے ـ خاندان سادات میں سے ہیں ـ جلالی خاندانی نسبت ہے ـ وطن مالوف بھوپال اور آبائی وطن نورآباد (دھیر پردیش) ہے ـ موصوف کے دادا میر عبدالعلی سجادہ نشین درگاہ عالیہ سیدنا میران شاہ نورآبادی ایک اچھے شاعر تھے اور وصفی تخلص فرماتے تھے ـ

شوکت جلالی سنہ ۱۹۴۲ء سے شعر کہتے ہیں ـ غزل کے متوالے ہیں لیکن متعدد اچھے قطعات اور نظمیں بھی کہی ہیں ـ اُردو ادبیات میں ایم ـ اے ہیں ـ قصبہ باڑی (بھوپال) کے ہائر سکنڈری کے اسکول میں ہیڈ مدرس ہیں ـ انجمن ترقی اردو شاخ باڑی کے جنرل سکریٹری ہیں اور ضلع رائسین کی ادبی انجمنوں کی روشن شمع اور ادبی حلقوں کے روحِ رواں کہے جاتے ہیں ـ ملک کے مختلف اخباروں اور رسائل میں آپ کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں آپ نہایت خلیق اور بے حد ملنسار شاعر ہیں ـ مشاعروں میں ترنم سے پڑھتے ہیں ـ پڑھنے کا انداز نہایت دلکش اور موثر ہے ـ

مجھے شوکت جلالی سے پہلی بار ملنے کا اتفاق ـ بھوپال سے تقریباً ساٹھ میل کی دوری پر واقع ایک قصبہ باڑی میں ہوا ـ جامعہ اُردو کے امتحانات کے سلسلے میں میرا وہاں جانا ہوا تھا ـ باڑی کے بارے میں میں نے تصور بھی نہ کیا تھا کہ وہاں ادبی ماحول ہوگا ـ لیکن تین چار دنوں کے قیام میں وہاں کی بہت سی ادبی روایات کے ساتھ اُردو شعر و ادب کی محفلیں بھی جمی نظر آئیں ـ اُن کے روحِ رواں بھی شوکت جلالی تھے ـ

مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ شعر و ادب کا اُجالا شہروں تک محدود نہیں ـ بلکہ اُن دیہاتی بستیوں میں بھی پہنچ رہا ہے جن کا شاندار ماضی ان کے حال سے بہترین توقعات وابستہ کئے ہوئے ہے ـ باڑی کے بارے میں یہ تو پتا چل ہی چکا تھا کہ یہ وہ پُرفضا مقام ہے جہاں گونڈوں اور آدیباسیوں کی لوک کلا اور لوک گیت پہاڑی سلسلوں کی طرح سربلند اور ندی کے شفاف پانی کی طرح رواں ہیں ـ غالباً اسی رومانی فضا ہی کا اثر تھا کہ شوکت جلالی نے غزل کو اپنی شاعری کے لئے منتخب کیا ـ غزل کی شاعری اتنی آسان نہیں جتنی نظر آتی ہے ـ لیکن جذبہ کا خلوص ـ شاعر کا تخیل، کہنے کا ڈھنگ، دل کا گداز، زبان پر قدرت اور محسوسات کے اظہار کا سلیقہ آجائے تو یہ منزلِ دشوار گزار بھی آسان بن جاتی ہے ـ

میں یہ تو نہیں کہتا کہ شوکت جلالی نے مندرجہ بالا تمام چیزوں کو اپنی شاعری میں ڈھال لیا ہے ـ لیکن اتنا ضرور اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کوشش ضرور کر رہے ہیں ـ اس کوشش میں بہت سے شعر انھوں نے بڑے چونکا دینے والے کہے ہیں ـ

زخم تیرہ شبی کھانے والو ∴ مسکراؤ! سحر ہوگئی ہے
کسی کی زلف کی خوشبو نہ لا سکی اب تک ∴ ترے سفر کا صبا ہم کو اعتبار نہیں
میرے لئے تمہاری محبت کو چھوڑ کر ∴ ہر چیز عارضی ہے کوئی جاوداں نہیں
شعلۂ گل کہیں کہ رقصِ سحر ∴ ہم ترے حسن کے فسانے کو
سامنا جلوہ گہ ناز کا آساں ہی نہیں ∴ جو غش کھا جاتے ہیں لے کے وہ تماشا کہ
تمہارا غم بھی اگر آج اس میں شامل ہے ∴ تو پھر مجھے غمِ دوراں بھی ناگوار نہیں
تمہارے جلوۂ رنگیں کو ہم اے رونق بزم بکھا دیں گے ∴ محبت میں جبیں پا لیتے ہیں اپنی نظر میں
طرحداری زمانہ کی مسلّم ∴ تمہارا بانکپن سب پہ بالا ہے
محفل بادہ حسیں، ساقی حسیں، ساغر حسیں ∴ لذتِ کیفِ علی ہے میرا منہ دیکھے
بے نیازانہ ابھر دیں ترے سخن کی محفل ∴ کوئی بیٹھا ہو [illegible]
کیسے ناکامی سے سمجھوتہ کروں ∴ زندگی کا ہر نفس پیغام ہے
بہار تو ذکرِ بہار باقی ہے ∴ کسی طرح [illegible]

مندرجہ بالا اشعار میں محبت کی چوٹی دھیمی آنچ سے جس جذبہ کا اظہار ہے ـ اس کی پاکیزگی اور نکھرنے کا انتظار کرنا چاہئے ـ وہ مزید نکھرے گا ـ اس کا اظہار کرنے میں مجھے کوئی

باک نہیں۔
میں سمجھتا ہوں شوکت جلالی کو صرف تخلیق کر دینا کافی نہیں وہ گرمیٔ محفل کے لئے شعر کہنا ہی کافی نہ سمجھ کر اردو کے لئے عملی کام بازی اور ضلع واشیم میں کر رہے ہیں۔ یہی اردو کا آج تقاضا ہے۔ اس تقاضے کی تکمیل کے لئے اُن کی کوششیں بجا طور پر تعریف کی مستحق ہیں۔
نمونۂ کلام کے طور پر دو غزلیں ملاحظہ فرمائے۔

غزل ۱

سخت حالات تھے تیرگی کی طرح ٭ ہم بھی بڑھتے رہے روشنی کی طرح
ہم کو آغازِ الفت کا لطف آ گیا ٭ آپ جب جب ملے اجنبی کی طرح
سینکڑوں سنگ ہیں کوئی ہیرا نہیں ٭ آدمی بھی نہیں آدمی کی طرح
کیسے منزل پہ پہنچے کوئی کارواں ٭ راہبر ہی جو ہوں اجنبی کی طرح
دوستو کیسی یہ سنگ یہاں بکھیا ٭ ساتھ دو وقت کا زندگی کی طرح
کس کو شوکت کہیں آج اپنا کہ ہے ٭ ہر بیگانہ یہاں اجنبی کی طرح

(۲)

نظر نواز ہوئے قافلے بہاروں کے
بلندیوں پہ مقدر ہیں بادہ خواروں کے
نگارِ شب نے جو یادوں کی زلف لہرا دی
تو حوصلے بڑھے کچھ اور بیقراروں کے
جھکا ہے سر جو ہمارا تو کیا تعجب ہے
گرے ہیں تاج ترے در پہ تاجداروں کے
ہیں پھول نوحہ کناں سوگوار ہیں کلیاں
چمن میں آج بھی یہ حال ہیں بہاروں کے
سنا ہے جب سے کرم ہیں ترے ستم سے سوا
گناہ اور بڑھے ہیں گناہگاروں کے
قدم قدم پہ جلا کر چراغِ عزم و عمل
نصیب ہم نے جگائے ہیں ریگزاروں کے
خزاں کے دور میں گھٹ کے دل سے اے شوکت
زباں سے ذکر جو کرتے رہے بہاروں کے

بقیہ صفحہ ۳ پاپ کی گٹھری

یعنی مادھوی، اُس کی ماں اور گھومو کے تڑتے اور پھر۔۔۔
کشیپ کے خیالوں کی کرچیں فضاؤں میں بکھر گئیں۔
وہ کب سے کمرے میں اُسی جگہ کھڑا تھا جہاں مادھوی اور اُس کی ماں اُسے مجرم بنا کر چھوڑ گئی تھیں۔
"مادھوی جسے" پاپ کی گٹھری سمجھ کر میرے پاس چھوڑ گئی ہے۔ وہ میری محبت کے لئے ایک تحفہ ہے۔ مجھے رجھیا دل سکی لیکن اُس کی محبت کی یہ نشانی میں زندگی بھر سنبھال کر رکھوں گا" کشیپ کی محبت نے فیصلہ کر لیا۔
جیسے ایک بگولا اُٹھا ہو اور یادوں کے خشک، زرد پتے ہر طرف بکھر پڑے ہوں اور۔۔۔
کشیپ نے لپک کر بچے کو گود میں اُٹھا لیا۔ اپنے جامن جیسے سیاہ ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دئے۔ اور روتا ہوا بچہ بھی جیسے سکون پاکر خاموش ہو گیا۔

مختصر تعارف و حالاتِ زندگی

رؤف انجم

سید منیر الدین نام سحر تخلص اپنے اُستاد جے۔ پی سعید کی نسبت سے سعیدی لکھتے ہیں۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے شعر و ادب خصوصاً غزل سے دلچسپی رہی ہے اس لئے زیادہ تر غزل ہی کہتے ہیں۔ مرہٹواڑہ یونیورسٹی میں روزگار کا سلسلہ ہے۔ مجموعۂ کلام "موسم کی آنکھ" زیرِ طبع ہے۔ اس کے علاوہ ادبی تحقیق سے بھی دلچسپی ہے۔ چنانچہ اورنگ آباد کے شعراء کا ایک مبسوط تحقیقی تذکرہ زیرِ ترتیب ہے۔
جدید غزل گو شعراء میں ان کی آواز اپنے جداگانہ انداز کی وجہ سے انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔

پاپ کی گٹھڑی

بلقیس شبیہ (اکولہ)

موٹر کے دروازے کھولنے اور بند ہونے کی آوازآئی۔ اور پھر موٹر پل میں گرتی دھول اڑاتی نظروں سے غائب ہو گئی ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ کھڑکی، دروازے کے پیٹ کھلے اور بند ہونے۔ دھول، تنکے، کاغذ کے پرزے اور شاخ سے جھڑے خشک زرد پتے فضاؤں میں ناچنے لگے۔ بچہ جاگ گیا اور رونے لگا۔ کشیب بہت دیر تک اُسے اسی حالت میں دیکھتا رہا۔

وہ سوچنے لگا ابھی تھوڑی دیر پہلے۔۔۔ رجینا کو پاکر میں کس قدر خوش تھا۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ کبھی نہ ملنے والی رجینا اس طرح خود چل کر میرے گھر چند لمحات کے لئے رفیق حیات کی شکل میں آسکے گی۔ اور اپنی دائمی جدائی کا امٹ داغ دے کر چلی جائے گی۔ لیکن اس میں رجینا کا کوئی تصور نہیں۔ کشیب کے کانوں میں مادھوی کے الفاظ گونجنے لگے۔

"چلو گھر! میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی کہ میری چاند جیسی بہن زندگی بھر اس دلدل میں پھنسی رہے۔"

"درندہ صفت انسانوں سے بچنے کے لئے کنول کی پنکھڑی نے بھی دلدل ہی میں اپنا محل بنایا تھا"۔۔۔ کشیب کو اپنا یہ جواب بہت موزوں معلوم ہوا۔ اور اسی وقت پھر بچہ زور زور سے رونے لگا سسکنے لگا۔

اُسے روتا دیکھ کر کشیب کو رجینا کے وہ آنسو یاد آ گئے جو کچھ دیر پہلے اپنے بچے سے بچھڑتے وقت اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔

"چلو گھر" مادھوی اور گوند اُس کا ہاتھ بے دردی سے کھینچتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"نہیں! ارے میں یہاں سے نہیں جاؤں گی میرا بچہ۔۔۔۔ یہ بچہ! نہیں" رجینا کی ماں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا "پاپ کی اِس گٹھڑی کو یہیں پڑا رہنے دو"! وہ بچے کی طرف حقارت بھری نظر ڈال کر تیزی سے بولی تھیں۔ اور کشیب مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگا۔

اس کے ذہن میں وہ منظر تیزی سے گردش کرنے لگا۔

وہ منظر جب رجینا سفید کپڑے میں کسی چیز کو چھپائے اُس کے دروازے پر کھڑی تھی۔ بہت دیر تک دونوں اک دوسرے کو حیرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ آخر رجینا کے پیروں میں جنبش ہوئی۔ کمرے میں بچھے ہوئے پلنگ پر اس نے کپڑے میں لپٹی وہ گٹھری رکھ دی اور چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپا کر سسکنے لگی۔ کچھ دیر بعد اُس گٹھری میں جنبش ہوئی اور پھر کمرے میں اک شیر خوار بچے کی چیخیں گونجنے لگیں۔ روتی ہوئی ماں اور بلکتے ہوئے بچے کے درمیان کشیب عجیب پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ روتے ہوئے بچے کو سینے سے لگا کر خاموش کر دے لیکن اُس کے قدم رجینا کی طرف اٹھ گئے۔ اور اس نے کہا۔

"رجینا بچہ بہت رو رہا ہے"!

"ہاں"! رجینا نے سسکیوں کے درمیان کہا۔

"اُسے گود میں اٹھا لو" کشیب نے پھر کہا۔

"رجینا خاموش رہی۔

"رجینا"!

کشیب سے برداشت نہ ہو سکا۔ اُس نے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔

"کشیب بابو"! رجینا نے کچھ کہنے کے لئے زبان کھولی مگر پھر اُس کی قوتِ گویائی نے ساتھ نہ دیا۔

"میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں رجینا۔ جاؤ۔ باتھ روم میں جا کر منہ دھو آؤ" کشیب نے کہا۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور بچے کو

ی گود میں اٹھا لیا۔ رجینا خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ ور کشیپ کے بالکل نزدیک آ کر کہا۔

"کشیپ بابو ۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" یہ کہہ کر وہ کچھ ل سی گئی۔ جیسے الفاظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے ہوں۔

"ہاں یہ ہو سکتا ہے"۔ وہ جیسے اُس کا مطلب سمجھ گیا۔

"میری آنکھوں پر پردہ پڑ گیا تھا۔ میں بہت شرمندہ ہوں" جینا ندامت سے سر جھکا کر بولی۔ "کُنور کے مقابلے میں آپ کو ی ٹھکراتی رہی۔ آپ سے نفرت کرتی رہی۔ میں نے آپ کی بی محبت کی قدر نہ کی۔ جس کی مجھے یہ سزا ملی ہے کہ میں لُٹ لُٹا کر پ کے در پر آئی ہوں"۔ رجینا نے کشیپ کے پاؤں پکڑ لئے۔

"میں بھی اک انسان ہوں رجینا"۔ کشیپ نے رجینا کو ٹھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم تھا آپ مجھے معاف کر دیں گے۔ اسی لئے میں ں باپ بھائی بہن سب کو چھوڑ کر آپ کے پاس آئی ہوں"۔

"میرے دل میں اب بھی تمہارے لئے وہی جگہ ہے"۔ شیپ بولا

"میں بے حد شرمندہ ہوں کشیپ کہ"۔ . . . . . .

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں"۔ کشیپ رجینا کی بات کاٹ بولا۔

"تم خوبصورت تھیں۔ تمہیں ایک خوبصورت ساتھی کی ضرورت ۔ کُنور بھی خوبصورت تھا۔ اور تمہاری برابری کا بھی۔ مجھ ے زیادہ وہی تمہاری محبت کا حقدار تھا"۔

رجینا کی جھکی ہوئی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے

"میں تمہاری دل شکنی کرنا نہیں چاہتا"۔ کشیپ نرمی سے بولا۔ کُنور کی بے وفائی سے اتنا ہی دکھ ہے جتنا کہ تمہیں۔ ورنہ تمہاری خودداری کو کبھی ٹھیس لگتی! اپنے درسے آوارہ ے اور بدصورت کہہ کر نکالے ہوئے ایک حقیر انسان کے ں آج تمہیں کیوں آنا پڑتا؟"

"کہہ لیجئے۔ کہہ لیجئے۔ میں نے تو اس سے کبھی زیادہ کی بے عزتی کی تھی"۔

"نہیں۔ مجھے اپنی بے عزتی کا قطعی احساس نہیں"۔

کشیپ بولا "یہ احساس ہے تو صرف اُس تکلیف دہ فیصلے کا جس کی بنا پر تمہیں میرے گھر آنا پڑا۔ مجھے بے حد دکھ ہو رہا ہے تمہاری بے بسی پر جو تمہیں مجھے قبول کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ رجینا انسان کسی کے لئے اپنی سرشت، اپنا کردار، اپنے اصول تو بدل سکتا ہے لیکن وہ اپنی شکل نہیں بدل سکتا"۔ وہ جیسے اپنے ہی خیالوں میں گم ہو کر بولتا جا رہا تھا اور رجینا روئے جا رہی تھی۔

"جب سے تم نے مجھے میری بدصورتی کا احساس دلایا۔ مجھے اپنی صورت سے ہی نفرت ہو گئی میں نے آئینہ ہی دیکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے اپنے کمرے کی ہر اُس چیز کو الگ کر دیا جس میں عکس نظر آئے۔ لیکن میں اس احساس سے نجات نہ پا سکا کہ بھگوان نے مجھے اتنا بدشکل کیوں بنایا ہے اگر بدصورتی ہی دینی تھی۔ تو انسانی شکل دے کر کیوں پیدا کیا۔ کوئی وحشی درندہ، کوئی ہیبت ناک جانور ہی بنا دیا ہوتا۔ مجھے دکھ ہے رجینا کہ میرے قریب رہ کر تم بھی اس دکھ کو ہمیشہ محسوس کرتی رہو گی"۔

"بس بس! رجینا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا"۔ میں سمجھ گئی۔ آپ بھی دراصل مجھے ٹھکرانا چاہتے ہیں۔ لیکن دنیا سے ٹھکرائے ہوئے انسان کو موت تو اپنی آغوش میں پناہ دے سکتی ہے"۔

"رجینا"۔ کشیپ روتی ہوئی رجینا کے قریب جا کر بولا۔ "میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں تو تمہیں آج بھی گلے سے لگا سکتا ہوں"۔

"کشیپ"۔ رجینا کے حلق سے مسرت کی چیخ نکل گئی۔

دونوں نے اک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اور دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔ دونوں ان مسکراتے ہونٹوں میں اپنے اپنے عکس کو، اپنی اپنی شبیہ کو تیرتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ان آنسوؤں نے دونوں دلوں کی گرد کو دھو دیا تھا۔ اچانک دونوں کے چہرے ایک عجیب سی مسرت سے چمکنے لگے۔

بچہ بُری طرح چیخا اور کشیپ اپنے خیالات سے چونک پڑا۔ کشیپ کی خوشیاں کتنی جلد ختم ہو گئیں۔ آن واحد میں گرد و غبار اڑاتی ایک موٹر آئی۔ جس میں سے رجینا کی بڑی

بھارتی معیشت میں وسیع پیمانے پر مزید ترقی کے روشن امکانات

بھارتی معیشت میں بڑی تیزی سے توسیع ہوئی ہے۔ بھارت نے نہ صرف سکّے کے پھیلاؤ پر قابو پا لیا ہے بلکہ اس کا رُخ ہی موڑ دیا ہے اور قیمتوں میں ٹھہراؤ آ گیا ہے۔

■ اناج کی اکروڑ ۵۰ لاکھ ٹن کی پیداوار کا نیا ریکارڈ قائم ہوا ہے اور اس وقت ملک میں ایک کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن سے زیادہ اناج کا اسٹاک ہے۔

■ مالی سال کے پہلے چھ مہینوں میں صنعتی شعبے میں بارہ فیصد کی شرح سے ترقی ہوئی جب کہ پچھلے سال کی اس مدت میں یہ صرف تین فیصد تھی۔ 77-1976ء میں پچھلے سال کے مقابلے میں دس فیصد زیادہ صنعتی پیداوار متوقع ہے۔

■ اپریل سے ستمبر 1976ء تک کے عرصے میں 1975ء کی اس مدت کے مقابلے میں بجلی کی پیداوار 4ء16 فیصد بڑھی ہے۔

■ اپریل سے اکتوبر 1976ء تک کے عرصے میں بھارتی برآمدات میں ۹ء۳۰ فیصد کا قابل قدر اضافہ ہوا ہے اور اس مدت میں درآمدات میں ۹ فیصد تک کمی ہوئی ہے۔

■ بیرونی ادائیگیوں کی پوزیشن میں نمایاں بہتری ہوئی ہے۔ غیر ملکی سکّے کا ریزرو حصول آزادی کے بعد پہلی بار ۵۰۰ء2 کروڑ روپے سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔

■ پبلک سیکٹر میں ترقی کی شرح تقریباً بارہ فیصد ہے۔

■ روپے کی قوت خرید میں 17 سے 21 فیصد تک کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ کامیابیاں اس بات کی مظہر ہیں کہ بھارت کی حکومت اور عوام نے ترقی کے لئے اس وسیع اور سرگرم عمل ملک کے تمام تر وسائل کو بروئے کار لانے کا پختہ عزم کر رکھا ہے

DAVP 76/886

اقتصادی آزادی کی منزل کی طرف

ہم دلّی میں ہر سال آگے بڑھ رہے ہیں

ترقیاتی اسکیموں کے مصارف کی رفتار

30 کروڑ 43 لاکھ روپے 1971-72ء میں
50 کروڑ 16 لاکھ روپے 1975-76ء میں
74 کروڑ 80 لاکھ روپے 1976-77ء میں اور
90 کروڑ 10 لاکھ روپے (مجوزہ) 1977-78ء میں

☆☆ دلّی میں کُل منصوبہ جاتی مصارف کا 40 فیصد حصہ سماج کے کمزور طبقوں کے لئے بہبودی اسکیموں پر خرچ کیا جارہا ہے۔

☆☆ ان وسائل کا 33 فیصد حصہ دلّی کے شہریوں کی شاندار بچت کوششوں کے نتیجے میں ہی حاصل ہوا ہے۔

آئیے! ہم سب بچت کی اس تیز رفتار کو قائم رکھیں روپیہ جمع کر کے فائدہ اٹھانے کے لئے اور بہت سی اسکیمیں موجود ہیں۔

مزید معلومات کیلئے رابطہ قائم کیجئے

ریجنل ڈائرکٹر نیشنل سیونگز۔ پوسٹ بکس نمبر 1412۔ کشمیری گیٹ دہلی
فون نمبر 224725

جاری کردہ:۔ محکمہ اطلاعات و اشاعت دلّی انتظامیہ دلّی

سال اجراء ۱۹۳۸ء   رجسٹرڈ نمبر ڈی ۲۸۰ - رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R-N-6441/57

فون نمبر:- ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ شان ہند نئی دہلی

ایڈیٹر- سرور تونسوی، قیمت سالانہ بارہ روپیے، فی پرچہ ایک روپیہ ۲۵ پیسے

جلد ۳۸ | اپریل ۱۹۷۷ء | شمارہ ۴

فہرست

آپ نام ضروری خط

میں اسوقت تشویش ناک حد تک علیل ہوں۔ ڈاکٹر نے لکھنے پڑھنے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شان ہند کے دو شماروں میں "افکار و واقعات" تک بھی نہ جا سکے۔ انشاء اللہ مئی کے شمارہ میں افکار و واقعات سابقہ روایات کے مطابق ہوں گے۔ کاتب اور پریس بدل دیئے گئے ہیں۔ شان ہند سرورق کے لئے بہترین قسم کے بلاک بنوائے گئے ہیں جو بلاکس بن رہے ہیں۔ ایجنٹوں کے عجیب و غریب ہتھکنڈوں کے باعث شان ہند کی ایجنسی دینے کا سلسلہ بند کر دیا گیا تھا مگر یہ سلسلہ اب پھر سے جاری کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اپنے شہر اور قصبہ میں شان ہند کی ایجنسی قائم کرانے میں مدد دیجئے۔ اور اسی طرح اپنے حلقہ احباب میں سے شان ہند کے لئے ایک ایک خریدار کا زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر شان ہند کے لئے آسانیاں پیدا کیجئے۔ امید ہے کہ اس گزارش پر دھیان دیا جائے گا۔

نیاز مند سرور تونسوی - ایڈیٹر

دہلی پرکاش سرور، ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے خواجہ پریس جامع مسجد دہلی سے چھپوا کر دفتر ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج سے شائع کیا۔ سرور تونسوی

افکار و واقعات

میں بیمار ہوں۔ سر بڑھکی ہڈی میں کچھ نقص آجانے سے میں ٹھیک طرح سے بیٹھ نہیں سکتا۔ ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کی سخت ممانعت ہے اس لئے افکار و واقعات کے صفحات میں حفیظ جالندھری کا ایک دلچسپ مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ اگر صحت نے اجازت دی تو اشاعت آئندہ سے افکار و واقعات اپنی روایات کے مطابق شائع ہوں گے۔ — سرور تونسوی

گنوؤں کی مہمان داری اور بارش کیلئے دعا

ابو الاثر حفیظ جالندھری

میری عمر بارہ برس تھی میرا لحن داؤدی بتایا جاتا اور نعت خوانی کی محفلوں میں مجھے بلایا جاتا۔ اُس زمانے میں شعر و شاعری کے مرض نے بھی مجھے آلیا تھا۔ اس لئے سکول سے بھاگنے اور گھر سے اکثر غیر حاضر رہنے کی علت بھی پڑ چکی تھی جسے میری زندگی کی ذلت تصوّر کیا جاتا تا گھرانے کے لئے لازمی تھا۔ بہر آئینہ اب تک اس ذلت کی لذت موجود ہے۔ میں خود حیران ہوں، کیوں اور کیسے؟

میری منگنی لاہور میں میرے رشتے کی ایک خالہ کی دختر سے ہو چکی تھی میرے خالو نے جب میری آوارگی کی داستان سنی تو سیر و تفریح کے بہانے محترم نے جالندھر سے مجھے اپنے ساتھ لیا اور سیر و تفریح کا سبز باغ دکھا کر شہر گجرات کے قریب قصبہ جلال پور جٹاں میں پہنچ گئے۔ اصل سبب مجھے بعد میں یہ معلوم ہوا کہ ہونے والے خسر اور فی الحال خالو میرے بارے میں اپنے دینی مرشد سے تصدیق کرنا چاہتے تھے کہ وہ بزرگ اپنی بیٹی کی شادی مجھ ایسے آوارہ کے ساتھ کر دینے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں!

اُن کے قول کے مطابق میں تو اس وقت اپنے خالو کا چہیتا نعت خوان تھا۔ مجھے پیش کیا گیا پیر بزرگوار پیر و مرشد ایک کہنہ سال بزرگ تھے۔ ان کے ارد گرد مؤدب بیٹھے دوسرے شرفاء سے پہلے ہی دن میں نے نعت سنا کر واہ واہ سبحان اللہ کے تحسین آمیز کلمات سنے۔ اس کے بعد کچھ کھانے پینے کے لئے بہتر سے بہتر جو کچھ دسترخوان پر ہوتا، ایک خاص الخاص صوفی نما کارفرما میرے سامنے چنتا۔ ارد گرد کی سیر و تفریح کا انتظام تھا، اور ہر نماز عشاء کے بعد میلاد کی بزم اور نعت خوانی کا اہتمام! گرمی کا موسم تھا پنکھا جھلنے والے موجود تھے۔

دو مہینے اسی جگہ گزرے۔ اس سال ساون دکھا تھا۔ بارش نہیں ہو رہی تھی۔ لوگ بارش کے لئے میدان میں جا کر نماز استسقاء ادا کرتے تھے۔ بچے، بوڑھے، جوان، مرد و زن دعا کرتے لیکن گھنگھور گھٹا تو کیا کوئی معمولی بدلی بھی نمودار نہ ہوئی تھی۔ یہ ہے پس منظر اس واقعہ کا جسے میں معجزہ کہتا ہوں اور جسے بیان کر دینے کے لئے نہ جانے کیوں مجبور ہو گیا ہوں۔

پہلے یہ جان لیجئے کہ وہ محترم بزرگ کون تھے؟ مجھے یقین ہے کہ ان کا خاندان آج بھی جلال پور جٹاں میں موجود ہے۔ ان بزرگ کا نام نامی حضرت قاضی عبد الحکیم؟ تھا۔ اسی پچاسی برس کی عمر تھی دور دراز سے لوگ ان سے دینی و دنیاوی استفادہ کی غرض سے آتے تھے۔ یہ استفادہ دینی کم، دنیاوی زیادہ ہوتا تھا۔ آنے والے اور دو تین روز کے بعد چلے جانے والوں کا ایک تسلسل [illegible] تھا۔ کثرت سود خوروں اور تجارت پیشہ لوگوں کی تھی۔ یہ پیر پرست لوگ بھینٹوں اور تحفے تحائف کے ٹوکرے بھر کر لاتے۔ نہایت ادب سے عرض و معروض کرتے اور کہتے کہ یہ قصبے کی مساجد میں تعلیم پانے والے بچوں میں تقسیم

ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات جب واپس جانے کی اجازت چاہتے تو ان کے لئے دُعا کرنے والے پیر و مرشد یعنی حضرت قاضی صاحب جلال پور جٹاں سکینے ہوئے تیس روپے بطور ہدیہ دے کر رخصت فرماتے۔

چونکہ میری نعت خوانی کے سبب حضرت بسا اوقات مجھے اپنے مصلّے کے بہت قریب بٹھا لیتے تھے ایک دن ان کے کسی خاص نیاز مند کے استفسار پر میں نے حضرت کا جواب سُنا کہ "لیکن یہ لوگ تاجر ہیں دُور سے آتے ہیں واپس جاتے ہیں تو دینی مفاد کو دنیاوی مفاد سے بڑی تولتے ہیں حساب کرتے ہیں تو یہاں آنے جانے اور اپنی کمائی گنوانے کے مقابلے میں یہ روپے انہیں زیادہ وزنی نظر آتے ہیں۔"

میری طرف دیکھ کر حضرت نے کہا: "برخوردار! تم رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی سے مجھے خوش کرتے ہو، تمہارے لئے میرے پاس بس دعائیں ہی ہیں۔ انشاء اللہ تم دیکھو گے کہ آج تو تم دوسروں کی لکھی ہوئی نعتیں سُناتے ہو، لیکن ایک دن تمہاری لکھی ہوئی نعتیں لوگ دوسروں کو سُنایا کریں گے۔"

اُس وقت بھلا مجھے کیا معلوم تھا کہ سرکارِ دو جہاںؐ کے یہ محبِّ صادق، میری زندگی کا یہ مقصود بیان کر رہے ہیں۔

بہر صورت یہ تو ان کی کرامتوں میں سے ایک عام بات ہے۔ جس تجربے کے اظہار نے مجھ سے آج قلم اٹھوایا، وہ کرامتوں کی تاریخ میں شاید بے نظیر ہی نظر آئے۔

ایک روز حضرت قاضی صاحب کے پاس گیا اور ان کے بہت سے نیاز مند بیٹھے تھے ان میں میرے خالو بھی تھے۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا اور حضرت ایک مصلّے پر بیٹھے تھے۔ السلام علیکم کہتے ہوئے کندھوں پر رومال ڈالے مولوی طرز کے سات آٹھ معتبر آدمی کمرے میں داخل ہو کر قاضی صاحب سے مخاطب ہوئے۔ قاضی صاحب نے وعلیکم السلام اور بسم اللہ کہہ کر بیٹھ جانے کا ایما فرمایا۔ ہم سب ذرا پیچھے ہٹ گئے اور مولوی صاحبان تشریف فرما ہو گئے۔

ان میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت! ہمیں ہزار مسلمانوں نے بھیجا ہے۔ یہ چار صاحبان گجرات سے اور وزیر آباد سے آئے ہیں۔ میں، آپ جانتے ہیں، ڈاکٹر فقیر کے ساتھ والی مسجد کا امام ہوں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ آپ اس ٹھنڈے ٹھار گوشے میں آرام سے بیٹھے رہتے ہیں۔ باہر خلقِ خدا مر رہی ہے۔ نمازی اور سب نمازی سب بارانِ رحمت کے لئے دعا کرتے کرتے ہار گئے ہیں ہر نماز استسقا ادا کی جا رہی ہے۔ کیا آپ اور آپ کے ان مریدوں کے دل میں کوئی احساس نہیں کہ یہ لوگ بھی اٹھ کر نماز میں شرکت کریں اور آپ بھی اپنی پیری کی مسند سے اٹھ کر باہر نہیں نکلتے کہ لوگوں کی چیخ و پکار سنیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تاکہ وہ پریشان حال مخلوق پر رحم کرے اور بارش برسائے۔"

میرے قریب ایک شخص نے چپکے سے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا: "یہ وہابی ہے"۔

میں ان دنوں وہابی کا مفہوم نہیں سمجھتا تھا کہ یہ صوفیوں کو بُرا خیال کرتے ہیں اور نعت خوانی کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں جب سلام پیش کیا جاتا ہے تو یہ لوگ تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے بلکہ کھڑے ہونے والوں کو بدعتی کہتے ہیں۔

مسکراتے ہوئے قاضی صاحب نے پوچھا حضرات! آپ فقیر سے کیا چاہتے ہیں؟ ان میں سے ایک زیادہ مضبوط جثے کے مولوی صاحب نے کڑک کر فرمایا:۔

"اگر تعویذ گنڈہ نہیں تو کچھ دعا ہی کر دو سنا ہے کہ پیروں فقیروں کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔"

قاضی صاحب نے فرمایا: "آپ کتوں سے کیوں نہیں کہتے کہ دعا کریں۔"

یہ فرمانا تھا کہ تمام مولوی صاحبان غضب میں آ گئے اور مجھے بھی ان کا غضب میں آنا قدرتی معلوم ہوا۔ چنانچہ وہ جلد بڑبڑاتے ہوئے اٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

قاضی صاحب کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تمام نیاز مند لوگ ایسے گم سُم ہی تھے کہ مولوی صاحبان میں سے دو جو بہت جید نظر آتے تھے دوبارہ کمرے میں داخل ہوئے اُن میں سے

ب نے کہا :—

"حضرت! ہم تو کتّے کی بولی نہیں بول سکتے آپ ہی کتّوں سے دُعا کرنے کیلئے فرمایئے"

مجھے اچھی طرح یاد ہے اور آج تک میرے سینے پر قاضی صاحب کا یہ ارشاد نقش ہے "حضرت! پہلے ہی کہوں تو کہہ دیا صبح تشریف لایئے اور کتّوں کی دُعا ملاحظہ فرمایئے"

مولوی صاحبان طنزاً مسکراتے ہوئے چل دیئے اور ں نے اُن کے یہ الفاظ اپنے کانوں سے سنے! "یہ صوفی لوگ پتے خالص خرافات کرتے ہیں"

جب مولوی صاحبان چلے گئے تو میرے خالو صاحب سے قاضی صاحب نے فرمایا :- کہ "ذرا چھوٹے میاں کو بلایئے"

چھوٹے قاضی صاحب کا نام اب میں بھولتا ہوں — مہمانوں کی آؤ بھگت اور قیام و طعام کا سارا انتظام انہی کے سپرد تھا - انواع و اقسام کے کھانے اور دیگیں قاضی صاحب حویلی کی ڈیوڑھی اور صحن میں پکتی رہتی تھیں - ساتھ ہی ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد تھی جس میں عشاء کی نماز کے بعد نعت خوانی ہوا کرتی تھی اور میں بڑے ذوق و شوق سے وہاں نعت خوانی کیا کرتا تھا —

پیر صاحب یعنی بڑے قاضی صاحب کو میں نے اکثر دیکھا مسجد میں جب نماز کے لئے صفیں بن جاتیں تو آپ خاموشی سے اپنے کمرے سے نکلتے اور نمازیوں کے جوتوں کے قریب کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے اور پھر اپنے کمرے میں جا بیٹھتے — میں اپنے بیان سے بھٹک گیا تھا - میرے خالو ان کے چھوٹے میاں کو لائے تو قاضی صاحب نے ان سے کہا —

"میاں! کل صبح دو تین سو کتّے ہمارے مہمان ہونگے آپ کو تکلیف تو ہوگی بہت سا حلوہ راتوں رات تیار کرا لیجئے ڈھاک کے پتوں کے ڈیڑھ دو سو دونے شام کو منگوا کر رکھ لیجئے ڈیوڑھی کے باہر ساری گلی میں صفائی کی جائے - کل نمازِ فجر کے بعد میں خود مہمانداری میں شریک رہوں گا"

چھوٹے قاضی صاحب نے سر جھکا دیا ؛ مگر اُن کے چہرے پر تحیّر کے آثار نمایاں تھے میرے لئے تو یہ بات تھی ہی پُراسرار لیکن میرے خالو مسجد میں بیٹھ کر قاضی صاحب کے دوسرے متوسّلین نیازمندوں اور حاضر باشوں سے چہ میگوئیاں ہونے لگے کہ کل صبح واقعی کوئی اچنبھا ہونے والا ہے!

میں نے تین چار کڑاہے حویلی کے صحن میں لائے جاتے دیکھے اور پھر یہ بھی دیکھا کہ کشمش، بادام اور حلوے کے دیگر لوازمات کے پرتے کھل رہے ہیں — سوجی کی تھالیاں بھری رکھی ہیں - گھی کے دو کنستر کھولے گئے ہیں - واقعی یہ تو حلوے کی تیاری کا سامان ہے - ناریل کی گریاں کاٹی جا رہی ہیں اور سب لوگ تعجب کر رہے ہیں کہ کتّوں کی مہمانداری ، اور وہ بھی حلوے سے ؟

مُرید لوگ بھی کھسر پھسر کر رہے تھے ہم نے تو کبھی کتّوں کو حلوہ کھاتے نہیں دیکھا — !

قاضی صاحب کے بھتیجے چھوٹے قاضی صاحب کے فرزند جو بعد میں قاضی صاحب کے داماد بنے میرے ہم عمر تھے - نام محمد اکرام تھا دو اسی روز شام کو مجھے اپنی زمینوں پر لے گئے دریائے چناب تک قاضی صاحب کی زمینیں پھیلی ہوئی تھیں - جو بڑی زرخیز تھیں - بہت سے گھوڑے بھی ان کی ملکیت تھے لیکن قاضی صاحب ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تھے —

"یہ تمام چیزیں اللہ کی ملکیت ہیں جو ہمیں اللہ کے بندوں کی خدمت کے لئے تفویض کی گئی ہیں"

ہمارے ساتھ ایک درویش بھی تھا جسے ہماری حفاظت نگرانی بلکہ خدمت کے لئے بھیجا گیا تھا ہم نے اس درویش سے دریافت کیا :-

"کیا واقعی کل کتّوں کی مہمانداری ہوگی ؟ اور کیا کتّے دُعا بھی کریں گے —؟"

میں یہ پوچھتا ہوا ہنس بھی رہا تھا مگر درویش نے ہمیں ہنسنے سے منع کر دیا - اور کہا :- "کیا کتّے خدا کی مخلوق نہیں ؟ سب دعا کرتے ہیں اور خدا سب کی سنتا ہے"

قاضی صاحب کے بھتیجے نے کہا "چلو جی کل ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے"

شام کے وقت ہم زمینوں سے سیر کر کے واپس آ گئے

تو دیکھا کہ حلوے تیار ہو رہے تھے۔

صبح ہوئی اور نمازِ فجر کے بعد میں نے دیکھا کہ قاضی صاحب دو تین آدمیوں کو ساتھ لئے اپنی ڈیوڑھی سے نکل کر گلی میں اِدھر اُدھر گھوم رہے گئے اور چند ایک مقامات پر مزید صفائی کے لئے فرمایا۔

میری ان گنہگار آنکھوں نے یہ بھی دیکھا کہ اس گلی میں دونوں طرف یک منزلہ مکانوں کی چھتوں پر حیرت زدہ لوگ کتوں کی ضیافت کا کرشمہ دیکھنے کے لئے جمع ہونا شروع ہو گئے تھے اور حیلال پور دھباں میں سے مختلف عمر کے لوگ اس گلی میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ قاضی صاحب کو سلام کرتے گلی میں دیواروں کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاتے اور مجال کیا بات تھی کہ یہ سب اونچی آواز سے باتیں نہیں کرتے تھے۔

ہم دونوں یعنی قاضی صاحب کا بھتیجہ محمد اکرام اور میں مسجد کی چھت پر چڑھ گئے اور یہاں سے گلی میں ہونے والا عجیب و غریب تماشہ دیکھنے لگے۔

درویشں طرز کے چند آدمی حلوے سے بھری ہوئی سینیاں لاتے جا رہے تھے۔ اور قاضی صاحب چمچے سے ان دونوں کو پُر کرتے اور پھر دونوں ہاتھوں سے دونا اٹھاتے اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر عین گلی کے درمیان رکھتے جاتے۔

جب پوری گلی میں حلوہ بھرے دونے رکھے جا چکے تو انہوں نے بلند آواز میں دونوں کو گنا۔ مجھے یقین ہے کہ گلی میں دیواروں کی طرف پشت کئے کھڑے سینکڑوں لوگوں نے قاضی صاحب کا یہ فقرہ سنا ہوگا۔

"کُل ایک سو بائیس ہیں"

یہ کام مکمل ہوا ہی تھا کہ دُور دُور سے کچھ ایسی آوازیں آنے لگیں جن کو میں انسانی ہجوم کی چیخیں سمجھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت مجھے اپنے بدن میں کپکپی سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے گلی میں ہر طرف دیکھا تو عورتیں، بچے اور مرد گلی میں دو کوٹھوں سے چیخ رہے تھے۔

کیوں چیخ رہے تھے اس لئے کہ ایک کتا جس کو جب سے میں یہاں وارد ہوا تھا۔ حویلی کے ارد گرد چلتے پھرتے اور پھانوں کا بچا کچا پھینکا ہوا کھانا کھاتے، اکثر دیکھا تھا۔ بہت سے کتوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے گلی کی مشرقی سمت سے داخل ہوا، جو بیشمار کتے اس کے پیچھے پیچھے گلی میں آرہے تھے ان میں سے ایک بھی بھونک نہیں رہا تھا۔ بھونکنا تو کیا اس قدر خلقت کو گلی میں کھڑے دیکھ کر کوئی کتا خوفزدہ نہ تھا۔ اور نہ کوئی غرّا رہا تھا۔ کتے دو دو تین تین آگے پیچھے لیڈر کے ساتھ گلی میں اندر داخل ہو رہے تھے۔

کتوں کی یہ پُراسرار کیفیت دیکھ کر ساری خلقت نہ صرف پریشان تھی بلکہ دہشت زدہ تھی۔

قاضی صاحب اگر اپنے ہونٹوں پر انگشتِ شہادت رکھ کر لوگوں کو خاموش رہنے کی تلقین نہ کرتے تو میں سمجھتا ہوں کہ گلی میں موجود سارا ہجوم ڈر کر بھاگ جاتا۔

اس گلی والا کتا جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ قاضی صاحب کے قدموں میں آکر دم ہلانے لگا۔ قاضی صاحب نے جو الفاظ یاد فرمائے وہ بھی مجھے حرف بحرف یاد ہیں۔ فرمایا۔

"بھئی کالو! تم تو ہمارے قریب ہی رہتے ہو۔ دیکھو اللہ میاں انسانوں پر رحمت کی بارش نہیں برسا رہے ہیں اللہ کی اور مخلوق بھی ہم انسانوں کے گناہوں کے سبب ہلاک ہو رہی ہے، اپنے ساتھیوں سے کہو سب مل بیٹھ کر پہلے یہ حلوہ کھائیں پھر اللہ سے دعا کریں کہ رحمۃ اللعالمین کے صدقے بادلوں کو اجازت دیں تاکہ وہ پیاسی زمین پر برس جائیں۔"

یہ فرما کر حضرت قاضی صاحب اپنی ڈیوڑھی کے دروازے میں کھڑے ہو گئے اور میں نے کیا سبھی نے ایک عجوبہ دیکھا۔

خدارا یقین کیجئے کہ ہر ایک حلوہ بھرے دونے کے گرد تین تین کتے جھک گئے اور بڑے اطمینان سے حلوہ کھانا شروع کر دیا ایک بھی کتا کسی دوسرے دونے یا کتے پر نہیں جھپٹا اور نہ کوئی چیخا چلایا اور جس وقت یہ سب کتے حلوہ کھا رہے تھے ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے میں آیا۔ کہ وہ کتا جو اس گلی کا پرانا باسی اور ان تمام کتوں کو یہاں لایا تھا خود نہیں کھا رہا تھا بلکہ گلی میں مسلسل ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھومتا رہا جیسے وہ ضیافت

کے کھانے والوں کی نگرانی کر رہا ہو۔

میں نے اسکول میں اپنے ڈرل ماسٹر صاحب کو طالب علموں کی اسی طرح نگرانی کرتے وقت گھومتے دیکھا تھا۔ کانو کا اندازِ معائنہ بڑا پُر شکوہ تھا جس پر مجھے اپنا ڈرل ماسٹر یاد آ گیا کیونکہ ہم میں سے کوئی لڑکا ماسٹر صاحب کے سامنے منکتا تک نہیں تھا۔

تھوڑی دیر میں سب کتے حلوہ کھا کر فارغ ہو گئے۔ بے شمار لوگوں کے ہجوم میں سے صرف حضرت قاضی صاحب کی آواز ایک مرتبہ پھر سنائی دی وہ فرما رہے تھے۔

" لو بھئی کا لو! ان سے کہو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تاکہ خدا جلد ہی انسانوں پر رحم کرے"۔

یہ سنتے ہی میں نے غیر ارادی طور پر ایک طرف دیکھا تو کل والے مولوی صاحبان ایک سمت کھڑے استغفر حیرت زدہ نظر آئے جیسے وہ لوگ زندہ نہیں سکتے کے عالم میں ہیں۔

اب صبح کے نو دس بجے کا وقت تھا۔ ہر طرف دھوپ پھیل چکی تھی تپش میں تیزی آتی جا رہی تھی جب قاضی صاحب نے کانو کو اشارہ کیا۔ حیرت انگیز محشر بپا ہوا۔ تمام کتوں نے اپنا اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ ایک ایسی متحدہ آواز میں غرانا شروع کیا جو میں کبھی کبھی راتوں کو سنتا تھا جسے سن کر میری دادی کہا کرتی تھی "کتا رو رہا ہے خدا خیر کرے"۔

آسمان کی طرف تھوڑی دیر منہ کئے لمبی غراہٹوں کے بعد یہ کتے جو مشرقی سمت سے اس کوچے میں داخل ہوئے تھے۔ اب مغرب کی طرف چلنے لگے میں اور قاضی اکرام ہی نہیں بلکہ جلالپور جٹاں کے بھی مرد و زن کتوں کی گلی سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور خالی دو نے آسمان کی طرف منہ کھولے بدستور گلی میں پڑے تھے جو یہ دستر خوان تھے)

جونہی کتے گلی سے نکلے قاضی صاحب کے ہاتھ بھی دعا کے لئے اٹھ گئے اور آسمان کی سفید براق وسعتوں پر چند موتی سے چمکنے لگے۔ یقیناً یہ آنسو تھے۔

پس منظر بیان ہو چکا۔ اب منظر ملاحظہ فرمائیے کیا آپ یقین کریں گے کہ میں آج جو ۷۷ برس کا بوڑھا بیمار ہوں خدا اور رسول کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بادل گرجا اور مغرب سے اس تیزی کے ساتھ گھٹا امڈی کہ گلی ابھی پوری طرح خالی بھی نہ ہوئی تھی مرد و عورتیں۔ بچے۔ بالے ابھی کوٹھوں سے پوری طرح اترنے بھی نہ پائے تھے کہ بارش ہونے لگی ہم بھی مسجد کی چھت سے نیچے اترے۔ پہلے مسجد میں گئے پھر حلوہ کھانے کا شوق لئے ہوئے حویلی کی ڈیوڑھی میں چلے گئے۔ دیکھا کہ وہ معتبر مولوی جی صاحبان چبوتروں پر بیٹھے ہیں اور حضرت قاضی صاحب حلوے کی طشتریاں ان لوگوں کے سامنے رکھتے جا رہے ہیں۔ وہ حلوہ کھاتے بھی جا رہے ہیں اور آپس میں ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہے ہیں ایک کی زبان سے میں نے یہ بھی سنا کہ حضرت یہ نظر بندی کا معاملہ نہیں ہے تو اور کیا ہے جادو نعوذ باللہ۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ قاضی صاحب قبلہ اللہ کی اس بات پر دیر تک مسکرائے اور ان بن بلائے مہمانوں کے لئے مزید حلوہ طلب فرماتے ہیں باہر بارش ہو رہی تھی اور اندر مولوی صاحبان خوش فعلی سے حلوہ اڑا رہے تھے۔ قاضی صاحب کے جو الفاظ آج تک میرے سینے پر منقش ہیں میں یہاں ثبت کئے دیتا ہوں۔

قاضی صاحب نے کہا تھا۔

"کتنے مل جل کر کبھی نہیں کھاتے لیکن یہ آج بھلائی کیلئے جمع ہوئے تھے اللہ کے بندوں کے لئے دعا کرنے کے لئے وہ اتنے متحد رہے کہ ایک نے بھی کسی دوسرے پر چھینا جھپٹی نہیں کی۔ ان کا ایک ہی امام تھا۔ اس نے کھانا بھی کچھ نہیں اب وہ آئے گا تو میں اس کے لئے حلوہ حاضر کروں گا۔ ایک مولوی صاحب نے کہا "حضرت یہی تو یہ جادوگری نظر آتی ہے"۔ قاضی صاحب بولے

" مولوی صاحب ہم تو آپ ہی کے فتووں پر زندگی گزار رہے ہیں۔ خواہ اسے جادو فرمائیں یا نظر بندی آپ کے سامنے یہ تو حقیقت ہے کہ کتے بھی کسی نیک مقصد کیلئے جمع ہو جائیں تو آپس میں

ڈرتے جھگڑا کرنے نہیں۔"

مجھے یاد ہے کہ مولوی صاحبان کو بیٹھے ہوئے ہی اس ڈیوڑھی سے نکل کر جاتے ہوئے میں نے دیکھا تھا۔ خدا یہ معجزہ اگر میں خود نہ دیکھتا تو کسی دوسرے کے بیان کرنے پر کبھی یقین نہ کرتا۔ یاد رہے کہ میں وہی حفیظ جالندھری ہوں جس کے بارے میں حضرت قاضی صاحب نے جلالپور جٹاں میں ساٹھ سال پہلے فرمایا تھا کہ حفیظ تیری لکھی ہوئی نعتیں دوسرے سنایا کریں گے۔

الحمد للہ نعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی شاہنامہ اسلام ساری دنیا کے اردو جاننے والے مسلمان خود پڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی سناتے ہیں۔

عرض کر چکا ہوں اس واقعہ معجزہ کی یاد میرے قلب و جگر میں کندہ ہو چکی تھی۔ اس موضوع پر صرف ایک مرتبہ میری مفصل گفتگو حضرت قاضی صاحب کے بھتیجے اور داماد قاضی محمد اکرام سے راولپنڈی میں ہوئی تھی۔ جب میں آدم جی مسلم مڈل اسکول کو ہائی اسکول بنانے کیلئے چندہ طلب کرنے کی غرض سے بلوایا گیا تھا اور بلانے والے مجھے اسی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ جن کا نام محمد اکرام قاضی تھا۔ جب میں پنڈی پہنچا تو یہ حضرت وہی محمد اکرام نکلے جن کے ساتھ جلالپور جٹاں میں مسجد کی چھت پر بیٹھ کر میں نے کتوں کی دعا کا منظر دیکھا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ مجھ ایسا کوئی ستر اسی برس کا بوڑھا یا خاتون جلالپور جٹاں میں اب بھی موجود ہوگی جس نے میری طرح حضرت قاضی صاحب کی وہ کرامت دیکھی ہوگی۔

(والسلام حفیظ جالندھری)

غزل

نکہت شاجاپوری

بہت حسین ہے دنیا گزر رہے ہیں ہم
یہ سچ ہے گردشِ دوراں سے ڈر رہے ہیں ہم

پگھلتی شام کے سائے نہ گھیر لیں ہم کو
یہ کیسی گرد ہے جس میں بکھر رہے ہیں ہم!

عجیب بات ہے کہتے ہیں بے وفا ہم کو
انہیں کے ساتھ تو شام و سحر رہے ہیں ہم

زمانہ راس نہیں وقت سازگار نہیں
یہ کس کے واسطے جاں سے گزر رہے ہیں ہم

یہ کیسا کرب ہے جس میں بسے ہیں سناٹے
یہ کیسی قبر ہے جس میں اتر رہے ہیں ہم

انہیں گلہ ہے کہ ان کو بھلا دیا ہم نے
زمانہ بیت گیا خود سے بے خبر رہے ہیں ہم

یہ فصلِ گل یہ بہاروں کے قافلے نکہت
برس رہی ہیں گھٹائیں ترس رہے ہیں ہم

عذرا سلطانہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا مشاعرہ

"جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے مشاعرہ کا آنکھوں دیکھا حال محترمہ عذرا سلطانہ کے نام سے موصول ہوا ہے۔ یہ محترمہ اصلی ہیں یا نقلی یہ خدا جانتا ہے۔ یا جامعہ کا چور شاعر لنگر بنا۔ کیونکہ یہ روداد انہیں کے توسط سے بذریعہ ڈاک موصول ہوئی ہے۔ اور اُن کے ہی قلم سے لکھی ہوئی ہے۔ نسوانی تحریر کا پہچاننا کسی صحافی کے لیے مشکل نہیں ہے اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ تحریر عذرا سلطانہ کی نہیں ہے۔ (اگر وہ واقعی کوئی محترمہ ہیں) اس روداد میں نظر برنی (چور شاعر) اور ان کی شاعری نیز دیگر صفات (جو مشہور ادبی چوروں میں ہوتی ہیں) کا ذکر جس پیرائے میں کیا گیا ہے وہ بھی غمازی کرتا ہے کہ اس روداد کو لکھنے والے خود چور شاعر ہی ہیں حالانکہ اس مشاعرہ میں ان حضرت کو ہوٹ کیا گیا تھا۔

اس مشاعرہ میں محترمہ مسعودہ حیات کو جو داد ملی اُس کا ذکر دشمنوں نے بھی کیا ہے مگر اس روداد میں مسعودہ حیات صاحبہ کا ذکر معمولی طور پر کیا گیا ہے اور لوا در جامعہ کے متعدد شعرا کو بھی معتبر شعرا کی صف میں لا کھڑا کیا ہے اور یہ سب کچھ اسی چور شاعر کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے جو اس روداد کے طفیل "شان ہند" کے صفحات میں اپنے آپ کو "شاعر" ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔" (ادارہ)

مشاعرہ ہماری تہذیب کی شاندار روایت ہے۔ ہندوستان میں جہاں مختلف مذاہب، مختلف فرقوں اور مختلف زبانوں کے باوجود ایک قدر مشترک ایک دوسرے کو قریب لاتی ہے۔ وہ ہے مشاعرہ۔ واقعہ یہ ہے کہ مشاعروں نے قومی یکجہتی کو فروغ دینے اور جمہوریت و سیکولرازم کو مستحکم بنانے میں ایک کلیدی رول ادا کیا ہے۔ اپریل کے آغاز میں ہر سال دہلی کے ڈی سی ایم کی جانب سے ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوتا ہے جس میں ہندوستان کے علاوہ پاکستان کے شعرا بھی کبھی کبھی شرکت فرماتے ہیں۔ ڈی سی ایم کے اگلے روز سہ پہر میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی طرف سے مشاعرہ ہوتا ہے جس میں چند شعرا تو وہی ہوتے ہیں جو کہ ڈی سی ایم کے مہمان شعرا ہوتے ہیں باقی چند مقامی شعرا بھی اپنا کلام سناتے ہیں۔ امسال ڈی سی ایم کا مشاعرہ بعض ناگزیر وجوہ پر ملتوی کرنا پڑا لیونکہ پچھلی شب میں لیڈی شنکر لال کا سورگباش ہو گیا تھا۔ لیکن شعرا کی بیشتر تعداد دہلی پہونچ چکی تھی۔ پاکستان سے حفیظ جالندھری آئے ہوئے تھے۔ جامعہ کا مشاعرہ اپنے اعلان کے مطابق ہوا لیکن اس مرتبہ اس مشاعرہ کے میر مجلس صد سالہ تقریبات شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ ارباب حل و عقد شامل تھے۔

جامعہ کا یہ مشاعرہ کافی تاخیر سے شروع ہوا۔ ساڑھے ... کا اعلان تھا لیکن معلوم ہوا کہ منتظمین اور شعرا ابھی تک ذاکر حسین فلم شو سے ہی واپس نہیں آئے۔ اس لیے بعض سامعین کرام بے نیل و مرام واپس ہو لیے۔ ساڑھے چھ بجے کے آس پاس چند شعرا کو ادھر ادھر گھومتے ہوئے دیکھا گیا۔ لیکن یہ لوگ کافی تھکے معلوم ہوتے تھے۔ غالباً اقبال ... کے ساتھ ...

شاعرانہ تھا۔ بہرحال دو دو تین تین کر کے لوگ آنے لگے
آسمان پر نگاہ ڈالی تو اندیشہ ہوا کہ کہیں طوفان یا بارش نہ
آجائے۔ لیکن مارچ کا اواخر خیال کر کے اس اندیشہ کو مسترد
کرنا پڑا۔ لیجئے حفیظ صاحب تشریف لے آئے ٹیکسی سے
اترتے ہی غلام ربانی تاباں اور نظر برنی نے خیرمقدم کیا۔ پاکستان
کے قومی شاعر حضرت حفیظ جالندھری کا بھی کیا بدقسمتی ہے کہ
جامعہ ملیہ اسلامیہ ایسی سرزمین شعر و ادب پر ان کا خیرمقدم
نظر برنی الیاس جیسے شاعر کرنے کو ہی رہ گیا تھا۔ (ادارہ)۔
لیکن یہ لوگ شش و پنج میں ہیں کہ انھیں مشاعرہ گاہ میں جہاں
اس وقت مشکل سے دس آدمی موجود تھے۔ پہلے کیسے لے جائیں
جب کہ اس مشاعرہ کے مہمان خصوصی یہی ہیں۔ لہٰذا نظر برنی اور
نارنگ صاحب میں کچھ سرگوشیاں ہوئیں (دروغ برگردن راوی نباشد
جب کہ حفیظ صاحب کا خیرمقدم کرنے والوں میں صرف دو حضرت
غلام ربانی اور چور شاعر ہی تھے تو یہ ڈاکٹر نارنگ کہاں سے آ ٹپکے۔
ادارہ) اور طے پایا کہ حفیظ صاحب کو اس وقت بجائے مشاعرہ
گاہ میں بٹھانے کے، نظر صاحب کے مکان پر جو کہ شعبۂ انجینئرنگ کے
نزدیک ہی واقع ہے۔ بٹھایا جائے۔ (کیا غضب ہے کہ حفیظ ایسے
شاعر کے لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں چند منٹ کے لئے بیٹھنے کے لئے
بھی جگہ نہ تھی جو انھیں چور شاعر کے گھر میں پناہ گزیں بنایا گیا۔ ادارہ)
نظر اور تاباں، حفیظ صاحب کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں اور ادھر
مشاعرہ گاہ میں کام میں تیزی آگئی ہے۔ نارنگ صاحب ایک ایک
کو مشورہ دے رہے ہیں۔ اتنے میں شعرا کے جتھے آنا شروع ہو گئے
ہیں۔ وحید اختر، بلراج کومل، مخمور سعیدی، حسن نعیم، اجمل اجملی
رفعت سروش اور مسعودہ حیات آ چکے ہیں اور دریوں پر بیٹھ
گئے ہیں۔ نارنگ صاحب، مظفر حنفی، خالد محمود اور عنوان چشتی
کو نظر برنی کے گھر بھیج رہے ہیں کہ وہ اب حفیظ صاحب کو یہاں
لے آئیں تھوڑی دیر میں حفیظ صاحب تشریف لے آتے ہیں۔
ان کے پہنچتے ہی نارنگ صاحب ڈاکٹر شمیم حنفی سے مشاعرہ
شروع کرنے کی فرمائش کر رہے ہیں۔ یہ لیجئے حنفی صاحب نے
اعلان فرمایا ہے کہ اس مشاعرہ کی صدارت کے لئے میں غلام
ربانی تاباں صاحب سے درخواست کرتا ہوں۔ انھی

لمحہ وہ شعرا کو اسٹیج پر بیٹھنے کے لئے فرما رہے ہیں۔ تمام شعرا
اسٹیج پر براجمان ہیں۔ یہ کیا دیکھا یک نظر برنی مائک پر آئے ہیں
اور اعلان کر رہے ہیں کہ سامعین کی صف میں خورشید عالم صاحب
ممبر پارلیمنٹ بھی موجود ہیں۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ
اسٹیج پر تشریف لے آئیں (جناب خورشید عالم خان صاحب بھی
اپنی قسمت کو کوس رہے ہوں گے کہ ایک چور شاعر نے انھیں پہچان
لیا۔ ادارہ) مشاعرہ کا افتتاح حفیظ صاحب سے کرنے کی
التماس کی گئی ہے۔ حفیظ صاحب ایک کتاب "مولانا محمد علی
شخصیت اور خدمات" سامعین کرام کو دکھا رہے ہیں (دروغ
برگردن راوی۔ ادارہ) اور کہتے ہیں کہ میں نے اس مجاہد پر
ماضی میں ایک نظم "سرسید اصلاح" لکھی تھی۔ چونکہ وہی مجاہد اس
جامعہ کا بانی بھی تھا اور ملت اسلامیہ پر اس کے بڑے احسانات
ہیں۔ اس لئے آج میں وہی نظم پیش کروں گا۔ نظم کافی طویل ہے
لیکن نظم کی اپنی معنویت اور حفیظ صاحب کے دلآویز ترنم نے
سحر کی کیفیت پیدا کر دی۔ نظم میں طوفان اور تلاطم وغیرہ جیسی
اصطلاحوں کے کثرت استعمال سے قدرت بھی متاثر نظر آنے
لگی اور تھوڑی دیر میں آندھی اور جھکڑ نے سامعین کے اوسان
لسپا کر دئیے۔ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹنے لگے۔ چاندنیاں اڑنے
لگیں اور گرد و غبار سننے والوں کی آنکھوں میں سرمہ بن گیا۔ بالآخر
مجبور ہو کر منتظمین نے سارا انتظام ایک اندرونی ہال میں منتقل
کرنا شروع کر دیا جس میں آدھ گھنٹہ لگ گیا۔ اس بھگدڑ اور
انتشار میں بعض سامعین نے مشاعرہ سننے سے گھر میں پناہ لینے کو
ترجیح دی۔ بہرحال ہال کی وسعت کے لحاظ سے سامعین اس
تخفیف کے باوجود خاصی تعداد میں تھے۔
مشاعرہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے خالد محمود تشریف لائے۔
جو کہ جامعہ کے مدرسہ ثانوی میں اردو کے استاد ہیں۔ انھوں نے
ایک اچھی سی نظم بعنوان "سہرہ" سنائی جسے کافی پسند کیا گیا۔ اس کے
بعد شمیم حنفی نے ڈاکٹر وحید اختر کو پکار لیا۔ وحید اختر مسلم یونیورسٹی
میں شعبۂ فلسفہ کے ریڈر ہیں اور جدید شعرا میں منفرد رہے کہتے
ہیں۔ وہ نظم "زنجیر" پیش کر رہے ہیں۔ لیکن داد واجبی سی ملی۔
ان کے بعد بلراج کومل کو بلایا گیا۔ سب کی معیت منتظمین کی صدارت

استحقاق ثابت کر کے ہی رخصت ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے
رسم کو آج کی رات شائقین ادب سے امتحان لینا ہی مقصود ہے
واکے جھگڑوں میں تیزی آگئی ہے اور سامعین میں ہلچل بدستور
ہے۔ چلئے اچھا ہوا۔ اناؤنسر صاحب نے ایک مزاح نگار
طنز گو شاعر د مگر چور شاعر ۔۔۔۔ ادارہ) نظر برنی کو زحمت
ن دی۔ اب سننے والوں کے کان کھڑے ہو گئے ہیں اور سب
شگوار موڈ میں نظر برنی کا کلام سن رہے ہیں۔ خوشامد، رشوت
رفیلبت پر قطعات نے محفل کو زعفران زار بنا دیا ہے۔ نظر برنی
سامعین کا موڈ تاڑ لیتے ہیں اور (اور چور شاعر ثابت ہونے پر بھی
انتہائی بے شرمی سے اپنے آپ کو شاعر کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتے
ادارہ) اب انھوں نے اپنی طویل پیروڈی "شکوۂ کلرک" سنانا
شروع کر دی ہے۔ پیروڈی کے ایک ایک بند پر سامعین پر داد
و تحسین سے ہال میں کہرام بپا کر دیا ہے۔ ایک بند ملاحظہ کیجئے۔

اپنی ٹرائی اَنا تک کو مٹایا ہم نے ✤ خول چہرے پہ غلامی کا چڑھایا ہم نے
حکمِ افسر کو بہر حال بجایا ہم نے ✤ اس کے بچوں کو بہت مال چٹایا ہم نے
پھر بھی افسر کو گلہ ہے کہ وفادار نہیں ✤ ہم وفادار نہیں وہ بھی تو دلدار نہیں

نظر برنی اپنی تھیلی میں بے پناہ داد بٹور کر رخصت ہو گئے ہیں
(غضب خدا کا اگر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بھی چور شاعر کو کلام سنانے
پر داد جھولیاں بھر کر دی جا سکتی ہے تو پھر بیچارے شاعر کہاں
کلام سنائیں۔ ادارہ) اب ان کے بعد حنیف کیفی مائک پر ہیں۔
لیکن ان کے اشعار پر ایسی داد مل سکی۔ دو اشعار لائق
ذکر ہیں۔

بیٹھا ہیں دیوار میں یہ سوچ رہا ہوں ✤ کب یہ زنِ دیوار بدل جاتا ہے ذرا میں
آئی نہ سہارے کو اک آوازِ شناسا ✤ میں ڈوب گیا اپنی صداؤں کے بھنور میں

حنیف کیفی کلام سنا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ شمیم صاحب نے
ڈاکٹر صبا جائسی کو دعوت سخن دی ہے۔ صبا جائسی جو کہ ڈاکٹر
کبیر احمد جائسی کے نام سے مشہور ہیں۔ بنیادی طور پر نثر نگار
ہیں اس لئے ان کے اشعار کو تبرک کے طور پر سنا گیا ہے۔

فرماتے ہیں:

مجھ میں کیا باقی ہے بے ربط تبسم کے سوا
گردشِ وقت بہت دیر میں بیدار ہوئی

ڈاکٹر مظفر حنفی اُردو کے ان شعرا میں ہیں جو ہندو پاک کے
رسائل میں تواتر کے ساتھ چھپتے رہے ہیں لیکن وہ بھی سامعین کی توجہ
اپنی طرف مبذول نہ کرا سکے۔ ان کا ایک شعر حافظ میں محفوظ رہ سکا
دیگر مجموعہ عذر اسطلانہ کے حافظ کی داد دی جائے گی کہ انھیں چور
شاعر کا سارا کلام ازبر ہو گیا۔ اسے کہتے ہیں دل را دلی ست ادارہ)

میری بیخواب آنکھوں کا تپنا اگر سانپ کے من کی مانند لوٹا گیا
رات نے میرے سینے پہ سر رکھ دیا چاند چپ ہو گیا بولتے بولتے

مظفر حنفی کے بعد مائک پر ایک غیر معروف شاعر ڈاکٹر محمد ذاکر
دہلوی مخاطب ہیں۔ یہ جامعہ میں اردو کے لیکچرار ہیں اور اپنی علمیت
اور وسیع مطالعہ کی وجہ سے ادبی و علمی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت
کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ان کے رجحان شعری کا اندازہ
خود جامعہ والوں کے لئے معمہ سے کم نہیں۔ ان کی نظم کا ایک بند آپ
کی دلچسپی کے لئے درج ہے۔

ڈوبتا ہے آفتاب ✤ اور پھر نکلتا ہے ضرور
لوگ کہتے ہیں کہ یہ ل ✤ بنتے ہیں سارے رات دن
ہر خبر ملتی نہیں یاں ✤ فاصلہ ہے ایک ان کا دوسرے سے کس قدر

ڈاکٹر ذاکر دہلوی صاحب کو چاہئے کہ اس چور شاعر کو اپنا استاد
بنا لیں پھر جامعہ والوں کو ان کے رجحان شعری کے بارے میں یہ چور
خود ہی باور کرا دے گا کہ ذاکر صاحب بہت بڑے شاعر ہیں (ادارہ)

ڈاکٹر شمیم حنفی جو کہ میر مشاعرہ ہیں، شاید اپنا کلام سنانے سے
گریز کر رہے تھے۔ لیکن ڈاکٹر مظفر حنفی نے مائک پر آ کر انھیں بھی
زحمت سخن دے ڈالی۔ شمیم حنفی جامعہ میں شعبہ اردو کے ریڈر ہیں
اور تنقیدی شعور کی بالیدگی کا لوہا منوا چکے ہیں۔ شاعری میں بھی
ان کا وجدان نثر سے کم نہیں۔ ان کے دو اشعار کی کیفیت نے
سامعین کے دلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

کس کو پتہ چلے گا کہ اک دن گذر گیا ✤ دستک سرائے دل پہ اگر شام بھی نہ دے
دنیا یہی کہے گی کہ لفظوں کا قحط ہے ✤ پھر داستان کو لذتِ تنہا بھی نہ دے

دکھ ہے کہ بیچ میں باقی کے اشعار ہیں کہ ہمارے ساتھی جو سامعین کی طرح
کو گرا نہ سکے۔ ادارہ)

شمیم حنفی کی اس سماعت آخر غزل کا بھی آپ سنا...
دو اشعار ہی چھاپ سکے۔ ادارہ) کے بعد رخصت سروش کی باری ...

منوا) نے ایک نظم سنائی [illegible] کا خراج وصول کرکے
رخصت ہوگئے۔ (معلوم ہوتا ہے رفعت سروش نے اس چھوٹی سی [illegible]
[illegible] نے [illegible] دیا دیکھئے رفعت سروش
جیسے شاعر کا ذکر [illegible] ادارہ) ان کے
بعد مسودہ حیات صاحبہ کو [illegible] سنانے کے لئے بلایا جا رہا ہے۔
مسودہ حیات اردو کی ان [illegible] شاعرات میں گنی جاتی ہیں جن کے
[illegible] انہوں نے سب سے
پہلے ایک نظم سنائی۔ بعد میں غزل کے اشعار پیش کئے جس کے ہر
شعر میں عصری آگہی کا جوہر بدرجہ اتم موجود تھا۔ دو اشعار یہ ہیں۔

مانا کہ ہم کرم کے سزاوار بھی نہیں ❊ لیکن جہاں میں ہم سا دل آزار بھی نہیں
عیش و طرب میں جان چھڑکتے تھے سب مگر ❊ حالِ تباہ میں کوئی غمخوار بھی نہیں

مسودہ حیات کے حیات آفریں کلام کے بعد شمیم صاحب
نے عتیق اللہ کو دعوتِ سخن دی ہے۔ (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ
مسودہ حیات کو اس مشاعرہ میں بہت زیادہ داد ملی جناب جعفر
جالندھری اب تک دورانِ گفتگو ملنے والوں سے مسودہ حیات کے
کلام کی تعریف فرما رہے ہیں۔ ادارہ) عتیق اللہ جدید غزل کے
شاعر ہیں اور ان کے ہاں بھی غمِ دوراں کی ترجمانی کا پہلو غالب
ہے۔ فرماتے ہیں۔

وہ چاہتا ہے کہ [illegible] میں اس کا نام آئے ❊ محبتوں میں روایت کا رنگ لاتا ہے
زمینوں کے ہنر سے وہ باخبر ہے بہت ❊ روانہ ہونے سے پہلے گلے لگاتا ہے

یہ کون ہے؟ ادارہ) ڈاکٹر اجمل اجملی ہیں۔ ترقی پسند شاعر۔ لیجئے
آپ بھی چند شعر۔ سنئے اور اندازہ لگائیے کہ کتنے پانی میں ہیں۔
(ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محترمہ عذرا سلطانہ کو ڈاکٹر اجمل اجملی
سے کوئی ناخوشگوار شکایت ہے۔ ادارہ)

جب بھی ملتا ہوں وہی چہرہ لئے ❊ بددعا دیتا ہے آئینہ مجھے
چھوڑ آیا ہوں شگفتہ ریت میں ❊ جانے کیا کہتا ہو نقشِ پا مجھے

اجمل اجملی جا چکے ہیں۔ اب مائک کے سامنے عنوان چشتی
تشریف لا رہے ہیں۔ [illegible] عرصے سے تنقید نگاروں میں
انہوں نے اپنا اچھا خاصا مقام پیدا کر لیا ہے۔ ادبی زندگی
[illegible] ابتدا [illegible] شاعر تھے (اور اس وقت وہ بہت
[illegible] خوبصورت جوان بھی تھے لہٰذا کچھ لڑکیاں ان کے پیچھے
لگی رہتی تھیں مگر انہوں نے کسی کو منہ نہ لگایا۔ ادارہ) لیکن ادھر
نثر نگاری میں پوری طرح مشغول ہونے کے بعد شاعری کو تقریباً ترک کر بیٹھے
تھے (جب کوئی آپ جیسی محترمہ داد دینے والی ہی نہ مل سکی تو شاعری
کیا خاک کرتے۔ ادارہ) خدا کا شکر ہے کہ آج نہ جانے کیسے
عنوان چشتی غزل سنانے کے لئے مائک پر آگئے۔ دو شعر اچھے لگے۔
(خدا کا مزید شکریہ ادا کیجئے کہ آپ کو ان کے دو اشعار اچھے تو لگے
ادارہ) یوں تو ان کے ہر شعر پر سامعین کی داد کا شور بلند ہوا۔
شاید اس میں ان کے پڑھنے کے انداز کو بھی دخل تھا۔ فرماتے
ہیں۔

زندہ رہنا ہے تو پھر کیوں نہ خدا بن جاؤں
ہے یہ وہ شہر کہ کافر بھی پیمبر ہے یہاں
خون کے چھینٹوں سے آ گئی ہیں سروں کی فصلیں
جانتا ہوں کہ ہر اک ہاتھ میں خنجر ہے یہاں

(کیوں محترمہ اس سے پہلے کبھی اتنے اچھے شعر سنے تھے کبھی؟ ادارہ)
عنوان چشتی کی کامیاب غزل کے بعد مخمور سعیدی تشریف لائے۔
لیکن اس دوران میں سامعین میں کچھ ہلچل سی مچی ہے۔ کچھ لوگ
جاتے ہوئے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ میں مخمور کے اشعار نوٹ نہ
کرسکی۔ (ان کے اشعار نوٹ کرنے کی غلطی کبھی کرنا بھی نہ۔ ادارہ)
امیر آغا نوجوان شاعر ہیں۔ پہلے قدیم رنگ میں شعر کہتے تھے لیکن
اب جدیدیت کا رنگ غالب ہے۔ اشعار کو خوش الحانی کے ساتھ
سناتے ہیں اور ترنم بھی عمدہ ہے (کیا خوش الحانی اور ترنم دو الگ
الگ صفات ہیں۔ ادارہ) دو شعر ملاحظہ ہوں۔

جب ڈوب ہی جانے کا یقیں ہے تو نہ جانے
یہ لوگ سفینوں سے اتر کیوں نہیں جاتے
تم راہ میں چپ چاپ کھڑے ہو تو گئے ہو
کس کس کو بتاؤ گے کہ گھر کیوں نہیں جاتے

حسن نعیم کے یہاں ایک نیا اسلوب اور نادر خیالی ملتی ہے
وہ غزل کے ایسے پیرائے تلاش کرنے کے عادی ہیں جن میں انفرادیت
ہو۔ فرماتے ہیں۔

خیال و خواب میں افلاک سے قریں رکھا
زمیں کی سمت جو لوٹے تو بس ہوا میں رہے

کی تو حسن مقتل گل کے آنے تک
وہ قصر ناز میں ہم خیمہ نا میں ہے

اب صدر مشاعرہ غلام ربانی تاباں کی باری آئی۔ کے اشعار میں ایک نئی لے اور نیا اسلوب پایا جاتا ہے۔ جانے والوں کے قائل نہیں ہیں۔ تین اشعار ملاحظہ ہوں

و کرم دل دہی کا ہر انداز
اتر اتر سا گیا دل میں نشتر کی طرح

نے کیوں یہاں ویرانیاں برستی ہیں
سبھی کے گھر ہیں لٹا ہر ہمارے گھر کی طرح

وں کی کمی ہے نہ حادثوں کی کمی
چمن میں برق بھی ملتی ہے بال و پر کی طرح

مشاعرہ کے اختتام پر شمیم صاحب نے مہمان خصوصی اور پاکستانی شاعر حفیظ جالندھری کو مکرر شعر خوانی کی دعوت دی ہے۔ ج لہک لہک کر پڑھ رہے ہیں۔

مصیبت ہوتا ہے اپنے ہی دل کی شامت سے
آنکھوں میں پھول کھلتا ہے جڑوں میں کانٹے بوتا ہے

کو الزام نہ دو تم ساحل والے کیا جانو
یہ طوفان کون اٹھاتا ہے یہ کشتی کون ڈبوتا ہے

کا شکوہ کیا کیجے خود ظاہر و باطن ایک نہیں
لب اوپر اوپر ہنستے ہیں دل اندر اندر روتا ہے

غزل

مرزا نعیم اللہ بیگ
رسوا

دیکھ کر بزم میں گردشِ جام تو وہ سمجھتے تھے میکش مچل جائیں گے
سامنے عزم کے یہ نہ سمجھے مگر بام و در میکدہ کے بدل جائیں گے
میکدے کی سیاست عیاں ہو گئی دام مکر و دغا کام آ نہ سکا
کتنے ناداں ہیں جو سمجھتے ہیں یہ چند قطروں سے میکش بہل جائیں گے
کیوں ہو تقلیدِ کہنہ روایات کی کیوں شکایات کریں آج اغیار کی
خود بہ خود یہ زمانہ بدل جائے گا ایسے افکار جس دم بدل جائیں گے
پرتوِ نور سے حسنِ معجز نما آپ کو آج اور پاک ہو جائے گا
ان کو محفل میں تشریف لانے تو دو سب کے سب آپ ہی آپ جل جائیں گے
یہ بہاروں کی بد ردنقی تو نہیں باعثِ زینتِ صحنِ گلشن ہیں وہ
کچھ نہ باقی رہے گا چمن میں اگر ساکنانِ نشیمن نکل جائیں گے
رازِ دل کا ہے معتبر ہر اک شعر میں غیر ممکن ہے حالِ دل بتائیے
جب پڑھیں گے غزل کوئی اخبار میں آنکھ آنکھوں میں یا تو جل جائیں گے
مشورہ آپ کا نیک رسوا سہی یہ علاجِ غمِ زندگی تو نہیں
دل کو کیا خاک تسکیں ہو پائے گی اشک آنکھوں سے گر کچھ نکل جائیں گے

رنگِ تغزل

جناب منوہر لال منوہر

لیکے اب پیغام کوئی نامہ بر آیا تو کیا
وقتِ آخر مدعا دل کا جو بر آیا تو کیا

جب مریضِ عشق ہی چلتا بنا دم توڑ کر
پھر کوئی جامِ شفا لے کر اگر آیا تو کیا

جب زباں ہی کاٹ ڈالی ہو کسی جلاد نے
پھر کوئی فریاد سننے دادگر آیا تو کیا

جب عمر موجود تھی سندر کی خیابانوں کی میں
اب تھکن آئے بہ منزل بہا گر آیا تو کیا

جب سفینہ ہی کسی کا آ گیا گرداب میں
ڈوبنے والے کو پھر ساحل نظر آیا تو کیا

سید ظہیر الحسن ظہیر صمدنی

میں ہوں سید ظہیر الحسن ولد سید انیس الحسن، یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو قصبہ صمدن ضلع فرخ آباد کے ایک مولوی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ دادا جان قبلہ سید محمود الحسن (مرحوم) ۲۰ کتابوں کے مصنف ہیں جن میں حکمت و عملیات کی کتابیں شامل ہیں اور انگلینڈ، امریکہ، عرب، پاکستان وغیرہ کے ملکوں میں ان کتابوں کی بہت بڑی سپلائی تھی سیکڑوں مرید بیرون ملک میں موجود ہیں۔ افسوس کہ والد محترم کاروباری دماغ پانے کی وجہ سے کبھی دادا سے کچھ حاصل نہ کر سکے اور دادا مرحوم کے ساتھ ہی سب بکھر گیا۔ والد محترم لکھنؤ میں آئینہ پلاسٹک فیکٹری کے مالک تھے اس لئے میری پڑھائی کا سلسلہ شمسی ہائر سکنڈری اسکول سے شروع ہوا اور لکھنؤ میں ۷ ویں کلاس تک تعلیم پائی۔ کاروبار کے فیل ہو جانے کے باعث لکھنؤ چھوڑنا پڑا اور اپنے خالو کے مشورے پر فیروز آباد رہائش اختیار کی اور اسلامیہ انٹر کالج میں داخلہ لیا انٹر تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد اپنے چچا کے اصرار پر ان کی انجنوں کی فرم کو بحیثیت منیجر سنبھالا ایک سال بعد اپنی نجی دکان قصبہ بیور ضلع مین پوری میں قائم کی اور ترقی کرتا رہا۔ پھر سنہ ۱۹۷۲ء میں ایک برانچ چھبرامؤ میں اور اب ایک اور برانچ گرشہانے گنج میں ڈالی ہے اس طرح مشینری پارٹس کی تینوں دکانوں پر خالو صاحب اور چھوٹا بھائی سب الگ الگ بیٹھتے ہیں۔ چھبرامؤ ڈگری کالج سے بی۔ اے اردو مضمون کے ساتھ کیا ہے۔ شعر کہنے کی صلاحیت قدرت نے عطا فرمائی ہے۔ دس سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا پہلے اپنی ہمشیرہ کو پہل شعر کہہ کر ان سے جھوٹی داد حاصل کرتا تھا۔ پھر فیروز آباد دہلی کالج کے اردو لیکچرر و شاعر حضرت فہیم فیروز آبادی کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا اور شعری نشستوں میں جانا شروع کیا اپنے کہے ہوئے اشعار پر ہمیشہ فخر محسوس کیا بھلے ہی وہ کچھ پیچھے ہوں اور داد نہ پا سکیں یہ عادت میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ کمال گنج چچا کے یہاں آکر بزم ادب قائم کی اور نئے اور پرانے شعراء کو یکجا کیا ماہانہ مشاعرے ہونے لگے۔ چچا کافی باذوق تھے۔ اس لئے وہ میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے کئی اچھے آل انڈیا مشاعرے منعقد کرائے یہاں ایک مشاعرے میں حضرت رشید قمر لکھنوی سے ملاقات ہوئی ان کی شخصیت نے مجھے کافی متاثر کیا اور میں نے ان کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا۔ قمر صاحب نے خلوص دل سے میری رہنمائی کی اور مجھے آگے بڑھانے میں پوری مدد فرمائی۔ قمر بابا صفت انسان ہیں۔ آج لکھنؤ کل بنارس پرسوں کانپور جہاں ہم نے یاد کیا حاضر ہیں بچوں میں بچے۔ جوانوں میں جوان۔ بوڑھوں میں بوڑھے۔ ان کے مسلسل باہر رہنے کی باعث میں پریشان ہوا کیونکہ طرحی مشاعروں میں غیر طرحی کلام پڑھنا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا کلام کسے دکھایا جائے قرب و جوار میں کوئی ایسا نہیں جسے کلام دکھایا جائے۔ اب غزل لے کر لکھنؤ یا کانپور جانا ہے رہا اور پھر یہ بھی بھروسہ نہیں کہ قبلہ کس مقام پر تشریف رکھتے ہیں اس لئے مجبور ہو کر ایک صاحب کی رائے سے سحاب سخن مولانا ابر احسنی گنوری سے مراسلت کی اور ان سے اپنی سرپرستی فرمانے کی التجا کی جسے بڑی مشکل سے قبول کیا گیا اور اس طرح میں تلامذۂ ابر احسنی گنوری کی فہرست میں شامل ہو گیا اور ان کے احکامات کو پابندی سے مانتا رہا۔ ابر صاحب کی سرپرستی نے پابندی سے شعر کہنے کی صلاحیت پیدا کی اس طرح میں اچھے اور صاف شعر کہنے لگا اور استاذ کے ذہین شاگردوں میں شمار ہونے لگا۔ اور ان کی دعاؤں سے برابر ترقی کر رہا ہوں ہندوستان کے مختلف رسائل میں کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ لکھنے کا وقت کم ملتا ہے کیونکہ کاروباری الجھنیں ہر وقت سائے کی طرح لگی رہتی ہیں۔ خاندان ابر کی متروکات کا پابند ہوں استاذ محترم کو ۷ رنومبر کی شب کسی ظالم نے قتل کر دیا اور اس طرح تلامذۂ ابر بے سہارا ہو گئے۔ میری ترقی و کامیابی کا راز والدین کی اطاعت، استاد کی عظمت اور بزرگوں کی دعاؤں میں مضمر ہے میرا خیال ہے کہ ایک شاعر کچھ محسوس کرتا ہے اپنے ماحول سے اثر لیتا ہے اسے عام فہم زبان میں سخن گستر

انداز کے ساتھ پیش کر دینا چاہئے تاکہ قاری متاثر ہو۔ عربی اور فارسی کے الفاظ کے بکثرت استعمال کا مخالف ہوں کلام آسان زبان میں ہو تاکہ ہر شخص آسانی سے سمجھ سکے۔ میں جس مقام پر بھی رہا۔ وہاں اُردو کی خدمت درمے، قدمے، سخنے جس طرح بھی بن پڑا کی ہے اور کرتا رہوں گا۔ مولانا ابر احسنی (مرحوم) کے انتقال کے بعد اب پھر قمر لکھنوی سے رجوع کیا کیونکہ کسی استاد کی سرپرستی کو ضروری سمجھتا ہوں۔ زندگی بھر آدمی سیکھے پھر بھی کچھ نہ کچھ کمی رہ جاتی ہے۔

میں نے گیت، قطعات، نظمیں، غزلیں، ہزلیں ہر میدان میں طبع آزمائی کی لیکن غزل کو ہی جانِ شاعری سمجھا۔۔۔

زندگی میں کون کس کی قدر کرتا ہے ظہیرؔ
قدر ہے انسان کی دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

کیا خریدو گے ہم بیچتے ہیں ؏ درد و رنج و الم بیچتے ہیں
خوب شیخ حرم بیچتے ہیں ؏ خلد و دوزخ بہم بیچتے ہیں
آپ لطف و کرم بیچتے ہیں ؏ ہم ہیں غماز غم بیچتے ہیں
لوگ بازار شیشہ گراں ہیں ؏ پتھروں کے صنم بیچتے ہیں
آپ چاہیں تو بے شک خریدیں ؏ دل ہمارا ہے ہم بیچتے ہیں
متفق ہو کے شیخ و برہمن ؏ شانِ دیر و حرم بیچتے ہیں
اے ظہیرؔ اس زمانے کے شاعر ؏ کاوشاتِ قلم بیچتے ہیں

غزلیات

عشق میں حسن کی قسم تنہا ؏ کس طرح جی رہے ہیں ہم تنہا
ہم تو واقف ہیں پوچھئے ہم سے ؏ کیسے کٹتی ہے شامِ غم تنہا
جس سلیقے سے جی رہے ہیں ہم ؏ ایسے جیتے ہیں لوگ کم تنہا
شاد کام آپ نے کیا سب کو ؏ رہ گئے ہم بچشمِ نم تنہا
آپ بھی تو ہیں مجرمِ اخلاص ؏ پھر ہمیں پر یہ کیوں ستم تنہا
صاحبِ دل ہیں اور بھی تو ظہیرؔ ؏ کیوں ہمیں پر ہے یہ کرم تنہا

(۲)

حاصلِ جشنِ بہاراں دیکھئے ؏ سیکڑوں اُجڑے گلستاں دیکھئے
پردہ داری ہے پسِ پردہ دری ؏ بن کے دانا کارِ ناداں دیکھئے
ایک ہیں اہلِ چمن اہلِ قفس ؏ جشنِ آزادی کے ساماں دیکھئے
پہلے یکجا کیجئے ہوش و حواس ؏ پھر گلستاں یا بیاباں دیکھئے
میرا دامن چاک تو ہے ہی مگر ؏ آپ بھی اپنا گریباں دیکھئے
مصلحت پر وقت کی ہو کر نثار ؏ بیچتے ہیں لوگ ایماں دیکھئے
صرف جرمِ بے گناہی پر ظہیرؔ ؏ ہو رہے ہیں قتلِ انساں دیکھئے

قطعات

ہے بات سمجھے کی تو اس کو سمجھ ساقی
ٹوٹے ہوئے پیمانے جوڑے تو نہیں جاتے
مٹی کے کھلونوں کی مانند زمانے میں
اُلفت کے حسیں رشتے توڑے تو نہیں جاتے

حسن جب بے پناہ ہوتا ہے
عشق سے دادخواہ ہوتا ہے
برق بھی چین سے نہیں رہتی
جب نشیمن تباہ ہوتا ہے

میرے جذبات کا عالم تو نہ چھیڑو مجھ سے
خلش و سوزشِ پیہم تو نہ چھیڑو مجھ سے
دل مرا لے لو مری جان بھی لے لو لیکن
اے ستمگار مرا غم تو نہ چھیڑو مجھ سے

بے کارِ رہنما کیا منزل ہے کہاں ڈھونڈو
دیوانوں کی محفل میں قاتل ہے کہاں ڈھونڈو
کشتی کو محبت کی ساحل سے لگانا ہے
طوفان کے دامن میں ساحل ہے کہاں ڈھونڈو

گرگس سہسوانی

گویا شاعر

کل اک سخن شناس نے مجھ سے کیا سوال؟ کب سے ہوا ہے تجھ کو فنِ شعر میں کمال
میں خوب جانتا ہوں کہ کتنا پڑھا ہے تو بزمِ سخن میں کیسے یہاں آ گیا ہے تو
یہ بھی نہیں کہ گھر کا کوئی مالدار ہے بازار کا سنا ہے بڑا قرض دار ہے
ٹوپی ہے تیرے سر پہ نہ جوتا ہے پاؤں میں شہرِ سخن سے لوٹ جا تو اپنے گاؤں میں
یہ کون سی زمیں میں غزل پڑھ رہا تھا تو قصے وصال و ہجر کے کیا گڑھ رہا تھا تو
چسپاں ہوئی ردیف نہ بندش ہی چست ہے مضمون دیکھنے میں تو بیحد ہی سست ہے

شاعر تو میں نہیں ہوں فقط ہوں سخن شناس
درجہ کیا ہے کون سا تو نے ادب کا پاس

گستاخیاں معاف کہا میں نے اے حضور مجھ کو بتائیں لوگ تو کیا ہے مرا قصور
بزمِ سخن ہو کوئی کہ پھر بزمِ میکشی جیسی جہاں بھی تھی ضرورت الاپ دی
"فعلن" "کو" "فاعلن" "کو" یہاں جانتا ہے کون؟ شاعر جو بے سُرے ہیں انھیں مانتا ہے کون؟
اشعار پڑھ دیے ہیں جو کمزور بے اثر لیکن یہی ہوا کہ کہا سب نے خوب تر
"ساقط" کسے بتاؤں "توارد" کہوں کسے ہر اک سخن شناس پہ پڑھتا ہوں مرثیے
کیسی "عروض" کیسے "قواعد" ارے میاں جو بھر گیا دماغ میں وہ کر لیا رواں
ہوتے جو آج غالبؔ و داغؔ و حسنؔ، رساؔ کہتے ہر ایک شعر پہ واللہ کیا کہا
مجھ کو گلے پہ ناز ہے اللہ کی قسم شاعر کو کم ملے گی تو زائد مجھے "رقم"
لیتا ہوں ڈٹ کے "داد" کبھی جم غفیر سے کرتا ہوں "دو" "شکار" فقط ایک تیر سے
"استاد" پوچھتے ہیں مرا "تان سین" ہے گانا ہے ایک فن، جو خدا ہی کی دین ہے

گرگس بھی سن رہے تھے یہ دونوں کی گفتگو
کہنے لگے خدا رکھے شاعر کی آبرو

مرحوم والدین کی یاد میں

مفتوں کوٹوی

بعنوان محنی اور ذاتی حیثیت کی نشان دہی کر سکتا ہے اس طرح کہ سطور نگار اگر اپنے مرحوم والدین کی یاد کرتا ہے تو دوسروں کو اس سے کیا تعلق؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا فطری جذبہ ہے جس سے کوئی شخص بے بہرہ نہیں۔ اپنے والد کا احترام اور اپنی والدہ کی عظمت ہر شخص کی رگ رگ میں بسی ہوئی ہے۔ ماحول جداگانہ اور حالات مختلف ہو سکتے ہیں لیکن بنیادی طور پر اپنے والدین سے محبت کا جذبہ ہر شخص کے دل میں موجزن ہوتا ہے ان کی شفقت و عنایت ان کی کرمفرمائیاں، ان کی چشم پوشیاں، ان کی خیر خواہیاں اور انعامات کی نوعیت جداگانہ لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ لیکن اصل جذبات اور حقیقی تاثرات اکائی کی طرح سب میں رواں دواں ہیں۔ چنانچہ ہم میں سے کسی ایک کا اپنے والدین سے جذبات محبت کا اظہار کرنا، سبھی کے دلوں کی دھڑکن اور سبھی کی نبضوں کی روانی کا علمبردار ہے یہ آفاقی محبت و عظمت ہے۔ فطری احترام و تقدس ہے جس سے ہم سب فیضیاب ہوئے ہیں۔ یہ وہ آئینے ہیں جن میں ہر ایک اپنی ماضی کی جھلکیاں دیکھ سکتا ہے۔ ان سچائیوں، حقیقتوں اور صداقتوں کو کوئی ایسا دل نہیں جو کم و بیش محسوس نہ کرے اپنے والدین کی مستقل کوششیں جو انھوں نے ماضی و حال و مستقبل کو سنوارنے کے سلسلے میں ہمارے متعلق کیں۔ ان کی بے لوث شفقتیں، بے غرض محنتیں، مخلص دعائیں اور پرخلوص مناجاتیں جن کا ہمیں علم ہے اور جن کا ہمیں آج تک علم نہیں ہے سبھی شکر گزاری اور احسان مندی کی مستحق ہیں۔ ان سطروں سے وہ بھی مستفیض ہوں گے جو والدین کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں اور وہ بھی اپنے فرائض کی طرف زیادہ ملتفت ہوں گے جو ابھی اس نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ میری والدہ کا انتقال [illegible] ہوا تھا کہ میں ہم سکے پڑھتے۔ شعراء اور ناز و افتخار کی ہائی کے ساتھ یہ رباعی لکھی تھی:

مانا کہ زمانہ ہے یہ دشمن میرا ؛ صد شکر کہ سرسبز ہے گلشن میرا
جب تک ہیں مری والدہ سایہ افگن ؛ باقی ہے جہاں میں بول کین میرا

ذرا اس رباعی کے انداز ملاحظہ کیجئے۔ کس خوش عقیدگی کی جھلک، کیسی شادابی دل و دماغ کی آئینہ داری اور کتنی نشاط انگیز دلوں کی ترجمانی اس میں موجود ہے۔ کس قدر حیات بخش لطف سامانیاں اور بے فکریاں، بے نیازیاں اس سے ٹپک رہی ہیں۔ اکتوبر ۵۷ء کی ان سرمستیوں سے نظر بر طرف ستمبر ۱۸ء کے چند اشعار پیش خدمت ہیں جو اس نظم کی زینت بڑھا رہے ہیں جب فضاؤں کی تازگی و شگفتگی اور ماحول کی شادابی و سیرابی سے متاثر ہو کر مجھے اپنے وطن کی یاد آتی تھی۔ اور اس سلسلے میں والدہ کی یاد نے بھی مجھے تڑپا رکھا تھا:

پھر موسم نشاط و مسرت ہے آج کل ؛ پھر وقت تازگی و لطافت ہے آج کل
پُرکیف ہے فضائے طرب خیز و عطر بیز ؛ کیا فیض بار دامن قدرت ہے آج کل
ہے چپہ چپہ پر نور نگینی بہار ؛ اور پھول پھول شاہد فطرت ہے آج کل
بادل کے رنگ ہوا فزوں جان نواز ؛ حسن زمیں کے لطف بصارت ہے آج کل
دل میں ہے شوق سیر طبیعت میں تازگی ؛ حاصل ہر ایک روح کو فرحت ہے آج کل
پھر التفات بزم طرب کا ہے اذن عام ؛ پھر انجمن نوازی کی دعوت ہے آج کل
پھر شوق نغمہ سنجی لطف آفریں اٹھا ؛ پھر دل کو شعر گوئی سے رغبت ہے آج کل
یاد آرہی ہے مادر سادہ مزاج کی ؛ زور وں پہ دل میں ماں کی محبت ہے آج کل
پھر آنکھ کو ہے چہرۂ انور کی جستجو ؛ خواہان از دیاد بصارت ہے آج کل

نظم کے بقیہ حصہ میں اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے دیگر دوست و آشنا کا ذکر ہے جن کی یاد سے ایسے پُرکیف موقع پر دل و دماغ مسحور ہوئے رہتے۔ محرکات و محسوسات سے توقع نظر شعر و لاشعور کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے۔ قلب و ذہن کے اندر جو خلشیں، آرزوئیں، تمنائیں، لغزشیں، اور محبتیں

ں بڑی ذہین بیٹوں میں دبی ہوئی ہوتی ہیں - وہ لطافی
ہرانی کے وقت، نشاط وانبساط کے ماحول میں اداکلام د
کار کی کیفیات میں مزوز ظاہر ہوکر رہتی ہیں - دانستہ طور
یا نادانستہ طور پر — دل کا مخفی احساس دیر تک چھپا
ں رہ سکتا - خصوصًا اس کے جذبات وحسیات میں
ذرات کی طرف سے اگر ادا بلاغ کی استعداد بھی کچھ آیا
- بالفاظ دیگر شاعر اپنے کلام میں چلتا پھرتا نظر آتا ہے
ش اپنے نقش میں جلوہ گر رہتا ہے - یہی وہ دل کا معاملہ
، جس کی رسوائی کو غالب نے اپنے شعر میں اس طرح بیان
ا ہے ؎

، یہ کیوں مرے دل کا معاملہ ؛ شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

یہ غیر ارادی اظہار وبیان اس مخفی انداز سے فنکار کے
ل اس کے فن پاروں میں جگہ پا جاتا ہے کہ بعض دفعہ خود
ا کبھی اس سے واقف نہیں ہو پاتا - تاہم یہ طے شدہ ہے
اتی مسلمات ومعتقدات اور کچھ تعلقات وتاثرات سے
ن نہیں بچایا جاسکتا - والدہ کی موجودگی میں زمانہ کی دشمنی
باوجود گلشن کی سرسبزی کا احساس اور جوانی میں لڑکپن
نشاط انگیزیوں کا ادراک سپرد افتادگی میں مادر سادہ
اج کی یاد - ماں کی محبت کا نور دل پر ہونا - چہرہ انور سے
زیادہ بصارت کی خواہش ہونا یہ وہ وابستگیاں ہیں جو
غ وماحول کی مناسبت سے، شعوری ولاشعوری طور پر ظاہر
ر رہتی ہیں - والد مرحوم کے انتقال کے بعد اس شعر کا وجود
، آیا ؎

دل ہے سرپہ وسعت بزرگی بھی ایک چیز
پایا نہ چین والد خلد آشیاں کے بعد

کس ماحول ذہنی کا پتہ دے رہا ہے - اپنی موجودہ زندگی
نیوں اور ناگواریوں کے ماحول میں والد مرحوم کے سایہ کو کتنے بے
از اور مطمئن حالات کا ضامن وکفیل قرار دیا ہے ؎

حاصل نہیں کوشش سے اوج زندگی مقبول
یقینًا یہ طفیل والد جنت مکانی ہے

اعتراف حقیقت کے ساتھ ساتھ اس میں جذبات احسان مندی

بھی ہیں اور اظہار شکرگزاری بھی ایک شعر اور ؎

دور اندیشی وسنجیدگی، فکر عمیق ؛ دی ہے مقبول مرے والد نے دولت مجھکو

اس شعر کا مزاج پہچانئے - اپنا تجزیہ کرنا اور اپنے سرچشمہ
کا منبع والد مرحوم کو قرار دینا - آپ کو اس پُرعظمت ماحول میں پہنچا دےگا
جہاں ہر سعادت مند فرزند اپنے والد کے احسانات کا اعتراف کرنے پر
مجبور ہو جاتا ہے - وراثت حقیقی وہی ذاتی اوصاف ہیں جو والدین سے
نسلی وخونی وابستگی کی بنا پر میسر آتے ہیں مندرجہ ذیل رباعیات پر نظر
ڈالئے اور ان سے مصنف کی اندرونی کیفیات کا اندازہ لگائیے ؎

بر راز حقیقت کی بصیرت بخشی ؛ پابندی اسلام کی عادت بخشی
ہمدردی وخودداری وشوق تحقیق ؛ مقبول مجھے والد نے دولت بخشی

ہستی مقدس تھی سراپا شفقت ؛ ملتا رہا جس سے مجھے درس رفعت
مقبول مجھے یاد آتے ہیں عیش وغم میں ؛ وہ والد ذی احسان علیہ الرحمت

ہے باعث تسکین دل مغموم کی یاد ؛ خادم کو غنیمت ہے یہ مخدوم کی یاد
جب بھی مری تعریف کہیں ہوتی ہے ؛ آتی ہے مجھے والد مرحوم کی یاد

والدین کی موجودگی کا زمانہ کس قدر پُرکیف ومسرت بخش ہوتا ہے
اس کا اندازہ کچھ دل ہی کرسکتا ہے - الفاظ اس کے اظہار کی کمل
طاقت نہیں رکھتے - نہ ایک ایک واقعہ کو گنایا جاکر استدلال کیا
جاسکتا ہے - یہ ایک مسلسل احساس روحانی اور انبساط وسرور کا
ہے جو نشاط وسرور کی موجوں سے دل ودماغ کو مسرور ومطمئن
بنائے رکھتا ہے شیخ سعدی کے ان اشعار سے اس فضائے
لطیف کا اندازہ لگائیے ؎

من آنگہ سر تاجور داشتم ؛ کہ سر در کنار پدر داشتم
اگر بر وجودم نشستے مگس ؛ پریشاں شدے خاطر چندکس
کنوں گر بہ زنداں برندم اسیر ؛ نباشد کس از دوستانم نصیر
مرا باشد از درد طفلاں خبر ؛ کہ در طفلی از سر برفتم پدر

حقیقت یہ ہے کہ والدین کا سایہ اولاد کے لئے ایک نعمت
غیر مترقبہ ہے اور اس نعمت کا فیضان نہ صرف انسانوں تک محدود
ہے بلکہ تمام جانداروں کی کیفیات ہیں - بچپن اور لڑکپن تک
تو اس نعمت کی موجودگی اور اس کی ضرورت کا کچھ ٹھکانہ نہیں ہو
سکتا - اشرف المخلوقات کو اس کی ذمہ داریاں خود مختار
یا لاشعوریوں کے تحت اس سلسلے میں زیادہ تکلفی ...

والدین کے حقوق کی قدردانی اور ان کی عظمت شناسی کی تعلیم ہمیں قرآن مقدس نے اس طرح دی ہے ۔ "اور ہم نے انسانوں کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے کہ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھاکر اسے پیٹ میں رکھا۔ دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے اس لئے میرا ۔ اور اپنے ماں باپ کے حق پہچان ۔ اور اس کی شکرگزاری کر (پارہ اکیسواں۔ سورۂ لقمان)" "اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کر۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے تک پہنچ جائیں ۔ تو اُن سے کبھی اُف بھی نہ کہہ۔ اور نہ ان کو جھڑک۔ اُن سے بڑے ادب سے بات چیت کر۔ ان کے سامنے شفقت انکساری سے جھکا رہ اور یوں دعا کرتا رہ کہ اے پروردگار ان پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا اور پرورش کیا (پندرھواں پارہ۔ سورۂ بنی اسرائیل) شیخ سعدی نے کنودم ـ (دیکھو) کا "مقبول ومحبوب" ہونا اسی لئے بتایا ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ کو پھاڑ کر نکلتا ہے ۔ "در حالت خوردی با مادر خود چنیں معاملہ کردہ اند لاجرم در بزرگی چنیں مقبول ومحبوب اند"۔

والد کے مقابلہ میں والدہ سے زیادہ رغبت والنسیت ہونا ایک فطری چیز ہے کیونکہ پیدائش کے بعد ہی سے انسان اس کی آغوش شفقت میں، پرورش پاتا ہے اور اسی کے زیر سایہ ارتقا، ونشو ونما کی منزلیں طے کرتا ہے بچپن اور لڑکپن کی نشاط انگیزیوں سے مستفیض ہوتا ہے اور والدہ کو والد کی بہ نسبت اپنی اولاد سے زیادہ آنسیت ہونا بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ وہ اس بار کی زیادہ متحمل رہتی ہے ۔ "زیر قدم والدہ فردوس بریں ہے"۔ اس مصرعہ میں ماں کی عظمت کا بھرپور اعتراف ہے ادراکی قوتیں جو واقعات عالم کو استدلالی سلسلوں سے وابستہ کرتی ہیں ۔ اس انداز گفتگو کو اور بھی زیادہ مضبوط ومربوط بنا سکتی ہیں لیکن درحقیقت یہ احساساتی اور جذباتی تاثرات ہیں جن کا اندازہ صرف طبیعت ہی کرسکتی ہے ۔ عقل وادراک لفظ وبیان اور تقریر وتحریر شاید اس کا صحیح حق قائم نہ کر سکیں ۔ ذرا اقبال کے ان اشعار پر نگاہیں دوڑائیے اور دیکھئے کہ مفکر اعظم کیا کہہ رہا ہے اور کس عالم میں کہہ رہا ہے

علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

میں نے اپنی "مادر سادہ مزاج" کی صحبت میں طفل سادہ رہ جانے کی اس لذت وکیفیت کا احساس کرکے اکثر وبیشتر لڑکپن کے اس کھوئے ہوئے فردوس کو آباد کیا ہے ۔ "مادر مزاج" کی سادہ وبے ریا باتیں ۔ بے تکلف وبے تصنع گفتگو محبت والنسیت سے بھرا ہوا ماحول کس قدر پُر لطف و پُر بخشش ہوا کرتا تھا اس کی مثال دنیا کی اور کوئی فضا پیش نہ کرسکتی ۔ خواہ وہ ناراضگی ہو یا خوشی ۔ نزدیکی ہو یا دوری والدہ کا قلبی ربط وتعلق کسی صورت جاتا ہی نہیں ۔ اولاد کی خیر خواہی وخیر اندیشی کے جذبات سے ایک والدہ خالی رہ ہی نہیں سکتی۔ شفقت وبزرگی کی عنائتیں ایک طرح وہ عالم سراپا کیف وسرور اور مجسم انبساط واحتفاظ ہوا کرتا ہے ۔ لیکن اختلاف خیال وتناقص رائے کے عالم میں بھی وہ لذتیں اور کیفیتیں ہوتی ہیں کہ محبت زدہ دل کشش وانجذاب کی روحانی مسرتیں محسوس کرتا رہتا ہے ۔ جھڑکی میں لطف، بد دعا میں دعا، غضب میں شفقت، ناراضگی میں خوشنودی اور نفرت میں محبت ـــــ یہ تضاد کا اتحاد اور نقیضین کا اجتماع اگر ممکن ہے تو صرف والدہ کی ذات واحد میں اور کہیں نہیں ۔ وہ سہارا ہے کہ دنیوی دیگر سہاروں سے زیادہ مضبوط سہارا ہے ۔ وہ چھاؤں ہے کہ سب سے زیادہ گھنی ہے اور سب سائے اس کے سامنے سیاہ رو ہیں وہ مرکز ہے کہ اولاد باوجود اپنی آوارگیوں اور منتشر مزاجی کے اپنا رخ اسی سمت موڑے رکھتی ہے ۔ وہ منبع ہے کہ زندگی کی تمام نہریں اسی آب زلال سے جاری وساری رہتی ہیں وہ باغ ہے جس میں پھول ہی پھول ہیں کانٹے کہیں نہیں۔ وہ دریا ہے جس میں موتی ہی موتی ہیں ۔ نہنگ وطوفان کا نا

(بقیہ صـ۲۳)

غزل

الیس۔ کے۔ کوکب

تعجب ہے بلا کیوں کر انھیں پھر لُطفِ پیمانہ
ہوئے ہی جو نہیں خود محرمِ آدابِ میخانہ

زہے غمازیِ عشوہ زہے دل بازیِ شوخی
ہر اک سمجھا مخاطب ہے اُسی سے چشمِ مستانہ

ارے یہ عبرتیں اہلِ محبت کی معاذ اللہ!
کہیں محبوس ہے بلبل کہیں ہے خاکِ پروانہ

تمنا ہے کہ موجِ مضطرب بن جاؤں قلزم کی
بقدرِ ہمتِ وارفتگی ہے تنگ ویرانہ

درِ رحمت پہ جانے سے تو ہوگی اور رسوائی
بنا لے اپنے سینے ہی میں کعبہ ہو کہ بُت خانہ

نہ کہنے کی ضرورت ہے نہ سُننے کی ضرورت ہے
سمجھتا ہے بخوبی بات دیوانے کی دیوانہ

میسّر ہے کہاں آغوشِ الفت کی شکیبائی!
چلا ہے کس طرف اے شورشِ اُٹھ کر یہ دیوانہ

کروں کیا، میں کدھر جاؤں گرفتارِ کشاکش ہوں
اِدھر ناصح کی تاکیدیں اُدھر ساقی کا پیمانہ

ترے فطرت کی جو دُھن ہے تیرے سے ہو گوشۂ بیں
ذرا کر حسن کا تکمیں کوکب ہے یہ افسانہ

روشنی پھوٹی ہے اُفق سے دیکھو

ایچ۔ آر۔ راہی

آؤ پھر رقص کریں جھوم کے گائیں یارو
کونے کونے کو گلستاں کے سجائیں یارو
بانٹ دیں سارے زمانے کو چمن کی خوشبو
لہریں گنگا کی نظر آتی ہیں گھونگھٹ گھونگھٹ
ننھی معصوم سی کلکاریاں آنگن آنگن
پیار سی پیار مچلتا رہے آنچل آنچل
اب کوئی جشنِ چراغاں نہ ہوا ایوانوں میں
سارے سنگار نہ لے جاؤ کہیں خانوں میں
سار کھیتی سے جو پھوٹے تو یہ دھرتی چومے
کوئی گجرا کوئی کاجل کوئی مہندی نہ لُٹے
کوئی معصوم خرد قتل نہ ہونے پائے
رنگ کلس اپنی جگہ چھوڑے نہ بازار ہٹے
جوش میں آئے جوانی تو سپاہی بن جائے
خون بہتا ہے تو دھرتی کی حفاظت میں لگے
غصہ آجائے تو ہم پھینکیں نہ خنجر پھینکیں
آ بٹیں جس کی تمنا کرتے تھے خوابوں میں کبھی
ہاں وہی روشنی آتی ہے اُفق سے دیکھو
سر اندھیروں کا کچلنے کے لئے آئی ہے

پھر نئے دیپ اندھیروں میں جلائیں یارو
دل کے زخموں کو چلو پھول بنائیں یارو
دولتِ دل ہے یہاں خاکِ وطن کی خوشبو
مسکراتی ہوئی رادھا تیری گھونگھٹ گھونگھٹ
پھول ہی پھول مہکتے رہیں گلشن گلشن
گیت ہی گیت لکھتے رہیں پایل پایل
اب چراغوں کی ضرورت ہے بیابانوں میں
بال سنوارنا ہے ابھی حسن کو کھلیانوں میں
فصل لہرائے تو محنت کے لبوں کو چومے
کوئی چھپر کوئی گھونگھٹ کوئی چوڑی نہ لُٹے
بوڑھا دروازہ نہ سر پیٹ کے رونے پائے
بیچ میں دونوں کے حائل ہے جو دیوار ہٹے
سامنے آئے جو دشمن تو تباہی بن جائے
آگ لگتی ہے تو نفرت و عداوت میں لگے
کھینکنا فرض ہے تو راہ کے پتھر پھینکیں
جو چھلک اپنی دکھاتی تھی کتابوں میں کبھی!
آگے بڑھ بڑھ کے ذرا اس کی بلائیں لے لو
جو اگ دھرتی کے بدلنے کے لئے آئی ہے

ہم اگر اس کی ابھی قدر نہ کر پائیں گے
گھُٹ کے تاریک گپھاؤں میں ہی مر جائیں گے

قطعہ

عابد سرہندی

زندگی کی طویل راہوں میں
غم مسرت کا کام دیتے ہیں
شوق رہبر ہے آدمی کا اگر
حادثے کا پیام دیتے ہیں

بنائے آشیاں غزلیں

مقبول نصیر آبادی

ملا کیا توڑ کر تونے جو شاخِ آشیاں رکھدی
مٹا کر زینتِ گلشن بھلا کیوں باغباں رکھدی

اٹھا کر اب تو میں نے قیدِ سنگِ آستاں رکھدی
جہاں نقشِ قدم پایا جبیں اپنی وہاں رکھدی

اُٹھا لے جا قفس کے پاس سے پھولوں کو اے ظالم!
مرے پہلو میں کیوں یہ لا کے یادِ گلستاں رکھدی

بچا کر برقِ ظالم سے کہاں لے جائیں ہم مسکن
یہ کیسی آگ بالائے نشیمن آسماں رکھدی

دیا لالہ کو داغِ دل تو گل کو چاک داماں بھی!
چمن میں ہر جگہ یہ کس نے میری داستاں رکھدی

نہ پائے پھول جب میں نے گوارا کر لئے کانٹے
یہی تو بات ہر صورت سے میں نے بے گماں رکھدی

فنِ برقِ نے مقبول پھونکا تھا جہاں اک دن
اُن گُلشن میں پھر میں نے بنائے آشیاں رکھدی

ڈاکٹر مظہر پیامی اودھ

کام میں لائے اگر دیدۂ بینا اپنا
آدمی دیکھنے لگ جائے تماشا اپنا

اپنے ہی عشق میں ہے کج کی دنیا پاگل
جس سے ملئے وہ نظر آئے گا شیدا اپنا

نفسی نفسی کا یہ عالم ہے تو دنیا والے
ڈھونڈیں گے اپنے ہی کاندھوں پہ جنازہ اپنا

اہلِ دل دورِ تعصب میں غنیمت سمجھیں
کسی تدبیر سے چلتا رہے دھندا اپنا

بے وفا دوست سے غیروں کا تعلق بہتر
ہے جب اپنا ہی پرایا تو پرایا اپنا

آؤ سورج سے دمِ صبح یہ معلوم کریں
کس کا منہ دیکھ کے لایا ہے اُجالا اپنا

یہ سخن فہموں نے مظہر کی غزل سُن کے کہا
شعر کہنے کا بھی انداز ہے اپنا اپنا

جوہر باسودری

اہلِ دل آہ کرنے سے مجبور
کیا اُٹھے محبت کے دستور

حُسن کو جب شعورِ وفا آئے
قسمتِ عشق وہ دن بہت دور

ہوش مندوں سے پوچھو اُنھیں کہ
ہم تو دیوانے دنیا میں مشہور

وہ تھا آغازِ غم یہ ہے انجام
جب بھی مجبور تھے اب بھی مجبور

جام و صہبا کی اُن کو ضرورت
وہ جو ساقی کی نظروں سے مخمور

آپ جلوہ دکھانے کی زحمت
منتظر ہم بھی کب سے سرِ طور

اُن کو جو ناز جوہر جفاؤں پہ
ہم بھی اپنی وفاؤں پہ مغرور

ص ۲۰ سے آگے

دنتاں تک نہیں زندگی کی عشرتوں اور راحتوں میں خواہ ہم اس نعمت کو بھلا دیں لیکن مصیبت وصعوبت میں یہ قدم قدم پر ہمیں سہارا دیتی ہے اور بیماری کے بستر کی شکن اسی کے سہارے نکھار اور سنوار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دنیا جہاں کے اعزازانہ خطابات اور معجزانہ مناصب ایک طرف اور اس کی "لو" ایک طرف اور دوسروں کی ہزار عمل خیر اندیشیاں اور نیک آرزوئیں ایک طرف اور اس مادر مہربان کے شکستہ الفاظ اور دلی دعائیں ایک طرف اسی کے لگائے ہوئے پودے ہیں جو آج باغ دنیا کو آراستہ پیراستہ کئے ہوئے ہیں۔ اسی کے بسائے ہوئے فردوس ہیں۔ جن سے ہمیشہ بھینی بھینی خوشبوئیں نکلتی رہتی ہیں اور زندگی کو پُر کیف ونشاط انگیز بناتی رہتی ہیں۔ سنہ ۱۹۴۱ء کی طویل بیماری میں جب میں زندگی وموت کی کشمکش میں مبتلا رہا اس وقت اگر مجھے کوئی حوصلہ تھا تو وہ اسی "مادر سادہ مزاج" کا تھا اس کے بعد میرے چھوٹے بھائی رہبر کے ایام مرض میں اگر ہمیں دلی جرأتیں نصیب ہیں تو اسی ذات سراپا صفات کے دم سے۔ والد مرحوم کے ساتھ سنہ ۱۹۲۳ء میں حج بیت اللہ شریف سے مشرف یاب ہو چکی تھیں کوٹہ ہی میں پیدا ہوئیں۔ یہیں پلیں بڑھیں اور آخر بیس نومبر سنہ ۱۹۵۲ء مطابق یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۷۲ھ کو یہیں سپرد خاک کر دی گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

ت گھٹتے جا رہے ہیں بزرگان مے ریا
ماتا کہ بڑھ رہی ہے ہر اک لمحہ آبرو
خلاص وانسیت کا وجود "آپ" میں کہاں
کم ہوتی جا رہی ہے محبت بھری وہ "تو"

سنہ ۱۹۱۸ء سے میری لقا وارتقا کا سلسلہ جاری ہے اور جب سے والدہ مرحومہ کی حیات تک ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے کا موقع نصیب ہوا ہے جن میں تلخی وشیرینی۔ سوگواری وخوشگواری، غم وخوشی، راحت وصعوبت ہر قسم کی جھلکیاں موجود ہیں۔ والد مرحوم کے انتقال سنہ ۱۹۳۶ء کے بعد سے برده سال تک وہی ہمارے لئے مرکز شفقت ومنبع مسرت بنی رہیں۔ مرحومہ ہمت وجرأت کے لحاظ سے اسلاف کی یادگار تھیں ان کی جرأت بخشی وہمت آموزی سے ہم لوگ اکثر اپنے چراغ روشن کئے ہیں۔ مرحومہ اپنے بیٹوں کی شادابی اور پوتا پوتیوں کی موجودگی میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ پیچش کا عارضہ بیس پچیس روز پہلے سے تھا۔ انتقال کے پانچ چھ گھنٹے پہلے بخار ہو گیا تھا مختلف علاج، ڈاکٹری اور یونانی ہوتے رہے رحلت سے تین روز قبل طبیعت سنبھل گئی تھی لیکن یہ بخار انجام کار جان لیوا ثابت ہوا۔ اور آخر زندگی میں وہ خلا پیدا ہو گیا جس کا پُر ہونا قطعاً محال ہے۔ آج بھی جب میں ساٹھ کے پیٹے میں ہوں اور خدا نے مجھے خود بھی دادا اور نانا کے منصب سے مشرف کر دیا ہے۔ والدین کی حیات اور ان کی چھاؤں کی یاد آجاتی ہے تو دل تڑپ اٹھتا ہے۔ والد مرحوم سے علمی وذہنی اور قلبی وروحانی فیوض حاصل رہے تو والدہ مرحومہ سے شفقت وجرأت کے درس ملتے رہے۔ اس پُر احترام ماحول میں خود کو محسوس کر کے ع باقی ہے بڑھاپے میں لڑکپن میرا۔ کا خوشگوار احساس جاگ اٹھتا ہے۔ والد مرحوم کے مرثیہ میں میں نے والدہ کا ذکر کرتے ہوئے ان خواہشات کا اظہار کیا تھا ہیں والدہ تو سایہ شفقت دراز ہو

ٹھوکر سے ان کی، اپنی جبیں سرفراز ہو
ان کی دعا سے قلب سیہ پاکباز ہو
باب کرم ہمارے لئے یونہی باز ہو
حاصل اے کاش حضرت داور سے ہو بہشت
ہم کو نصیب خدمت مادر سے ہو بہشت

اور اب جب وہ اللہ کو پیاری ہو چکی ہیں وہ بند دہراتا ہوں جو والد مرحوم کے مرثیہ کے آخیر میں درج ہے۔ ؎

اے خلد آشیاں میں تصدق ہزار بار
اس زندگی پاک کے قرباں یہ خاکسار
ابر کرم ہو تربت عالی پہ فیض بار
رحمت کے پھول روح مقدس پہ ہوں نثار
اللہ ہم کو نیک ہدایت عطا کرے
جنت میں پھر نصیب ہو خدمت خدا کرے
خدا مرحوم والدین کو جوار رحمت میں جگہ بخشے آمین ثم آمین

اپنے بیگانے

فریدہ نور
کنٹھاوالا

نغمہ رہ رہ کر نرگس کے کہے ہوئے جملے دہرانے لگی تھی۔

"نہیں۔ نہیں" اسے یوں لگا جیسے سکوت سا چھا گیا۔ کیلاش ایسا نہیں کر سکتا۔۔ اور وہ تکیہ میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ اس نے کئی بار تو کیلاش کو نرگس کے ساتھ دیکھا تھا مگر وہ کیلاش کی طرف سے مطمئن تھی کیلاش جب بھی مسکرا کر اسے کہتا نغمہ! تم میری ہو صرف میری۔ ہے نا؟ تو وہ جھوم جھوم اٹھتی۔ خمار آلود نظروں سے وہ کیلاش کی نشیلی آنکھوں میں اپنے پیار کا تصور ڈھونڈتی۔ وہی کیلاش آج بدل گیا ہے۔ وہ کیسے یقین کرے کیسے بھولے کہ اس کی کئی شامیں کیلاش کی باہوں میں گزری ہیں کئی راتیں کیلاش کی یاد میں تو صبحیں اس کے خیالوں میں بیتی ہیں اس کے اب صرف کیلاش کے لئے وقف تھے۔ محبت میں صرف جسموں کے ملاپ، رخساروں کی گرمی ہی نہیں روح سے روح کا تعلق بھی ہوتا ہے، جسموں کی سرحدوں کو چھوئے بغیر بھی اسکے پیار محبوب تک پہنچ سکتا ہے اس نے بھی تو کیلاش کو روح کی گہرائیوں سے بسا لیا تھا اپنا دیوتا مان کر من مندر میں اسکی مورتی سجا کر اس کی آرتی اتاری تھی۔ کیلاش کے بغیر اس کی زندگی بے رونق بے رس ساکت ندی کی طرح تھی جس میں کوئی امنگ کوئی جوش اور ولولہ نہ ہو۔ لیکن آہ۔۔۔ یا نرگس ابھی کہہ گئی تھی کہ کیلاش بھی ۔۔۔ تم نہیں جس نے نرگس کا سب کچھ لوٹ لیا تھا نہیں وہ کالج بھر کی لڑکیوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسانے سے نہیں چوکتا۔ تو کیا کیلاش کو صرف جوانی سے ہی پیار ہے؟ اسکی بے لوث محبت کی اس کے نزدیک کوئی قدر نہیں؟ کاش اس نے پتھر سے دل لگایا ہوتا تو بھگوان بھی اس کا ہو جاتا مگر شاید پگھل جاتا۔

مالی حالت ٹھیک نہ ہونے کے سبب نغمہ نے فرسٹ ایئر کی تعلیم کی بحالی کے بعد کالج چھوڑ کر ایک اسکول میں نوکری کر لی۔ نغمہ کے کالج چھوڑنے کا اثر ان کی محبت پر نہ پڑا۔ وہ دونوں باقاعدہ ملتے رہے۔ اسکول کے ایک ٹیچر ورما نے نغمہ کو اپنانا چاہا ورما کو نغمہ پسند تھی بھولا بھالا حسن۔ بالکل معصومیت کی دیوی تھی نغمہ۔ وہ جانتی تھی کہ ورما کے دل میں اس کے لئے پیار ہے۔ کئی دفعہ ورما نے باتوں میں نغمہ کا ہاتھ تھام لیا تھا جسے نغمہ نے خوش اخلاقی سے چھڑا لیا۔ اس کے من مندر میں کیلاش کی مورت تھی۔ بھلا وہاں ورما کا کیا کام اس نے کبھی ورما کو لفٹ نہ دی۔

نغمہ کے چچا زاد بھائی کے دوست احسن کی جانب سے بھی خود ایک التفات ہوئی تھی۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ کیلاش بیچ میں اسکے سامنے آ جاتا۔ بس اس نے اس بے احسن کا خیال اپنے دل سے جھٹک دیا تھا۔ احسن کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ مکمل شخصیت کا مالک تھا۔ چہرے پر تفکر کافی نمایاں تھے۔ حالانکہ اس نے نغمہ سے کبھی بھی پیار اور التفات کے رشتے کو استوار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی پھر بھی وہ جب نغمہ سے ملتا نغمہ کو لگتا کہ وہ اس میں کچھ دلچسپی لے رہا ہے۔ احسن نغمہ کی آنکھوں میں نہ جانے کیا کھوجنے لگتا۔ نغمہ کو محسوس ہوتا کہ وہ اسکی آنکھوں میں کیلاش کی تصویر دیکھنا چاہتا ہو اس ڈر سے نغمہ نظروں کو جھکا دیتی کہ کہیں احسن اس کے کیلاش کو پہچان نہ لے۔ پھر احسن بھی اپنا پیار عیاں کرنا نہیں چاہتا تھا شاید اس کی محبت کے سبب۔ وہ احسن سے گریز کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

اور اب ماضی کے اوراق اسکی نظروں کے سامنے الٹنے لگے۔ پہلے کیلاش کے ساتھ گزرے ہوئے حسین لمحات، وہ ماں کی پیشین گوئیاں اور احسن کی گہری آنکھوں میں اپنے لئے چھپی محبت کو نظرانداز کر کے کیلاش کی چاہت پانے کے بعد اس نے سب کچھ بھول کر صرف محبت کی باہوں میں پناہ لی تھی اور آج یادوں کے زخم سانپ بن کر اسے ڈسنے لگے تھے نغمہ بھرے ہوئے دل کو تو ذرا آگے نکل سکتا ہے مگر وقت سے رشتہ نہیں توڑ سکتا تھا اس کی زندگی میں اگر کیلاش نہ رہا تو کیا وہ جائے گا؟ اسکی محبت، اسکی سرگوشیاں اب بھی اسکے کانوں میں گونج رہی تھیں "تم جو بنا دیا ہے ہم نے چھپتے ہیں۔ میں تمہیں کسی ایسی جگہ لے کر جاؤں گا جہاں صرف ہماری محبت کی بجری بچھی ہوگی اور پھول کھلے ہوں گے وہاں" اور نغمہ دل ہی دل میں جذبات سے سرشار ہوکر صرف اثبات میں سر ہلا دیتی۔ بولنے، سوچنے، اور سمجھنے کی اس میں سکت کہاں تھی؟ صرف ایک شے پر اس کا دھیان تھا وہ تھا اسکا محبوب۔ محبوب کو پانے اور چاہنے کی تمنا ہر کوئی کرتا ہے مگر جب محبوب بھی دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگے تو یہی پیار میں مسرت ہے۔ اس کی زندگی اسکی تھی مگر اسکی آتما کیلاش تھا۔ اسکا جسم اسکا تھا مگر روح تو کیلاش کیلئے وقف تھی۔ اسکا چمن اگر پھول تھا تو اسکی خوشبو کیلاش سے تھی وہ اپنے کیلاش کو کیسے بھول جائے؟ زندگی میں محبت نہ ہو تو سکون تو مل سکتا ہے مگر وہ زندگی مکمل نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض صورتوں میں محبت لازمی نہیں تو نہیں پھر بھی کسی کو چاہ کر اسکی آس کر کے اس کو بھولنا کٹھن ہی نہیں ناممکن بھی ہوتا ہے۔ نغمہ نے کیلاش کو بھول کر حالات سے سمجھوتہ کرنے کی سوچی۔ اگرچہ حالات سے سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ مگر اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ محبوب کی جفا برداشت کی جا سکتی ہے۔ مگر اس کا ہرجائی پن نہیں۔

وہ اپنے پیار میں کسی کو شریک نہیں کر سکتی تھی اس نے کیلاش سے نرگس کے کہے ہوئے جملوں کی وضاحت چاہی تو کیلاش نے زوردار قہقہہ لگا کر کہا "جانی کیلاش ایک نرگس پھول ہے اور اس پر بھنورے کا منڈلانا لازمی ہے اور پھر زندگی میں رکھا ہی کیا ہے۔ ہنسی، خوشی، عیش، مسرت اور پھر سچ کہتا ہوں پیاری عورت صرف مشروب ہے، صرف لب اور شراب صرف پینے کے لئے ہوتی ہے۔ سمجھیں۔" نغمہ کو کیلاش سے یہ امید نہ تھی اب کیلاش اسکی زندگی میں صرف یادیں بن کر رہ گیا۔ ایک کانٹا، جسکی چبھن اسکے دل میں نہ ہوتی تو وہ اکثر مسکرا اٹھتی۔ اس کا پیار، اس کی زندگی اب اسکی نہ تھی وقت نہ جانے کیسے کیسے حالات سے دوچار کرائے انسان کو وہ سب کچھ قبول کرنا ہی پڑتا ہے جو وقت چاہے، جو حالات ہوں اور جو تقدیر میں لکھا ہو۔ وقت، حالات اور تقدیر سے منہ موڑنا دانشمندی نہیں بے وقوفی ہے۔

اور پھر ایک دن . . . نغمہ اپنے بستر پر سوچ میں ڈوبی سر جھکائے بیٹھی تھی کہ یکایک احسن کمرے میں آیا۔ نغمہ آہٹ پاکر چونکی جب احسن کو اپنے قریب دیکھا تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "آپ . . ." اس نے منہ سے اور کچھ نہ کہا۔ احسن نے قریب آکر نغمہ کے ہاتھ میں ایک کتاب دی جسے دیکھ کر وہ چونک پڑی یہ اسکی ڈائری تھی "معاف کرنا نغمہ! بغیر اجازت اسے پڑھ لیا۔ دراصل پہلا صفحہ ہی اسقدر دلچسپ تھا کہ پڑھے بغیر نہ رہ سکا۔ عورت تو خود ایک نشہ ہے اسے شراب کہنا حماقت ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تم ایک دیوی ہو مقدس، پاکیزگی کی مورت تمہیں کسی شے سے تشبیہ دینا تمہاری توہین ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہاری آنکھوں میں اپنائیت کو کھوجنا چاہا مگر وہاں ہمیشہ بیگانگی نظر آئی۔ کیا تم اپنوں اور بیگانوں کو نہیں پہچان سکتیں نغمہ؟ زندگی میں ایک موڑ انسان کے لئے ایسا بھی آتا ہے جب وہ کسی کو اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگتا ہے یہ سوچے بغیر کہ آیا اس کا انتخاب ٹھیک ہے کہ غلط۔ بھلا اس پیار میں وہ سوچ ہی کہاں رہتی ہے یہ تو اندھا جو ہوتا ہے۔ لیکن نغمہ! غلط انتخاب پر ہراساں نہیں ہونا چاہئے۔ ہم انسان ہی تو ہیں فرشتے تو نہیں جن سے غلطی نہ ہو۔ نغمہ! آج تمہاری آنکھوں میں اپناپن ہے۔ کہیں آج میں غلطی تو نہیں کر رہا ہوں؟" نغمہ نے ایک لمحہ احسن کی نظروں میں جھانکا۔ اسکی نظروں کی گہرائی کی تاب نہ لاکر اس نے نظریں جھکا دیں۔ احسن نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اگر اعتراض نہ ہو تو یہ پھول تمہارے بالوں میں لگا دوں۔ اپنا سمجھ کر" نغمہ نے مسکرا کر شرم سے سر جھکا دیا احسن نے بھی مسکرا کر قریب رکھے گلدان سے ایک پھول اٹھا کر نغمہ کے بالوں میں لگا دیا۔

من کہ مکتوب الیہ

۱۱- سٹور لائج - نیپین سی روڈ - بمبئی ۶
پیارے سرور بھائی،

ایک عرصہ خاموشی کا سبب ، بیماری ہے - کچھ بھی نہیں افسوس کرتا رہا۔ غمین صاحب کا دیوان چھپنے کے کچھ روز بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا - بھگوان ان کی آتما کو شانتی دے -

۲ مئی کی صبح کو راجندر بھائی سے دہلی پہنچ رہا ہوں - ۳ مئی کو وہاں ہے - خوشی کی تقریب ہے - میرے بھتیجے عزیز ستیش کی شادی ہے بقیہ پروگرام سے آپ کو مطلع کروں گا - امید ہے کہ آپ اور آپ کے خاندان کے سب افراد بخیر ہوں گے -

بھائی گوپی الاحسانی کا نوازش نامہ بھی ملا تھا - آج ان کو بھی جواب لکھ رہا ہوں -

نیاز مند راجندر کرشن

محترم! تسلیم

امید ہے مزاج بخیر ہو گا -

آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ شانِ ہند میں صفحہ دس پر سہارنپور کے ایک مشاعرہ کی رپورٹ شائع ہوئی ہے - یہ پرچہ ماہ جولائی ۱۹۶۹ء کا ہے - اس رپورٹ میں جناب حق کانپوری صاحب کے غزل کے سلسلے میں عرض ہے کہ انہوں نے جو غزل وہاں پڑھی تھی اس میں دو شعر مجھ غریب کے بھی شامل کر لئے ہیں جو ادبی بددیانتی کا ثبوت ہے میں اپنی مکمل غزل ارسال خدمت کر رہا ہوں اور جن دو اشعار پر نشان ہے وہ جناب حق کانپوری صاحب نے اپنا لئے ہیں - سہارنپور کے اس مشاعرہ میں جناب بشیر بدر صاحب بھی موجود تھے اور جب میری ملاقات ان سے میرٹھ کے حالیہ مشاعرہ میں ہوئی تو جناب بشیر بدر صاحب نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ حق صاحب نے ان اشعار کو سہارنپور میں استعمال کیا تھا -

گزشتہ دنوں گنج باسودہ (بھوپال) کے مشاعرہ میں بھی میری ملاقات جناب حق کانپوری سے ہوئی تھی اور میں نے ان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی اور انہوں نے معذرت [illegible] شانِ ہند میں اس کی تردید شائع کرا دیں گے - انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ نہیں سمجھ سکے کہ کیسے یہ دو شعر انہوں نے سہارنپور کے مشاعرہ میں پڑھ دیئے اور انہوں نے اس پر اظہار افسوس بھی کیا تھا - کیونکہ میں بھی ہندوستان بھر میں آل انڈیا مشاعرے پڑھتا رہتا ہوں اس لئے کئی دوستوں نے حق صاحب کی غزل میں میرے دو اشعار کی شمولیت کے سلسلے میں میری توجہ مبذول کرائی - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق کانپوری صاحب نے ابھی تک آپ کی خدمت میں تردید یا اظہار معذرت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا - مجبور ہو کر مجھے اپنی صفائی میں یہ خط ارسال کرنا پڑ رہا ہے تاکہ میری پوزیشن مشکوک نہ ہو سکے - امید ہے کہ آپ شانِ ہند میں شائع فرما کر ممنون ہونے کا موقع دیں گے -

میں ایک نابینا شاعر ہوں اور اس غزل کو میں حضرت شفا گوالیاری مرحوم کے دولت کدہ پر محترمہ روحی صاحبہ کو بھی سنا چکا ہوں -

مخلص - بشیر گوالیاری -

"حق کانپوری باطل شکن راہ پر"

جناب ایم - قاسم رسا دتیاوی بی - اے ایل - ایل - بی (ریٹائرڈ ایم - پی) کا ایک مختصر سا خط [illegible] مضمون بنام (حق کانپوری باطل کی راہ پر) فروری ۱۹۷۰ء کے شانِ ہند میں میری نظر سے گزرا مضمون کا عنوان دلچسپ اور [illegible] والا ہے -

جناب ایم - قاسم رسا نے اپنے مختصر مضمون کے شروع میں حق کی شاعری اور شہرت پر [illegible] جون ۱۹۶۹ء کے شمارہ [illegible] کے صفحہ دس پر سہارنپور کے

مشاورت کی روداد میں حق کانپوری کے اشعار بھی نظر سے گزرے اور ایم۔ قاسم صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حق کانپوری نے سہارنپور کے مشاعرہ میں جو غزل پڑھی تھی (سبب یاد نہیں ہے ۔۔ ادب یاد نہیں ہے) کا ردیف قافیہ میں وہ غزل ان کی نہیں ہے۔ بلکہ جناب بشیر گوالیاری کی ہے۔ اور بشیر گوالیاری صاحب سے میں ۱۹۵۸ء سے ملتے رہے ہیں مجھے حیرت ہے کہ ایم۔ قاسم رسا صاحب نے چلتے ہوئے کیا اپنے جذبۂ مخاصمت کی کمزوری کو ظاہر کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ میں بذاتِ خود حق کانپوری کو بحیثیت شاعر ۱۹۵۶ء سے جانتا ہوں حبیب و معصوم حضرت کے تخلص سے مشاعروں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ زمانۂ طفلی سے حق کانپوری اپنے والد مرحوم جناب نور محمد صاحب اصغر گوالیاری تلمیذ حضرت مضطر خیرآبادی اور حضرت انور گوالیاری تلمیذ حضرت نوح ناروی کے چمنستانِ شاعری کے ایک پھول ہیں اور حق کانپوری کو اپنے والدِ محترم مرحوم کے گلشن شاعری میں بھٹکنے ٹہلنے اور کھلنے کا شرف حاصل رہا ہے ۶۳-۱۹۶۴ء میں جب حق کانپوری کے والدِ محترم اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے تو تلمذ کا شرف استاد الشعراء حضرت اسیر مچھلی شہری بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی اور کبھی کبھی حضرت علامہ شارق ایرایانی سے حاصل کیا اور اپنی غزلوں پر اصلاحیں لیں۔

مؤخر الذکر ہر دو بزرگ مستند شاعروں کی نظروں میں یہ نکلا بہت پہلے شہرت ہو سکتا تھا لیکن کبھی بھی کوئی ایسا المناک پہلو رونما نہیں ہوا۔ اور آج بھی اس کا امکان نہیں ہے۔

بشیر صاحب گوالیاری کی غزل (سبب یاد نہیں ہے) کی زمین میں جہانسی کے ایک مشاعرے میں سن چکا ہوں۔ اور بشیر صاحب سے بہت پہلے حق کانپوری کی بھی غزل سن چکا تھا۔ بشیر اور حق کی غزلیں اپنے اپنے رنگ میں رچی بسی ہیں۔ بشیر گوالیاری حق کانپوری کے عزیز ہیں۔

دکھ اس کا ہے جو حق صاحب نے اپنی غزل میں ثبت کرے تھے: "دکھا کہ ہاشمی صاحب نے اصل مسئلہ کو بجائے بغیر حق صاحب کے حق میں یہ مسئلہ ہی جو اٹھایا ہے صرف ان دو شعروں کا ہے جو حق صاحب نے اپنی غزل میں ثبت کرے تھے۔"

درحقیقت یہ اشعار بشیر گوالیاری کے ہیں۔ اور اس بارے میں خود حق صاحب کئی جگہ معزز شعراء کی موجودگی میں اعتراف کر چکے ہیں۔ کمال ہاشمی صاحب نے اپنے مراسلہ رسا صاحب کو جو علمی کجی شناسائی ہیں ان کے رفقاء میں گیا ہے

کمال ہاشمی

مکرمی و محترمی!

آداب — مارچ کا شانِ ہند نظر نواز ہوا۔ سلسلہ مضامین و غزلیں عمدہ ہیں۔ محترم علامہ عشق آبادی کا توسیعی معلومات افزا ہے۔ بہت پسند آیا۔ لیکن خاص طور اپنے وطن کے ایک عزیز شاعر جناب انور بلیاوی کا کلام سوانح حیات و تصویر دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ لئے شہر بلیا کا ادبی حلقہ آپ کا بیحد مشکور و ممنون ہے۔

سو سو زباں سے آپکا سو بار شکریہ

مجھے انور صاحب کے قطعات بہت زیادہ پسند آئے ہیں کیونکہ وہ حیات افروز ہوتے ہیں۔ میں انور صاحب کو ان کی کاوشوں کے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

خلوص کار

تحریر انجم۔ بشق پور — بلیا

برادرم سرور صاحب آداب —

شانِ ہند برابر مل رہا ہے۔ شاعروں مشاعروں اور مشاعرہ بازوں کے متعلق آپ کے موقف میں پوری طرح ہوں۔ تبصرے بھی خوب ہوتے ہیں۔

تمکین۔ بدایونی۔ بمبئی

محترم سرور صاحب۔ تسلیم و نیاز —

شانِ ہند ماہ فروری کا نظر نواز ہوا۔ صفحہ پر حق کانپوری یا ظل کی سا تھد) جناب رسا صاحب د تیاوی کا تحریر کردہ مضمون پڑھا۔ واقعی بشیر صاحب گوالیاری کی غزل کے اشعار پر نشاندہی کی گئی ہے وہ انہیں کے ہیں۔ حق صاحب کا اقدام قابلِ افسوس ہے۔ انہیں اپنی صداقت کے پیش نظر خود تردید کرنا ضروری ہے — خیر طلب۔ تجمل حسین اسعدی۔

معیار کی کسوٹی پر

عزیز اندوری
سید اختر الاسلام

اردو اور ہندی کا لسانیاتی رشتہ

ڈاکٹر رام آسرا راز نے اپنی اس تصنیف میں اردو اور ہندی کے لسانی پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈال کر ان دونوں زبانوں کے سماجی تہذیبی رشتوں کی مضبوطی کو واضح کیا ہے۔ ان میں مماثلت کو تلاش کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ نیز ان لسانی پہلوؤں کو ابھارا ہے جو تہذیبی نقطۂ نگاہ سے قومی یکجہتی کی عکاسی کر سکیں۔

ڈاکٹر راز نے ان اسباب کو تلاش کرنے کی بھی کوشش کی ہے جو ہندی اور اردو کو دو مختلف دھاروں میں بہا کر لے گئے اور جو ان کے باہمی رشتوں کو کمزور کرنے کا باعث بنے ان کے نزدیک اس اختلاف کا بنیادی سبب "کلچرل ماحول" میں پیدا ہونے والا اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ کہنا۔

"بلاشبہ اردو اور ہندی دو ایسی زبانیں ہیں جو ملک کے بیشتر حصوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ خاندانی اعتبار سے بھی۔ جیسا کہ کہا گیا یہ ہند آریائی کی کھڑی بولی کے دو ادبی روپ ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ الگ الگ کلچرل ماحول میں پرورش پاتے رہے ہیں۔ اسی لئے ان دونوں کا ادبی اور لسانی سرمایہ اس قدر مختلف ہو گیا کہ ماہرین لسانیات نے ان کی انفرادی خصوصیات کی بنا پر انھیں اردو اور ہندی دو مستقل زبانوں کا درجہ دے دیا ہے۔ تاہم ان دونوں زبانوں کے ارتقا کی صدیوں پرانی مشترک ادبی اور لسانی روایات کے پیش نظر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہندی ہی کا پرانا نام اردو اور قدیم اردو ہی کا دوسرا نام ہندی ہے یہی وجہ ہے کہ لسانیاتی نقطۂ نظر سے ہندوستان کی کوئی دوسری زبان ہندی سے اتنی قریب نہیں جتنی کہ اردو ہے ان دونوں زبانوں کے نہ صرف تین چوتھائی لفظی سرمائے کا اشتراک بلکہ فعلیہ ڈھانچے، آوازوں، صرف و نحو، سابقوں، لاحقوں، محاوروں، کہاوتوں تمیزوں وغیرہ کے بھی لگ بھگ مشترک ہونے کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخی اور خاندانی اعتبار سے اردو اور ہندی سگی بہنیں ہیں جن میں یگانگت کا ایک قدیم اور گہرا رشتہ ہے۔"

اپنی اس بات کو مضبوط کرنے کے لئے ڈاکٹر راز نے اردو ہندی کی گرامر سے بہت سی ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن میں لسانی اشتراک موجود ہے۔ یہ بات علٰحدہ ہے کہ حالات کے تقاضوں کے تحت دونوں گراموں میں رفتہ رفتہ اس قدر فاصلہ پیدا ہو گیا کہ انھیں دو علٰحدہ گرامر قرار دے دیا گیا۔

ڈاکٹر راز اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں زبانوں کی گرامر میں مشترک قاعدوں کو مروج کیا جانا چاہیے۔ تاکہ ان میں مشترک لسانی صفات پیدا ہوں اور ایک ایسے ملک میں جہاں مختلف سماجی اور تہذیبی روایتیں موجود ہیں لسانی تہذیب کے [illegible] ان میں بھی یکسانی اور ہم آہنگی پیدا کی جا سکے۔ انھوں نے اس سلسلے میں اٹھائے گئے ان اقدام کا خیر مقدم کیا ہے۔ جن کے باعث ہندی اور اردو کے اخبارات و رسائل (اور بعض کتب) میں بے تکان ایک مشترک زبان کو مروج کرنے کی پہل کی گئی ہے۔

لیکن جہاں تک ایک مشترک رسم الخط کے اختیار کرنے کا سوال ہے (جسے ڈاکٹر راز نے بھی اٹھایا ہے) اس سلسلے میں گرامر کے قاعدوں میں ترمیم کرنے کے باوجود بہت سی دقتیں پیش آ سکتی ہیں۔ شاید اسی لئے ڈاکٹر راز اس مسئلہ پر سرسری سی بات کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اور ایا فیہ [illegible] ڈاکٹر مسعود حسن خاں کے اس قول پر چھوڑ دیتے ہیں کہ ذ، ض، ظ، ث، ط، ص وغیرہ یہ تمام حروف ہیں صوت نہیں اردو رسم الخط کے لئے ایک طرح سے وبالِ جان بنے رہیں۔ صوتی نقطۂ نظر سے یہ سب مردہ لاشیں ہیں جسے اردو رسم خط اٹھائے ہے صرف

اس طرح گویا لسانی رشتہ عربی سے ثابت رہے

ڈاکٹر غلام اسرار آزر نے ابتدائی ابواب میں اردو اور ہندی کے آغاز اور ارتقاء پر جو روشنی ڈالی ہے۔ اسے عموماً لسانی ماہر کئی بار دہرا چکے ہیں۔ البتہ اردو اور ہندی لسانی اختلاف اور لسانی اشتراک کے تحت انھوں نے جو بحث کی ہے اس میں انھوں نے واقعی بڑی حد تک تحقیقی شعور کا ثبوت دیا ہے۔

کاش کتابت کے بعد نظر ثانی کر لی جاتی۔ تاکہ املا کی غلطیوں سے کتاب پاک رہ سکتی ہے۔

لسانیات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات (خصوصاً طلباء) کے لئے یہ کتاب مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

۱۰ روپے کے عوض اسے مکتبہ شانِ ہند سے بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ (عزیز اندوری)

سچے الفاظ

ہم راہ (غلام الدین لون) بارہمولہ (کشمیر) کے گورنمنٹ ڈگری کالج میں کیمسٹری کے لیکچرار ہیں اور سچے الفاظ ان کی پہلی شعری کاوش ہے مزید برآں وہ منجم بھی ہیں اور شاید انھوں نے اپنا زائچہ دیکھ کر ہی ایسا کیا تاکہ اس متاعِ عزیز کا حسن دوسرے کے ہاتھوں پامال نہ ہو۔ اسی کے پیشِ نظر انھوں نے اپنا تعارف بھی خود ہی لکھا اور کتاب کا انتساب م کے نام کیا جس کا مطلب ماں، مادر، مور یا موج کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ویسے کشمیری زبان میں موج کا مطلب ماں ہوتا ہے اور شاید ماں ہی سب سے بڑی دولت ہوتی ہے۔

پیش لفظ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ مصنف نے جدید اردو شاعری میں سائنس کی افادی پہلوؤں کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ ان کے نزدیک شاعری بذاتِ خود ایک سائنسی عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان میں سائنسی الفاظ کی بھی کثرت ہے۔ سائنس کا تصور قرآن کریم میں بھی موجود ہے کیونکہ مذہب اسلام نے آخرت کا جو تصور پیش کیا ہے اسے جدید سائنس نے بھی تسلیم کر لیا ہے اور وہ اس طرح کہ ہر سیارہ اور ستارہ ایک مخصوص کشش کے دائرہ میں آیا ہے اور جب یہ سیارہ اور ستارہ اپنی کشش کا دائرہ چھوڑ کر الگ ہو جائے گا تو قرآن شریف کے الفاظ میں یہی قیامت ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی شاعری کو سائنسی شاعری کہتے ہیں۔

ہم راہ صاحب کافی ذہین ہیں اور اسی ذہانت نے انہیں ہمہ داں بنا دیا۔

چونکہ انہیں علم نجوم سے بھی شغف ہے اور ان کا خیال ہے کہ اس علم کی تہہ تک پہنچ کر انسان کائنات اور فطرت کے سربستہ رازوں کو بے نقاب کر سکتا ہے اس لئے علم نجوم کو نصاب میں شامل کرنے کے طرفدار ہیں۔

سچے الفاظ چونکہ حقیقت پر مبنی شاعری ہے اور حقیقت ہمیشہ تلخ ہوا کرتی ہے اس لئے بادی النظر میں عام قارئین کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ مشکل اس وقت حل ہو سکتی تھی جب فاضل مصنف نے کچھ اشاروں، اصولوں سے تشریح یا وضاحت کی ہوتی اور اسی دقت کے پیشِ نظر ان کی مندرجہ ذیل نظمیں: سمندر، گھر، عشق، دل، ہارٹ فیل، سگریٹ دھواں وغیرہ مستقبل سائنسی علامات وضاحت طلب ہیں۔

مثلاً صفحہ ۸۷ پر ایک نظم دل ہے جس میں سائنسی ... دل کے دو حروف دال اور لام کے مابین مختلف ... ظاہر کی گئی ہیں۔

(۱) د - - ل: اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ دو دل ملنا چاہتے ہیں مگر دنیا والے انہیں ملنے دینا نہیں چاہتے سیدھی لائن بیچ میں سے کاٹ دی گئی ہے۔

(۲) د • — ل: اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ دو دلوں کے ملن میں ایک رکاوٹ یا رخنہ ڈالتے ہیں یہ رخنہ باز مذہب، دولت، علم یا ایسی ہی کچھ ہو سکتی ہے۔

(۳) د — ل: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو دلوں کے ملنے کی آرزو پھر بھی جاری رکھی تو اسی تیزی سے رخنہ ڈالنے والے آتے رہیں گے اور دو پریمیوں کو طرح طرح کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دو نشانہ کا مطلب پریشانیاں ہے۔

(باقی صفحہ ۴۳ پر)

کیا

آپ اپنی ملکیت کسی چور یا نقب زن کو چرانے کی

اجازت دیں گے؟

ہندوستانی ریلیں آپ کی اپنی ملکیت ہیں۔

ریلوے سازوسامان کو چرا کر بیچنے سے ملنے والی رقم کے مقابلے میں دس گنی رقم اس سازوسامان کی دوبارہ فراہمی میں صرف کرنی پڑتی ہے۔

ناردرن ریلوے سے چوری جانے والے سازوسامان کی قیمت لاکھوں روپے بنتی ہے۔ یہ لاکھوں روپے آپ کی جیب سے ہی ادا ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ریلوں کو چلانے کے لئے اس رقم میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

صرف مسافر ہی سازوسامان کی چوری اور قومی نقصان کو روک سکتے ہیں

ناردرن ریلوے

گوشۂ خلیل

روداد زندگانی

خادم کیتھلی (ملتان، پاکستان)

کہئے تو کیا سناؤں افسانہ زندگی کا
ٹوٹا ہے زندگی سے کاشانہ زندگی کا

فرقت میں موت سے بھی بدتر ہے زندگانی
جینے کو جی رہا ہے دیوانہ زندگی کا

آنسو سے کچھ ادائی وہ چل دیئے بگڑ کر
دہرا تا رہ گیا میں افسانہ زندگی کا

جام و سبوئے ساقی سب ہو چکے ہیں خالی
لبریز ہو چکا ہے پیمانہ زندگی کا

جب سوزشِ جگر سے ہوں گے بلند شعلے
خود جل مرے گا اک دن پروانہ زندگی کا

قاتل جو سوئے مقتل شمشیر لے کے آیا
مشتاق لے کے آئے نذرانہ زندگی کا

خادم نہ پوچھ مجھ سے رودادِ زندگانی
وہ اس زندگی سے بیگانہ زندگی کا

غزلیں

سحر سعیدی

خدا عجیب رویہ ترا لگے ہے مجھے
دعا لگے نہ کوئی بد دعا لگے ہے مجھے

ردائے غم تو ہمیشہ سے اپنا حصہ ہے
لباسِ درد بھی پہنا ہوا لگے ہے مجھے

شرارہ وہ جو میرے دل میں قید تھا اب تک
لبوں پہ آکے وہی برف سا لگے ہے مجھے

میں اپنے عکس بھی اس میں دیکھ لیتا ہوں
کہ اس کا جسم بھی اک آئینہ لگے ہے مجھے

اک آشنا کبھی لگتا ہے اجنبی کی طرح
نہ دیکھی شکل کبھی آشنا لگے ہے مجھے

کہیں یہ شخص بھی تنہا نہ چھوڑ دے مجھ کو
اسی خیال سے اک خوف سا لگے ہے مجھے

لگے ہیں خون کے چھینٹے اسی کے دامن پہ
وہ آدمی جو بہت پارسا لگے ہے مجھے

کوئی تو بات ہے اس میں سحر دکھا نہ سکوں
کھا نہیں ہے مگر وہ خدا لگے ہے مجھے

گزر رہا ہے ہر اک لمحہ تیز سحر
ایسا وجود بھی گزرا ہوا لگے ہے مجھے

دلشاد جونپوری

اس دور میں حیات کی قیمت نہ پوچھئے
زندہ ہیں کیسے صاحبِ غیرت نہ پوچھئے
ہر لمحۂ حیات ہے محشر سے ہمکنار
آئے گی اور کتنی قیامت نہ پوچھئے
دل کا سکون راحتِ جاں سب نثار ہو
نامحِ فراقِ یار کی لذت نہ پوچھئے
وہ مجھ سے بدگماں ہوں کسی طرح کیا ہوں
کس کس نے کی ہے میری شکایت نہ پوچھئے
ساقی کے پائے ناز پہ حسن سجود ہے
ہم میکشوں سے طرزِ عبادت نہ پوچھئے
تہذیب کے لباس میں اب بھی کل ہوس
دلشاد سے دلیلِ شرافت نہ پوچھئے

متین بدایونی

کیا خطا تھی میری ظالم تو نے کیوں توڑا مجھے
شاخ ہی پر کیوں نہ لہراتا ہوا چھوڑا مجھے
کیوں نہ میرے حال پہ ہنس کر نے چھوڑا مجھے
وائے ناداں کر خالی دیکھ کر پھوڑا مجھے
ٹکڑے ہی رہتے مگر اس عیب آتی ہے شرم
بال مٹ سکا نہیں پھر کس نے جوڑا مجھے
کارواں درکار دواں بڑھتا ہی جاتا ایک ست
اے خضر کیوں اپنی جانب آپ نے موڑا مجھے

اور کوئی کار نہ ہوتا تو بہک جاتا متین

اس محبت نے کہیں کا بھی نہ چھوڑا مجھے

غزلیں

ڈی - اے - یسین قرباں ایم اے

تیر جب آپ نشانے پہ لگا دیتے ہیں
زخم دل کے مرے ہنس ہنس کے دعا دیتے ہیں

کیا کہے ان سے کوئی حال دل بسمل کا
کھیل میں وہ ہر ایک بات اڑا دیتے ہیں

دیکھنا وہ بھی فرقت میں زلب تک آئے
جھوٹ سچ لوگ یونہی جاکے لگا دیتے ہیں

اہل الفت کو سمجھتے نہیں دنیا والے
یہ ستمگر انہیں سولی پہ چڑھا دیتے ہیں

آپ دیوانوں کو سمجھیں نہ فقط خاک نشیں
یہ جہاں بیٹھتے ہیں نقش بٹھا دیتے ہیں

رام کر لینا حسینوں کا کوئی کھیل نہیں
اچھے اچھوں کو یہ انگلی پہ نچا دیتے ہیں

ان کے دیدار کی کیا خاک تمنا کیجئے
سامنے آتے ہی وہ ہوش اڑا دیتے ہیں

لذت دشت نوردی کوئی ہم سے پوچھے
آبلے پاؤں کے رس رس کے مزا دیتے ہیں
زندگانی کے سفر کو نہ سمجھئے آساں
لوگ منصوروں کو سولی پہ چڑھا دیتے ہیں

دل کی آواز سمجھتے ہیں فقط دل والے
لیجئے ہم بھی کچھ اشعار سنا دیتے ہیں
سنگ دل آزار ہیں اور انہیں مسلک قرباں
اپنے دشمن کو بھی ہم لوگ دعا دیتے ہیں

شوکت جلالی ایم اے

وقت کا اندوہ زیر گام ہے
کیسے کہدوں غم ترا ناکام ہے
کیف ہے وجدان ہے الہام ہے
شاعری فطرت کا اک انعام ہے
کیسے ناکامی سے سمجھوتہ کروں
زندگی کا ہر نفس پیغام ہے
زرفشاں ہے تیری یادوں کی شفق
کس قدر رنگین غم کی شام ہے
میکشوں کا ظرف دیکھو ہیں خموش
ہاتھ میں ساقی کے خالی جام ہے
بھول جاتا ہوں دل کا غم
خود مجھکو گردش ایام ہے
خودنمائی کا نہیں شوکت میں فن
اس لئے شاعر وہ اک گمنام ہے۔

حافظ معروف شرف دمنور شید آباد

قمر پہ ابر کا ٹکڑا دکھائی دیتا ہے
جہاں میں مجھ کو اندھیرا دکھائی دیتا ہے
شب فراق بسر ہو گئی سحر آئی
اُفق میں ایک ستارا دکھائی دیتا ہے
نگاہ قیس ہے مرکوز روئے لیلیٰ پر
شفق سا عارض لیلیٰ دکھائی دیتا ہے

غزل سرا ہے جو عزت نام کا شاعر

یہ آدمی تو رشتہ سا دکھائی دیتا ہے

مہندر ہوشیارپوری

غم اٹھانا نہیں!
دل جلانا نہیں!!
چھوڑ کر مجھ کو تم!
دور جانا نہیں!!
اشک میرے لئے!
تم بہانا نہیں!!
راستے ہی سے تم!
لوٹ جانا نہیں!!
غم جو دل میں رہے!
لب پہ لانا نہیں!!
عشق کو تم مرے!
آزمانا نہیں!!
نہ ملو بھی اگر!
بھول جانا نہیں!!

دیوار کے پیچھے

شوکت صدیقی

اچانک میری آنکھ کھل گئی کوئی ساڑھے بارہ بجے کا عمل ہوگا کہیں قریب ہی کتے زور زور سے بھونک رہے تھے ان دنوں آس پڑوس میں چوری کی ایک آدھ واردات بھی ہو چکی تھی۔ اس لئے کتوں کے مسلسل بھونکنے سے ذرا تشویش ہوئی۔ میں شہر کے جس علاقے میں رہتا ہوں وہ کسی قدر غیر آباد ہے۔ نہ سڑکوں پر روشنی کا بندوبست ہے اور نہ رات کو پولیس کی باقاعدہ گشت ہوتی ہے۔

آنکھ کھلنے کے بعد میں نے سوچا کہ احتیاطاً اپنے گھر کا بھی جائزہ لے لوں میں نے دروازہ کھولا اور کھنکارتا ہوا باہر آ گیا۔ گلابی جاڑے کی رات تھی۔ ہواؤں میں خوشگوار خنکی تھی۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز گھر کے پچھواڑے سے آ رہی تھی۔ میں اسی طرف چل دیا۔ میرے مکان کے پیچھے ایک خالی پلاٹ ہے۔ اس کے برابر ایک نیم تعمیر مکان ہے جو غیر آباد ہونے کے باعث رات کی تاریکی میں بھوتوں کا مسکن معلوم ہوتا ہے۔ راتوں کو یہاں کتے بسیرا کرتے ہیں یا زیر تعمیر مکانوں پر کام کرنے والے مزدور اور کاریگر اس کو حوائجِ ضروری کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کس منحوس کا مکان ہے کبھی پلٹ کر ادھر کا رخ نہیں کیا کہ میں اس سے احتجاج کر سکوں۔

ہاں تو جب میں عقبی دیوار کے قریب پہنچا تو پیچھے سے ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آواز سنائی دی۔ میں لرز کر رہ گیا دل میں کہا لو بھئی آج ہو گیا چوروں سے مچیٹا۔ قبل اس کے کہ میں لپک کر کسی کو بیدار کر دوں کہ اسی اثنا چوڑیوں کی ہلکی سی جھنجھناہٹ ہوئی ساتھ ہی کسی عورت نے بہت آہستہ سے کہا۔

یہ کتے تو ہمارے پیچھے پڑ گئے - مجھے تو ڈر لگ رہا ہے آؤ اس خالی میں چلیں -

ہاں یہ ٹھیک ہے - آواز مردانہ تھی

معاملے کی نوعیت تو کچھ سمجھ میں آ گئی مگر میں چکر میں پڑ گیا کہ اس وقت آدھی رات کو یہاں کون ہو سکتا ہے مجھے غصہ بھی آیا کہ حرام زادوں کو کہیں اور ٹھکانہ نہ ملا۔ میری ہی کے پیچھے ان کو عشق لڑانا رہ گیا تھا جی چاہا کہ ان لوگوں لعنت ملامت کروں۔ پھر اس خیال سے باز رہا کہ ا نیند حرام ہوگی اور دوسروں کو بھی خواہ مخواہ کا ہنگامہ ہو زیادہ بڑھ گئی تو معاملہ پولیس تک پہنچے گا سوچا مجھے نقصان پہنچا رہے ہیں پسِ دیوار بیٹھے ہیں تیرا کیا لیتے میں خاموشی کے ساتھ واپس آ کر بستر پر سو گیا۔

ابھی ذرا آنکھ لگی تھی کہ بیوی نے جھنجھوڑ کر ج

گھبرا کر پوچھا خیریت تو ہے۔

جواب ملا - باہر سارا محلہ اکٹھا ہے۔ کوئی واردا ہو گئی ہے۔

لوگوں کے زور زور باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ آنکھیں ملتا ہوا اٹھا باہر جا کر دیکھا تو ایک کے سامنے کچھ لوگ جمع تھے۔ قریب گیا تو ایک مرد اور زمین پر سرنگوں گردنیں جھکائے سہمے ہوئے خاموش کھ تھے ان کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ بات کیا ہے۔ عورت بر پہنے ہوئے تھی۔ چہرے پر نقاب پڑی تھی۔ مرد صورت سے ہرگز نامعقول نہیں لگتا تھا۔ سیاہ رنگ کی جیکٹ اور اونی سویٹر پہنے وہ سیدھا سادا ایک عام نوجوا ہوتا تھا۔ لوگ ان دونوں کے گرد نیم دائرے میں کھڑ اس طرح گھور رہے تھے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہوں۔

میری طرح کچھ اور لوگ بھی گھروں سے نکل کر آ جانے والے کی زبان پر ایک ہی سوال ہوتا بھئی ہو معاملہ کیا ہے؟ جواب دینے والا بھی ایک ہی شخص تھ نزاکت علی یونیفارم پہنے۔ گو سن رسیدہ، وہ بڑی شان اکڑا ہوا کھڑا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یادر یا دُس [illegible]

ناکام کرتا ہے۔ ممکن ہے فورمین ہو کچھ بھی ہو پھینکنے کا اس
پر نے درجے کا فیشن مزہ رہ ہے۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر چٹخارہ لے کر
اونچی آواز سے بتا رہا تھا۔

"بھئی ہوا یہ کہ میں ڈیوٹی ختم کر کے آ رہا تھا جب اس خالی مکان کے پاس پہنچا تو کچھ آہٹ محسوس ہوئی۔ وہ سامنے چلتے ہوئے نظر آئے۔ میں ٹھٹک کر ٹھہر گیا۔ اور وہیں سے ڈپٹ کر آواز لگائی کون ہے؟ بس ایک دم یہ دونوں نکل کر بھاگے۔ میں پیچھا نہ کرتا تو صاف صاف نکل گئے تھے۔ بلکہ یہ سالا تو نکل ہی گیا تھا وہ تو راستے میں کوئی گڑھا آ گیا قلابازی کھا کر گرا اور میں نے فوراً دبوچ لیا بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر میں نے گھٹنے سے دبا رکھا تھا۔ نکل کر کیسے جاتا"

یہ تفصیل وہ اس سے پہلے بھی سنا چکا تھا۔ اور ہر بار کندھے اچکا کر سب کو اس طرح دیکھتا جیسے ابھی اکھاڑے سے کشتی مار کر آیا ہے وہ بات ختم کرتا تو ایک دم تبصرہ شروع ہو جاتا۔

"یار واندھیر ہے اندھیر۔ غضب خدا کا کس قدر بے غیرتی ہے"

صورت تو دیکھو۔ اچھا خاصا بھلا آدمی لگتا ہے اور اس کے یہ کرتوت"

"بھگا کر لایا ہے"

"نہیں بھئی یہ تو کوئی آوارہ عورت معلوم ہوتی ہے"

ابے تم کو یہ حرام کاری کرتے شرم نہیں آئی جہنم میں جاؤ گے جہنم میں"

"تف ہے تمہاری اوقات پر"

اس لعنت اور پھٹکار کے دوران پیر قد محمد حسین بھی اونچی آواز میں بار بار کہتے۔ اجی ان کو سنگسار کر دینا چاہیئے اسلام میں زناکاروں کی یہی سزا ہے۔

جب وہ کئی بار یہی بات کہہ چکے تو ایک بار میں نے جل کر کہا قبلہ پہلا پتھر کون مارے گا؟

بولے آپ ہی سے بسم اللہ ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے

میں نے کہا جناب پھانسی کے تختے پر چڑھنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ آپ زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں آپ ہی سے پہل ہو"

معاً ایک دم جوش میں آ گئے "لیجئے میں ہی شروع کرتا ہوں۔ اور انہوں نے واقعی پتھر بھی اٹھا لیا۔

میں نے ٹوکا۔ پتھر اٹھانے سے پہلے یہ بھی سوچ لیجئے کہ انجام کیا ہوگا جیل کی کوٹھڑی اور پھانسی کا تختہ، بیوی لانڈ بیوہ بچے یتیم۔

انھوں نے فوراً پتھر چھوڑ دیا۔ مجھ کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے بولے۔ خدا زبان سنبھال کر بات کیجئے۔ آپ ہی کے ایسے بزدلوں نے تو مسلمانوں کو بدنام کیا ہے جبھی تو ہم اس حالت کو پہنچے ہیں کہ اس طرح کھلے عام حرامکاری ہو رہی ہے۔

شاید وہ کچھ اور بھی کہتے لیکن بیچ میں دوسرے لوگ بول پڑے۔ یہ بھی یہی رہا تھا کوئی بات شروع کرتا۔ دوسرا بیچ میں ٹانگ اڑا دیتا۔ ہر شخص اپنی ہانک رہا تھا۔ جتنے منہ اتنی باتیں اور وہ دونوں خاموش کھڑے تھے۔ خوف سے سہمے ہوئے۔ سکڑے ہوئے، دُبکے ہوئے۔

رات ڈھلنے لگی تھی خنکی بڑھ گئی تھی اور ابھی تک یہ طے نہیں ہو سکا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے کچھ لوگوں کا اصرار تھا ان کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے مگر محلے کی عزت اور تھانے جانے کا سوال تھا اور اس سے ہر شخص کنی کاٹ رہا تھا بعض کی تجویز تھی کہ مرد کا منہ کالا کیا جائے اور جوتے لگائے جائیں عورت کی صرف چوٹی کاٹ دی جائے۔ کچھ اور بھی ایسی ہی دلچسپ سزائیں تجویز کی گئیں۔ بوڑھے بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے نوجوان بزرگوں کے ڈر سے خاموش تھے ایک آدھ بار انھوں نے لقمہ دیا تو ان کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا گیا جن کے باپ موجود تھے انھوں نے لڑکوں کو ڈانٹ کر کے گھر واپس بھیج دیا تھا۔

آخر بڑی بک بک جھک جھک کے بعد یہ طے پایا کہ ان سے پوچھ گچھ کی جائے اور اس تفتیش کی روشنی میں سزا تجویز کی جائے لیکن اس طرح شبنم میں لوگ زیادہ دیر کھڑے رہنے کے حق میں نہیں تھے کسی نے مشورہ دیا کہ کہیں بیٹھ کر اطمینان سے پوچھ گچھ کی جائے بات معقول تھی سب تیار ہو گئے لیکن یہ کوئی بھی گھر واپس جاتا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ہر شخص کو دلچسپی تھی کرید تھی۔ اور ان میں، میں بھی شامل تھا۔

یہ تحریک چونکہ اکبر صاحب کی تھی لہٰذا ان ہی کے مکان میں جو قریب ہی تھا۔ بیرونی برآمدے میں سب لوگ اکٹھے ہو گئے اندر سے کرسیاں آ گئیں۔ بیٹھنا نصیب ہوا تو لوگوں میں کچھ

معقولیت کم پیدا ہوئی۔ عورت کو ذرا دور ایک کونے میں بٹھا دیا گیا اور مرد سے سوالات کئے جانے لگے محلے کے واحد ڈاکٹر ذرا صاحب نے ابتدا کی۔ انھوں نے کسی قدر نرمی سے پوچھا۔

"بھئی تم اس محلے کے تو معلوم نہیں ہوتے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے کہاں رہتے ہو۔ کیا کرتے ہو اور یہ عورت کون ہے بیوی کی تو معلوم نہیں ہوتی"

کسی نے بیچ میں لقمہ دیا "توبہ کیجئے! بیوی کے ساتھ کوئی یہ نامعقول حرکت کرتا ہے۔ یہ صاحب کہ جن کا نام نامی اسم گرامی شریف احمد ہے میرے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر رہتے ہیں۔ انھوں نے ابھی نیا نیا مکان تعمیر کرایا ہے۔ کسی ایسی فرم میں ملازم ہیں جہاں دوسرے الاؤنسوں کے ساتھ مکان کا ایک مقررہ کرایہ بھی ملتا ہے۔ اپنے مکان میں رہنے کے باوجود دفتر سے اس کا کرایہ بھی وصول کرتے ہیں۔ مکان بیوی کے نام ہے۔ اس خوف سے کہ راز نہ کھل جائے بیوی کے لئے شوہر کے خانے میں کسی چنگیز خاں کا نام لکھوا دیا ہے۔ ویسے بڑے پرہیزگار آدمی ہیں۔ میں ہر روز ان کو پابندی کے ساتھ مسجد کی جانب جاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

شریف احمد کا ذکر تو خواہ مخواہ بیچ میں آگیا۔ اب اس آدمی کا حال سنئے۔ اس نے کسی سوال پر جواب نہ دیا۔ اور سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ بہت اصرار کیا گیا تو عاجزی سے بولا "جناب غلطی ہو گئی۔ معاف کر دیجئے۔ آپ سب سے معافی مانگتا ہوں۔ توبہ کرتا ہوں۔

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

مستری جی جنھوں نے دونوں کو پکڑا تھا۔ فوراً بول پڑے۔ معافی تو تم نے مجھ سے اسی وقت مانگی تھی۔ اس طرح کام نہیں چلے گا صاف صاف بتاؤ۔

وہ آدمی پھر خاموش ہو گیا، کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک فیاض خاں نے اٹھ کر اس کے منہ پر ایک زور دار تھپڑ لگایا اور گرج کر بولے "بتاتا ہے کہ سالے کے ایک اور لگاؤں۔"

وہ آبدیدہ ہو کر بولا "آپ مار کیوں رہے ہیں۔ میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔"

فیاض خاں پولیس کے ریٹائرڈ انسپکٹر ہیں۔ سفر انہ پیچے۔ ایک اور ہاتھ رسید کیا۔ وہ بلبلا کر بولا۔ "مارئیے نہیں سب بتاتا ہے"

تو کیا ہوں اور اپنا گال سہلانے لگا۔

فیاض خاں نے ہم سب کو اس طرح داد طلب نظروں کو دیکھو اس طرح پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک سوال دہرایا "اب تو بتاؤ کہ تم کون ہو یہاں کیسے آئے" اکبر

فیاض خاں نے اس کو پھر ڈانٹا۔ "سچ سچ بتانا ورنہ سؤر بنا دوں گا"

وہ آدمی آہستہ سے بولا "میرا نام اسلم ہے۔ دفتر

پوچھا گیا شادی ہو گئی تمہاری۔

اس نے انکار میں گردن ہلا دی۔

اکبر صاحب نے کہا "بھلے آدمی شادی کر کے گھر کیوں نہ لیتا۔ اس خرافات میں کیا رکھا ہے عاقبت بھی خراب اور کبھی منہ کالا"

وہ بولا "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میری ماں اور دوسرے بھی یہی کہتے ہیں مگر بات یہ ہے"

کسی نے بات بیچ میں کاٹ دی "کیوں بکتا ہے تم کو تو ساتھ آوارہ گردی میں مزا آتا ہے۔"

وہ کہنے لگا "نہیں جناب یہ بات نہیں۔"

فیاض خاں نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔ "پھر کیا بات ہے"

وہ بتانے لگا۔ "دیکھئے ڈیڑھ سو تو کل میری تنخواہ۔ میں پچاس روپے ہر مہینے ماں کو بھیجتا ہوں۔ ان کا اور کو نہیں۔ باپ کا میرے انتقال ہو چکا ہے۔ آپ جانتے میں معمولی سے معمولی مکان سو روپے سے کم نہیں ملتا۔ ا کے ساتھ کسی نہ کسی طرح گزر بسر کر رہا ہوں۔

پھر کوئی بیچ میں بول پڑا "اماں۔ صاف جھوٹ! یہ تو کچھ اور ہی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔"

پوچھا گیا "اس عورت کو بہکا کر لائے ہو۔"

اس نے جواب دیا۔ "جی نہیں۔"

کسی نے لقمہ دیا۔ "تو پھر اس کا بھڑوا ہو گا۔" اس لوگوں کی باچھیں کھل گئیں۔

ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا "یہ عورت کون ہے"

وہ بڑے اطمینان سے بولا "معلوم نہیں"

فیاض خاں پھر گرجے تم بے پر جھوٹ بولا۔ لگاؤں دو ایک اور۔ میں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔"

فیاض خان کو تاؤ چڑھ آ گیا۔ جمیل اس کے ہاتھ اٹھائیں تو صاحب فوراً بول پڑے۔ مگر بھئی یہ عورت تمہارے ساتھ یہاں آئی ٹھیک ٹھیک بتاؤ ورنہ اور درگت بنے گی۔

وہ کہنے لگا۔ دیکھئے بات یہ ہے کہ میں دس بجے کے قریب دوست سے ملنے ریلوے اسٹیشن گیا تھا۔ وہ ریلوے میں رہتا ہے۔ وہیں یہ عورت مجھ کو مل گئی۔ اسٹیشن سے ذرا ہٹ کر یہ ہاتھ پر کھڑی کسی آدمی سے بات کر رہی تھی مجھے آتا دیکھ کر وہ آدمی دم آگے بڑھ گیا۔ میں اس کے پاس سے گزرا تو مجھے ایسا محسوس ہوا مجھ کو دیکھ کر وہ مسکرائی تھی۔ میں آگے چلا گیا۔ پھر نہ جانے واپس آ گیا۔

کسی نے آوازہ کسا "استاد یہ نہیں کہتے کہ ذرا ٹھرک لگانے کو جاہا تھا۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "اماں بات تو پوری سننے دو ہوں تو پھر کیا ہوا؟" اب اس کی بات میں لوگوں کو دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی۔

وہ بتانے لگا۔ میں نے قریب جا کر اس سے پوچھا کہاں جاؤ گی؟" بولی جہاں لے چلو" بس پھر ہم دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اس نے مجھ سے چالیس روپے مانگے اور بیس روپے ابھی لے لئے ہم دیر تک سڑکوں پر ادھر ادھر گھومتے رہے۔ جب ایک پولیس والے کو اپنی جانب گھورتے ہوئے دیکھا تو سوچا کہ اس طرح سڑکوں پر گھومنا خطرناک ہے میں نے فوراً رکشا ٹھہرائی اور دونوں اس میں سوار ہو گئے مگر اس کو لے کر جہاں۔ دفتر کے ایک ملنے والے کے ہاں پہنچا تو اس نے ٹال دے کر بھگا دیا۔ جس شخص کے ساتھ رہتا ہوں وہ بال بچوں دار آدمی ہے اس کو ذرا بھی شبہ ہو جائے تو کھڑے کھڑے گھر سے نکال دے۔

سب بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کی باتیں سن رہے تھے کہ ایک اکبر صاحب بول پڑے۔ جب منہ ہی کالا کرنا تھا۔ ہوٹل میں کمرہ کیوں نہ لے لیا ہوتا۔ یہاں ایسے ہوٹل کی کمی نہیں۔

وہ بولا "میرے پاس اتنے روپے نہیں تھے۔"

کسی نے پوچھا "کتنے روپے تھے۔"

"پچاس۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ یہ مال کو بھیجنے کے لئے تو نہیں تھے؟"

اس نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔ "جی ہاں بس"

بیک وقت کئی آوازیں مختلف سمتوں سے ابھریں "

"بے غیرتی کی حد ہو گئی"

"لعنت ہے اس شخص پر"

"اس کو تو واقعی سزا ملنی چاہیئے"

کسی نے اونچی آواز سے اس کو مخاطب کر کے کہا۔ بھئی تم آگے بتاؤ۔

وہ بتانے لگا۔ جب کوئی جگہ سمجھ میں نہیں آئی تو ہم شہر سے نکل کر ادھر آ گئے۔ یہاں آبادی بھی کم ہے۔ اور سڑکوں پر اندھیرا بھی ہے۔ کیا کرتا بیس روپے تو وصول کرنا ہی تھے۔ وہ اب ذرا کھل کر باتیں کرنے لگا تھا۔

کسی نے برجستہ کہا۔ "تو تم نے کیسے وہ روپے وصول کئے؟"

وہ بڑی معصومیت سے بولا رکشا کے کرائے میں جو تین روپے دیئے تھے۔ وہ بھی وصول نہیں ہوئے۔

لیکن محمد حسین اس بات پر تڑپ کر رہ گئے۔ بگڑ کر بولے۔ لاحول ولا قوۃ کیا بے غیرتی کی باتیں ہو رہی ہیں اور اس بے حیا کو تو دیکھئے کس بے شرمی کے ساتھ بات کر رہا ہے۔ کچھ اور لوگوں نے بھی لعنت ملامت شروع کر دی۔

رات بہت زیادہ ہو چکی تھی اور اس شخص کی بات میں بھی اب کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے سفارش کی۔ میرا خیال ہے اب ان کو جانے دیا جائے۔ ان کو خاصی سزا مل گئی۔

شریف احمد کہنے لگے کیا بات کر رہے ہیں ڈاکٹر صاحب۔ ان کو سزا کہاں ملی۔ ان کو ضرور کچھ نہ کچھ سزا ملنا چاہیئے تاکہ آئندہ عبرت ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ بھائی یہ جتنا پٹا ہے یہی بہت ہے بیچارہ کو یہ کم سزا ہے۔ پہلے کان پکڑ لے تو آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔

کسی نے اصرار کیا "نہیں صاحب ان کو پولیس کے حوالے کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر صاحب نے سر پکڑ کر ہتھیار نہیں ڈالے کہنے لگے "پولیس کے حوالے کرنے سے کیا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ کچھ جرمانہ ہو جائے گا اور اخبارات میں خبر چھپ جائے گی کہ ایک نوجوان مرد اور عورت پبلک پلیس پر بوس و کنار کرتے ہوئے پکڑے گئے اور جہاں تک تھانے جانے کا سوال ہے تو جناب میں تو اب گھر جا کر سوؤں گا۔ میں تھانے وانے نہیں جاتا۔"

ذرا دیر کے لئے سناٹا چھا گیا پھر شریف احمد کی آواز ابھری مجھے تو سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ شریف لوگوں کی آبادی ہے یہاں اس حرام کاری کے لئے کیوں آئے۔

میں جو تمام عرصے خاموش بیٹھا رہا تھا شامتِ اعمال بیچ میں بول پڑا۔ جناب میرے گھر کی دیوار کے پیچھے یہ سارا کیا بیہودگی ہوئی اگر میں اب ان سے کیا کہوں نہ جانے رات کی تاریکی میں کس کس دیوار کے پیچھے کیا کچھ ہوتا ہے۔ مجھے تو انھوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا یا نہ میری نیند خراب کی نہ میرے گھر میں نقب لگائی۔

شریف احمد میری باتوں پر چڑ گئے کہنے لگے آپ کو ان سے بڑی ہمدردی معلوم ہوتی ہے۔ ایسی ہی ہمدردی ہے تو اپنے گھر کے اندر بلا لیا ہوتا آپ نے۔ ان کی اس بات پر میں جل کر رہ گیا لیکن انھوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا بڑے طنز کے ساتھ بولے "آئندہ بلا لیجئے گا۔ ویسے یہ دھندا بُرا نہیں، منافع ہی منافع ہے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے زور کا ٹھٹھا مارا۔ میں نے اپنا پیر ذرا ڈھیلا کیا اور قبل اس کے کہ ان کا قہقہہ ختم ہو، جوتا اُتار کے بغیر کسی تمہید کے تڑاتڑ دو ان کی گنجی چندیا پر جا دیئے، تیسرا ہاتھ اٹھایا تھا کہ لوگوں نے ہاتھ پکڑ لیا اور زبردستی جوتا چھین کر پھینک دیا پھر کیا تھا۔ وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کبھی وہ مجھ کو مارنے کے لئے جھپٹتے۔ کبھی میں ان پر لپکتا۔ کئی بار ہم گتھم گتھا ہوتے ہوتے رہ گئے ہر بار لوگوں نے روک لیا۔ اچھی خاصی افراتفری مچ گئی۔

جب ذرا معاملہ ٹھنڈا ہوا تو پتہ چلا کہ اس ہنگامے میں وہ دونوں چپکے سے نکل بھاگے اور ہم گھر میں بیٹھے بٹھائے مشکل میں پھنس گئے۔

شریف احمد نے دوسرے ہی دن بستی کورٹ میں مجسٹریٹ کے روبرو آنے کے ارشاد پر حلف نامہ داخل کیا۔ دو گواہ پیش کئے اور پیش کرنے کے الزام میں میرے خلاف قابلِ ضمانت وارنٹ جاری کرا دیئے۔ اس مقدمے کی پہلی پیشی ہوئی ہے۔ جس ضمانت دے کر آیا ہوں۔ باقاعدہ سماعت بعد میں ہوگی چونکہ یہ معاملہ عدالت کے زیرِ غور ہے۔ لہٰذا یہ بات یہیں ختم کر دیتا ہوں کچھ اور کہوں گا تو توہینِ عدالت کے جرم میں دھر لیا جاؤں گا۔

بقیہ صفحہ ۳۰ سے آگے

(۴) د × ل : دال اور لام کے درمیان ایک دوسرے کا کٹی ہوئی دو لکیروں کا مطلب تشکیک، الجھن، پریشانی ہے یہی سماج والوں کا ثمرہ ہے کہ وہ محبت کرنے والوں کو ایک دوسرے سے برگشتہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

(۵) د × ـــ ل : شک ایک مغالطہ ہوا کرتا ہے جو دھیرے دھیرے بڑھتا ہی جاتا ہے اور انجام کار اس سے الجھن، پریشانی اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔

(۶) د ـــ × ـــ ○ ـــ ل : اور پھر یہ الجھن اور پریشانی ایک وسیع خلیج بن جاتی ہے جسے پار کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسا ہوتی ہے جب انسان کفِ افسوس ملتا ہے کہ اس نے ایک موہوم کی خاطر کیوں اپنی جان کی بازی لگائی۔

(۷) د ـــ × ـــ ل : اس کا آخری نتیجہ ہوتا ہے کہ محبت ختم ہو جاتی ہے اور دو دل اپنی اپنی جگہ سراسیمہ اور متاسف رہیں مجموعی طور پر ان علامات کے ذریعے شاعر نے شاید اس امر کی تبلیغ کرنی چاہی ہے کہ سماج میں جو نا برابری ہے وہ ختم ہو جائے۔ یعنی ایک آزاد سماج کا ارتقا ہو جس میں کسی طرح دل آزاری شرمندگی اور آزردگی نہ ہو یہ نظم اس طرف ایک اشارہ ہے کہ سماج میں انقلاب لانا نہایت ضروری ہے تاکہ یہ ناسور ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکے۔

ہم [illegible] صاحب نے کتابت و طباعت کی بے شمار مشکلات کا [illegible] ایک اپنی یہ کتاب شائع کرائی ہے۔ یہ [illegible] قابلِ ستائش ہے [illegible] نے اس کی اشاعت میں کسی فردِ واحد، اکادمی یا کسی ادارہ کا مالی تعاون حاصل نہیں کیا اور نہ کسی ناشر کی ہی منت کش ہیں۔ اس [illegible] [illegible] کتاب کی قیمت تین روپے ہے جو ضرور [illegible] [illegible]

سال اجراء ۱۹۳۸ء رجسٹرڈ نمبر دہلی ۳۷۰ - رجسٹرڈ نمبر رجسٹرار نیوز پیپر R-N-644/57

فون نمبر :- ۲۷۸۸۸۰

ماہنامہ

شانِ ہند

دہلی

اڈیٹر:- سرور تونسوی

قیمت:- سالانہ بارہ روپے، فی پرچہ ایک روپیہ ۲۵ پیسے

جلد نمبر ۳۸ — ماہ مئی ۱۹۷۷ء — شمارہ نمبر ۵

وہ ——— اولادِ آدم

جب اللہ تعالےٰ نے زمین بنائی تو اُسے قرار نہ تھا۔
اُس پر اللہ تعالےٰ نے پہاڑوں کی میخیں جڑ دیں فرشتوں
نے پوچھا کہ اِن پہاڑوں سے بھی سخت کوئی مخلوق بنائی ہے؟
ارشاد ہوا ہاں، سوال کیا گیا وہ کیا،
ارشاد فرمایا لوہا۔ سوال کیا گیا لوہے سے بھی کوئی قوی چیز ہے
ارشاد فرمایا "آگ" اور اس کے بعد پانی اور پھر ہوا۔
فرشتوں نے پھر پوچھا کہ ہوا سے بھی زیادہ کوئی قوت والی
چیز ہے۔ ارشاد ہوا کہ وہ اولادِ آدم ہے
جو اپنے داہنے ہاتھ سے صدقہ دے اور بائیں ہاتھ کو
پتہ نہ چلے۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کو

ادارۂ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار سو صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت:- دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین:- **سرور تونسوی، عزیز اندوری**

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی ملک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائیگا اسلئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت کا

اُجرت اشتہار:- عام پورا صفحہ ڈھائی سو روپیہ، نصف صفحہ ۱۵۰ روپے، سرورق کا اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچسو روپے، سرورق تیسرا صفحہ پانچسو روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگہ ایک ہزار روپے۔ مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ نمبر ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲

افکار و واقعات

وزیر اعظم کے نام کھلا خط

(۱) اگر کسی کو سابق وزیر اعظم صاحبہ اور اُن کے فرزند ارجمند کی مخالفت کرنا مقصود ہی ہو تو اور کئی سچی مخالفت کی راہیں کھلی ہیں۔ مگر یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ محترمہ اندرا گاندھی کے بیس نکاتی اور شری سنجے گاندھی کے پانچ نکاتی پروگرام سب کے سب مُلک اور عوام کے لئے نقصان دہ تھے۔ بلا خوفِ تردید یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ ان پروگراموں میں کئی باتیں نہایت ہی مُفید تھیں اور اُن پر عمل درآمد کرنے سے واقعی غریبوں کو راحت مل سکتی تھی مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جنتا پارٹی کے لیڈر اور خود حکومت کے بعض کارندوں کو ان پروگراموں میں بُرائی ہی بُرائی نظر آتی ہے۔ جنتا پارٹی میں صرف آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے جس نے یہ اعتراف فرمایا ہے کہ اِن پروگراموں میں جو اچھے پروگرام ہیں آپ کی حکومت اُن مفید پروگراموں کو جاری رکھے گی۔

واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ سرکاری کرم چاریوں افسروں۔ وزیروں اور اُن کے چمچوں نے اِن ۲۵ نکاتی پروگراموں کو (جن میں سے اکثر پروگرام واقعی عوام کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں تھے) تارپیڈو کر کے غریب عوام کو اُن سے فائدہ اٹھانے نہ دیا مگر کوئی مائی کا لعل دلیل کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اِن پروگراموں سے ملک یا عوام کو فائدہ نہ پہنچتا۔

اس لئے آپ اپنی سرکار جو واقعی عوامی سرکار ہے (کے لئے) یہ ضروری قرار دیجئے کہ اِن پروگراموں میں جو سکیمیں واقعی غریب عوام کے لئے مفید ہیں وہ جاری رکھی جائیں۔

(۲) ایمرجنسی کا نفاذ رحمت کا ذریعہ ہونے کی بجائے زحمت کا ذریعہ بن گیا اور ایمرجنسی کے زمانے میں ہوئے مظالم جو زبان بندی سے نسبندی تک کا طویل فاصلہ طے کرنے کے دوران ظہور پذیر ہوئے۔ اُن کی افسوسناک تفصیل بہت جلد عوام کے سامنے آ رہی ہے مگر اِس حقیقت سے رُوگردانی نہیں کی جا سکتی کہ اِس سیاہ دَور میں عوام کو اس وجہ سے کچھ راحت محسوس ہوتی تھی کہ ضروریات کی اشیا با فراط مل رہی تھیں۔ چوری۔ رہزنی۔ ڈاکہ زنی۔ چاقو زنی۔ جیب تراشی۔ دھوکا بازی۔ ہڑتال۔ وغیرہ میں اِس قدر کمی ہو گئی تھی کہ شریف لوگ سڑک پر چل پھر سکتے تھے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے دھندے کرنے والے اکثر و بیشتر سرکاری مہمان تھے اور ایسا بھی تھا کہ اخبارات میں اِس قسم کی خبریں چھپ ہی نہیں سکتی تھیں۔ لیکن آپ مانیں یا نہ مانیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اب شریف لوگ سڑک پر چلتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں۔ اور ضروریاتِ زندگی کے حصول میں گرانی اور کمیابی کے عناصر دن دن بڑھتے جاتے ہیں۔ آپ کی اخلاقی اپیلوں کا بیوپاری طبقے پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ جہاں روپیہ ہی کو سب کچھ سمجھا گیا وہاں آپ ایسے گاندھی بھگت کی اپیل کون سُنے گا۔ لہٰذا جیسے بھی ہو گرانی۔ کم یابی اور غنڈہ گردی کا ستیاناس کیجئے! — بے شک ایمرجنسی ہی ان بیماریوں کا علاج نہیں ہے۔ قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہیں لہٰذا اپنے وزیر داخلہ جناب چرن سنگھ سے کہئے کہ وہ اپنی روایات کو بروئے کار لائیں اور عوام سُکھ کا سانس لے سکیں کوئی ایسی تدبیر کریں پہلے ہی کوئی سخت قدم اٹھانا پڑے۔

(۳) یہ تو آپ بھی مانتے ہیں کہ پچھلی تیس سالہ کانگریس حکومت کے خاتمے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ عوام اور حکومت میں اتنا فاصلہ کر دیا گیا تھا کہ حکومت کو پتہ ہی نہیں تھا یا وہ اسکی ضرورت ہی نہیں سمجھتی تھی کہ اُسے یہ علم ہو کہ عوام پر کیا گزر رہی ہے۔ اکثر کانگریسی وزیر ایک ایسی فقیر جیسی

بن کر رہ گئے تھے کہ جو اپنے آپ کو صحیح عوام کے سامنے پیش کرنے میں اپنی وزارت کے خاتمہ کا خدشہ محسوس کرتے تھے۔ ہاں اُن کے پیچھے۔ بعض کے رشوت دلال۔ بعض وزیروں کو کالے بال گورے گال سپلائی کرنے والے۔ اور بعض کو سکاچ وہسکی پلانے والے کھلے بندوں چوبیس گھنٹے اُن کی کوٹھی کا ہو یا دفتروں میں دندناتے نظر آتے تھے۔ وزراء کو عوام سے دور رکھنے والوں میں ان کے سکریٹریوں خصوصاً وہ سکریٹری جو وزراء کو سیاسی مشیر کے طور پر تعینات تھے نے بہت بڑا پارٹ ادا کیا یہ کسی طور بھی اُس آدمی کو وزیر سے ملنے نہیں دیتے تھے جو پہلے اُن کے سامنے زانوئے غلامی تہہ نہ کر لے۔ مثال کے طور پر دو واقعات حضور کے گوش گزار کئے جاسکتے ہیں۔

موجودہ وسابقہ وزیر دفاع بابو جگجیون رام کے نام پر کوئی صاحب خوب مفاد اٹھا رہے تھے ہو سکتا ہے کہ بابو جی کو اس کا علم بھی نہ ہو۔ بابو جی سے مل کر بالمشافہ طور پر انہیں اس واقعہ سے باخبر کرنے کے لئے ہر ممکن تدابیر اختیار کی گئیں مگر کیا مجال کہ ان کے سکریٹریوں نے بابو جی سے ملنے دیا ہو۔

بمبئی کی ایک فرم نے اسقاطِ حمل کی ایک بہت ہی بے ضرر دوائی بنائی۔ چونکہ نسخہ تیس سال سے استعمال ہو رہا ہے لہٰذا اس وقت تک اس دوائی کے ذریعے کم از کم کئی لاکھ حمل اسقاط ہو چکے ہیں .... یہ دوائی خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلے میں انتہائی مفید تھی مگر سرکاری طور پر محکمہ صحت اور فیملی پلاننگ کے افسران اور طبی اختیارات رکھنے والے حضرات نے محض ذاتی وقار اور بعض نے مالی مفاد حاصل نہ ہونے کے باعث اس دوائی کے بارے میں غلط فہمی پھیلادی۔ ہر ممکن کوشش کی گئی کہ اس وقت کے وزیر صحت و فیملی پلاننگ ڈاکٹر کرن سنگھ صاحب تک پہنچا جائے اور انہیں صورتِ حال سے واقف کیا جائے مگر صاحب وہ سکریٹری ہی کیا ہوئے جو بغیر اپنا جلوہ دکھائے کسی وزیر سے ملنے دیں۔ اس دوائی کے بنانے والے اور راقم الحروف نے تمام وسیلے اختیار کر لئے مگر ڈاکٹر کرن سنگھ تک رسائی نہ ہونے دی گئی۔ مسٹر اسحاق ڈپٹی منسٹر نے اس دوائی کے بارے لٹریچر پڑھا اور انہیں اس دوائی کے استعمال کا طریقہ بتایا گیا تو وہ عش عش کر اٹھے مگر وہ طبی طور پر کوئی اختیار نہ جانتے تھے لہٰذا انہوں نے پھر افسران کے پیچھے ڈال دیا اور افسر کسی دوسرے کی محنت کو مفید کہہ دیں تو پھر انہیں افسر کون

حضور اگر گراں نہ گزرے تو یہ گزارش کرنے کی جسارت کی جائے کہ آپ کی سرکار کے وزراء بھی اپنے سکریٹریوں کے رحم و کرم پر ہیں۔ اور اکثر فریادی ان تک پہنچ نہیں پاتے اس لئے کیا ہی اچھا ہو کہ آپ خود اور آپ کے وزراء ایک گھنٹہ عوام کی شکایات یا مفید تدابیر سننے پر صرف کریں آپ کے پیشرو پنڈت جواہر لال نہرو، لال بہادر شاستری جی اور شریمتی اندرا گاندھی بھی ہر روز صبح اپنی کوٹھی کے لان میں عوام سے ملتے تھے یہ طریقہ اگر سارے وزیروں کے لئے لازم قرار دیا جائے تو عوام اور حکومت کا رشتہ اور بھی مضبوط

(۴) وہ لوگ جو شریمتی اندرا گاندھی کے دورِ حکومت میں اپنی بر آری کے لئے نت نئے طریقے ڈھونڈتے رہتے تھے اور جن کو سائیکل کی سواری نصیب نہ تھی ان کے پاس کاریں آگئیں جو ریلوے کے تھرڈ کلاس میں سفر کرتے تھے آج ان کا ایک پاؤں نئی دہلی میں ہے تو دوسرا لندن میں وہی لوگ اب سرکار کے وزیروں کے گرد منڈلا رہے ہیں۔ جس میں ان کا کوئی قصور نہیں کیونکہ ان کا تو پیشہ ہی یہی ہے کہ چڑھتے سورج کی پوجا کریں اور غروب ہونے والے سورج پر کیچڑ اچھالیں مگر افسوس تو آپ کی سرکار کے ان وزیروں پر ہے جو پوجا کرنے والوں اور بعد میں کیچڑ اچھالنے والوں کو اپنے کا بال بنائے ہوئے ہیں۔ اور جب یہ لوگ آپ کے وزیروں کو کسی تقریب میں بلاتے ہیں تو یہ وزیر صاحبان اپنی تقریر میں ہر دوسرے تیسرے فقرے کے بعد اُن لوگوں کی تعریف کرتے ہیں جن سے بھولے بھالے عوام ان وزیروں تک کے لئے ان ہی حضرات کو سیڑھی سمجھنے لگتے ہیں اور یہیں سے معاملہ خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اس کی مثالیں چاہیں تو بتائی جا سکتی ہیں۔ مگر کھلے خط میں لکھنا تو ان لوگوں۔

ساتھ ساتھ آپ کے بعض وزیروں کو بھی دشمن بنانے کے مترادف ہے اگر آپ اپنے وزیروں سے یہ کہہ سکیں کہ جب انہیں کسی تقریب میں بلایا جائے تو وہ کم از کم ان بلانے والوں سے پیشگی معلومات تو حاصل کر لیا کریں۔ اور اگر تقریر۔ صدارت یا ادگھاٹن کا ہو کا ہی ہو تو یہ شوق کسی دوسرے اچھے انداز سے بھی پورے ہو سکتے ہیں۔

مہاتما گاندھی کے بعد شراب بندی کے سلسلے میں آپ کی ذاتِ گرامی ہی ہے جو اس مسئلہ پر ایک پختہ رائے رکھتی ہے کہ شراب کا بند کیا جانا ہمارے ملک والوں کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ آپ جب مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ تھے تو آپ کی یہ پالیسی اپنی جگہ خوب نکتہ چینی کا موضوع بنی رہی راقم الحروف یہ بھی جانتا ہے کہ آپ کا کردار محتاجِ تعارف نہیں سب ہی جانتے ہیں کہ برطانوی راج کی انڈین سول سروس میں آپ ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر مامور تھے اور آپ اس اونچی ملازمت کو ٹھکرا کر جدوجہد آزادی میں کود پڑے تھے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ کے کردار کی بنیادی خصوصیت رہی ہے کہ آپ جو بھی کام کرتے ہیں کرنے کا عزم رکھتے ہیں وہ ادھورا نہیں ہوتا اور اس میں دل کا دخل نہیں ہوتا۔ مگر حضور شراب بندی کے معاملہ آپ کو اپنے گاندھیائی کردار میں کچھ نرمی اور لچک لانی ہوگی۔ امریکہ میں بیس سال تک مکمل شراب بندی رہی اور اس شراب بندی کے زمانے میں امریکہ میں جرائم کی جو بڑھوتی اسکی مثال امریکہ کی ساری تاریخ میں نہیں ملتی۔ "مافیا" ایسی متوازی حکومت کی تحریک نے جنم لیا اور جس میں آج تک "مافیا" ایسی خطرناک اور جرائم پیشہ جماعت تک دیکھنے یا سننے میں نہیں آتی ہے۔ ہندوستانی عوام کے لیے بھی شراب بندی کی پالیسی خطرناک حد تک ہے اگر آپ کی حکومت نے شراب بندی کی پالیسی کو بالا بجٹ میں شراب پر ایکسائز ڈیوٹی کو اس قدر بڑھا دیا ہے کہ یہ کھاتے پیتے لوگ بھی نہ خرید سکیں تو اس کے نتائج ایسے دن بھی ہوں گے کہ آج احمد آباد میں ۱۱۲ آدمی زہریلی شراب سے مر گئے۔ کل دہلی میں سیکڑوں آدمی ناجائز شراب کے باعث اندھے ہو گئے۔ اندور میں دو سو کے قریب مرد۔ عورتیں اور بچے زہریلی شراب کی نذر ہو گئے۔ اب تو آپ کیا اگر اللہ میاں (نعوذ باللہ) بھی ہندوستان میں قانوناً شراب بندی کرنا چاہیں تو اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یہ سو فیصدی خالص اخلاقی مسئلہ ہے۔ شراب نوش کو اگر ہمدردی سے سمجھایا جائے تو ہو سکتا ہے سو میں سے دس بیس شراب نوشی سے توبہ کر لیں۔ قانونی پابندیوں سے آپ کسی فردِ واحد کو بھی شراب نوشی سے باز نہیں رکھ سکتے۔ ہمارے اس مسئلے میں موثر اور ہمدردانہ انداز ہی عوام کو شراب نوشی سے دور رکھنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک سو فیصدی سچا واقعہ بھی سن لیجئے۔ کہ ٹمپرنس سوسائٹی امرتسر کے ایک کارکن دہلی میں شراب بندی کے سلسلے میں تقریر کرنے کے لیے آئے۔ جب یہ صاحب جلسہ میں شراب کے خلاف دھواں دھار تقریر کر کے سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست کے ہاں پہنچے جہاں کہ ان صاحب کا قیام تھا تو فرمانے لگے سردار صاحب اتنی تھکاوٹ ہو گئی ہے کہ بس کچھ نہ پوچھئے! سردار صاحب نے فرمایا کہ ابھی وہسکی پیش کرتا ہوں دو پیگ پی لیجئے تو ساری تھکاوٹ دور ہو جائے گی اس پر یہ صاحب فرمانے لگے ویسے تو وہسکی کی بوتل میرے سوٹ کیس میں بھی رکھی ہے چلئے آپ ہی دے دیجئے۔ تو حضور جو حضرات شراب نوشی کے خلاف جلسوں میں تقاریر کرتے ہیں وہ خود اس کے رسیا ہیں تو آپ شراب بندی کے بارے میں کیا توقع کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس خالص اخلاقی معاملہ کو قانون کے حوالے نہ کیجئے ورنہ سرکاری خزانے پر تو بوجھ پڑے گا ہی عوام کی جانیں بھی جائیں گی۔

۶۔ ورنیکلر زبانوں کے اخبارات ایک مدت سے یہ کوشش کر رہے تھے کہ سرکاری اشتہارات کی اجرت انہیں انگریزی اخبارات کے برابر مل سکے۔ ہمارے ملک کی یہ بدقسمتی رہی ہے کہ آزادی کے بعد حکومت انگریزی زبان کی دلدادہ رہی ہے خصوصاً لسانی طور پر ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں کی

ترقی کی باتیں کی جاتی ہیں اگر ہماری حکومت کی شہ رگ انگریزی زبان ہی رہی اور یہ ایک سرمایہ پرستی کی نشانی بھی ہے مگر آپ کی حکومت (جس کے بارے میں عوام کا یہ یقین ہے کہ اس کا جھکاؤ سرمایہ پرستی کی طرف ہے) نے تو نظامِ حکومت سنبھالتے ہی چھوٹے اخبارات کا کریا کرم کرنے کی ٹھان لی۔ بیشک آپکی حکومت نے بڑے اخبارات میں کام کرنے والے کرمچاریوں کے لئے انٹرم ریلیف دینے کا اعلان کرکے بڑے اخبارات کے مالکان کے بھی گلے خشک کر دیئے مگر چھوٹے اخبارات تو آپ کے عہدِ حکومت کے دو مہینوں میں ہی بند ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ چھوٹے اخبارات نے کئی سال تک جدوجہد کی اور بدقسمتی سے یہ جدوجہد کسی حد تک کامیابی کا منہ دیکھنے کے قابل اس وقت ہو سکی جبکہ اچانک حضرتِ چناؤ کا ورود مسعود ہونے والا تھا اور کانگریس حکومت نے چھوٹے اخبارات کو راحت دینے اور انہیں زندہ رکھنے کے لئے ان کے نرخ اشتہارات کسی حد تک انگریزی اخبارات کے مقابلہ میں لا کھڑے کئے تھے اور یہ سکیم تھی کہ قومیائے ہوئے بینکوں کے اشتہارات بھی محکمہ ڈی۔ اے۔ وی۔ پی کی معرفت اخبارات کو دیئے جائیں تاکہ یہ اخبارات زندہ رہ سکیں۔

مگر ابھی چھوٹے اخبارات اس راحت کا لطف بھی لینے نہ پائے تھے کہ آپ کی حکومت نے ان احکام کو بھی منسوخ قرار دیدیا اور یہ سمجھ لیا گیا کہ کانگریس حکومت جاتے جاتے یہ راحت ناجائز طور پر اخبارات کو مہیا کر گئی ہے ڈیسائی صاحب، کانگریس حکومت کو اگر اپنے جانے کا ایک فیصد بھی یقین ہوتا تو وہ الیکشن کراتی ہی کیوں اس لئے کانگریس حکومت نے جو اچھے کام بھی کئے ہم انہیں بھی آپ کی حکومت بُرا سمجھ رہی ہے اور آپ کی حکومت نے دو ماہ کے عرصہ میں ہی چھوٹے اخبارات کا عرصۂ حیات مختصر کر دیا ہے چنانچہ کئی اخبارات دم توڑ چکے ہیں اور کئی سوچ رہے ہیں کہ وہ بھی خودکشی کر لیں۔

محکمہ ڈی۔ اے۔ وی۔ پی کے ناخداؤں کی نکیل نہ معلوم کن کن لوگوں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ اور یہ محکمہ اشتہارات کی تقسیم کے سلسلے میں بیشتر سفارشوں۔ اُوپر کے احکام۔ بھتیجہ واد۔ دوست نوازی وغیرہ کا بُری طرح سے شکار ہے۔ اگر شکلا جی کے زمانہ میں ہفتہ وار دلی کے ریلی گزٹ ایسے اخبار کا دو ہفتے کے مشترکہ پرچے کا حجم آٹھ صفحات ہوتا ہے اس میں سات صفحات کے اشتہارات ڈی۔ اے۔ وی۔ پی کے ہوتے تھے تو آج ایڈوانی صاحب کے عہد میں بھی ایک ہی میں ڈی۔ اے۔ وی۔ پی کے چھوٹے موٹے مسئولہ اشتہار ہی اشاعت میں نظر آتے ہیں اور کچھ ہفتہ واروں میں ڈی۔ اے۔ وی۔ پی کے اشتہار اصل حقداروں کا منہ چڑاتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ جنتا پارٹی اور کانگریس حکومت میں فرق ڈھونڈنے والو چشمِ بصیرت سے دیکھ لو نا! رہے کہ "ہر کہ در کانِ نمک رفت، نمک شد" ہزار ہا اخبارات کو دو تین ماہ سے ڈی۔ اے۔ وی۔ پی کا کوئی نہیں ملا۔ نقوی صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر تعینات تھے تو اُردو اخبارات کو کچھ اُمید بندھی تھی کہ اب حق سے اُردو اخبارات کو اشتہار ملیں گے۔ مگر نقوی صاحب "آئے بھی وہ گئے بھی وہ" کا شکار ہو گئے "مُسر دار ہر نام سنگھ" سابقہ روایات کو بڑی مشکل سے زندہ رکھ رہے ہیں۔ چونکہ فوجی افسر رہے ہیں اس لئے ان میں جہاں فوجی سے وہاں فوجی حق و انصاف بھی ان کا نصب العین، مگر اب وہ بھی اشتہارات کے سلسلے میں اخبارات کے ایڈیٹروں کے ساتھ کسی حد تک تلخ لہجہ میں فرماتے ہیں کہ کوئی اشتہار اور ان کا یہ تلخ لہجہ اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ "ٹک ٹک دم نہ کشیدم"

ڈیسائی صاحب آپ تو گاندھی جی کے سچے پیروکار ہیں آپ جانتے ہیں کہ گاندھی جی نے ہندوستان کی ترقی کا راز دیہات میں ہی پایا تھا۔ اور ان ہی دیہات میں ہندوستان ٹائمز، انڈین ایکسپریس۔ سنڈے سٹینڈرڈ، سٹیٹسمین ایسے انگریزی روزنامے نہیں جاتے وہاں آپ کے اور ایڈوانی صاحب کے ٹھکرائے ہوئے ہی چھوٹے چھوٹے ورنیکلر اور علاقائی زبانوں کے اخبار ہی جاتے ہیں۔ آپ کی سرکار بیشک سرمایہ

اخباروں کی طرف داری کرنے اور ہر روز ان بڑے بڑے اخبارات میں اپنی تصاویر نمایاں طور پر چھپی ہوئی دیکھ کر خوش ہونے نہیں یاد رکھیئے کہ ہندوستان میں کوئی بھی حکومت ہو وہ دیہات کو نظر انداز نہیں کر سکتی اور اگر کوئی حکومت اپنی بات دیہاتیوں تک پہنچانا چاہتی ہے تو اسے چھوٹے اخبارات کو زندہ رکھنا ہی ہوگا۔ لہٰذا ایڈوانی صاحب سے کہیے کہ وہ ان چھوٹے اخبارات کو مرنے نہ دیں۔ اُن سے کہیے کہ وہ محکمہ ڈی اے۔ وی۔ پی سے کہیں کہ چھوٹے اخبارات کو کانگریس حکومت کی سکیم کے تحت زیادہ سے زیادہ سرکاری اشتہار دے اور ان اشتہارات کی اُجرت میں کنجوسی نہ کرے تاکہ یہ اخبارات آسانی سے زندہ رہ سکیں اور حکومت کی مفید سکیموں کو دیہاتیوں تک پہنچائیں۔

ڈیسائی صاحب ایڈیٹر شانِ ہند یہ جانتے ہوئے بھی آپ سے عرض حال پر مجبور ہوا ہے کہ محکمہ ڈی۔ اے۔ وی۔ پی اور ایڈوانی صاحب مندرجہ بالا سطور کو پڑھ کر برہم ہونگے اور یہ لوگ شانِ ہند کو اپنے عتاب کا نشانہ بھی بنائیں گے۔ مگر حقیقت بیانی شانِ ہند کا ہمیشہ شیوہ رہا ہے خواہ وہ ذاتی نقصان کا باعث ہی کیوں نہ بنے۔ اور پھر آپ نے تو بھرے جلسوں میں کہا ہے کہ آپ کی حکومت اگر کہیں حماقت کرے تو اسکے کان کھینچنے کا عوام کو حق حاصل ہے۔

۷۔ محترم ڈیسائی صاحب غالباً نو سال قبل آپ نے "شبستان" کے ملاقاتی کو انٹرویو دیتے وقت فرمایا تھا کہ اُردو کو بدقسمتی سے مسلمانوں کی زبان سمجھ لیا گیا ہے۔ آپ کا یہ فرمان روزِ روشن کی طرح صحیح تھا۔ کانگریس حکومت نے اُردو کو ہندو مسلمانوں میں منافرت پھیلانے کا ایک ذریعہ بنایا اور مسلمان دانشوروں کو جائیز اور ناجائیز بہانے بنا کر کثیر رقوم شریفانہ انداز میں "رشوت" کے طور پر دی گئیں۔ تاکہ وہ اُردو کو مسلمانوں ہی کی زبان سمجھیں چنانچہ یہ بالکل منہ بولتی سچائی ہے کہ جہاں کہیں مالی مفاد ہوتا مسلمان اُردو کو اپنی ہی زبان کہتے اور جہاں اُردو کے لئے کوئی جھگڑا کھڑا ہوا وہاں یہ چلاتے کہ اُردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے۔ اس ضمن میں اُردو اکاڈمیاں ہندو مسلم

منافرت پھیلانے کی سرکاری فیکٹریاں ہیں۔ ان اکاڈمیوں میں دکھاوے کے طور پر دو چار غیر مسلموں کو ممبر وغیرہ نامزد کر لیا جاتا ہے اور ہر سال دو چار غیر مسلموں کو ان کی اُردو تصنیفات پر انعامات بھی دے دیئے جاتے ہیں۔ مگر اصل مقصد اکاڈمیوں کا یہی ہوتا ہے کہ اُردو سے غیر مسلموں کو دور رکھیں یعنی حکومت نے مسلمان کے ہاتھوں سے ہی اُردو کی گردن پر چھری چلوائی۔ حضور ان اُردو اکاڈمیوں کے ذریعے جو روپیہ محض اسلئے ضائع کیا جاتا ہے کہ کچھ شعراء کی شیروانیاں سل گئیں یا کچھ کی شراب نوشی کا انتظام ہو گیا۔ وگرنہ اس روپیہ سے درجنوں پرائمری اسکول کھولے جا سکتے ہیں جن میں بچے اُردو پڑھ سکتے ہیں تاکہ اُردو صحیح طور پر زندہ رہ سکے۔ حکومت اُردو کے درخت کی جڑیں کاٹتی رہی اور اس کے پتوں پر پانی چھڑکتی رہی۔ اور مسلمان دانشور اپنے ذاتی مالی مفاد کی خاطر اُردو کی بیخ کنی خوشی خوشی دیکھتا رہا۔

آپ جانتے ہیں کہ پارلیمنٹ کے انتخابات میں مسلمانوں نے مجموعی حیثیت سے جس ایمانداری سے جنتا پارٹی کو ووٹ دیا ہے اتنی ایمانداری سے مسلمانوں نے کسی بھی گزشتہ الیکشن میں نہ حصہ لیا اور نہ ہی کسی پارٹی کو ووٹ دیا ہے۔ بلکہ مسلمانوں نے ہمیشہ کانگریس کو اپنا ستون سمجھا اور آنکھیں موندھ کر اسے ہی ووٹ دیتی رہی۔ اب کے الیکشن میں مسلمانوں نے محض نس بندی سے بدک کر کانگریس پر لعنت بھیجی تھی اور آپ کی پارٹی کے مینی فیسٹو کو پڑھ کر انہیں اُردو کے سلسلے میں اطمینان ہوا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اُردو کے سلسلے میں آپ کی حکومت ابھی تک اپنی پیش رو حکومت کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے۔ وزیر تعلیم سے کہئے کہ وہ اُردو کے سلسلے میں کوئی ٹھوس قدم اُٹھائیں۔ ان اُردو اکاڈمیوں پر مجرمانہ مت کریں ان اُردو دشمن سرکاری فیکٹریوں کو جس قدر جلد ہو سکے ختم کر دیا جائے۔ اور سکولوں کالجوں میں اُردو کی تعلیم کا مناسب انتظام کیا جائے۔ اُردو امتحانات کا سلسلہ پھر سے یونیورسٹیوں میں شروع کیا جائے۔ اُردو اخبارات و رسائل سرکاری طور پر خریدے

کر لائبریریوں کو بھجوائے جائیں۔ کیا غضب ہے کہ ان اُردو اکاڈمیوں اور انجمن ترقی اُردو ہند ایسے اداروں میں جس پر حکومت ملک کا زرِ کثیر صَرف کر رہی ہے ان اداروں میں کسی غیر مسلم کا گزر تک نہیں ہو سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اعزازی طور پر صدر وغیرہ تو غیر مسلم ہیں مگر تنخواہ دار کسی غیر مسلم چپڑاسی کا وجود بھی برداشت نہیں کیا جاتا یہ سب باتیں ہمارے قومی اتحاد کی جڑیں کھوکھلی کرنے والی ہیں۔ ہر سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں مسلمانوں کو بھی ویسے ہی ملازمتیں دی جائیں جیسے کہ غیر مسلموں کو ملتی ہے اور ہر ایسے اداروں میں جہاں صرف مسلمانوں کا ہی گزر ہی ممکن بنایا گیا ہے وہاں غیر مسلموں پر بھی دروازے کھولے جائیں اس میں مسلمانوں کا یقیناً فائدہ ہے۔ سابقہ لوک سبھا کے الیکشن سے ملک میں جو ہندو مسلم ایکتا کی ہر ابھری ہے اُسے قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کے لئے روزگار کی راہیں ہر ادارے میں کھلی ہوں۔ ہم اس کے سخت خلاف ہیں کہ شیڈول کاسٹ جماعتوں کے انداز میں مسلمانوں کے لئے بھی ملازمتوں کا تناسب مقرر کیا جائے بلکہ اس با وقار اور اہم اقلیت کے شایانِ شان طور پر ہر سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں برابر کا سلوک روا رکھا جائے اور یہ کام سرکاری سطح پر ہی ہو سکتا ہے۔ (باقی)

حسد یا کمینگی

ماہنامہ "شمع" نئی دہلی اندران کے مالک و مدیرِ اعلیٰ جناب حافظ محمد یوسف صاحب، دہلوی قریب قریب دُنیا کے ہر خطہ میں جانے پہچانے نام ہیں جناب یوسف دہلوی خود فرماتے ہیں کہ جس طرح اُنہوں نے دن رات محنت کر کے ایمانداری اور دیانتداری کی راہوں پر گامزن رہ کر ترقی کی منزلیں طے کی ہیں اسی طرح ہر شخص اگر محنت کرے اور ایمانداری نیز دیانت داری کو اپنا مسلک بنائے رکھے تو وہ یقیناً اسی طرح ترقی کر سکتا ہے جس طرح انھیں اللہ تعالیٰ نے کامیاب کیا ہے"۔

جناب یوسف دہلوی کا یہ فرمان یقیناً صحیح ہے۔ اور اگر کوئی حاسد حسد کی تمام بدترین روایات کو یاد کرنے کے بعد کسی کامیاب شخص کی موت کی دعائیں مانگنے لگے حتے کہ اپنے ماہنامہ "روبی" میں جناب یوسف دہلوی کا انتقال کے عنوان سے بھائی یوسف برادرِ خورد جناب منشی عبدالقدیر صاحب جو کہ بہت اچھے خوش نویس تھے کے انتقال کی تفصیل بیان کرے تو یہ حسد کمینگی کی حدوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

بھائی یوسف ۱۹۴۸ء میں کراچی تشریف لے گئے تھے اُنہوں نے نشانِ ہند کے سرورق کے لئے دو ڈیزائن بھی بنائے تھے۔ جو سالہا سال تک چھپتے رہے۔ انڈیا گیٹ پر اردو میں جو کچھ بھی لکھا ہوا ہے وہ انہی بھائی یوسف کے چابکدست قلم کا مظہر ہے۔ جناب رحمٰن نیر صاحب نے بچپن میں ان کی شکل بھی شاید نہ دیکھی ہو مگر محض شرارت کے طور پر اور اپنے حاسد دل کی تسلی کے لئے "جناب یوسف دہلوی کا انتقال" عنوان جما کر حافظ محمد یوسف صاحب آف شمع کے کروڑوں بہی خواہوں کو لمحہ کے لئے ذہنی تکلیف پہنچائی۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ "روبی" میں پاکستان کے کسی صدر یا معزز ہستی کے انتقال کی خبر تو آج تک شائع نہیں ہوئی مگر ایک خوش نویس کے انتقال کی خبر کو محض اس لئے شائع کیا گیا کہ اس خوش نویس کا نام بھی اتفاق سے یوسف تھا جناب رحمٰن نیر ایک عالم دین کے فرزند ارجمند ہیں اُنہوں نے شاید خود اسلامی لٹریچر نہ پڑھا ہو مگر اپنے والدِ مرحوم کی زبانی تو اس حقیقت کا اظہار ان کے کانوں تک پہنچا ہی ہو گا کہ موت اور زندگی صرف اور صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

حاسد اور مفسدہ پرداز خدا اور اس کے پیغامبروں کے نزدیک ہمیشہ عذاب کے مستحق رہے ہیں۔ رحمٰن نیر صاحب اگر حسد کے تحت ایسی ناز یبا حرکات سے دُور رہیں تو انہیں یقیناً کامیابی کے دروازے کھلتے ہوئے نظر آئیں گے۔

مشاعرۂ نمائش مظفر نگر

کرمکی الاحبانی

عالم فتحپوری - عمار بارہ بنکوی - شمس مینائی - ساغر الہ آبادی - بشیر جیلانی - تمنا اندوری - شمیم جے پوری - نازاں الہ آبادی - عنوان چشتی - راحت اندوری - مظفر رزمی - تمنا جمالی - حفیظ میرٹھی ۔

یہ وہی مظفر نگر ہے کہ جب کبھی ملک کو خون اور سر کی قربانی کی ضرورت ہوئی تو یہاں کے سرفروشوں - وطن دوستوں - مجاہدان وطن نے بلا دریغ خون اور سر پیش کرکے سرخروئی حاصل کی ضلع کے ان گنت شہیدوں اور بربریت کا شکار ہونے والے بیکسوں اور نہتے لوگوں پر سلام!

دیکھئے یہ نمائش میں ایک عظیم پنڈال بنایا گیا ہے جو ہیات ... فوکس لائٹ وغیرہ سے سجایا گیا ہے پنڈال دور تک ۔ ایک طرف شاعرانہ ... بیٹھے ہیں سروں کا سمندر اور انسانوں کا ایک سیلاب ۲۵ - ۳۰ ہزار سے کم نہ ہوگا ۔ پنڈال سے باہر بھی ایک عظیم خیمہ ہے ایک ... خواتین کے بیٹھنے کا انتظام کر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کے ساتھ کالی گھٹا بھی منڈلا رہی ہے بارش کا شدید خطرہ ہے منتظمین مشاعرہ بارش کے خوف سے پریشان سے رہے ہیں لیکن اس کا کیا علاج ۔

۲۸ اپریل ۱۹۸۲ء جمعرات کی رات ہے دس بج چکے ہیں مشاعرہ کا افتتاح ضلع کے ہردلعزیز اور محبوب کلکٹر ... فرما رہے ہیں کلکٹر صاحب سفید پتلون ... تشریف لے آئے ہیں اور اسی ... آپ کو باغ و بہاراں بناتے ہوئے مختصر سی تقریر فرما کر ... شعراء کرام کی صف میں ہی تشریف فرما گئے ہیں ادھر جناب ... صدارت کے جناب سعید مرتضیٰ صاحب ایم پی کا اسم گرامی پیش کیا جس پر تالیوں سے اظہار خوشنودی ..... کیا گیا ہے آپ نے بھی تقریر فرمائی ہے اور مسٹر بھگوان سروپ

سکینہ مسافر کو زحمت دی جا رہی ہے کہ وہ اس مشاعرہ کی نظامت سنبھالیں چنانچہ انہوں نے مائک سنبھال کر فرمایا عظیم شہر مظفر نگر جو تہذیب و ادب کا گہوارہ رہا ہے یہاں کی تہذیب بہت ہی بلند رہی ہے میں یہاں پہلے بھی آچکا ہوں - آپ کے داد دینے کا طریقہ بہت ہی خوب ہوتا ہے ۔ ایک درخواست کروں گا اگر کوئی شعر یا شاعر سمجھ میں نہ آئے تو ... کیجئے گا آئیے ہم اس مشاعرہ کو شروع کریں ؎

وہ صبح ہوئی روشن وہ آ گئے پروانے
آغاز تو اچھا ہے انجام خدا جانے

تالیوں کے شور میں زحمت سخن دے رہے ہیں محمد عاقل دیوبندی کو عاقل صاحب کیا فرما رہے ہیں مجھ میں نے نوٹ ہی نہیں کیا ابھی شعراء کی فہرست ... ہوئی ہے میں ابھی ... کے نام لکھ رہا دیکھا تو انھاس مظفر نگری غزل سرا ہیں ؎

بجھا سکو تو بجھا دو تم ... کے چراغ
جو ... نے جلائے ہیں ... کے چراغ!

لیجئے داد دینے ... تالیوں ... اور یہ ... صاحب ... رہے ہیں ؎

مزا تو جب ہے کہ ... عدالت ہیں!
بجھا ... انجمن کے ستم ... ہمارے گھر کے چراغ

پھر تالیوں اور شور و غل کا ایک دھماکہ ہوا ہے اسکا یہیں منتظر تھے ... ابھرتا ہوا منظر ... ہے ہر کلی ... یہیں یاد وہ کی بو آتی ہے ... تو ارشاد ہوا ہے ؎

انہیں تو خود ہی ہوا سے انجمن بجھا دے گی
جو رہ گئے ہیں منڈیروں پہ کچھ سحر کے چراغ

کر داد نے ہنگامہ کو اور بھی دھار لیا ہے اور الیاس صاحب
شمراں پلٹ رہے ہیں مسافر صاحب عرفان صدیقی کو دعوت
سخن دے رہے ہیں عرفان صاحب مائک پر جو آئے تو آپکی
شعر پڑھنے سے پہلے ہی شاید مائک کو ہدایت کر دی گئی ہوگی ورنہ
پھر تو الیاس صاحب کی دعا جو کہ کامیاب ہو کر گئے
ہیں بہرحال آپ اُن کا تازہ کلام سنئیے ؎

بس گئے ہیں وہ ایسے مرے خیالوں میں
نقرئی صنم جیسے خوشنما شوالوں میں

دوسرے مصرعہ پر شاعرانہ داد دی جا رہی ہے اور سب
عادلت رواں دواں سُنتا رہے ہیں ۔

آشیاں بھی جل جاتا گلستاں بھی لٹ جاتا
گر اُلجھ کے رہ جاتے باغباں کی چالوں میں !
نام اب تمہارا بھی لکھ دیا گیا ... عرفاں !
صبر کرنے والوں میں زخم کھانے والوں میں

عرفان صاحب داد لوٹتے اپنی جگہ لوٹ رہے ہیں اور مسافر
صاحب فرما رہے ہیں کہ اب آپ مظفر نگر سے باہر کی طرف چلئے
میرٹھ سے ذرا پہلے یعنی کھتولی اور اب آپ ملک کے مشہور
شاعر سلیم کھتولوی سے اُن کی غزل سنئے سلیم صاحب تحسین
داد و دہش میں غزل سرا ہیں ؎

رہنا ہے تاحیات کسی خوش نظر کے ساتھ
رشتہ ہے زندگی کا غمِ معتبر کے ساتھ

غمِ معتبر پر شاعرانہ داد دی جا رہی ہے اور سلیم فرما رہے
ہیں ؎

جو رہنما ہے قوم کا رہزن سے کم نہیں
کس طرح آئے کوئی چلے راہبر کے ساتھ
کہہ دو سلیم آج یہ ارباب جور سے !
اک واسطہ ہے میری فغاں کو اثر کے ساتھ

سلیم صاحب تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور مسافر
صاحب فرما رہے ہیں اب ہم لکھنؤ کی طرف چلیں جو ادب
کا شہر ہے نزاکت کا شہر ہے اور اب اسی شہر کے ایک
خوش فکر شاعر سلیم فیض آبادی سے ان کی غزل سنئیے سلیم صاحب

غزل سرا ہیں ؎

ممکن ہو تو رستہ اِک سیار صدا دیجئے !
مجھ کو مرے ہونے کا احساس دلا دیجئے !
آئینہ کو دکھلا دے اس حسنِ مکمل کو
گر تاب نظارہ کی پھر مجھ کو سزا دیجئے !
خود اپنے ہی شعلوں پر جل جل کے جو مٹنے ہیں
پروانوں کو جلنے کے آداب سکھا دیجئے !

سلیم صاحب داد پا کر پلٹ رہے ہیں اور مسافر صاحب
نظر اسعدی کی نظرِ بد سے بچانے کی دعا کرتے ہوئے دعوتِ نغمگی
دے رہے ہیں ۔ نظر صاحب یوں یانکپن سے غزل سرا ہیں ؎

تم زمانہ مانے پر خود عشق کے کھولو ہو
کیوں بتا دیا اشکوں پلکوں کو بھگو لو ہو

داد پر کسی ہڑبونگ کا گماں ہو رہا ہے ادھر لائٹ غائب
ہے آندھی بادل کی گرج اور تند و تیز ہواؤں کا شور کچھ عجب
پیدا ہے موسم نہایت ہی خراب ہو گیا ہے نظر صاحب مائک
سے کھسک گئے ہیں مالک کو بیٹری سے چلانے کا انتظام
کیا جا رہا ہے لیجئے روشنی بھی آ گئی ہے اور مسافر صاحب
مشہور مزاح نگار خوشدل قریشی کو دعوت طنز و مزاح
دے رہے ہیں خوشدل صاحب فرما رہے ہیں ؎

اب مری موت کے آثار نظر آتے ہیں
ایک دن میں وہ کئی بار نظر آتے ہیں
اُن کے چہرے پہ چھپے رہتے ہیں نیتے کے حالات
صبح کو نیچے کا اخبار نظر آتے ہیں

قہقہوں اور ہنسی کا ایک دھماکہ ہوا ہے ناظم صاحب
بھی مسکرا رہے ہیں اور آپ کہتے ہوئے ہیں ؎

جمہوریت کو اپنی وراثت سمجھ لیا !
سوچا کبھی آپ نے تقدیسِ دار ہے !
غیروں کا کیا قصور ہے اپنوں کو روکئے !
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

داد اور ہڑبونگ کے شور میں ارشاد ہو رہا ہے ؎
عرضِ مطلب پہ ظالم نے ہونٹ تک نہ کی

سسکتا رہا ہوں زندگی کی طرح

پھر ایک طویل نظم غالب سے دو دو ہاتھ سنا کر محفل کو قہقہہ زار بنا کر تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور مسافر صاحب اس رنگ تغزل کو بدلنے کے لیے ضلع کے مشہور مترنم شاعر مظفر رزمی کیرانوی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں رزمی صاحب یوں محفل کو گرمانے چلے ہیں ـــ

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آئینہ میرے ہاتھ سے!
میرا چہرہ اَن گنت چہروں میں بٹ کر رہ گیا!
جب نظر آیا کہ رہزن ہے بشکلِ رہنما!
قافلے والوں سے میرا واسطہ کٹ کر رہ گیا!

داد کا ایک ہنگامہ لیجیے باسلینِ رحمت کا نزول ہو رہا ہے ادھر میرے لڑکے سبقت کریم نے بتلایا کہ چچا بشیر صادق جامعی اور رفیق احمد آرہے ہیں ان کو میں نے سہارنپور مشاعرہ کی تاریخ سے مطلع کر دیا تھا لہٰذا صادق صاحب اپنی چند ساتھیوں کے ساتھ آئے ہیں ویسے اس مشاعرہ میں میرٹھ کھتولی۔ سردھنہ، بجنور، سہارنپور، کیرانہ، شاملی، دیوبند خصوصاً دارالعلوم کے طلباء بجنولیوں اور لڑکیوں میں ادب نواز آئے ہیں ہاں تو دیکھیے رزمی صاحب اسی سج دھج سے پڑھ رہے ہیں ـــ

زندگی جو اک حقیقت تھی کہانی بن گئی
واقعہ تھا لیکن جو افسانوں میں بٹ کر رہ گیا
حادثہ در حادثہ ۔ حادثہ در حادثہ
سارا ماضی ایک آنسو میں سمٹ کر رہ گیا

داد کا عالم نہ پوچھیے۔ کئی بار دہرا کر مقطع عنایت کر رہے ہیں ـــ

منزلوں نیا ہے مسافت پر یہ رزمی تو تنہا
راستے میں جو کوئی پتھر تھا پلٹ کر رہ گیا

رزمی صاحب تالیوں کی جھنکار میں کامران لوٹ رہے ہیں اور مسافر صاحب اب دوسرے مترنم اور مشہور غزل گو شاعر نور اندوری کو دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں نور صاحب کا تالیوں سے استقبال کیا جا رہا ہے ـ فرمائشوں کو نظر انداز کر کے محض داد کی کیا بلکہ محض رقیہ غزل سرا ہیں ـــ

گرجتا ہے بادل برستا ہے پانی
چلے آؤ ایسے میں رُت ہے سہانی

داد نے ہر طرف رنگ کو جنم دیا ہے اور ادھر پانی برس رہا ہے واقعی رُت سہانی ہے اور ایسے میں نور صاحب کی ترنم اللہ اللہ، ارشاد ہوا ہے ـــ

یہ ارمان میرا رہے تا قیامت
ترا بانکپن اور میری جوانی

اب [illegible] مدیر [illegible] صاحب ایم پی تشریف ہو کر تو [illegible] کی کر تھپک کر داد دے رہے ہیں اور [illegible] صاحب بہک رہے ہیں ـــ

ابھی کو تو [illegible] ترقی
نہ ہنستا ہوا در جھنکتا ہے پانی
ستم ایسے ڈھانے ہو دینا نہ مجھ پر
تمہیں پر تو آئی ہو جب جوانی

نور صاحب محفل کو لوٹ کر تالیوں کے شور میں جا رہے آپ کی تصویر لی گئی ہے اور اب عالمِ تشنگی میں مسافر راشد آبادی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں عاز صاحب اپنے مخصوص دلکش ترنم سے غزل سرا ہیں ـــ

عبرت انگیز طلب کا یہ نتیجہ دیکھا !!
آج میخانے میں ساقی کو بھی پیاسا دیکھا

داد کا عالم نہ پوچھیے جب [illegible] مغرب سی رنگ [illegible] ہوتا تو محفل تالیوں پر اتر آتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے [illegible] یار [illegible] عام ہو اٹھا اسلئے عوام کا مزاج انتہائی بگڑا ہوا ہے اور تازہ انقلاب دیکھ چکے ہیں یہ سب کچھ کہاں یار کی قربانیاں رنگ لائی ہیں۔ ارشاد ہوا ہے ـــ

کیا کہوں دیدۂ حیراں نے یہاں کیا دیکھا
کل جو قاتل تھا اسے آج مسیحا دیکھا

پھر یہاں خطاب پڑھیں، دو آپ فرماتے ہیں ـــ

اپنے زخموں کی جلن بھول گئے [illegible] تا

جب ترا پھول سا اُترا ہوا چہرا دیکھا
اب سنا ہے کہ پشیمان و پریشان ہے وہ

ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ دوسرا مصرعہ سنانا نہیں چاہتے لیکن بار بار دوبارا فرمائش کر رہے ہیں کہ

جس نے برسوں مرے مٹنے کا تماشہ دیکھا
چھٹ گئی بھیڑ وہ خود ساختہ دیوانوں کی
ہم نے آج اس کو بھری بزم میں تنہا دیکھا

پھر داد نے ہڑبونگ کا جنم دیا ہے اور راز صاحب محفل کو گرما رہے ہیں ؎

اب کڑی دھوپ میں چاندی سا بدن پگھلے گا
ہم نے گرتی ہوئی دیوار کا سایہ دیکھا
اپنی تدبیر سے دن دیکھے ہیں بربادی کے
اور کبھی تقدیر کا لکھا دیکھا

ساتر صاحب داد و تحسین پا کر تالیوں کے شور میں شاداں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور اب مسافر صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں گلشن بنا لیے بہشتی صاحب بعد گزر ... اور برس رہے ہیں ؎

بخشا ہے غنچے کو بھی رنگِ چمن جو
پھول کو جتنی بھی نازکی میرے لئے ہے !
چلتا گردشِ دوراں سے تو ڈرنا ہی نہیں بھول
یہ گردشِ دوراں تو بنی میرے لیے ہے !

●

خود اپنے شوق سے ہارے ہوئے کہاں جائیں
فریبِ محبت کے مارے ہوئے کہاں جائیں
جو پستیوں میں ہیں ان کے لئے تو سب کچھ ہے
بلندیوں سے اُتارے ہوئے کہاں جائیں

ایک طویل نظم سنا کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اس نظم کا ایک شعر سنتے چلئے ؎

اُٹھو سنبھلو نظر آنے لگے
جو چلتے تھے وہ گھر لوٹنے لگے

اب مسافر صاحب ملک کے منفرد غزل گو حفیظ میرٹھی کو ... حفیظ صاحب غزل سرا ہیں ؎

ٹھٹھک گئی ہے ہوس مصلحت کے پاس آکر
وفا گزر بھی گئی تخت و تاج ٹھکرا کر !
مجھے یہ مشورہ خوش خیال لوگ دیتے ہیں
ضمیر بیچ دے اپنا خودی کا سودا کر

داد پر سابقہ ریکارڈ بھی جھوم رہا ہے حفیظ صاحب نے غزل زمانۂ اسیری میں کہی تھی ارشاد ہو رہا ہے ؎

حیات جس کی امانت تھی اس کو لوٹا دی
میں آج چین سے سویا ہوں پاؤں پھیلا کر
فضاء پہ چھائی ہوئی ہے تاریکی ! !
مرے یقین مری راہ میں اُجالا کر ! !
حفیظ کو بھی ہے تائیدِ ظلم کی تاکید
یہ لوگ شمع سے کہتے ہیں تو اندھیرا کر

حفیظ صاحب تالیوں کے شور میں کامراں پلٹ رہے ہیں اور مسافر صاحب بہار ابڑوی کو محفل شعر و سخن میں پیش کر رہے ہیں بہار صاحب کی تصویر لی گئی ہے اور آپ دل کش فرما رہے ہیں ؎

تہمتِ ترکِ وفا یوں نہ لگائی جائے
کوئی تو میری خطا سامنے لائی جائے
خود میں برباد ہوا یا مجھے برباد کیا
کیسے بات زمانے کو بتائی جائے

آہ اور واہ کا ایک شور ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

کیا ہوا بعد مرے جشنِ بہاراں کا مآل
اے اسیر دیہ خبر کس سے منگائی جائے
اُن کو فرصت نہیں دنیا کو سروکار نہیں
داستانِ شبِ غم کس کو سنائی جائے

بہار صاحب خوب خوب داد وصول کئے جا رہے ہیں اور مسافر صاحب دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں مشہور مترنم اور غزل گو شاعر تمنا جمالی کو تمنا صاحب ایک حسین گیت کھالر پار کی نذر کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے ؎

زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن
گولیاں کھا کے بھی مسکراتے رہے !

پھر بھی تیرے سدا گیت گاتے رہے !
مرنے والوں کو تو دے سکا نہ کفن !
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

•

بن ہمارے یہاں گیت گائے گا کون
میر و تلسی کے نغمے سنائے گا کون
یہ ہمارے ہی دم سے ترا بانکپن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

•

جو مٹا دے ستم ایسی آندھی بھی ہے
ہم غریبوں کا ایک ایسا ساتھی بھی ہے
پھر بھی پہنے ہیں ہم ضبط کا پیرہن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

ہوٹ ہوٹنگ ــ ہوٹ ہوٹنگ ہے شور ذرا کم ہوا تو غزل ...ا ہیں ؎

دیکھئے وقت کا طائرہ کہاں پر ٹھہرے
اب فضاؤں میں ہر اک سمت ہیں بادل گہرے
میری نظروں میں مرے حالات کا آئینہ ہیں
شوق سے آپ لگا دیجئے زباں پر پہرے

ناظم صاحب محفل کو گرما کر داد سمیٹتے پلٹ رہے ہیں اور ساغر صاحب افسر آغا لکھنوی کو یاد فرما رہے ہیں افسر صاحب کے مائک سے ہاتھ ہوا اور غل مچا اٹھا ہے غالباً یہ کسی سازش کے تحت ہوا ہے اور اسی رو میں شمیم عثمانی بھی گئے اس کو [illegible] اور لیاقت کا کیا علاج آئیے پھر خدا کا شکر ادا کر کے لئے ناظم انصاری ندری سے یہ پر بہار کلام سنئے ؎

بیگم کی خواہشات ارے باپ کیا کروں
مانگے ہے کائنات ارے باپ کیا کروں
کھائی تھی میں نے جینے کی جن کے لئے قسم
وہ کر گئے وفات ارے باپ کیا کروں
سیدھی کمر ہوئی بھی نہیں تھی ابھی کہ پھر
ماری ہے اس نے لات ارے باپ کیا کروں
بالغ ہوا ہوں شوفی و علماء کی قید میں !
یہ ٹھنڈی ٹھنڈی رات ارے باپ کیا کروں
اس نے یہ کہہ کے ملنے سے انکار کر دیا !
ناظم ہے واہیات ارے باپ کیا کروں

ناظم صاحب محفل کو قہقہوں میں اتار کر تالیوں کے بیچ ہنگم شور میں پلٹ رہے ہیں اور ساغر صاحب فرما رہے ہیں اب ادب کی دنیا میں چلیں ایک ادب اور ہے جس کو ہم غزل کہتے ہیں اور اب آپ تسنیم فیضی سے ایک غزل سنئے تسنیم صاحبہ یوں سج دھج سے غزل سرا ہیں ؎

دوسروں سے برہم ہوں خود سے بدگمانی ہے
کیا یہی محبت کا عالم جوانی ہے !
کیا یہ خلوص کے دعوے مصلحت کا دھوکہ ہے
ظرف جام بدلے ہیں مے وہی پرانی ہے

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

کل تلک کرم کی شہرت تھی آج ظلم کے ہیں چرچے
جانے وہ حقیقت تھی جانے یہ کہانی ہے !
زرد زرد پتوں کو شاخ ہی پہ رہنے دو
ٹوٹتی بہاروں کی آخری نشانی ہے !

تسنیم صاحبہ تالیوں کے شور میں پلٹ رہی ہیں اور ساغر صاحب لاحقت اندوری سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں لاحقت صاحب یوں گرج رہے ہیں ؎

کشتیاں موجوں میں اور طوفان میں لنگر ڈوبے
ہم بچے تھے تو کنارے پہ پہونچ کر ڈوبے !!
میں تو قطرہ تھا نظر کیسے ملاتا ان سے !
ایسی آنکھیں کہ سمندر کا سمندر ڈوبے

یہ لوگ تعزیت کے موڈ میں ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ میری صورت پر نہ جائیے غزل کا موڈ بنائیے اور سنئے ؎

تمہارے نام پر میں نے ہر آفت سر پہ رکھی تھی
نظر شعلوں پہ رکھی تھی زباں پتھر پہ رکھی تھی !!
ہمارے خواب تو شہروں کی سڑکوں پر بھٹکتے تھے
تمہاری یاد تھی جو رات بھر بستر پہ رکھی تھی !

میں اپنا عزم لیکر منزلوں کی سمت نکلا تھا !
حقیقت یا تھ پر رکھی تھی قسمت ٹھوکر پہ رکھی تھی

اُدھر ترنم نے نعرے بلند ہو رہے ہیں اور آپ صرف وعدہ ہی کر رہے ہیں کہ ابھی ترنم سے غزل سُناتا ہوں۔ ناہموار سنجلنے کیا مجبوری تھی کہ آپ ترنم سے غزل نہ سُنا سکے اور آج کے عوام کے تیور نہ پہچان سکے آپ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور بار بار لوگ ترنم پر مصر رہے لہٰذا آپ اسی عالم میں مائک سے کھسک گئے اور مسافر صاحب پروفیسر گلشن چشتی کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں عنوان غزل عنایت کر رہے ہیں ؎

در دار دیوں کا مرے در در سے رشتہ کر رہے یہاں
کیسے ان رشتوں کو توڑ دوں کہ ستمگر ہے یہاں !
کیسے ... لوگوں میں مجھے چھوڑ گیا ہے کوئی
زندہ رہنا ہے تو پھر بیوں نہ خدا بنتا ہے
ہے بہ شہر کہ کا فر بھی پیمبر ہے یہاں

گلشن صاحب خوب خوب داد و تحسین پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور مسافر صاحب ملک کے مشہور مترنم اور غزل گو شاعر شمیم جے پوری کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں شمیم صاحب کا نام سُنکر تالیوں سے اظہار خوشنودی کیا جا رہا ہے آپ کا تصویری لگا ہے اور آپ لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

جو ہنس ہنس کے ہر غم گوارا کرے ہے
یہ ہمت بھی اک غم کا مارا کرے ہے :
کنارا بھی جس سے کنارا کرے ہے !
مدد اسکی طوفاں کا دھارا کرے ہے !
ترے ساتھ ہنس کر گزاری تھی جس نے !
وہ اب آنسوؤں پر گزارا کرے ہے !
خدا اُس کے دامن کو پھولوں سے بھر دے !
وہ ظالم جو پتھر سے مارا کرے ہے !
تغافل سے چھپتی نہیں ہے محبت !
تغافل تو اور آشکارا کرے ہے !

شمیم صاحب محفل کو چونکا کر داد میں ڈوبے کامراں پلٹ رہے ہیں اور مسافر صاحب نہایت ادب و احترام سے مشیر جھنجھانوی سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں مشیر ایک تازہ شعر عنایت کر رہے ہیں ؎

یہ دیکھنا ہے کہاں کتنے پھول کھلتے ہیں
گھٹا برس تو گئی ہے مشیر صحرا میں !

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

ہر ایک چہرہ پہ آثارِ خود نمائی ہے
تمام شہر مجھے اجنبی سا لگتا ہے

پھر آہ اور واہ کا دھماکہ ہوا ہے اور آپ ایک غزل ؎

وہ لوگ جو اس دور کا معیار بنے ہیں
احساس کی سولی پہ شب و روز ٹنگے ہیں

سُنا کر خوب خوب داد لوٹے جا رہے ہیں آپ بھی غزل کوئی بار سُن اور پڑھ چکے ہیں اِدھر مسافر صاحب یوگیندر پال صابر شکوہ آبادی کو یاد فرما رہے ہیں وہ رواں دواں سُنا رہے ہیں ؎

پھولوں کے پیچھے سانپ کی تشبیہ
دوستوں ہی کو زیب دیتی ہے
کانپ جاتی ہے دشمنی صابر !
جب محبت فریب دیتی ہے

داد کا شور کم ہوا تو فرما رہے ہیں ؎

ہر دم تلاشِ غیر میں رہتا ہے آدمی
ڈرتا ہے خود سے اس کی بلا تا ہو نہ جائے
یہ شورشِ دل جو ذرا سا دکھائی دیتا ہے
بڑھے تو حاصلِ دنیا دکھائی دیتا ہے

آپ مناسب داد وصول کر کے چلے گئے اور مسافر صاحب کلام کر رہے ہیں عالم فتحپوری سے۔ عالم صاحب تالیوں کی جھنکار میں آ کر یوں ایک پرانی غزل لیکر گرج رہے ہیں !

لوگ کہتے ہیں تمہاری یہ خطا ہے یارو !
شب کو شب صبح کو کیوں صبح کہا ہے یارو
قافلہ راہوں کی کیا اس میں خطا ہے یارو
رہنما راستہ بھول گیا ہے یارو !

دل نے کھائے ہیں نظروں کے پتھر برسوں
تب کہیں جا کے یہ آئینہ بنا ہے یارو

احب داد لوٹتے پلٹ رہے ہیں اور اب مسافر صاحب
ظامی سحر کے اپنی جگہ آکر شہریار غزل شہزادہ ترنم مختار
ی کو دعوتِ غزل دے رہے ہیں۔ مختار صاحب تالیوں
کا میں محفل کا جائزہ لیکر لحنِ داؤدی میں غزل سرا ہیں

وہ جو آئے حیات یاد آئی
بھولی بسری سی بات یاد آئی

حالِ دل ان سے کہہ کے جب لوٹے
ان سے کہنے کی بات یاد آئی

ہیں اک سحر کا سا عالم سا آرہا ہے اور آپ اسی دلکشی سے
کاری کر رہے ہیں ؎

آپ نے دن بنا دیا تھا جسے
زندگی بھر وہ رات یاد آئی!
تیرے در سے اٹھے ہی تھے کہ ہمیں
تنگیٔ کائنات یاد آئی

نے ہر بوند کو جنم دیا ہے اور آپ اسی یادگاریں
رہے ہیں ؎

جب پڑا واسطہ مسرت سے
غم کی ایک ایک بات یاد آئی
کیا جوانی گئی جناب خمار
کیسے توبہ کی بات یاد آئی

صاحب محفل کو مخمور و سرشار بنا کر تالیوں کے شور میں
آرہے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی دیکھئے یہ پہلا کامیاب
دگاری دور ختم ہو رہا ہے دوسرا دور سوا تین بجے
نہایت شاندار طریقے سے جاری رہا —!

ہوں نو سال یہ مشاعرہ جناب سعید مرتضیٰ ایم۔ پی
کے زیر اہتمام تھا لیکن ایم۔ پی صاحب نے اپنی مصروفیات
سے مسٹر ریاست علی ایڈوکیٹ کے سپرد کر دیا تھا۔
ریاست علی کا مظفر نگر کے مشہور وکلاء میں شمار ہوتا
ہے۔ بھی اپنی مصروفیات اور ذمہ داریوں

کے باوجود اس مشاعرہ کو کامیاب کرانے میں کئی ہفتے صرف
کئے اور ساتھ میں اپنے وکلاء دوستوں کے تعاون سے
شعراء کرام اور مدعو حضرات کو کسی قسم کی شکایت کا
موقع نہیں دیا اور ہر طرح سے اس مشاعرہ کو یادگاری بنا
دیا جناب سید نذر محمد زیدی ایڈوکیٹ مسٹر شفقت
جنگ سابق ایم۔ پی۔ محترم ابو محمد رفیق قریشی پدم شری۔
جناب سعید الزماں ایڈوکیٹ جناب محمد اکرام قیصر ایڈوکیٹ
جناب شاہد رضا ایڈوکیٹ جناب ناصر علی ایڈوکیٹ
جناب معروف علی ڈاکٹر حکیم احمد جناب محمد علی نعمان علوی
اور مشاعرہ کمیٹی کے ارکان نے اس تاریخی مشاعرہ کے لئے
وقت دیکر اسے یادگاری بنا دیا یہ سب حضرات مبارکباد
کے مستحق ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ ہر سال میں ایک اور
مشاعرہ بھی کرایا جائے گا کیونکہ وکلاء صاحبان کی کمیٹی
ایسی ہی پُرزور درخواست کی جا سکتی ہے یہ تمام حضرات
ہمہ تن مصروف ہو کر ضلع کے عوام کو سال میں ایک کامیاب
اور لاجواب مشاعرہ سنوا دیتے ہیں لہٰذا ایک مشاعرہ کی
اور ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے۔ اس کا ہونا از حد
ضروری ہے اور ؎

تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

بیچارے غریب شعراء کی مدد کا سوال ہے یا یا — ضلع کے
عوام اور آئندہ دو تو ان احباب وکلاء پر اعتماد اور بھروسہ کرتے
ہیں اسی لئے ضلع کا ہر شخص ہر طرح سے تعاون کرتا ہے زیادہ
کیا عرض کروں ؎

آواز تو سنتے ہو مری یہ تو بتاؤ!
کس شہر سے کس کے لئے اکیا بول رہا ہوں!

حسین بن واحد

گردشِ رنگ

شعروشاعری کا موضوع جتنا وسیع ہے اتنا ہی پامال بھی۔ عربوں نے اس میں باتیں کی ہیں تو عجمیوں نے اپنی گویائی کا ثبوت دیا ہے۔ ہمارے یہاں حالی نے اس پر مقدمہ لکھا۔ شبلی نے موازنہ کیا، اور علامہ اقبال نے اس کو نفسیاتی نقطۂ نظر سے دیکھا اور جانے کتنے اور کس کس انداز سے بہت کچھ کہا۔

شعر کا تعلق کسی شخص یا کسی قوم یا کسی خاص شعبۂ زندگی تک محدود نہیں۔ یہ بنی نوع انسان بلکہ تمام عالمِ موجودات اور اس کی کشاکشِ حیات سے تعلق ہے۔ اسی لیے شاعری کسی بے مقصد شے کا نام نہیں بلکہ درحقیقت اس کے مقاصد میں کارگاہِ حیات کے ہر شعبہ اور زندگی گزارنے کے ہر پہلو کو سنوارنا اور ایک امتیازی شان کے ساتھ اجاگر کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی شاعری زمانے کے ساتھ نہیں بدلتی بلکہ اکثر وبیشتر زمانے کو ہی بدل دیتی ہے۔ انگریزی کا مشہور شاعر وادیب "میتھو آرنالڈ" اپنے ایک مضمون STUDY OF POETARY (مطالعۂ شعروشاعری) میں رقمطراز ہے:

" شاعری کا مستقبل تابناک ودرخشندہ ہے۔ چونکہ اس میں بلندیٔ مقصد کے ساتھ اعلیٰ غرض وغایت ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ بلاشبہ اس قابل ہے کہ انقلابِ زمانہ اور تبدیلیٔ ماحول کے ہمراہ انسانی زندگی کو صحیح اور اطمینانی طور پر امن وسکون بخش سکے۔"

چونکہ حقیقی شاعر:

- اہلِ دنیا کی آنکھوں سے خود اُن کی نگاہوں کا حجاب اُٹھا دیتا ہے . . . اور!
- جو لوگ دیکھتے نہیں انھیں دیکھنے پر مجبور کر دینا اس کے مقدس مشن میں شامل ہے۔
- جیسا کہ علامہ اقبال نے بھی کہا ہے:

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن　　جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

ذوقِ نظر اور عرفانِ نظر کا یہ اعجاز نما مرکب قدرت کی وہ دین ہے جو شاعر کے اپنے وجود کی گہرائیوں سے ابھرتی ہے۔ اور زمین وزمانہ کے تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے اثر وتاثیر کے اعتبار سے سحرِ جادو داں بن جاتی ہے۔ شاعری اگر منصب شناس ہو تو وہ جزوِ پیغمبری ہے اس کے سوا کچھ ہو بھی نہیں سکتی۔

شاعری کو صرف فن کہنا اور سمجھنا بھی درحقیقت شاعری کی توہین ہے۔ جب کہ شاعری فطرت کی امانت ہے تو حقیقی شاعر مستقبل کا امین ہوتا ہے جو ماضی پر نظر رکھ کر حال کو دیکھتا ہے اور اپنی تخلیقات وفکر کے ذریعہ آنے والی نسلوں کو فکر وشعور کا سرمایہ پہنچاتا ہے۔

- ایسا انسان ——— بنتا نہیں ——— پیدا ہوتا ہے۔ جس کی حسیاتِ قلبی نازک ولطیف بھی ہوتی ہیں اور

مشاہدات کے تحت تلخ و تند بھی جس کے نتیجے میں شعر میں ایسی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جو دل سے نکل کر دلوں پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ مولانا شبلی کا نظریہ بھی یہی ہے کہ:

"شاعری دلی جذبات کا اظہار ہے جو جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے"

اور علامہ اقبال بھی یہی کہتے ہیں:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

ان خیالات و احساسات کے حامل اور عامل امینوں کی تعداد میں دنیائے شاعری میں چاہے کبھی کوئی کمی ہوگئی ہو تو ہوگئی ہو مگر ناپید کبھی نہیں ہوئی۔ قدیم دور سے لے کر اس دورِ جدید تک اس احساس و خیال کے شعراء اردو ادب میں ہمیشہ نمایاں رہے اور ہیں۔ جن میں میر و مومن و غالب سے لے کر شاد و فراق، یگانہ و حسرت، اصغر و جگر اور فانی و اقبال وغیرہ جیسے اہم شعراء کی موجودگی ہمیشہ رہی ہے۔

ہمارے دور میں جن حقیقت شناس اربابِ فن کی بدولت اعجازِ فن کی مشعل روشن ہے اس بلند نصیب گروہ میں مختار ہاشمی ایک منفرد مقام کے حامل نظر آتے ہیں۔ جس کا ثبوت "گردشِ رنگ" کی صورت میں ناقابلِ تردید حقیقت بن کر ہمارے سامنے ہے جس کو دیکھ کر مختار ہاشمی کے فکر و فن کے ممتاز پہلو اس دلکشی کے ساتھ ابھر کر سامنے آتے ہیں کہ طبیعت ان کے مرتبے کی انفرادیت کے اعتراف پر مجبور ہو جاتی ہے۔ "گردشِ رنگ" کے مقدمہ میں ہندوستان کے مشہور شاعر و ناقد اختر انصاری کے یہ الفاظ بڑی اہمیت رکھتے ہیں:

"مختار ہاشمی اپنی غزل گوئی میں اردو غزل کی بہترین روایات کے وارث اور سنجیدہ ترین اوصاف کے علمبردار ہیں۔ وہ اردو غزل نگاروں کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو شاد عظیم آبادی، حسرت، فانی، اصغر اور جگر کے بعد وجود میں آئی۔ اور علی الخصوص فانی و اصغر کے زیرِ اثر پروان چڑھی۔ اور اس طور پر غزل اور روایتِ غزل کے بہترین اور صالح ترین اجزاء و عناصر کی وارث و دارثِ قرار پائی"

بات جب غزل کی چل نکلی ہے اور اسی کے ساتھ حسرت و فانی اور اصغر و جگر وغیرہ کا تذکرہ بھی چھڑ گیا ہے تو اس حاشیے پر بھی کچھ گفتگو کرنا اور روشنی ڈالنا بے محل نہ ہوگی کہ حالی نے غزل کی مخالفت میں جس شجر کا بیج بویا تھا وہ نشوونما پاتے پا کے اصغر و جگر اور فانی و حسرت کے زمانے میں ایک تناور درخت ہو چکا تھا۔ اسی کے ساتھ اقبال کی مقبولیت سے غزل گو شعراء کی ساکھ اور بھی متاثر ہوتی اور ترقی پسند ادب کی تحریک نے بھی غزل سے بے اعتنائی برتنے کی ترغیب میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ لیکن اس کو غزل کی سخت جانی کہیے یا اس کی خوبیوں کا کمال کہ یہ صنفِ سخن آج بھی اپنی دیرینہ روایات کو مقبولیت کو سینے سے لگائے اپنی تمام رفعتوں کے اعتراف کے ساتھ آسمانِ ادب پر یہ بیت تابانیوں کو لیے سورج کی طرح ویسی ہی روشن ہے جیسی کہ ابتدا سے تھی۔ جس کے سامنے تمام دیگر اصنافِ سخن چاند ستاروں کی طرح نہ صرف یہ کہ ماند ہو کر رہ گئے ہیں بلکہ اکثر اپنا وجود بھی کھو بیٹھے ہیں۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ درحقیقت غزل کی مخالفت میں حالی کے کھڑے کیے ہوئے پہاڑ پر فانی و اصغر، شاد و یگانہ اور حسرت و جگر وغیرہ نے جس انداز و محنت سے تیشہ زنی کر کے اس کی سربلندی کو سطحِ زمین سے ملانے کی کد و کاوش کی اور اپنے کلام سے جا بجا اس کا ثبوت بھی دیا کہ غزل کا ہر شعر ایک واحد اور عالمِ اصغر ہی سہی لیکن اس عالمِ صغیر کے دامن میں اتنی وسعت ہے کہ دنیا کے ہر اس موضوع، مفہوم اور مضمون کو جس کے لیے بڑی سے بڑی نظم بھی اپنے دامن کو تہی محسوس کرے اسے اسی واحد سے اور عالمِ اصغر ہی میں بہ آسانی بحسن و خوبی سمویا جا سکتا ہے۔ ان بزرگوں کی یہ کاوش دراصل سچے ادبی اعتراف کی مستحق ہے۔ جیسا کہ جناب اختر انصاری نے اسی مقدمے میں تحریر کیا ہے:

"اصغر و فانی نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز کی روایات پرست اور انحطاط زدہ غزلیہ شاعری کو جن تغیرات سے دوچار اور توانائیوں سے مالا مال کیا۔ وہ درحقیقت بیسویں صدی کی غزل کے اعلیٰ ترین اکتسابات اور برگزیدہ مقامات ہیں۔ جن میں اردو کی کلاسیکی غزل کی بازیافت کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کے فکری عناصر بھی کسی نہ

کسی حد تک مزور ہوتے ہوئے بھی غزل کو غزل کے مخصوص آرٹ کے زاویے سے دیکھا جائے تو ان التفاتات و مقامات کو اس دورِ جدید کی اردو غزل کا نصف النہار یا نقطۂ عروج تسلیم کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ بلا شبہ بیسویں صدی کی اردو غزل نے اصغر و فانی کے دور میں جن بلندیوں کو چھویا وہ کم سے کم اس وقت تک تو بلندی کی آخری حدود میں آ گئی تھیں ۔

مختار ہاشمی نے بھی اپنی غزل میں حقیقت نگاری کی نزاکتوں اور لطافتوں کو دورِ جدید کے ممتاز فکری عناصر کے ساتھ ایسی چابکدستی و ژرف نگاہی کے ساتھ سمویا ہے کہ غزل کا جاودان حسن ایک ادائے دلکشی کے ساتھ نمایاں ہو گیا ہے۔ اس اعتبار سے "گردشِ رنگ" میں اختر انصاری صاحب کا یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے کہ ۔

" مختار اپنی غزل سرائی میں ان تمام روایتوں کے وارث و علمبرداروں میں ہیں کہ جو فانی و اصغر کے زیرِ اثر پروان چڑھیں "

چونکہ یگانہ و حسرت، شاد و فراق اور جگر کی طرح ان کے کلام میں زبان و بیان کی بے ساختگی بھی ہے اور دیدہ و دل کو متوجہ کرنے والا نکھار بھی، جدید و قدیم کی آمیزش سے فکر و شعور کا حسین امتزاج بھی نمایاں ہے اور عظمتِ عشق کی بلندی کے احساس کے ساتھ دوران کی اپنی آفاقی گونج بھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کی غزلوں میں لفظی و صوتی ہم آہنگی، تراکیب و قرائن و قوافی سے ایک حسین ترنم کا زیر و بم بھی ملتا ہے اور ایک سحر انگیز غنائیت بھی جس سے ان کی متضاد کیفیاتِ قلبی، ذہنی کرب اور سہم جذبے کے ساتھ ان کے ضبط و تحمل کی حامل نازک مزاج جمال آمیز حساس طبیعت کے ساتھ غیرت و خودداری اور جراءت و ہمت و پیغامِ عمل کی ایک بے حد جلال پر کشش تصویر بن گئی ہے۔ لیکن فانی کی طرح وارداتِ قلبی کی جو عکاسی انہوں نے کی ہے اور اصغر کی طرح ان کے کلام میں تصوف کی حسن ریزی کی جو جھلکیاں نظر آتی ہیں - نیز اقبال کی طرح غیرت و خودداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمت و جراءت کی جو دعوتِ عمل جگہ جگہ دلانے دی ہے۔ وہ تقریباً ان کی ہر غزل میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی پہلو سے نظر آ جاتی ہے اسی کے ساتھ ان کے کلام کو دیکھ کر یہ خیال احساس بھی یقینی حد تک پیدا ہوتا ہے کہ مختار کی پوری زندگی کے ساتھ کوئی ایسا دردناک و کرب آمیز المیہ بھی ہے کہ جس کو ہنس ملا کر برداشت اور سنجیدگی کی کوششوں کے باوجود بے اختیاری کے ساتھ ان کو چیخنے اور کراہنے پر نہ سہی تو گرم سانسیں لینے اور ٹھنڈی آہیں بھرنے پر مجبور ضرور کر دیتی ہے۔ شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ مختار اپنی روزمرہ کی زندگی میں حیرتناک حد تک صابر و شاکر سر المزاج اور ضبط و تحمل کے حامل اور اس عقیدے کے قائل ہوتے ہوئے بھی ۔

انکسار و تحمل خموشی ، یہ بھی زیور ہیں انسانیت کے = جتنی مجبور بن کر رہے گی زندگی اتنی مختار ہو گی

بہت ہی اشعار میں مایوسی و بیچارگی کے احساس کے ساتھ شکووں اور جھنجھلاہٹوں کا شکار بھی ہو گئے ہیں - جو ان کی صحیح واردات کی عکاسی کا ذریعہ بن گئے جس کی مثال صرف چند مندرجہ ذیل شعر ہیں ۔ مثلاً

بغرضِ یاس اجل کو پکارنے والو ۔:۔ جو موت بھی تمہیں ٹھکرا گئی تو کیا ہوگا
میری اک حقیر سی التجا ابھی باریابِ اثر نہیں ۔:۔ یہ سوالِ مرگ بھی اے خدا کوئی زندگی کا سوال ہے
یہ دل غموں سے ہے معمورِ خیالِ نشاط ! ۔:۔ کہاں سے آئینگی گنجائشیں خوشی کے لئے
ستم زمانے کے سہہ لے جو سہہ سکے انساں ! ۔:۔ مگر نوازشِ اہلِ کرم سے دور رہے
دامنِ گل سے چھلک سکتا ہے غنچے کا لہو ۔:۔ گلستاں میں کوئی احساس نظر پہنچے تو
روئے تبسم کی صورت آ لیگی اک دن لیکن ! ۔:۔ کتنے غم لوٹیں گے ہونٹوں پہ ہنسی آنے تک
کیا کیا جائے دعاؤں کا سہارا ناصح ! ۔:۔ ہم ہی کب ہوں گے دعاؤں میں اثر آنے تک
حالات کا یہ موڑ ہے جذبات کی گھٹن ! ۔:۔ اب زندگی ملے بھی تو شاید جیا نہ جائے
ہم اٹھائے ستم کے بھی اہل ہیں کہ نہیں ! ۔:۔ یہ امتحاں بھی اے زندگی لیا ہوتا !

وں کا سوال نہیں لیلیٰ ئے حریمِ قبول ؎ ملے گا غم ہی یقیناً اگر خوشی مانگوں

مشعلیں زخمِ دل کی فروزاں تو ہیں، آنسوؤں کے ستارے درخشاں تو ہیں ؎ اور کیا چاہئے بھولے شامِ غم اپنا گھر پھونک لیں روشنی کے لئے

منعکس کچھ شعاعیں ہوئیں بھی تو کیا، مرتسم کچھ شبیہیں ہوئیں بھی تو کیا ؎ خطا تھا نا جب انکا مقدر نہیں کیوں یہ بیٹھے ہیں کو رجت آ لیئے

یہ تصویر بنتا ہے ہاشمی کے ان اشعار کی ہے جوان کو قسمت کی ستم ظریفی اور حالات کی تلخی نے کبھی جھنجھلاہٹ، کبھی شکوہ اور کبھی ویچارگی اور یاس و حسرت کی شکل میں مجبور بنا کر بخشی ہے جس کو وہ نہایت مہذب اور شائستہ و شریفانہ انداز میں صاحبانِ بزم کے دل کو ہلا دینے والے زیر و بم کے ساتھ پیش کر گئے ہیں۔ لیکن اسی "گردشِ رنگ" میں مختار کی کچھ اور تصویریں بھی مختلف انداز اور پہلو لئے ہوئے دیکھنے کو ملتی ہیں۔ جو کبھی اصغر کی سی عرفان و آگہی سے معمور تصوف کی حسن آفرینیاں لئے اور کبھی جگر و شاد و یگانہ اور کہیں فانی و حسرت کی شبیہوں کی ہلکی پھلکی جھلک کے ساتھ اقبال کی سی غیرت و خودداری آمیز یاس میں ملبوس جرأت و ہمت کے ہتھیار سنبھالے دعوتِ عمل کی للکار کے ساتھ ہاشمی جلال انگیز شبیہیں اور سرخیاں لئے اشعار کے ذریعے دلوں کو ہلا دینے والی لرزہ خیز گرج اپنے اندر سمیٹے ہوئے نظر آتی ہیں جس کے آئینہ دار مندرجہ ذیل اشعار ہیں۔ کہ

قیدِ زنداں میں اے صاحبانِ جنوں سر کا ٹکرانا بیکار جاتا نہیں ؎ کچھ تو رخنے پڑے کچھ تو روزن ہوئے، کیا تعجب کہ دیوار میں در بھی ہوں

موت کے رقص کا جشن مقدم کرو، زندگی کو تحرک کا پیغام دو! ؎ کند تیغوں سے جھنکار ہی مانگ لو، وقت کے کم صدا گھنگھروؤں کیلئے

موت کے شہر میں دلکش ماحول ہیں، کیوں نہ ہم چھیڑ دیں نغمۂ زندگی ؎ جبکہ برسات کی ایک تاریک شب نا خدا بنتی ہے جگنوؤں کے لئے

قیودِ وہم توڑ کر حصارِ یقین میں آ گو تو ؎ بہر قدم ہیں منزلیں مگر قدم بڑھاؤ تو

ذروں کا مہر و ماہ سے کیسا موازنہ
ذروں کو مہر و ماہ بناؤ تو بات ہے

مداوائے غمِ دل ہو تو سکتا ہے مگر کیوں ہو
کوئی خوددار دل منت کشِ لطفِ نظر کیوں ہو

تقاضائے پئے تحمل بھی ہے پیامِ مرگِ خودداری !
تحمل وصفِ انسانی ہے لیکن اس قدر کیوں ہو

یہ ستم ظرافِ دنیا ہے اسی کی ٹھوکروں میں !!
غمِ زندگی کو جس نے غمِ زندگی نہ جانا !

سکوں کی بھیک نہ مانگیں گے اب کسی سے ہم
گدا بنیں گے نہ دو دن کی زندگی کے لئے !

سکوں کی بھیک وہ مانگیں گے غم سے ! !
جنہیں توفیقِ ضبطِ غم نہ ہوگی ! !

عزم کامل ہے تو راہوں کے مصائب تو ڈر
حادثے تیرے قدم چوم کے ٹل جائیں گے

تباہ ہونے لگیں جب خلوص کی قدریں !
خلافِ دوستی بھی اعلانِ جنگ بہتر ہے

میں چاہتا ہوں کہ ان کا ضمیر خود جاگے
انہیں یہ ضد ہے کہ میں حقِ دوستی مانگوں

تری پست ہمتی نے دیا خضر کا سہارا !
اسی گم رہی سے ورنہ کئی راستے نکلتے !

اس کے علاوہ "گردشِ رنگ" میں انہیں رنگا رنگ تصویروں کی گردش کے ساتھ نمایاں طور پر ایک اور تصویر بھی مندرجہ ذیل اشعار کی صورت میں تصوف کے تقدس اور معرفتِ الٰہیہ کے ساتھ خودشناسی کے پیکر میں نمایاں طور پر جلوہ گر ہو کر دلوں کو رمز آشنا بناتی ہوئی ذہنوں کو خودآگہی کا شعور اور آنکھوں کو حقیقت کا نور بخشتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جس کا نمونہ مشتے از خروارے درج ذیل چند شعر ہیں۔ کہ

وہ ایک نقطہ جو محدودِ خلوتِ کُن تھا !
وہ لفظ پھیلا تو منصورِ خداشناس ہوا !

انا الحق لفظِ مبہم ہی رہا یہ خیریت گذری
کوئی دیوانہ اس کو عام کرجاتا تو کیا ہوتا !

جنونِ بندگی حد سے گذر جاتا تو کیا ہوتا
میں اپنی ذات کو بھی سجدہ کرجاتا تو کیا ہوتا

ہے منقسم مری ہستی بقیدِ فکر و نظر !　　ہوں آسماں پہ میں اور زمیں پہ سایا !
خدا ہے ملنے خود میں آ گیا ہوں !　　اب آئینے کو سجدہ کر رہا ہوں !
سراب زیست میں سمٹا ہوا ہوں !　　سمندر ہوں مگر قطرہ نما ہوں !
یہ ہے مذاقِ سفر یا جنونِ راہ روی !　　کہ پہونچا میں سرِ منزل مگر پلٹ آیا !
حرم و دیر کی حد سے تو نکل آیا ہوں !　　دیکھیے عشق کی تسکین کہاں ہوتی ہے !
ہم اگر اپنے ہونٹ سی لیتے !　　لطفِ اسرارِ آگہی لیتے
اللہ اللہ ذوقِ عرفانِ خودی کا یہ مآل !　　باخبر ہوتا گیا اور بے خبر ہوتا گیا
جنتِ کیف بھی ہے غم کا جہنم ہی نہیں !　　دل کی وسعت کو کوئی تنگ نظر پہونچے تو
ذوقِ سجدہ تری منزل ہے کہاں یہ تو بتا　　حرم و دیر بہت پیچھے رہے جاتے ہیں !
کم نگاہی اسے ہو بھی سمجھے مختار　　ایک ہی نور ہے کعبے سے صنم خانے تک

اسی طرح "گردشِ رنگ" میں کم و بیش ہر مزاج و رنگ کے اشعار شاعری اور غزل کی تمام خوبیوں نیز روایات و خصوصیات قدم بہ قدم موجود ہ دور کے تقاضوں کی ادائیگی کے ساتھ اپنی ایک انفرادی شان و اعلیٰ حیثیت میں تغزل، سیاست، حکمت، عزم اپنا اپنا جمال و جلال لئے فکر و شعور سے بھرپور وافر تعداد میں موجود ہیں جن میں مختار کی ظرافت و سنجیدگی، خلق و اعلیٰ ظرفی کی اور انکسار و ضبط و تحمل کی چھاپ ہر جگہ نمایاں ہے جو مختلف مزاج اور متضاد کیفیات کی نشان دہی کرتے نظر آتے ہیں ذیل میں ترتیب وار تحریر ہیں۔ آپ بھی دیکھئے :۔

حسین فرد ہیں اسے باغباں یہ گلدستے !　　کسی کو ہوئے فریب آ گئی تو کیا ہوگا
ہماری خاک بھی ہے جزوِ میکدہ کہ نہیں !　　ضمیرِ ساقیِ مینا نہ جانتا ہوگا !
اے جنونِ ترقی کے بندے وہ بھی دن آنے والا ہے جس میں　　امن عالم بنے گی محبت تیری تلوار بیکار ہوگی
حیرت ہے کہ کانٹے ہی رسوا ہے گلستاں میں !　　کانٹوں ہی نے رکھا ہے گلشن کا بھرم اب تک
ایکتا، سنگٹھن، اپنا دیس، اپنا پن، اپنی آزادیاں، اپنی جرأت اپنا من　　جال کتنے بچھائے ہیں صیاد نے چند وحشت زدہ آہوؤں کیلئے

صاحبِ تاجِ بصیرت ہوں میں دیوانہ سہی !　　فکر شاہانہ ہے انداز فقیرانہ سہی
نگہہ و دل کے روابط سے ہم آہنگ تو ہے !　　میری دنیا تیری دنیا سے جداگانہ سہی
منفرد پھر بھی ہے اے حسن حقیقت اس کی !　　زندگی عشق کی عنوانِ صد افسانہ سہی
ہوس کتنے ہی شور مچا لے !　　چراغِ عشق کی لو کم نہ ہوگی
حسن نظارہ کبھی جلوہ در آغوش سہی　　عشق پھر عشق ہے بیخود سہی مدہوش سہی

مرے خلوص نے رکھا مجھے اندھیرے میں　　ترا فریب تجھے روشنی میں لے آیا
مرے وجود پہ تنقید کرنے والوں میں　　اک آئینہ تھا جسے ماحول نے توڑ پایا
کسی کی چشمِ کرم کی توجہات کے ساتھ　　کسی کے قلم کا احساس بھی ابھر آیا -!
فلسفی اور بھی باقی ہیں چراغوں سے زمیں　　شمع کی لو کا دھواں قائدِ شب ہوتا ہے

میرا زاہد سے تقابل نہ کرائے ... حشر ! یہ تو مایوس تھا رحمت سے میں مایوس نہ تھا !
ہے کفرِ رحمت سے ناامیدی مسلسل دُعا کیے جا انہیں دعاؤں میں اے غم دل کوئی دُعا با اثر بھی ہو گی
آ جائے زہر پھیلاتے ہیں تفریقِ من و تُو کا ! ! مناسب ہو تو گُل کر دے چراغِ انجمن ساقی !
ہائے انسان کی موہوم جوانی کا ثبات ! جیسے برسات کی دھوپ آ کے چلی جاتی ہے
مختصر کتنی ہے غنچے کی حیاتِ رنگیں ! ! اک تبسم کی سزا پا کے چلی جاتی ہے
اپنا کردار بھی کچھ غازۂ گفتار دیتا ! منزل دار پہ ہم خاک بسر پہونچے تو
یہ کیا کہ اپنے ہی چہرے سے لوگ ڈر جائیں ! اسی کا نام ہے صیقل تو زنگ بہتر ہے

موہوم سا اک اقرارِ وفا کرنے کی ادا اللہ اللہ کیا شان تامل ہوتی ہے کیا حسنِ توقف ہوتا ہے

مختار ہاشمی کے ان اشعار اور "گردشِ رنگ" کے تفصیلی مطالعہ کے بعد اگر یہ محسوس کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ موصوف صاحب نے ان متذکرہ بیر دیگر شعراء کا مطالعہ بڑی عمیق نظر سے کیا ہوگا۔ لیکن مختار صاحب کے قریب سے دیکھنے اور جاننے والے اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ان کی معاشی و اقتصادی الجھنیں اوّل تو ان کو مطالعہ کے مواقع ہی فراہم نہیں ہونے دیتیں اور اگر کچھ موقع ملا بھی تو ان کو عروض و فن شاعری کی کتب میں ڈوبا ہوا پایا پھر تلامذہ و احباب سے اسی موڈ پر الجھا ہوا پایا۔ اس طرح ان کے واقف کاروں کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ یہ شخص جس کو ایک تنگ ترین عروض دان اور صرف فنی شاعر ہی ہونا چاہئے تھا اس کے کلام میں یہ خوبیاں اور تمام اوصاف و کمال کیسے پیدا ہو گئے۔ لیکن یہی بات امر واقعہ اور دلیل کا جیتا جاگتا ثبوت بھی ہے کہ مختار شاعر بنے نہیں بلکہ قدرت کے ہاتھوں پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان کی شاعری اور ان کی فکر اکتسابی کم اور فطری زیادہ ہے۔ جس کا تاثر قدرتی ہے۔ اسی بنا پر اگر ان کو تلمیذ الرحمٰن کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

چلتے چلتے ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ جس طرح ہر آدمی میں آدمیت عموماً نہیں ہوا کرتی اسی طرح ہر شعر میں شعریت بھی نہیں ہوتی۔ آج کے جدیدیت وغیرہ جیسے پُرکشش ناموں کے مضحکہ خیز دور میں انسان کی معراج پر تصوّر کر لی گئی ہے کہ وہ محض مشین بن کر رہ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سوجھ و دَور کے شعراء ہر مہمل جملے اور بے ربط بات کو علامت (SYMBOLE) کا نام دے کر اس پر فخر ہی نہیں کرتے بلکہ سر دھنتے ہیں کہ ان کا شعر آرٹ کا ایک بہترین نمونہ بن گیا ہے۔ بعض حضرات اپنے جذبات و تاثرات اور کیفیات (جن میں جنسیات کی بہتات ہوتی ہے) کو عریاں اور غیر مہذب انداز میں پیش کر کے خود کو اپنے دور کا افلاطون و ارسطو سے بھی بڑا دانا و حکیم بزعم خود تصوّر کرنے لگتے ہیں۔ جس کے نشہ کی تندی ان کے دل و دماغ کی بصیرت اور آنکھوں کی بینائی کو اس قدر مفلوج بنا چکی ہے کہ وہ اپنے جانب اٹھنے والی تمسخر و تنفر آمیز نگاہوں کو بھی دیکھنے سے محروم بن کر تضحیک آمیز قہقہوں کو بھی داد و تحسین کا شور سمجھنے لگتے ہیں اور ان کے سوچنے سمجھنے کی اتنی صلاحیت بھی مفقود ہو چکی ہے کہ جب جذبات و تاثرات، حیاتِ نفسی اور کیفیاتِ دلی انسانی مکزوریوں کا نام ہے تو ان کا شمار محاسن میں نہیں بلکہ عیوب ہی میں ہونا چاہئے ...... چنانچہ ہو بھی رہا ہے اور شعریت جو ان نازک حیات اور لطیف کیفیات پر مشتمل ہے مفقود ہوتی جا رہی ہے لیکن اس کے باوجود جس شعر سے شعر کا مفہوم بلا کسی الجھن ادا ہو جائے جس میں شعریت بدرجۂ اتم موجود ہو اور دل سے نکل کر دلوں سے ٹکرا جائے وہ ہزار نا قدروانی کے باوجود آج بھی

بادقار انداز میں موجود نہیں جو دنیا سے ابھی مٹا ہے اور نہ ہی مٹایا جا سکتا ہے اور یہ بات بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس سفر دشت سے ہٹ کر جو بھی فکر شعر ہو گی وہ اگر کسی سخت مذمت کی نہیں تو کسی تعریف کی مستحق بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی شاعر کا صرف ایک شعر بھی حقیقی شاعری کے معیار پر ٹھیک اتر جائے تو اس کو یقیناً شاعر کہلائے جانے کا حق حاصل ہے۔ برخلاف اس کے اگر کوئی شاعر سو دو سو اشعار روزانہ گڑھ لینے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے مجموعۂ کلام کو تولا جا سکتا ہے شمار نہیں کیا جا سکتا جس کی قدر صرف اسی طرح کی جا سکتی ہے کہ اس مجموعہ کو نذر آتش کر دیا جائے۔ اسی لئے شاید مختار صاحب نے ایک جگہ کہا ہے :۔ ؏

نہ دے کوئی مجھے ترغیب ارتقائے جدید مرے کلام کا سادہ ہی رنگ بہتر ہے

میرے اس کہنے کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ جدید طرزِ فکر کو اپنانا کوئی بدعت ہے۔ غزل شعر اور فکر و ادب ہمیشہ ہر دور میں ماحول کے مطابق ہو چکیں ہے پچاس برس میں تبدیلیوں اور جدت طرازیوں کو قبول کرتی رہی ہے اور ہمیشہ روبہ ترقی رہا ہے۔ جس کی وجہ سے غزل نگاری اور اردو ادب یا شعر و شاعری کے سرمایہ میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہا ہے بلا شبہ و بلا خوفِ تردید اس کا اعتراف ہر صاحبِ نظر کو کرنا پڑیگا کہ ہمارے دور میں خلیل الرحمٰن اعظمی، شاد عارفی۔ جان نثار اختر، شفیق اور وحید اختر وغیرہ کے زمانے سے جس جدید اسلوب، آہنگ اور لب و لہجہ کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ رجحانات و خیالات نے فکر و شعور کو جن نئی راہوں کی جانب متوجہ کیا ہے ان پر چل کر کچھ اور بلند مقامات و اکتسابات کے حصول کی بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی موجودہ سنجیدہ روی اور یکسانیت کوئی ایسا بے ڈھنگا پن نہ اختیار کرے جس کی جانب گزشتہ سطور میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس اعتبار سے مختار موجودہ وقت کے ان ناقابلِ تقلید نمایاں مقام کے حامل حقیقی شعراء میں سے ایک ہیں جن کا نام اگر سرِ فہرست رکھا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ جیسا کہ میں تحریر کر چکا ہوں کہ یوں تو وہ شعوری و غیر شعوری طور پر قدیم و وسطی دور کے بیشتر بزرگ شعراء سے متاثر و استفادہ کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں لیکن خود ان کے اپنے کلام کی انفرادیت، اپنی طرزِ ادا و حسنِ بیان اور نشست و برجستہ لفظی کے ساتھ ایک پُر سوز دلوں کو تڑپا دینے والی گھن گرج اور ان کے اپنے اشعار کی بھرپور غنائیت کی سب سے جدا لے نے ان کو اس دور میں جس اہم مقام کا حامل بنا دیا ہے وہ ہر بالغ نظر اور صاحبِ فکر و بصیرت قاری و سامع کی نظر میں انکو ایک حقیقی شاعر سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔

اور سب سے آخر میں "خلیل الرحمٰن اعظمی" کے ان الفاظ پر اپنی اس گفتگو کا اختتام کرتا ہوں :۔

"مختار ہاشمی موجودہ دور کے ان معدودے چند شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے ہوسِ نقد اور ہوسِ اشاعت دونوں سے بے نیاز رہ کر اپنے فن کی آبیاری کی ہے۔ وہ ایک مخلص، درد مند، بے ریا خود دار اور کم آمیز انسان ہیں۔ گم شدگی، محویت اور اپنے آپ میں ڈوبے رہنے کی کیفیت نے مختار صاحب کی غزل کو ایک ایسے رنگ و آہنگ سے آشنا کیا ہے جو صرف انہیں سے مخصوص ہے۔ کلاسکی غزل کی روایات سے استادانہ واقفیت رکھنے کے باوجود انہوں نے اپنی شاعری کی اساس اپنے شخصی تجربات پر رکھی ہے ایک بے ساختہ اور فطری غنائیت کے ساتھ ان کی فکر کی زیریں لہر نے ان کی غزل کو دو آتشہ بنا دیا ہے"

غزل

نکہت شاجاپوری

ہر دکھ میں پکارا ہے ہر غم میں صدا دی ہے
مالک ہمیں جینے کی کیوں اتنی سزا دی ہے

ڈولا نہیں گزرے گا گلشن سے بہاروں کا
گلچیں نے چمن سے اب یہ رسم اٹھا دی ہے

کلیوں کا گلستاں میں اُٹھے گی صبا گھونگٹ
سوغات گلِ تر نے خوشبو کی لٹا دی ہے

ہم ایسے کہاں کے تھے یکتائے جہاں لوگو!
کیوں آپ نے راہوں میں دیوار اٹھا دی ہے

یہ شہر ہے بیگانہ مسکن ہے یہ غیروں کا
بس لوٹ چلیں نکہت یہ دل نے صدا دی ہے

غزل

مشتاق آذر سیانوی

حصارِ ذات سے نکلا تو یوں لگا ہے مجھے!
قدم قدم پہ کوئی جیسے ٹوکتا ہے مجھے!

جلا دو سر حدِ ظلمت پہ ہاتھوں کے چراغ
کہ روشنی کے جزیروں نے ڈس لیا ہے مجھے

دہکتے خواب جھلستی ہوئی تمنائیں!
کسی کے سایۂ گیسو میں کیا ملا ہے مجھے!

تمہارے شہر کی سنگیں فصیل پر آ کر
نہ جانے کون گلوں سے نوازتا ہے مجھے

ابھی سحر کی بلندی سے تم صدائیں نہ دو!
ابھی شبوں کی تہوں کو کھنگالنا ہے مجھے!

اٹھا لیا وہیں شہرت نے اپنی پلکوں پر!
جہاں بھی تم نے نظر سے گرا دیا ہے مجھے

پلا کے جامِ وفا میں تم خلوص آذر

غزل

دھنی رام تمنا لدھیانوی

پتھر لئے ہاتھوں میں دعا مانگ رہا ہے
دیوانہ محبت کا صلہ مانگ رہا ہے

دل اُن سے وہی رنگِ وفا مانگ رہا ہے
آنکھوں میں وہ پہلی سی حیا مانگ رہا ہے

غیروں کے لئے دل سے دعا مانگ رہا ہے
اپنے لئے دیوانہ قضا مانگ رہا ہے

منزل پہ پہنچنا ہے مگر راہ ہے دشوار
ہر گام پہ دل اُن کی صدا مانگ رہا ہے

دیوانے سے کہئے کہ رہِ عشق و وفا میں
کیوں جرمِ محبت کی سزا مانگ رہا ہے

اب کوئی تمنا کا ذرا حال تو دیکھے

گوشۂ عقیل

خاموش رہو

ابنِ انشاء

انیس ۱۹ ماہ کی ایمرجنسی میں زبان بندی سے نس بندی تک ہندوستانی عوام پر انسانی خداؤں کا جو عذاب نازل ہوا "خاموش رہو" اس کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ (ادارہ)

کچھ کہنے کا وقت نہیں یہ ——— کچھ نہ کہو، خاموش رہو

اے لوگو خاموش رہو ——— ہاں اے لوگو، خاموش رہو

سچ اچھا، پر اس کے جلو میں، زہر کا ہے اِک پیالا بھی

پاگل ہو؟ کیوں ناحق کو سقراط بنو، خاموش رہو

حق اچھا — پر اس کے لئے کوئی اور مرے تو اور اچھا

تم بھی کوئی منصور ہو جو سولی پر چڑھو؟ خاموش رہو

اُن کا یہ کہنا سورج ہی دھرتی کے پھیرے کرتا ہے!

سر آنکھوں پر، سورج ہی کو گھومنے دو۔ خاموش رہو

آنکھیں موند کنارے بیٹھو، من کے رکھو بند کواڑ!

انشاؔ جی لو دھاگا لو اور لب سی لو، خاموش رہو

اقبالِ جرم

عنایت اللہ

تھانے والوں نے تین مہینے سوچا لیکن سمجھ نہ پائے کہ یہ خودکشی ہے یا قتل۔ تین چار مشتبہ آدمیوں کو چند روز حوالات میں بند رکھا اور وہ جتن کئے جو صرف تھانے والے ہی کر سکتے ہیں اور جن کی ہوا بھی تھانے کی دیواروں سے باہر نہیں جانے دی جاتی۔ ڈاکٹر نے بھی پولیس کی کوئی مدد نہ کی۔ تھانے والے نے اسے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا۔ "خدا کے لئے لکھ دو کہ متوفی کی موت خودکشی سے واقع ہوئی ہے اور کیس یہیں گول کر دیا جائے"۔ لیکن ڈاکٹر نے پوسٹ مارٹم رپورٹ میں لکھ دیا تھا کہ مقتول کی گردن انسانی ہاتھوں سے دبائی گئی ہے اور مرنے کے بعد لاش کو پھانسی پر لٹکایا گیا ہے کھوجی بھی ہار گئے تھے۔ لاش محلے کے ایک غیر آباد اجڑے ہوئے ویران مکان میں کہ جس کی چھتیں جھک آئی تھیں اور باہر کی دیوار گر چکی تھی چھت کے ساتھ ایک مضبوط رسّے کے ساتھ لٹکی ہوئی ملی تھی۔ ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ مرنے والے نے اپنے آپ کو پھانسی دے لی ہے کچھ گرد آلود فرش پر پاؤں کے جو نشان ملے تھے وہ ایک کے نہیں دو آدمیوں کے تھے جن میں سے ایک پندرہ برس کا لڑکا تھا یا کوئی جوان عورت۔ یہ نشان صحن میں ہی ختم ہو گئے تھے کیونکہ باہر کی گلی میں اسی رات کی بوندا باندی نے ایںٹوں کو دھو دیا۔ تین ماہ کے بعد پولیس کے ہاتھ میں صرف ایک آدمی رہ گیا تھا جس کے خلاف دھیما دھیما مبہم سا ثبوت ملتا تھا۔ یہ اسی محلے کا ایک نوجوان تھا۔ اکرام۔ ہنس مکھ۔ خوش رو۔ فٹ بال کا کھلاڑی اور لائٹ ویٹ باکسر۔ پھر تیلا گٹھا ہوا جسم۔ نکھرا ہوا رنگ۔ تین سو پچاس روپے ماہانہ پر ملازم تھا وہ غیر شادی شدہ تھا اور دو تین غیر شادی شدہ نسوانی دلوں کی دھڑکنیں اکرام کا نام سن کر ذرا تیز ہو جایا کرتی تھیں مگر میں اس کی صرف عمر رسیدہ ماں تھی اور باہر زیادہ تر اس کا اٹھنا بیٹھنا مرحوم کے ساتھ تھا۔ مرحوم کی بیوہ۔ شاہدہ کا رنگ تو سانولا تھا لیکن آنکھوں اور خدوخال کے تیکھے پن اور جسم کی ڈھلکن میں قدرت نے اسے حسن کا مثالی نمونہ بنایا ہوا تھا طبیعت میں شوخی اور شگفتگی۔ عمر انیس بیس کے درمیان تھی اس کا مرحوم خاوند پچیس کے لگ بھگ ہوگا اور وہ شاہدہ جیسی بیوی کا کوئی جوڑ نہ تھا کیا شکل و صورت اور کیا مزاج۔ مرحوم اور اکرام میں دوستی تھی اور شاہدہ اکرام سے پردہ نہیں کرتی تھی بلکہ وہ بہت حد تک اکرام کے ساتھ بے تکلف بھی تھی۔ ایک بار محلے کی دائی نے اکرام اور شاہدہ کو اکٹھے بیٹھے دیکھ کر کسی سے کہا بھی تھا۔ "کتنا خوبصورت جوڑا ہے۔ یہ دونوں اکٹھے بیٹھے ہوئے نرے کبوتر اور کبوتری کی طرح لگتے ہیں"۔ مرحوم کا مزاج تو قابل اعتبار نہ تھا لیکن مرحوم کو اکرام پر بہت اعتبار تھا۔ شاہدہ نے کوشش کی تھی کہ مقدمہ واپس لے لے لیکن مقدمہ رجسٹر ہو چکا تھا اور ڈاکٹر کی رپورٹ نے اسے سرکاری کیس کی حیثیت دے دی تھی۔

کھوجیوں نے شک ظاہر کیا تھا کہ موقعہ واردات پر پاؤں کے نشانات میں سے ایک اکرام کے پاؤں سے ملتے ہیں علاوہ ازیں اکرام اور شاہدہ کی بے تکلفی بھی محلے بھر میں مشہور ہو چکی تھی۔ پولیس نے اسی کو اکرام کے خلاف ثبوت بنا لیا اور ادھر ادھر سے چند ایک گواہ جمع کر کے اکرام کا چالان پیش کر دیا۔ مجسٹریٹ نے چار ماہ استغاثہ کے بیان لئے لیکن وہ کسی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر رہا۔ اس نے مقدمہ سیشن کورٹ کے سپرد کرتے ہوئے کچھ اس قسم کے الفاظ لکھے کہ نہ ہی اسے قتل کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ خودکشی کی واردات معلوم ہوتی ہے سیشن کورٹ نے جب کاغذات دیکھے تو انہوں نے مقدمہ کی پیچیدگی کو دیکھتے ہوئے ایک مشہور و معروف اور تجربہ کار سرکاری وکیل کو استغاثہ کی طرف سے لگا دیا۔ یہ سرکاری وکیل خداداد قابلیت کا مالک تھا اور اچھے اچھے سمجھے ہوئے وکیل اس کے مقابلے میں آنے سے گھبرایا کرتے تھے۔ ملزم اکرام نے مجسٹریٹ کے سامنے صفائی کی شہادتیں پیش کرنے سے

انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اسے جو کچھ کہنا ہے سیشن کورٹ کے سامنے کہے گا۔

سماعت شروع ہو گئی۔ سرکاری وکیل پہلے روز ہی جان گیا کہ استغاثہ کے تمام گواہ جھوٹے ہیں اور ان میں کوئی بھی عینی شاہد نہیں لیکن اسے ثابت کرنا تھا کہ ملزم قاتل ہے۔ اکرام کی بدقسمتی یہ تھی کہ اس کا وکیل زیادہ قابل نہیں تھا جب صفائی کی دو یا رہ شہادتیں شروع ہوئیں تو سرکاری وکیل نے سب کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور جب صفائی کا آخری گواہ پیش ہوا تو عدالت کے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ جج نے بے چینی سے کرسی پر سے کروٹ بدل لی۔ سرکاری وکیل کو بھی دلچسپی لگی۔ یہ آخری گواہ شاہدہ تھی۔ مرحوم کی بیوہ جو اکرام کی صفائی میں پیش ہو رہی تھی۔ اس نے طویل بیان میں بیان کیا کہ اس کا خاوند مخبوط الحواس اور شکی مزاج انسان تھا کہ اکرام کے ساتھ گہری دوستی کے باوجود وہ اسے شک کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا۔ اس طرف تو وہ اس کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھا اور اس کی خاطر و مدارات کی خاطر میری جان کھانے لگتا تھا اور دوسری طرف اس شک کا اظہار بھی کیا کرتا تھا کہ میں اکرام کے ساتھ ہنس ہنس کر کیوں بولتی ہوں۔ مرحوم دماغی لحاظ سے صحت مند نہیں تھا۔ شاہدہ نے بتایا کہ واردات کے دن مرحوم حسب معمول دفتر گیا تھا اور کہہ گیا تھا کہ وہ رات کو دیر سے لوٹے گا۔ اسی دن پچھلے پہر اکرام میرے گھر آیا اور میں اس کے ساتھ میونسپلٹی گارڈن چلی گئی۔ میرے اور اکرام کے تعلقات بھائی بہنوں کی طرح پاکیزہ تھے۔ ہم دونوں باغ میں بیٹھے تھے کہ مرحوم پاس کی سڑک سے سائیکل پر گزرا اور اس نے ہمیں دیکھ لیا وہ سائیکل روک کر اترا پیشتر اس کے کہ میں اٹھ کر اس کی طرف جاتی وہ پھر سائیکل پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ میرا اکرام کے ساتھ یوں باہر نکلنا کچھ نیا نہیں تھا۔ اس سے پہلے میں کئی بار مرحوم خاوند کی اجازت سے اکرام کے ساتھ پکچر دیکھنے گئی تھی۔ میں اور اکرام گھر آئے تو مرحوم گھر نہیں لوٹا تھا۔ یہ دوسری صبح کا ذکر ہے کہ محلے کے چند آدمیوں نے مجھے بلایا اور مجھے اس ویران مکان میں لے گئے جہاں مرحوم نے اپنے آپ کو پھانسی دے لی تھی۔ شاہدہ نے عدالت میں یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی کہ مرحوم نے خودکشی کی ہے اور اکرام بے گناہ ہے۔ اس نے لمبے چوڑے بیان میں کہا "میں خاوند کو چاہتی تھی اور میں اس کے قاتل کو اپنے ہاتھوں پھانسی پر لٹکاتی۔ مجھے ملزم کے خلاف گواہی دینی چاہیے تھی لیکن میرا ایمان مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں بے گناہ کا ساتھ دوں میں اپنے خاوند کو بہت اچھی طرح جانتی تھی اور سمجھتی تھی۔"

سرکاری وکیل جب جرح کے لیے اٹھا تو یوں لگتا تھا جیسے اٹھنا نہیں چاہتا۔ جج کا مرجھایا ہوا بوڑھا چہرہ ایک بار چمک اٹھا تھا۔ عدالت کے کمرے میں سکوت طاری تھا جس میں بجلی کے چار پنکھے سسک سسک کر کمرے کی فضا کو برابر ہوا دے رہے تھے۔ جج سرکاری وکیل کی طرف دیکھ رہا تھا اور وکیل اس گہرے نیلے رنگ کے برقعے کے لٹکے ہوئے نقاب کو دیکھ رہا تھا جس کی اوٹ میں چمکتی ہوئی غزالی آنکھیں کٹہروں میں جکڑے ہوئے ملزم کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ جرح کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن جج کی آواز نے اسے سحر سے چونکا دیا اور وہ دوسرے ہی ثانیے انسان کا لبادہ اتار کر سرکاری وکیل بن گیا اور جرح شروع کر دی۔ شاہدہ اس کے ایک ایک سوال کا جواب سنبھل سنبھل کر دے رہی تھی لیکن یہ عدالت میں پہلی بار آئی تھی اور وہ سرکاری وکیل تھا۔ شاہدہ نے محسوس کیا جیسے وہ اس سے آگے بول نہ سکے گی اور اس کی زبان اور اس کا دماغ کسی غیبی قوت کے قبضے میں آ گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اسے یوں لگا جیسے اس کی دماغی قوتیں اس کی اپنی نہیں رہیں۔ اس نے اپنے اوپر جادو کا اثر محسوس کیا۔ اس کے بعد سرکاری وکیل کا ایک ایک سوال اسے دریا کی لہروں کی طرح اپنے رخ میں بہا لے گیا اور وہ بہتی گئی بہتی گئی پھر بہک گئی۔ دو روز بعد جج نے اکرام کو سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا۔

اسی رات شاہدہ اپنے گھر میں جہاں اب خاوند تھا نہ اکرام اکیلی لیٹی ہوئی سسکتے ہوئے درد و کرب میں گزرے ہوئے دنوں کے قہقہے اور مسکراہٹیں تلاش کر رہی تھی کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو اسے آنکھوں پر یقین نہ آیا

ایک کے پیچھے دوسرا۔ دوسرے کے پیچھے ایک اور خیال اور خیالوں کا ایک ریلا اس کے ذہن سے تیز ہوا کے جھونکے کی طرح گزر گیا اس کے سامنے سرکاری وکیل کھڑا تھا دونوں کمرے میں چلے گئے۔

"آپ مجھے اپنے گھر میں دیکھ کر حیران ہو رہی ہیں" سرکاری وکیل نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اور میں آپ کو عدالت میں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ مقتول کی بیوی کا قاتل کی صفائی میں پیش ہونا ہر لحاظ سے حیران کن ہے"

"لیکن یہ قتل نہیں تھا" شاہدہ نے جھکی نظروں سے کہا "میں عدالت میں ایک بے گناہ کو موت کے منہ سے بچانے گئی تھی۔ اکرام کے پھانسی چڑھ جانے سے میرا خاوند لوٹ تو نہیں آئیگا میں نے یہ گواہی دے کر اپنے خلاف نئی نئی کہانیوں کو جنم دیا ہے ہر کوئی حیران ہے کہ مقتول کی بیوی نے قاتل کی حمایت کی ہے کوئی بھی تو اس طرف توجہ نہیں دے رہا کہ انسان نیک بھی ہوتے ہیں اور میں نے صرف دل و ایمان کا ساتھ دیا ہے۔ میں نے اپنے خاوند کو اکرام پر قربان تو نہیں کیا میں خدا کی راہ پر چلی ہوں اور ایک بے گناہ کو بچانا چاہتی تھی"

"میں بھی تو حیران ہی تھا" سرکاری وکیل نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں کہ مجھے یقین آجائے کہ آپ واقعی اسقدر نیک فطرت ہیں" اس نے ذرا رک کر کہا "یہ قتل نہیں تھا خودکشی ہے"

شاہدہ نے اس کی طرف خالی خالی نگاہوں سے دیکھا اور آہستہ سے کہا "آپ نے ہی تو ثابت کیا ہے کہ یہ قتل ہے"

"یہ میرا فرض تھا" سرکاری وکیل نے کرسی پر بے چین ہوتے ہوئے کہا "لیکن میرے فرض نے آج پہلی بار بے چین کیا ہے میں بارہ برس سے سرکاری وکیل کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں خدا نے مجھے ایسی قوت دے رکھی ہے کہ میں گواہوں پر اس انداز سے سوال کرتا ہوں کہ وہ بے بس ہو کر میرے قبضے میں آجاتے ہیں اور میں ان سے وہ بات کہلوا لیتا ہوں جو چھپانا چاہتے ہیں یا جس کا ان کے دماغ میں سے گزر بھی نہیں ہوا ہوتا یہی کچھ آپ کے ساتھ ہوا ہے۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ آپ میری جرح کے جادو میں پھنس گئی تھیں اور میں نے آپ سے ایک دو نہیں کم از کم بیس غلط باتیں کہلوائی تھیں۔ میں نے عدالت کے کمرے میں آپ کو بے بس کر دیا تھا پھر میں نے اس بے بسی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ آپ پر شاید غشی طاری ہونے لگی تھی میں جانتا ہوں کہ اس کیس کی اپیل کوئی وکیل نہیں کرے گا کسی وکیل کو میری کمزوریوں کا علم نہیں۔ لیکن" سرکاری وکیل نے آہ بھر کر کہا "ملزم پھانسی چڑھ گیا تو اس کی بے چین روح مجھے چین سے نہیں جینے دے گی۔ میں نے کبھی اس طرح محسوس تو نہیں کیا تھا لیکن جس وقت سے جج نے فیصلہ سنایا ہے میں محسوس کر رہا ہوں کہ کسی انسان کی سسکیاں میرے گرد منڈلا رہی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کی شہادت کے یہ الفاظ سنائی دیتے ہیں کہ 'مجھے ملزم کے خلاف گواہی دینی چاہیے تھی۔ لیکن میرا ایمان مجبور کر رہا ہے کہ میں بے گناہ کا ساتھ دوں' شاہدہ آپ نے میرے سوئے ہوئے ایمان کو بھی جگا دیا ہے اور میں بھی مجبور ہو گیا ہوں کہ بے گناہ کا ساتھ دوں لیکن یہ بہت بڑی قربانی ہو گی۔ میں نے بارہ سال کی سرکاری وکالت میں کبھی شکست نہیں کھائی۔ اگر اپیل منظور ہو گئی تو عدالتوں کے وکیل مجھ پر پہلی بار ہنسیں گے میرا مذاق اڑائیں گے اور میں اس ہنسی کا عادی نہیں میں شکست کا عادی نہیں لیکن۔ لیکن میں ایک اور شاید صرف ایک ہی نیکی کرنا چاہتا ہوں شاید میرے گناہ اسی ایک نیکی سے دھل جائیں۔" سرکاری وکیل بیٹھ گیا اور شاہدہ دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ وکیل نے پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہا "آپ اکرام کی ماں کو کہہ دیں کہ اپنے وکیل کو کل شام بلکہ رات کو میرے گھر لے آئے۔ وکیل کو میری کوٹھی معلوم ہے آپ بڑھیا کو سمجھا دینا کہ کسی سے ذکر نہ کرے۔ نہایت خاموشی سے اور دبے پاؤں وکیل کو لے آئے۔ اور وکیل کو میں استغاثہ کی کمزوریاں اور باقی سب کچھ سمجھا دوں گا میں خود ہائی کورٹ میں اپیل کے خلاف نہیں جاؤں گا کسی نہ کسی بہانے اپنے اسسٹنٹ کو بھیج دوں گا اور اسے سمجھا دوں گا کہ ذرا اناڑی پن کا مظاہرہ کرے اور اکرام کے وکیل کو بولنے کا پورا موقع دے۔" "لیکن وکیل کی فیس؟" شاہدہ نے پوچھا۔

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

غزلیں

حضور سہسوانی

خلوص و مہر جن کے درمیاں باقی نہیں رہتا
دلوں میں اُن کے اُلفت کا نشاں باقی نہیں رہتا

تمہاری مانگ کے تاروں پہ جم جاتی ہیں جب آنکھیں
نظر میں پھر گمانِ کہکشاں باقی نہیں رہتا !

بدل جاتا ہے پھر پتھر کے ایک بے جان ٹکڑے سے
وہ دل جس میں محبت کا نشاں باقی نہیں رہتا

شرابِ تلخ سینے میں ہمارے جب اترتی ہے
دلِ محزوں میں دردِ بے کراں باقی نہیں رہتا

وہاں ہر چیز کے ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہوتا
چمن میں جب ہمارا آشیاں باقی نہیں رہتا

بتائیں کیا کہ اس منزل سے کتنی بار گزرے ہیں !
جہاں دل میں خیالِ مہ وشاں باقی نہیں رہتا

حضورؔ ایسا بھی تو اک وقت آتا ہے محبت میں
کہ دل میں آگ رہتی ہے دھواں باقی نہیں رہتا

ڈاکٹر راہی

ایماں کو جس نے بیچ کے قیمت وصول کی ! !
وہ بھی تو دے رہا ہے دہائی اصول کی !

واعظ سے ہم نے بحث کی لیکن فضول کی
بات اُس نے کی غرض کی تو ہم نے اصول کی

پھر عمر بھر کبھی نہ کھلوں میں نے بھول کی"
جا۔ آج میں نے تیری معافی قبول کی ! !

مردم شناس ہوں میں مگر اس کے باوجود !
اِک آدمی کو پھر بھی سمجھنے میں بھول کی ! !

کرنا ہے یوں گِلہ سے معطر دماغ کو !
ہم سے نہ بات کیجئے کاغذ کے پھول کی

پوچھو نہ مجھ سے حالِ کتب خانۂ حیات
پرتیں جمی ہوئی ہیں کتابوں پہ دھول کی

شاعر ہوں جانتا ہوں میں راہیؔ اسی لئے
الہام کے بساط حقیقت نزول کی !

ڈاکٹر ایس۔ پی۔ شرما تفتہؔ (اٹلانٹا)

اب کے تو بہاروں میں ہوا رنگِ چمن اور
کلیوں کی چبھن اور ہے پھولوں کی چبھن اور

فریاد نے آنسا یہ اثر ہم دکھایا !
پہلے سے بھی بڑھا ہے زمانے کا چلن اور

جب لوگ دکھاتے ہیں ہر اک گام پہ کانٹے
اے دوست مزہ دیتی ہے چھالوں کی جلن اور

اے گردشِ افلاک! تجھے یہ بھی خبر ہے !
ہمت کو بڑھا دیتے ہیں آلام و محن اور !

اے صبحِ بہاراں ! تجھے اچھے تھے اندھیرے
افزوں ہوئی انوار میں سانسوں کی گھٹن اور

دُنیا سے رہائی کا سبب جب بھی ہوا ہے
بڑھ بڑھ گئی حد و ہاتھ تمنا کی ہوس اور

تفتہؔ ہی پہ موقوف نہیں گرمیٔ محفل
بیٹھے ہیں ابھی بزم میں کچھ اہلِ سخن اور !

غزل

زخمی حصاری

تاریکیوں کے معرکے سر ہم نے کر لیے — اب جی رہے ہیں دل میں اُمیدِ سحر لیے
ڈر ہے کہ کھل نہ جائے کہیں عشق کا بھرم — کیا جائیں اُن کی بزم میں ہم چشمِ تر لیے
آئے ہیں بزمِ کیف و نشاط و طرب میں ہم — دل میں غمِ کشاکشِ شام و سحر لیے
ہم کو تو اب بھی ہے گلۂ دامنِ تہی !! — دامن وگل مراد سے دُنیا نے بھر لیے
اچھا تھا موت ہی کو منھ پیتے بہ سمِ حیات — جی کر کچھ اپنے آپ پر الزام دھر لیے
مایوس ہو کے صحنِ چمن سے نکل گیا — صیّاد اپنے ہاتھ میں دو چار پر لیے
دنیائے بے ثبات میں اعمالِ آدمی ! — پھرتے ہیں آدمی کو اِدھر سے اُدھر لیے
دل نے دیا ہے ساتھ مرا راہِ شوق میں — جاتا ہوں اپنے ساتھ میں اک ہمسفر لیے

زخمی کسی کی ہم سے خوشامد نہ ہو سکی
جو کام اور کرنے تھے سب ہم نے کر لیے

غزل

ابدؔ سرہندی

رہِ جستجو میں غم کیا جو طویل و پرخطر ہے — مرا درد رہنما ہے تری یاد ہمسفر ہے !
ترے طالبانِ جلوہ کسے رہنما بنائیں !! — تری جس کو بھی خبر ہے وہ جہاں سے بےخبر ہے
کوئی کیا سمجھ کے گھر سے تری جستجو میں نکلے — نہ خرد ہی معتبر ہے نہ جنوں ہی معتبر ہے
جو خوشی ملے نہ اِترا جو ملے اَلم نہ گھبرا — کہ بنائے قصرِ ہستی اِسی سوز و ساز پر ہے
ترے دھیان میں مگن ہے تری لو لگی ہے جس کو — نہ خیالِ کفر و ایماں نہ و مارِ خیر و شر ہے
غمِ عشق کا فسانہ ہے فسانۂ حقیقت — جو سنو دراز تر ہے نہ سنو تو مختصر ہے
یہی جوہرِ حقیقی ہے کمالِ زندگانی !! — نہ ہو جس میں آدمیت وہ بشر بھی کیا بشر ہے
غمِ زندگی سے مشکل ہے نجات زندگی میں — جسے موت کہہ رہے ہیں شبِ زیست کی سحر ہے

غمِ عشق ابدؔ چھپا ہے نہ چھپائے سے چھپے گا
مرا رنگِ خامشی ہی ترے دل کا پردہ در ہے

غزل ——— اخلاق سہسوانی

کسی کی دہر دی یا دبیری سے کچھ نہیں ہوتا !
نہ ہو عزم و عمل جب تک ، کسی سے کچھ نہیں ہوتا

بہا ریں گریۂ شبنم کی بھی مرہونِ منت ہیں
چمن میں صرف پھولوں کی ہنسی سے کچھ نہیں ہوتا

اندھیرے کی بدولت روشنی کو ہم نے پہچانا
یہ مطلب ہے کہ صرف اک بہتری سے کچھ نہیں ہوتا

نہ ہو رنج و الم تو زندگی دشوار ہو جائے
خوشی بھی دیکھ لی میں نے خوشی سے کچھ نہیں ہوتا

خلوص سجدہ اور قید جبین و آستاں لے دل
مرے نزدیک ایسی بندگی سے کچھ نہیں ہوتا

خیال امن کا سکونِ عارضی تو بخش دیتا ہے
یہاں لیکن سکونِ عارضی سے کچھ نہیں ہوتا

بقول اخترؔ ہے اخلاقؔ یہ بھی اک حقیقت ہے
"کہ دنیا میں کمالِ شاعری سے کچھ نہیں ہوتا

غزل

سید حامد حسین
صبا عابدی اجمیری

محبت ایک مرگِ ناگہاں ہے
محبت ہی حیاتِ جاوداں ہے

یہی منزل ہے میری زندگی کی
جہاں بھی اُن کے قدموں کا نشاں ہے

الٰہی خیر رکھنا آشیاں کی !
یہ کیسا جانبِ گلشن دھواں ہے

فضا سانت پریشاں اہلِ گلشن
یہ فصلِ گل ہے یا دورِ خزاں ہے

جبیں کے ساتھ دل بھی جھک رہے ہیں
یہ کس کافر کا سنگِ آستاں ہے

گناہوں سے صباؔ مایوس کیوں ہو
کہ رحمت اُسکی بحرِ بیکراں ہے

غزل

طلعت کشن ناآشنا
پرتاپ گڑھی

آپ اس دور میں زندہ ہیں غنیمت جانیۓ
ورنہ اس وقت تو مرنا بھی بہت مشکل ہے

وار کر جائے نہ پھر سے مجھے پاکر تنہا !
بھیڑ میں آج بھی اپنوں کی چھپا قاتل ہے

بندشیں اتنی کڑی ہیں کہ سہے چلتا دو دو
ورنہ دو چار قدم ہی پہ مری منزل ہے

دوسرا ہوتا کوئی اور تو مر ہی جاتا !
زخم کھا کے جو ہنستا رہا میرا دل ہے

میں بھی حقدار ہوں گلزار کی خوشبوؤں
پھول کے رنگ میں میرا بھی لہو شامل ہے

حشر کیا ہوگا فرائض کو بھلا کر تابش
آج کے دور کا انسان بہت غافل ہے

غزلیں

وہ مجھ سے ملے تھے خوشی کی طرح
اب ملے ہیں تو اک اجنبی کی طرح

ایک دن بن کے آئی تھی میری زندگی
اب چلے بھی گئے تشنگی کی طرح

غم کی چھائی ہیں پھر سے نئی بدلیاں
ہر طرف میرے کچھ تیرگی کی طرح

میرے دل کا سکوں میرے دل کی خوشی
لٹ گئی آنکھوں کی روشنی کی طرح

اے خدا غیرِ باطل نے انسان کو
ڈس لیا ہے کسی ناگنی کی طرح !

کیا یہ ممکن ہے تیری خدائی میں پھر
آدمی بھی چلے آدمی کی طرح

کیسی بدلی ہوئی ہے فضا یہ جگرؔ
میرے چاروں طرف جانکنی کی طرح

[illegible]

ستحر سعیدہ

وہ لکھن چھوڑ کر جیسے گیا ہے
وہ اپنے آپ سے ڈرنے لگا ہے

بڑی معصومیت سے دیکھتا ہے
نہ جانے اس کے دل میں آج کیا ہے

مجھے ہر زاویے سے پوچھتا ہے
وہ یوں بدنام کرنے پر تلا ہے

جو اکثر بھیڑ میں تنہا ملا ہے
وہ اپنے قد سے اونچا ہو گیا ہے

مہک اٹھی فضا شب گنگنا دی
بندھا جوڑا جو اس کا کھل گیا ہے

نہیں جس سے مرا اب تک تعارف
وہ کیوں مڑ مڑ کے مجھ کو دیکھتا ہے!

منیر الدین ہوں لیکن مجھے وہ !!
سحرؔ کے نام سے پہچانتا ہے

انور ایاز الحق انصاری بلیاوی

جو شبِ غم میں مسکراتے ہیں
خونِ دل سے دیئے جلاتے ہیں

مے رنگیں میں وہ سرور کہاں
اپنی آنکھوں سے جو پلاتے ہیں

اُن سفینوں کا ہے خدا حافظ
جو کناروں پہ ڈوب جاتے ہیں

پیار کا کھیل کھیلنے والے
جیت کر بھی تو ہار جاتے ہیں

موت کو اُن کی زندگی کہیئے
مٹ کے دنیا کو جو بناتے ہیں

کیوں نہ منزل سے ہمکنار ہوں وہ
جو قدم سوچ کر اٹھاتے ہیں

بے زبانی ہی بن گئی ہے زباں
ہم ہیں چپ، داستاں سناتے ہیں

ہم محبت کے کھیل میں انورؔ
آہیں بھرتے ہیں مسکراتے ہیں

عاجز [illegible]

رازِ سربستہ کھول کر رکھیئے
ذہن اُس کا ٹٹول کر رکھیئے !

ضد کرے گا وہ خودکشی کیلئے
اُس کا زہر گھول کر رکھیئے !

کام آئیں گے یہ مصیبت میں
موتی اشکوں کے رول کر رکھیئے !

ہو سکے تو کسی طرح عاجزؔ
اپنا کردار تول کر رکھیئے !

معیار کی کسوٹی پر

سرور تونسوی

کربِ آگہی (مجموعۂ کلام آنند نرائن مُلّا) ۔ $\frac{18 \times 22}{8}$ سائز کے ۱۱۲ صفحات کا مجموعۂ غزلیات جناب آنند نرائن مُلّا کے شعری فن کا وہ مظاہرہ ہے جس پر اُردو غزل ناز کرے گی۔ شروع میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا دیباچہ "اک الگ ہٹ کے نشانِ کفِ پا" کے عنوان سے ۱۲ صفحات پر پھیلا ہوا دیباچہ نگاروں کو یہ دعوتِ فکر و عمل دے رہا ہے کہ کسی شعری مجموعہ کا دیباچہ کیسے لکھا جاتا ہے۔

"کربِ آگہی" کو مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی نے اپنی روایات کے مطابق شائع کیا ہے۔ یعنی کاغذ کتابت۔ طباعت سب قابلِ تعریف۔ مگر قیمت دس روپے پچاس پیسے یقیناً زیادہ ہے۔ مکتبہ جامعہ اب کتابوں کی قیمت کے معاملہ میں ہندوستان کے اُردو پڑھنے والوں کو امریکن باشندے سمجھنے لگا ہے۔ ورنہ اسکی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ کہ اتنے کم حجم والی کتاب کی قیمت ساڑھے دس روپیہ مقرر کی جائے جبکہ اس کتاب پر لاگت کسی حالت میں بھی اڑھائی روپیہ سے زیادہ نہیں آسکتی۔ مکتبہ جامعہ جس کا بنیادی مقصد اُردو کی بقا و حیات ہے اور جسے حکومت سے ہر سال لاکھوں روپیہ کی امداد ملتی ہے اگر وہ بھی اُردو کے نام پر لوٹ میں دوسرے اداروں سے آگے بڑھنا چاہتا ہے تو یہ یقیناً افسوسناک ہے۔ جامعہ کے اربابِ بست و کشاد سے مودبانہ گزارش ہے کہ وہ اپنی مطبوعات کی قیمتوں کے معاملہ میں اُردو خواں طبقے کی مالی حالت کا اندازہ لگاتے وقت اپنی خوشحالی کو ہی مدِ نظر نہ رکھا کریں۔ "کربِ آگہی" باذوق حضرات کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ یہ مجموعہ مکتبہ شانِ ہند نئی دہلی ۲ سے بھی دستیاب ہے۔

فسانۂ غالب (مالک رام) حجم ۱۹۱ صفحات سائز $\frac{18 \times 22}{8}$ کاغذ سفید اور دبیز۔ لکھائی چھپائی اچھی۔ ناشر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔ جناب مالک رام نے گزشتہ نصف صدی میں غالب پر جو مختلف مضامین لکھے اُن میں سے جن مضامین کا تعلق غالب کی زندگی سے ہے انہیں یکجا کر کے فسانۂ غالب کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ مولف مصنف کا فرمانا ہے "یہ مضامین اگرچہ اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، لیکن اس مجموعہ کے لئے ان پر نظرِ ثانی کے دوران میں از سرِ نو بہت کچھ رد و بدل ہوا ہے۔ بعض مضمون تقریباً از سرِ نو لکھے گئے ہیں کیونکہ اس اثنا میں ان موضوعات پر نئی نئی معلومات منظرِ عام پر آ گئی تھیں کہ پہلا مضمون تقریباً "پارینہ" بن کے رہ گیا تھا۔" گویا پیشواز تو وہی ہے مگر اس پر گوٹہ کناری لگا کر بالکل نیا بنا دیا گیا ہے۔ جناب مالک رام کو چونکہ "ماہرِ غالبیات" سمجھا جاتا ہے اس لئے وہ اپنے اس اعزاز کو بجا ثابت کرنے کے لئے "غالب" پر مفید کتابیں شائع کراتے رہتے ہیں اور زیرِ نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ "فسانۂ غالب" کی قیمت ساڑھے سولہ روپے ہے اور یہ بھی یقیناً زیادہ ہے۔ ناشر کے علاوہ یہ کتاب مکتبہ شانِ ہند نئی دہلی ۲ سے بھی طلب کی جاسکتی ہے۔

کو بہ کو حجم ۹۶ صفحات سائز $\frac{18 \times 22}{8}$ کاغذ، کتابت، طباعت بہتر۔ قیمت مجلد سات روپے ناشر نئی آواز (مکتبہ جامعہ کا ذیلی ادارہ) جامعہ نگر، دہلی ۲۵۔

"کو بہ کو" مجموعۂ کلام ہے سلمان اختر کا جو جاں نثار اختر کے صاحبزادے ہیں۔ اس کا پیش لفظ جاں نثار اختر (مرحوم) کا لکھا ہوا ہے جو نپے تلے انداز میں سلمان اختر کی شاعری پر ایک شاعر باپ کی حوصلہ افزائی ہے۔ جاں نثار اختر نے اپنے لختِ جگر کے مندرجہ ذیل اشعار پر رشک فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اشعار انہوں نے خود کہے ہوتے۔

ہم بہت دن جیے ابھی دنیا میں!
ہم سے پوچھو کہ خودکشی کیا ہے!
زندگی ہے وہ کشمکش جس میں!
خود سے ہارے تو جان سے ہارے

کھڑکیاں دیر سے [illegible]
میں یہ سمجھا تھا کہ باہر بھی اندھیرا ہوگا

سامنے دیوار تھی، اس پر کوئی سایہ نہ تھا
پھر بھی لگتا تھا کہ میں بیچارہ تنہا نہ تھا

ہم سمندر پہ دوڑ سکتے ہیں ∴ ہم نے اتنے سراب دیکھے ہیں
دن نکلتے ہی رات کا دھڑکا ∴ صبح بھی سہ پہر سی لگتی ہے

یہ اشعار واقعی اچھے ہیں اور ان سے یہ امید بندھتی ہے کہ جاں نثار اختر یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ "ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے" مگر "کو بہ کو" کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جاں نثار اختر (مرحوم) نے سلمان اختر کے سارے کلام کو غور سے نہیں پڑھا اور شاید پدری شفقت نے انہیں اس طرف آنے ہی نہیں دیا کہ سلمان اختر کے ان اشعار کو بھی دیکھتے مثلاً صفحہ ۳۴ پر یہ شعر کس قدر نفیس ذم کا آئینہ دار ہے ؎

یہ بات کہ کچھ ٹوٹ رہا ہے مرے اندر
دنیا کو خبر ہو کہ نہ ہو مجھ کو پتا ہے

صفحہ ۳۶ کا یہ شعر ؎

کھو گئے دن میں مجھ سے وہ سائے
جو اندھیرے میں میرے پاس آئے

اندھیرے میں سائے آئے۔ یہ تو مخالفتِ قیاس کی تمثیل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۳۷ پر اس شعر کی ردیف گوند سے چپکائی ہوئی معلوم ہوتی ہے ؎

کیا کریں گے جو سرِ بزم کبھی اس نے کہا
شعر دو چار ذرا ہم کو سنانا کوئی!

صفحہ ۳۹ کا آخری شعر ؎

ڈھونڈا کئے بہت نہ کہیں زندگی ملی
اس قحط کا اپنے شہر میں لگتا ہے کال سا

لگتا ہے کہ سلمان اختر جس شہر میں رہتے ہیں وہ مُردہ آباد ہے حالانکہ سلمان اختر بمبئی میں رہتے ہیں یا امریکہ میں۔ صفحہ ۱۷ کا پہلا شعر ؎

خوابوں کے آسرے پہ بہت دن جیئے ہو تم
شاید یہی سبب ہے کہ تنہا رہے ہو تم!

کیا جیئے اور رہے قوافی ہیں ایطا نہیں۔ ایطا نہیں تو پھر یہ قافیے ہی صحیح نہیں۔ صفحہ ۱۶ کی غزل میں قافیے کے حرف روی کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا۔

صفحہ ۱۵ پر چھٹا شعر ؎

دن کی بے رحم روشنی ہے یہاں
کاش جلدی سے کچھ اندھیرا ہو

روشنی کا بے رحم اور رحم دار ہونا کوئی سلمان اختر صاحب سے معلوم کرے۔

صفحہ ۱۳ پر دکھلا کر اور صفحہ ۱۴ پر اسی طرح سے متروک ہیں۔ "کو بہ کو" کی اشاعت میں کاغذ کا بڑی بے رحمی سے استعمال کیا گیا ہے۔ اکثر صفحات کا بیشتر حصہ خالی ہے اور ۹ انچ لمبے اور ½۵ انچ چوڑے صفحہ پر کہیں کہیں تو دو دو تین تین اشعار دیئے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ مکتبہ شانِ ہند نئی دہلی ۲ سے بھی دستیاب ہے۔

نوائے آوارہ حجم ۴۰ صفحات سائز ۲۲×۱۸/۸ ۔ لکھائی چھپائی مکتبہ جامعہ کی روایات کے مطابق بہترین کاغذ اعلیٰ قیمت ساڑھے آٹھ روپے۔ ناشر۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵۔

"نوائے آوارہ" جناب غلام ربانی تاباں کا تازہ ترین مختصر سا مجموعہ کلام ہے۔ اس مجموعہ کلام کی یہ ادا پسند آئی کہ پیش لفظ شروع کے صفحات کی بجائے آخر کے صفحات میں دیا گیا ہے۔ تاکہ قاری سارا کلام پڑھنے کے بعد شاعر کے ذاتی تاثرات سے واقف ہو سکے۔ اس طرح ... ایک قاری آزادانہ طور پر کلام کا مطالعہ کر سکتا ہے ناکہ پیش لفظ پڑھ کر شاعر کے بتائے ہوئے انداز میں کلام کا مطالعہ کرے۔

تاباں صاحب کا شمار ملک کے صفِ اول کے شعراء میں کیا جاتا ہے اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے بعض صفِ اول کے شعراء نے فنی قیود سے فرار "بریٹن" کا ایک طرۂ امتیاز سمجھ لیا ہے تاباں صاحب کے بعض اشعار بھی "بریٹن" کے باعث فنی اعتبار سے مجروح نظر آرہے ہیں مثلاً پہلی غزل کے مطلع ؎

کھلائے شعلے نسیم سحر سے دور نہیں
سوادِ رنگ سوادِ شرر سے دور نہیں

کے دونوں مصرعوں میں باہم کوئی ربط نہیں اسی طرح اسی غزل کا چوتھا شعر ؎

شکستہ ہوں تو کسی عہد کی زباں بن جائیں
طلسم و سحر سہی، بام و در سے دور نہیں

دو محنت کا نمونہ ہے ۔

مقطع کا آخری مصرعہ کہ

"سرِ رہگذر کوئی آرزو بھی مری نظر میں الجھ گئی"

شکستِ ناروا کی اچھی مثال ہے ۔

صفحہ ۲۱ ۔ کہ نکل کے شہر سے آوارہ راستے بھی ہوئے "آوارہ راستے" کوئی اچھی ایجاد نہیں ہے ۔ اسی صفحہ پر یہ شعر ؎

وہ رات یوں بھی قیامت کی رات تھی تاباںؔ
چراغِ غم کے اندھیروں سے معرکے بھی ہوئے

اگر مہمل نہیں تو تعقیدِ معنوی کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ تاہم "نوائے آوارہ" مطالعہ کے قابل ہے ۔ یہ مجموعہ دفتر شان ہند سے مل سکتا ہے ۔

انیسیات

ضخامت ۲۰۸ صفحات سائز ۲۲×۱۸/۸ کاغذ بہت ہی اچھا ۔ لکھائی چھپائی قابلِ تعریف ۔ قیمت مجلد تیرہ روپے پچاس پیسے ۔ ناشر :۔ اُتر پردیش اُردو اکاڈمی ۔ لکھنؤ ۔ یوپی ۔

اُتر پردیش اُردو اکاڈمی نے اپنے اشاعتی اغراض و مقاصد کے تحت پہلی کتاب "انیسیات" شائع کی ہے ۔ یہ کتاب مرحوم پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب کے اُن ۲۱ مضامین کا مجموعہ ہے جو مرحوم نے میر انیسؔ کی زندگی، شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں پر ۱۹۲۶ء سے ۱۹۷۳ء کے دوران تحریر فرمائے ۔ مرتّب جناب صباح الدین عمر سکریٹری اُتر پردیش اُردو اکاڈمی نے "انیسیات" کو بڑے اچھے انداز میں ترتیب دیا ہے ۔ حیات اور شخصیت سے متعلق مضامین پہلے اور فن سے متعلق مضامین بعد میں دیئے گئے ہیں ۔ ہر مضمون کے آخر میں ایک فُٹ نوٹ بھی دیا گیا ہے جس میں ماخذ کا نام اور سنِ اشاعت لکھ دیا گیا ہے ۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کے ان مطبوعہ مضامین کے علاوہ میر انیسؔ سے متعلق ان کی چار کتابیں پہلے شائع ہو چکی ہیں مگر ان کے مضامین کا یہ مجموعہ ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے اندرونی سرورق مصنف کی قلمی تحریر کے عکس سے مزین ہے کتاب مصنف کے انتقال کے ایک سال کے بعد نومبر ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی جس کی رسمِ اجرا مرحوم صدرِ جمہوریہ جناب فخرالدین علی احمد کے دستِ مبارک سے انجام پائی ۔

یہ کتاب ہر لائبریری کی زینت بنائے جانے کے قابل ہے ۔

لفظوں کا پیرہن

ضخامت ۱۱۲ صفحات ۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ ۔ کتابت ۔ طباعت قابلِ تعریف ۔ ناشر سبھی ۔ پبلی کیشنز ۔ ۳۰۷۲ ۔ پرتاپ اسٹریٹ ۔ دریا گنج ۔ نئی دہلی ۲ قیمت مجلد سات روپے جو یقیناً زیادہ ہے ۔ بدیع الزماں خاورؔ کی نظموں، غزلوں اور چند رباعیات کا یہ مجموعہ حال ہی میں شائع ہوا ہے ۔ خاورؔ اس سے پہلے حرف، بیاض، میرا وطن ہندوستان "امراؤ" اپنے چار شعری مجموعوں سے باور کرا چکا ہے کہ اردو شاعری میں خاورؔ کا بھی ایک مقام ہے ۔

قدیم روایات کی شاعری درجہ اصل شاعری ہے اور جدید شاعری دونوں میں خاورؔ ایک منفرد شاعر کا مقام رکھتا ہے ۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ خاور شاعری کی تمام فنی قیود کا پابند ہے ۔ آپ ڈھونڈنے پر بھی اس کے کلام میں کوئی فنی سقم تلاش نہیں کر سکتے ۔ اب تو خیر سے خاورؔ چالیس پینتالیس سال کے ہوں گے جب یہ بیس بائیس سال کے تھے اور دفتر "شان ہند" میں "میرے دستِ راست تھے" تو اس وقت انہوں نے حضرت ماہر القادری کے مجموعہ کلام پر "شانِ ہند" میں تبصرہ کیا تھا اور ماہر القادری کے کلام میں بیس فنی اسقام کی نشاندہی کی تھی تو خود ماہر القادری نے اس تبصرہ کو پسند فرمایا اور لکھا کہ یہ خاورؔ کون بزرگ ہیں جنہوں نے میری شاعری کا "دوسرا رُخ" بہت اچھے فنی انداز میں جانچا ہے ۔ "لفظوں کا پیرہن" ایک ایسا مجموعہ ہے جو قیمت زیادہ ہونے کے باوجود ہر صاحبِ ذوق کی میز پر اس حقیقت کا اظہار کرے گا کہ اس مجموعہ کو پڑھنے والا واقعی سخن فہم ہے ۔

قارئین شانِ ہند جو واقعی صاحبِ ذوق اور سخن فہم ہیں اُن کو یہ مجموعہ ضرور پڑھنا چاہیے ۔ "لفظوں کا پیرہن" دفتر "شانِ ہند" سے بھی دستیاب ہے ۔

یادوں کی برات کا خصوصی مطالعہ

مرتبہ ۲۴۸ صفحات سائز ۲۲×۱۸/۸ ۔ کاغذ ۔ چھپائی ۔ لکھائی ۔ متوسط قسم ۔ ناشر ۔ ارشاد احمد ۔ قیمت بارہ روپے (پیپر بیک) ملنے کا پتہ مصنف و مرتب ۔ ماہر کمال صاحب ۶-۸-۱-۳-۲۳ بیت المنظم متصل پیٹھ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲ (آندھرا پردیش)

حضرت جوش ملیح آبادی کی سوانح حیات "یادوں کی برات" پر
متعلق خیالات کے تنقید نگاروں نے مختلف تنقیدیں کی ہیں
ہر تنقید نگار اس نظریے سے متفق پایا گیا کہ جوش نے
"یادوں کی برات" میں بیشتر جگہ غیر مہذب کلمات اور نا
شائستہ یا زبان اور تعلی نیز بعض واقعات میں صریحاً غلط
بیانی سے کام لیا ہے۔ اور اس حقیقت سے تو انکار کیا ہی
نہیں جا سکتا کہ انہوں نے بعض قریبی دوست احباب مثلاً جناب
ہری شنکر صاحب آئی۔ سی۔ ایس جنہوں نے سردار پٹیل سے
کہہ کر اردو "آجکل" کو دوبارہ جاری کرایا اور آجکل کی
ایڈیٹری کے لئے حضرت جوش ملیح آبادی کا تقرر کرایا اور
جناب کرشن لال صاحب مالک ہوٹل راجدوت جن کی
کوٹھی پر حضرت جوش مہینوں مہمان رہتے اور ہر روز شام
تک کی ایک بوتل کے علاوہ انہیں اور ان کے مہمانوں کے
کھانے اور رہنے کا انتظام بھی ہوتا۔ محض خبثِ باطنی کی بنا پر
"یادوں کی برات" میں ذکر نہیں کیا۔ اور جوش صاحب نے تعلی سے
کام لیکر اپنے آپ کو عظیم ثابت کرنے کے لئے دوسروں کو پست
کردانا مثال کے طور پر پنڈت جواہر لال نہرو کا ذکر ایسے کیا گیا
ہے کہ جیسے کہ وہ ہندوستان کے وزیر اعظم نہیں تھے بلکہ جوش
کے چپراسی تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ جوش صاحب نے اپنے اٹھارہ
عاشقوں میں سے صرف آٹھ کی ہی تفصیل بیان فرمائی۔

اردو اور انگریزی ادب پر گہری نظر رکھنے والے جناب
دیوان آنند کمار صاحب۔ بار ایٹ لاء و سابق وائس چانسلر
پنجاب یونیورسٹی کا فرمان ہے کہ جوش کے ان معاشقوں میں
صرف ایک معاشقہ سو فیصدی سچا ہو سکتا ہے جس میں جوش
صاحب کے گھر کی نوخیز خادمہ نے صبح سویرے انہیں لحاف
میں دبوچ لیا تھا۔ ورنہ باقی صاحب کے سب معاشقے جوش
صاحب کی خود فریبی اور خودستائی تک ہی محدود ہیں۔

صابر کمال صاحب نے جو اپنے آپ کو جوش صاحب کا شاگرد
ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا ہم جلیس ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں
زیر نظر کتاب میں جوش صاحب پر عائد شدہ ان الزامات کی صفائی
پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جس طرح جوش
صاحب اپنی سوانح حیات میں خودستائی سے آگے نہیں نکل سکے۔
اسی طرح صابر کمال بھی جوش صاحب پر عائد شدہ الزامات کی صفائی
کے پردے میں اپنی خودستائی کرتے نظر آتے ہیں۔

صابر کمال صاحب نے جامعہ عثمانیہ سے اعزاز کے ساتھ
اردو میں ایم۔ اے کیا ہے اور انہوں نے تحقیق کے لئے جوشیات
کو اپنی جولانگاہ بنایا ہے۔ جوش کی شخصی اور رنگ برنگی زندگی کی جھلکیاں
ان کی بیشتر نظموں کی شانِ نزول طباعت سے پہلے اشعار کا روپ
اور نایاب غیر مطبوعہ اشعار کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے جو قابلِ
مطالعہ ہیں۔ صابر کمال سے گزارش ہے کہ وہ اگلے ایڈیشن میں ان
سب واقعات کو نکال دیں جن سے ان کی خودستائی کو تقویت
ملتی ہے اور انتہائی ایمانداری کے ساتھ جوشیات پر تحقیق
فرمائیں تو یقیناً وہ ایک بہترین ادبی خدمت انجام دے سکیں گے
جو شخص واقعی ایک عظیم شاعر ہے "یادوں کی برات" زبان و بیان کے
لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ صابر کمال کا تحقیقی
مقالہ "یادوں کی برات" کا خصوصی مطالعہ بھی ایسا ہی ہو جیسے اردو
ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جا سکے۔ تحقیق میں استادی
شاگردی کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ حقیقت نگاری ہی مقالہ نگار
کا اصل سرمایہ ہے۔

اس کتاب میں بمبئی کے مشہور ادب نواز جناب شام نگم کو
ہر بار شام نگم لکھا گیا ہے۔ ایک آدھ جگہ "نگم" لکھا ہوتا تو
کتابت کی غلطی کہا جا سکتا تھا مگر ہر بار "نگم" لکھا جانا مصنف کی
ہی غلطی کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مصنف نے لکھا ہے جناب
کنور مہندر سنگھ بیدی اور جناب وی شنکر پنجابی میں گفتگو کرتے
تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وی شنکر صاحب پنجابی زبان کسی
حد تک سمجھ ضرور لیتے ہوں گے مگر وہ پنجابی بول نہیں سکتے۔

یہ کتاب پڑھے جانے کے قابل ہے۔ اسے آپ دفتر
شانِ ہند دہلی ۶ سے بھی طلب فرما سکتے ہیں۔

وفادارو!

ڈاکٹر انجم جزآبادی

قدم بڑھائے چلو ملک کے وفادارو۔
ابھی تو دھوپ ہے، سایہ بھی پاؤگے یارو

غریب بھوک کے بت ہیں انہیں کھلانا ہے
ہزاروں تن کو لباسوں سے اب سجانا ہے
سبھی کی تشنہ لبی دیش میں بجھانا ہے

قدم بڑھائے چلو ملک کے وفادارو
ابھی تو دھوپ ہے سایہ بھی پاؤگے یارو

ابھی تو مجھ کو زمیں دیش ہے دانوں کی
سدھارنا ہے بہت حالتیں کسانوں کی
ترقیاں ہوا دستوری ہیں کارخانوں کی

قدم بڑھائے چلو ملک کے وفادارو!
ابھی تو دھوپ ہے سایہ بھی پاؤگے یارو

غلط کمائی کی عادت ابھی بدلنا ہے
خدائے عالم رشوت کا سر کچلنا ہے
ابھی سنبھل نہیں پائے ہو تم سنبھلنا ہے

قدم بڑھائے چلو ملک کے وفادارو!
ابھی تو دھوپ ہے سایہ بھی پاؤگے یارو!

گرے پڑے ہو بھائی بھی پیزدوں کے تم اٹھا دیجے
دلوں میں ڈھونڈو تو ایمان تم جو کھو بیٹھے
تمہیں قسم ہے نہ بیچے کے تم بنو بندے

قدم بڑھائے چلو ملک کے وفادارو
ابھی تو دھوپ ہے سایہ بھی پاؤگے یارو!

حقیقتاً جو ہر اک دل میں دیش بھکتی ہے
اسی کو کام میں لانا تمہاری شکتی ہے
تمام دھوپ یہ سایہ سمیٹ سکتی ہے

قدم بڑھائے چلو ملک کے وفادارو!
ابھی تو دھوپ ہے سایہ بھی پاؤگے یارو

بقیہ: اقبالِ جرم

"میں دونگا" سرکاری وکیل نے کہا۔

شاہدہ نے یوں سرکاری وکیل کی طرف دیکھا جیسے اس نے اسے نیند سے جگا دیا ہو۔ وکیل نے اس کی طرف دیکھا۔ اور شاہدہ کی آنکھیں جھک گئیں۔ دونوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس طرح ایک دوسرے کے قریب تر ہو گئے ہیں۔

دوسری رات اکرام کی ماں اور اسکا وکیل سرکاری وکیل کی کوٹھی میں داخل ہوئے اور نصف شب کے قریب نکلے۔ تیسری صبح وکیل ہائی کورٹ میں اپیل داخل کرا رہا تھا۔ اسی دن سرکاری وکیل ہسپتال میں داخل ہو گیا اور ایک جج ہائیکورٹ کا جج منبر میں بیٹھا ہوا اکرام کے وکیل کی دلیلیں سن رہا تھا اور اسکے مقابلے میں سرکاری وکیل کا اسسٹنٹ بغلیں جھانک رہا تھا ہائیکورٹ نے اپیل منظور کرتے ہوئے اکرام کو بری کر دیا۔

اس سے اگلی رات کے اندھیرے میں سرکاری وکیل شاہدہ کے گھر میں داخل ہوا۔ شاہدہ بہت مسرور تھی۔ سرکاری وکیل کو دیکھتے ہی وہ بچوں کی طرح اس سے لپٹ گئی۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی شہر کا شور و غوغا تھمتا جا رہا تھا۔ رات کا سکوت نکھرتا آ رہا تھا۔ برآمدے میں چمگادڑ کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ صاف سنائی دینے لگ گئی تھی وہ بتا کے نہائے اونگھ رہے تھے۔ شاہدہ کے سینے میں ایک عورت جاگ اٹھی تھی

"شاہدہ" وکیل نے سرگوشی کے انداز میں کہا "تم جیسی نیک اور بلند خیال عورت کا میں چالیس برس سے انتظار کر رہا ہوں۔"

شاہدہ کے جسم نے جھرجھری لی اور اس نے یوں جسم کو جھٹکا دیا جیسے پرندے نے جال میں سے نکلنے کی کوشش کی ہو اس کے ذہن میں جیسے دھماکہ ہوا ہو۔ ایک تصادم ایک خوفناک ٹکر پھر ایک طلسم اس کے گرد جالا بننے لگا اور وہ بے بس ہونے لگی۔ وہ چارپائی پر بیٹھے ہوئے سرکاری وکیل کے سامنے فرش پر دوزانو بیٹھ گئی اور اس کے گھٹنوں پر سر رکھ کر اکھڑی ہوئی مگر تیز اور پر اعتماد آواز میں کہا۔ "مجھے بھول جائیے صاحب! آپ کو ایک نیک طینت بیوی کی ضرورت ہے اور میں۔ اور میں"۔ وہ خاموش ہو گئی۔ اور پھر بولی "میں اتنے بڑے گھر کے قابل نہیں۔ اس گھر میں ایک پاکدامن لڑکی بسے گی۔ اور میں۔ میں قاتل ہوں میں نے اپنے خاوند کو قتل کیا تھا۔ اس کا گلا میں نے گھونٹا تھا۔"

شاہدہ کا رنگ جو سانولا تھا گہرا سرخ ہو گیا اور ہونٹوں کے کپنے سے

بھاگ کی سلیپری نمودار ہو گئی۔ سرکاری وکیل کو یوں لگا جیسے قانون کی کتابوں سے بھری ہوئی بوری کسی نے سمندر میں پھینک دی ہو۔

من کہ مکتوب الیہ

کولی واڑہ ۔ کلیان ۔ بمبئی ۔

مکرمی سرور صاحب آداب ۔

محبت نامہ ملا یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ علام صاحب غزلیں پاس کر دی ہیں۔ ان کے مضامین کی افادیت اور علمی حیثیت نے کسے انکار ہے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شاعر، شاعرہ، کوئی کوثری در در منعکسہ جیسی بحثیں خالص کلاسیکل ہیں آج کے لوگوں ہیں ے بہت کم کے پلے پڑتی ہیں۔ ان کے بدلے مفید مضامین سے ا مطلب یہ تھا کہ قارئین کو ابتدائی فنی نقائص سے روشناس یا جائے۔ اکثر و بیشتر شعرا نہیں جانتے کہ شتر گربہ کیا ہے بطا کسے کہتے ہیں۔ اجتماع ردیفین کس چڑیا کا نام ہے ۔ وغیرہ وغیرہ س طرح شروع کر کے پھر باریک بحث پر آیا جائے تو زیادہ فید ہوگا ۔ میری طرف سے علام صاحب سے بصد درخواست یجئے کہ وہ بحرالفصاحت یا معیارالشعر جیسی کوئی ضخیم کتاب ردو شاعری کے فن پر لکھیں ۔ آج کل شعرا عربی فارسی کے بجائے انگریزی ادب سے زیادہ استفادہ کر رہے ہیں ۔ لہٰذا کتاب لکھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے اور جدید تقاضے پورے کئے جائیں ۔ اب اردو شاعری کو عربی فارسی کی لاٹھی پکڑ کر چلنے سے آزاد ہونا چاہیئے ۔

خلوص کیش ۔ متین بدایونی

برادرم سرور صاحب ! سلام و نیاز،

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے ۔ مشاعرہ باز متشاعروں کے بارے میں جناب شاد عارفی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بزم میں اے شاد جنکے رس ہے، جنھیں تقریر کرنے پر دسترس ہے

شاعروں میں پرانی غزلوں پہ داد چاہیں، خراج مانگیں

والسلام

آپکا اپنا :۔

عروج زیدی رام پوری

روڑ کیلا ۱۳، مارچ ۷۷ء

مخزمی سرور صاحب تسلیم ۔

گزشتہ ماہ حضرت طرفہ قریشی بھنڈاروی صاحب تشریف لائے تھے ۔ چار پانچ یوم میرے یہاں قیام رہا ۔ بہت اچھا وقت گزرا ۔ آپ کا تذکرہ بھی رہا ۔ بالخصوص شانِ ہند کے کالم "افکار و واقعات" کو سب نے پسند کیا اور اس طرز کو سراہا ۔ یہ سلسلہ جاری رکھیئے ۔ چونکہ مختلف مقامات پر مشاعروں میں شرکت کے باعث تمام مختلف الخیال ۔ مختلف الذہن شعرا سے ملنے کا موقع ملتا ہے کچھ واقعات بھی علم میں آجاتے ہیں ۔ اور ذہن میں محفوظ بھی ہیں اگر ارشاد فرمائیں تو تحریر کر دوں ۔ بہر حال یہ سلسلہ اچھا ہے ۔ اسی طرح آئینہ دکھاتے رہیئے ۔ کم سے کم ہمارے شعراء اپنا چہرہ تو دیکھ سکیں گے کہ "کہتی ہے انہیں خلق خدا غائبانہ کیا"۔

(نیازی)

نانک پور ۱۸ ۲۵، مارچ ۷۷ء

محترمی آداب و نیاز ۔

فروری ۷۷ء کا شمارہ آج موصول ہوا ۔ شکریہ مضامین کا انتخاب بہتر پایا ۔ اداریہ میں "شعراء کی رسم گلا چھوائی" کے قصے پڑھ کر بڑی حیرت ہوئی ! معلوم نہیں یہ بدمذاقی کب ختم ہوگی ۔ بانیانِ مشاعرہ کی ستم ظریفی بھی مستزاد ہے علماں صورت تنگ بند و خوش گلو چھو کروں نے عوام کے مذاق کو اور بھی خراب کر دیا ہے ۔ بانیانِ مشاعرہ میں نوے فیصد حضرات اس پست مذاق سے متصف ہیں ۔ ادارے کی طرف سے معیار کی کسوٹی پر کے تحت اصولی اور باضابطہ تنقیص کی گئی ہے کاش خود پسند اساتذہ اور خود رو شعراء اس تنقیص سے سبق لیں ۔ اور قواعدِ فن اور عروض کی پابندی کو اپنی صلاحیتوں کا زیور سمجھیں ۔

نیاز مند ۔ طرفہ قریشی ۔

دیال سنگھ کالج

کرنال

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلباء کو ہمیشہ ڈسپلن قومی یکجہتی اور ملک کی ہر طرح حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور انہیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اہلِ کرنال اور گرد و نواح کے طلباء کے لئے **دیال سنگھ کالج** ایک نعمت ہے۔ اپنے بچوں کو اگر آپ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک اچھا شہری بنانا چاہتے ہیں تو دیال سنگھ کالج کرنال کی خدمات سے فائدہ اٹھائیے۔

دیال سنگھ کالج کرنال (ہریانہ)

اراکین منتظمہ کمیٹی

نایاب اور مشہور اُردو کتابیں منگایئے

کلیاتِ اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسٹ)		۱۸/=
اقبال، شاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	۱۴/=
بانگ درا (فوٹو آفسٹ)	اقبال	۱۰/=
ضربِ کلیم	״ ״	۷/۵۰
بالِ جبریل	״ ״	۷/۵۰
ارمغانِ حجاز	״ ״	۴/۵۰
شاعر اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/=
اُردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۳۰/=
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/=
اطرافِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/=
غزل اور مطالعۂ غزل	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۲۰/=
جدید شاعری	״ ״	۲۵/=
ارمغانِ علی گڑھ	خلیق احمد نظامی	۲۰/=
اُردو مثنوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۶/=
تصوراتِ غالب	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۲۵
اُردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعہ سر سید احمد خاں	عبدالحق	۵/=
اُردو ادب کی تاریخ	عبدالحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستۂ مضامین و انشاء پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں	۵/۹۵
نمائندہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۳/۷۵
اُردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/=
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۴/=
فیروز اللغات (جیبی ایڈیشن) پلاسٹک کور		۷/=
شرح جاوید نامہ (جلد اوّل)	محمد سلیم چشتی	۶۰/=
״ ״ (جلد دوم)		۴۰/=
اقبال کے خطوط	ڈاکٹر منظر عباس نقوی	۱۸/۵۰
پریم چند کے دو نسوانی کردار	ڈاکٹر ضمیم نکہت	۱۸/=
اُردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۷/۵۰
یادوں کے سائے	ممتاز مرزا	۲۰/=

ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتون	۲۵/=
جذباتِ مشرق	״ ״	۳۰/=
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۴۵/=
فرہنگِ آصفیہ چار حصے مکمل		۱۵۰/=
اُردو انگلش ڈکشنری	مولوی عبدالحق	۵۰/=
انگلش اُردو ڈکشنری	״ ״	۴۰/
بہشتِ نظر	رتن پنڈوری	۱۵/=
اُردو شاعری کے ارتقاء میں ہندو شعراء کا حصہ	سریواستو	۱۵/=
سحر نغمہ	ساحر ہوشیارپوری	۱۰/=
پہلا پتھر	طاہر تلہری	۶/=
مغربی ادب کے معمار	اے۔ محمد ابراہیم	۱۲/=
آئینہ	حیرت بدایونی	۱۵/=
اوراقِ زندگی	بسمل سعیدی ٹونکی	۱۵/=
انتخابِ نیر و نشتر	خوشتر گرامی	۱۸/=
جدید اُردو تنقید اصول و نظریات (اضافہ شدہ ایڈیشن)	شارب ردولوی	۲۰/=
گلستانِ ہزار رنگ	بہاء الدین	۲۵/=
دیوانِ صفی	حضرت صفی	۲۰/=
آنگن	واجدہ تبسم	۲۰/=
آیا بسنت سکھی	״ ״	۱۸/=
مضامین ابوالکلام آزاد	عتیق صدیقی	۲۰/=
تنقید اور احتساب	ڈاکٹر وزیر آغا	۱۰/=
اسلوب	سید عابد علی عابد	۱۴/=
کاروانِ ادب	ادبی کمیٹی انجمن ترقی اُردو دہلی	۲۰/=
نظم جدید کی کروٹیں	وزیر آغا	۱۲/=
آج کا اُردو ادب	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	۱۲/=
تنقیدیں	پروفیسر خورشید الاسلام	۲۰/=

دفتر شانِ ہند فلیٹ نمبر ۸
انصاری مارکیٹ دریا گنج نیو دہلی ۱۱۰۰۰۲

ٹیلی فون نمبر ۲۷۸۸۸۰ | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۳۷۰-۵

ماہنامہ

شانِ ہند

نئی دہلی

ایڈیٹر:- سرور تونسوی

قیمت سالانہ بارہ روپے
فی پرچہ ایک روپیہ پچیس پیسے

جلد نمبر ۳۸ | جون ۱۹۷۷ء | شمارہ نمبر ۶

چھٹا رکن روٹی

اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے

شیخ الاسلام حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

کرامت

ایک دفعہ کچھ قلندر سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کی:-

"یا شیخ کوئی کرامت دکھایئے"۔

حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے خادم کو حکم دیا "کھانا لاؤ" کھانا آگیا تو حضرت نے قلندروں کو عطا فرمایا۔

وہ قلندر پھر بولا:-

"یا شیخ میں اس کھانے کو کیا کروں۔ مجھے تو کوئی کرامت دکھایئے"

حضرت نے فرمایا:-

"میاں یہ کھانا ہی کرامت ہے۔ اسے کھالو۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی کرامت نہیں ہے"

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو ادارہ
"شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگار کا اضافہ ہوگا۔

قیمت دس روپے

مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرتبین :- سرورؔ تونسوی - عزیزؔ اندوری

افکار و واقعات

وزیر اعظم کے نام کھلا خط ۲

محترم المقام جناب ڈیسائی صاحب معاف فرمایئے گا کہ پہلا کھلا خط بغیر کسی القاب و آداب کے لکھا گیا۔ ایڈیٹر شانِ ہند کے دل میں آپ کا انتہائی احترام ہے۔ اور جس انداز میں آپ نے اپنی پوری زندگی میں مہاتما گاندھی کے عالی نظریات کو اپنایا اور سادہ زندگی گذاری، بہت سے نشیب و فراز سے گذرے اور طالب حق کی طرح ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیا اُس کی قدر و منزلت بھی اپنی جگہ پر مسلّم ہے۔ ملک کو آپ کی ذات سے بڑی اُمیدیں ہیں اس لئے کھلے خط کا یہ سلسلہ شائع کرنے کی جرأت ہوئی۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ لوک سبھا کے انتخابات کے دنوں میں جو جنتا لہر آندھی اور طوفان کی طرح بڑے بڑے تناور درختوں کو گراتی چلی گئی تھی اب صوبائی انتخابات میں یہ لہر محض خوشگوار ماحول کی ہوا ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں مثلاً گزشتہ اڑھائی ماہ میں اخبارات اور دوسرے ذرائع سے حکومت پر لے دے کی آزادی ہے۔ ایمرجنسی کے زمانے میں سچی خبریں بھی اخبارات میں چھپ نہیں سکتی تھیں اب ہر قسم کی خبر چھاپنے میں کوئی رکاوٹ نہیں لہٰذا جنتا ظلم و تشدد کی بدنظمی ایمرجنسی میں سنسر کی وجہ سے پردہ راز میں تھی وہ اب کھلے بندوں اخبارات میں بحث کا موضوع بنتی ہے لوک سبھا میں نمائندوں کا انتخاب اونچی سطح پر پرکھا جاتا ہے۔ صوبائی انتخابات میں اپنے اپنے صوبے کے ماحول کے مطابق نمائندوں کا چُنا جانا عوام پسند کرتے ہیں اسی طرح میونسپل انتخابات میں عوام اُن نمائندوں کا چُنا جانا پسند کریں گے جو روز مرہ کی مشکلات میں اُن کا ساتھ دے سکیں۔ اس لئے جنتا لہر کی تیزی و تندی کو مدھم دیکھ کر کانگریسی بے شک خوش ہولیں مگر عوام کا ہوش مند طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ جنتا پارٹی کو ابھی ملک کی حالت سدھارنے کا وقت ہی کہاں ملا ہے۔ اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ اس الیکشن میں جنتا پارٹی اکثریت حاصل کرے گی۔ مگر حضور یہ یاد رکھیئے کہ اب عوام جھوٹے وعدوں پر زندہ نہ رہ سکیں گے اور یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آپکے منتری منڈل میں کچھ اصحاب ایسے بھی ہیں جو کانگریسیوں کی طرح عوام کو جھوٹی تسلیوں اور سبز باغ دکھانے کا گر بہتر انداز سے جانتے ہیں اور انکے دلوں میں ابھی اپنی سابقہ پارٹی کا انجیکٹ کیا ہوا اقربا پروری سفارش و دوست نوازی کا پرانا طریقہ موجود ہے کیا جناب کشن لال اڈوانی وزیر برائے اطلاعات و نشریات سمجھا بتا سکتے ہیں کہ ان کا محکمہ ڈی۔ اے۔ وی۔ پی کچھ گنتی کے اخبارات پر تو مہربان ہے اور اخبارات کی وافر تعداد کو تین تین ماہ سے سرکاری اشتہارات کا دیا جانا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ دفتر کے کارکنان سے اس کا سبب دریافت کیا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ نئی سرکار نے ابھی تک سرکاری اشتہارات کے بارے میں اپنی پالیسی ہی نہیں بنائی۔ اس لئے انتظار کیا جائے۔ یہ انتظار کب تک اڈوانی صاحب کا ارادہ ہو کیا جاننا ہے بقیہ

سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جائے۔ کچھ اخبارات کے ساتھ خصوصی سلوک یقیناً بددیانتی کی دلیل ہے۔ اور جس بددیانتی کو دور کرنے کا آپ کی جنتا پارٹی ڈھنڈورا پیٹتی نہیں تھکتی اسی بددیانتی کو آپ کی کیبنٹ کا ایک [illegible] وزیر ہوا دے رہا ہے۔ اڈوانی صاحب کا محکمہ خصوصی ریڈیو اور ٹیلی ویژن کانگریسی راج میں ایک ایسے ناپاک اتحاد کی آماجگاہ رہا ہے کہ اس سلسلے میں ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ کیسی کیسی آوارہ مزاج خواتین کو نوازا گیا۔ شراب نوشی کی حقہ داری میں ریڈیو پروگرام کا دیا جانا۔ اوّل درجہ کے بددیانت مقرروں سے دیانت داری اور قومی یکجہتی پر ریڈیو تقاریر کرانا۔ وہ شعرا جو شاعری کی الف۔ بے سے بھی واقف نہیں اُن سے اندرا گاندھی کے حق میں آئے دن نظمیں پڑھوانا۔ یہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا روزمرہ رہا ہے۔ اور ایسا ہوتا بھی کیوں نہ جبکہ ان دونوں محکموں کے وزیروں کی پرائیویٹ محفلوں میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام لینے والی خواتین کی شمولیت اور وہاں راگ رنگ میں ڈوب جانا آئے دن کے دلپسند اشغال سمجھے جاتے تھے۔

ایڈیٹر شانِ ہند نے وہ دن بھی دیکھے ہیں کہ جب ریڈیو کے ارباب بست و کشاد محترم علامہ کیفی دتاتریہ۔ ایسے مستند و موقر حضرات کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ گذارش کرتے تھے کہ وہ ریڈیو پر تقریر فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں اور بڑی ردوکد کے بعد یہ معزز ہستیاں ایسی درخواستوں کو شرفِ قبولیت بخشتی تھیں اور اب کچھ سالوں سے یہ حالت ہے کہ ہر ایرا غیرا جس کی جیب میں ریڈیو اسٹیشن تک جانے کا بس کا کرایہ بھی نہیں ہوتا ریڈیو اسٹیشن پہونچتا ہے اور پروگرام دینے والوں سے کسی نہ کسی طرح سانٹھ گانٹھ کر لیتا ہے اور اسے پروگرام ملنے شروع ہو جاتے ہیں اور جو لوگ واقعی تقاریر کرنے کے اہل ہیں یا مفید مسائل پر لکھ سکتے ہیں اُن سے ریڈیو والے بھولے سے بھی اس سلسلے میں درخواست نہیں کرتے۔ ریڈیو پر خصوصاً اردو پروگراموں کے کرتا دھرتا ایسے بسر زدہ بلکہ منہ زور

عہدہ دار تعینات ہیں جو اپنے آپ کو ہندوستان کا نجات دہندہ اور بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ریڈیو پر آئے ہوتے تو آکاش وانی کے اسٹاف ممبر خاموش رہتے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن والوں پر اندرا گاندھی کا خوف اس قدر مسلط تھا کہ جب لوک سبھا کے انتخابات کے نتائج شروع ہوئے اور اُن میں اکثریت جنتا پارٹی کے اُمیدواروں کی کامیاب ہونے کی تھی تو اُن لوگوں نے اپنی بساط بھر یہ کوشش جاری رکھی کہ پہلے آندھرا پردیش وغیرہ کے نتائج بتائے جاتے رہے کیونکہ ان علاقوں سے کانگریس کے اُمیدوار زیادہ کامیاب ہو رہے تھے مگر جب جنتا پارٹی اور کانگریس برائے جمہوریت کے کامیاب ممبران کی باڑھ آگئی تو انہیں جھک مار کر اصلیت عوام کے سامنے لانی پڑی۔ یہاں تک کہ اندرا گاندھی اور سنجے گاندھی کے نتائج کو رات تین سوا تین بجے بتایا گیا جبکہ یہ آٹھ بجے ہی آ چکے تھے۔ ایڈیٹر شانِ ہند اس روز میرٹھ میں ٹیلی ویژن سیٹ پر نظریں جمائے ہوا تھا اور اسے محکمہ ٹیلی فون سے یہ اطلاع آٹھ بجے ہی مل گئی تھی کہ شریمتی اندرا گاندھی اور سنجے گاندھی ہار چکے ہیں۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر مخالف سیاسی پارٹیوں کے سربراہوں کو تقاریر کی سہولت بہم پہونچانا بھی محض ایک سیاسی سٹنٹ ہے تاکہ عوام جنتا پارٹی کی اس فراخ دلی کی داد دیں حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ آسانی خود مخالف سیاسی پارٹیوں کے لئے زہر ہلاہل سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ عوام یہ سوچتے ہیں کہ جنتا پارٹی تو اتنی اچھی ہے کہ اپنے مخالفوں کو بھی اپنے خلاف .... ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بولنے کا موقع دیتی ہے لہٰذا احزبِ مخالف کو یہ رعایت دینا جنتا پارٹی کی مقبولیت میں اضافہ کا موجب ہے۔ بات تو جب ہے کہ روزمرہ کے مسائل پر اچھے اور مستند مقرروں کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر لایا جائے۔ محترم ڈیسائی صاحب محکمہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے چلانے والے ...... انسانی کل پرزوں میں سالہا سال کے لگے زنگ کو دور کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اس سلسلے

ہیں کئی ضروری اقدام اٹھانے ہوں گے۔ لہٰذا ایڈیٹر شانِ ہند آپ سے کہتے کہ وہ اپنے ان دونوں محکموں کو نئی زندگی دینے کی متعدد پیر کوششیں فرمائیں۔ تاکہ ان دونوں محکموں پر ریفا ئینڈ طوائفیت کے جو جرائم پائے جاتے رہے ہیں وہ ختم ہو سکیں۔

محترم وزیر اعظم صاحب آپ یہ بخوبی جانتے ہیں کہ جو حکومت عوام کی آواز پر دھیان نہیں دیتی اس کا حشر اندرا حکومت کا سا ہوتا ہے عوام کی آواز آپ کی حکومت کے بارے میں یہ ہے کہ جنتا پارٹی کی حکومت کو قائم ہوئے ستر دن ہوئے ہیں اور ستر انکوائری کمیشنوں کا تقرر کر دیا گیا ہے یہ بہت اچھا شگون ہے کہ کانگریس راج میں ہوئے مظالم اور سکنڈلوں کی تحقیقات غیر جانبدارانہ ڈھنگ سے ہو اور قصورواروں کو قرار واقعی سزا ملے مگر عوام کا کہنا یہ ہے کہ جب آدھ آدھ گھنٹے انتظار کرنے پر بھی بس نہ ملے۔ منی بسوں میں گندم کی بوریوں کی طرح مسافروں کو بھر لیا جائے اور ان سے توہین کی حد تک بدسلوکی کی جائے۔ بازاروں میں ضرورت کی چیزوں کے دام ہر روز بڑھتے جائیں۔ سکوٹر والے خراب میٹر کے حساب سے کرایہ لینے پر بضد بلکہ لڑنے کو تیار ہوں اور نزدیکی سفر حتیٰ کہ ہسپتال میں کسی بیمار کو لے جانے سے بھی انکاری ہوں۔ دن دھاڑے گھروں میں گھس کر یا سر بازار راہ چلتی عورتوں کے زیور چھین لئے جائیں۔ دفتروں کے بابو دفتروں میں دیر سے آئیں اور عوام سے گستاخی سے پیش آئیں، ریل گاڑیاں وقت پر نہ چلیں۔ تو ان حالات میں عوام کو ان انکوائری کمیشنوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ عوام تو یہ چاہتے ہیں کہ انہیں گرانی اور کمیابی سے نجات ملے۔ وہ سفر آسانی سے کر سکیں۔ سرکاری کرمچاری اپنے آپ کو عوام کے خدمت گار سمجھیں افسر نہیں۔ حضور برا نہ مانئے گا عوام یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کی حکومت آئے دن کوئی نہ کوئی انکوائری کمیشن بٹھا کر عوام کی توجہ اس طرف لگائے رکھنا چاہتی ہے تاکہ عوام اپنی تکالیف کو بھول کر ان انکوائری کمیشنوں کے کھلونوں سے ذہنی طور پر کھیلتے رہیں۔ لہٰذا یہ ذہن نشین فرما لیجئے کہ انکوائری کمیشنوں کا بٹھانا اپنی جگہ نہایت مناسب ہے مگر عوام کی تکالیف کو دور کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

جنتا پارٹی کے مینی فیسٹو میں یہ صاف طور پر لکھا گیا تھا کہ اگر جنتا پارٹی کی حکومت ہوئی تو وہ اُردو کی تعلیم سکولوں اور کالجوں میں جاری کرے گی۔ کیا آپ کے وزیر تعلیم بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اس سلسلے میں ذرا سی بھی سلسلہ جنبانی فرمائی ہے؟ اب سکولوں اور کالجوں میں داخلے شروع ہونے والے ہیں۔ مگر اُردو کے بارے میں کوئی بھی انتظام نہیں کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ ووٹ لیتے وقت سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے مینی فیسٹوز میں ایسے بلند بانگ دعوے کرتی ہیں جو پورے کرنے ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ مگر اُردو کے لئے نرم رویہ اپنانا تو کوئی ایسی بات نہیں کہ جو آپ کے یا آپ کے وزیر تعلیم کے بس میں نہ ہو۔

اُردو پرستوں کی حوصلہ شکنی اُردو سے متعلق آپ کے اس نظریئے سے ہو رہی ہے جو آپ نے آج سے نو سال قبل مشہور ڈائجسٹ "شبستان" کے ملاقاتی کو انٹرویو دیتے ہوئے بیان فرمایا تھا مثلاً اُردو کسی صوبے کی علاقائی زبان نہیں بنی چاہیئے وغیرہ وغیرہ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہندوستان کے کروڑہا مسلمانوں کی مادری زبان اُردو ہے اور لاکھوں غیر مسلموں کو بھی اُردو سے اتنا ہی لگاؤ ہے جتنا کہ مسلمانوں کو ہے آخر حکومت کے لئے کی کونسی اینٹ اکھڑ جائے گی اگر اُردو کو جہاں اس کا حق ہے وہاں کا [illegible] قرار دے دیا جائے اور کالجوں نیز سکولوں میں اُردو پڑھانے کے انتظامات کر دیئے جائیں۔ آپ کو یہ تو معلوم ہی ہو گا کہ دہلی میٹرو پالیٹن اور دہلی نگر نگم کے انتخابات کے لئے کانگریس نے جو مینی فیسٹو شائع کیا ہے اس میں یہ لکھا گیا ہے اگر کانگریس نے کامیابی کا منہ دیکھا تو وہ دہلی میں اُردو

اور پنجابی کو ثانوی زبان کا درجہ دے گی۔ کانگریس کے اس انتخابی وعدے کا اثر سکھوں اور مسلمانوں پر جو پڑ رہا ہے اس کے زیر اثر کانگریس یقینی طور پر دو چار سیٹیں لے جا سکے گی۔

حضور! اُردو کے معاملے میں اپنے نظریئے میں لچک پیدا کیجئے اور اس زندہ اور شیریں زبان کو ہندوستان میں مرنے نہ دیجئے، اسے اس کا حق دلایئے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ نہ تو چھوٹے اخبار ہندی میں ہیں اور نہ انگریزی میں اُردو ہی بد قسمت زبان ہے جس کے اخبارات چھوٹے کہے جاتے ہیں لہٰذا ان چھوٹے اخبارات کے ساتھ فراخدلانہ سلوک روا رکھئے اور سرکاری اشتہارات کا دروازہ ان پر بند نہ کیجئے، تاکہ یہ زندہ رہ سکیں۔

ارون ہسپتال کے ڈاکٹروں کو شرم آنی چاہیئے!

پچھلے دنوں جواہر لال نہرو مارگ نئی دہلی کے ٹورسٹ کیمپ میں مقیم ایک برطانوی سیاح مسٹر فرینک واکر نے (جو لندن کی ایک فنانس کمپنی کے ۳۴ سالہ ڈائریکٹر ہیں) ہماری ہندوستانی تہذیب ہمارے سرکاری ہسپتالوں کے غیر ہسپتالی ماحول اور ہمارے سرکاری ڈاکٹروں کی نا فرض شناسی پر جس طرح تھوکا ہے اُس سے ہر ہندوستانی کا سر نیچا ہو کر رہ گیا ہے۔

مسٹر واکر اس ٹورسٹ کیمپ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک کمزور سا بچہ جس کے تن پر کپڑا بھی نہیں تھا سر جھکائے لڑکھڑاتا ہوا سڑک کے اُس پار جا رہا تھا۔ سڑک پر کاریں دوڑ رہی تھیں لیکن کسی نے بھی اُس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی اور نہ ہی کسی راہگیر نے اس طرف دھیان دیا۔ یہ بچہ رینگتا ہوا کسی نہ کسی طرح سڑک کے اُس پار پہنچ گیا اور پانی مانگتا رہا۔ مسٹر واکر اپنے کوچ میں سے اُٹھ کر فوراً اس کے پاس پہنچے اور اسے اُٹھا کر کیمپ میں لے آئے اور اسے کچھ پھل دیئے اور سبزی اور چاول کھلائے۔ کچھ دیر بعد اس بچے کے چہرے پر چمک نظر آنے لگی۔ دریں اثنا مسٹر واکر کا ایک ہندوستانی دوست ایک ڈاکٹر کو لے آیا جس نے اسے ارون ہسپتال میں لے جانے کا مشورہ دیا۔ مسٹر واکر نے اس علیل بچے کو ارون ہسپتال لے جانے کے لئے ٹیکسی لینی چاہی لیکن کوئی ٹیکسی والا اس قدر کم فاصلہ پر کسی مریض کو لیکر نہ جا سکتا تھا (لعنت ہے ان ٹیکسی والوں پر) اور دوسرے اس لئے کہ اس میلے کچیلے بیمار بچے سے ان کی ٹیکسیوں کی سیٹیں خراب ہو جائیں۔ (ان ٹیکسی والوں پر خدا کی لعنت) آخرکار مسٹر واکر اس بچے کو گود میں اٹھا کر ہسپتال پہنچے اور انہوں نے اِدھر اُدھر کئی جگہ ہسپتال میں چکر لگائے اور ڈاکٹر ایک دوسرے پر ٹالتے رہے۔ بچوں کے وارڈ میں اس بچہ کو لے کر گئے تو وارڈ کا انچارج ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ اس کی عمر زیادہ ہے۔ اس طرح کوئی بھی ڈاکٹر اس لاوارث بچے کا معائنہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوا تو مسٹر واکر بچے کو پھر ایمرجنسی وارڈ میں لے آئے۔ لیکن اب کی مرتبہ بھی ان کے ساتھ وہی رویہ اپنایا گیا اور مسٹر واکر نے بطور پروٹسٹ بچے کو اس میز پر بٹھا دیا جس کے ارد گرد ڈاکٹر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان ڈاکٹروں کے غضب ناک لہجہ میں مسٹر واکر سے سوال کیا اس بچے کو اس میز پر کیوں .... بٹھایا گیا یعنی ان ڈاکٹروں کو بچے کی زندگی سے زیادہ اپنی میز کی فکر تھی اس پر بھی ڈاکٹر اپنی بے حیائی اور ڈھٹائی پر قائم رہے اور بچے کو نہیں دیکھا جس پر مسٹر واکر بچے کو لے کر وارڈ سے باہر آ گئے اور اس بچے کا پرائیویٹ ڈاکٹر سے علاج کرایا۔ اس بچہ کے جملہ اخراجات مسٹر واکر ادا کر رہے ہیں اور وہ اس بچے کو صحت یاب ہونے کے بعد نیپال لے جانا چاہتے ہیں اور وہاں سے وہ اس بات کی کوشش کریں گے کہ انہیں برطانیہ میں داخلہ کی اجازت مل جائے۔ انہوں نے بتایا کہ میں اس بچے کو اپنے ساتھ اس لئے لے جانا چاہتا ہوں کہ اگر یہ یہاں رہا تو بغیر علاج اور خوراک کے ہی مر جائے گا

(زندہ باد مسٹر واکر اور تُف ہے ایسے ہسپتال اور اس کے ڈاکٹروں پر)

مسٹر واکر اس بچے کو بچن کے نام سے پکارتے ہیں ہڈی اور کھال کا یہ ڈھانچہ مسٹر واکر سے بہت مانوس ہو گیا ہے۔

مسٹر واکر نے وزیر اعظم اور وزیر صحت کو ڈاکٹروں کی نا فرض شناسی کے بارے میں بذریعہ تار شکایت کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ بھی تو خدا کا پیدا کیا ہوا ایک انسانی بچہ ہے یہ کوئی کُتا یا چیل نہیں ہے جو بچائے جانے کا مستحق نہ ہو۔

اگر وزیر اعظم اور وزیر صحت ارون ہسپتال کے ان ڈاکٹروں کو فرار واقعی سزا دے سکیں تو ملک اور قوم پر احسان ہوگا کیونکہ ان ڈاکٹروں نے ایک غیر ملکی سیاح کے سامنے جو گھناؤنا کردار پیش کیا ہے وہ واقعی ایسا ہے کہ ان ڈاکٹروں پر تھوکا جائے۔

حق کانپوری چور شعراء کی صف میں

شانِ ہند کی سابقہ اشاعتوں میں حق کانپوری کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے کہ انہوں نے جناب بشیر گوالیاری کی ایک مشہور غزل کے دو اشعار اپنی غزل میں شامل کر لئے ہیں اور اس پر بضد ہیں کہ وہ چوری کا یہ زر اپنی ناجائز ملکیت میں ہی رکھیں گے۔ اس سلسلے میں جناب مظفر رئیس نمائندہ روزنامہ "الحمرا" بھوپال تحریر فرماتے ہیں کہ متنازعہ غزل ۱۹۵۴ء میں بزم فنکار بھوپالی کی "افتتاحی مجلس" میں بشیر گوالیاری سنا چکے ہیں اور اسی غزل پر ۱۹۶۳ء میں "بزم فنکار" کے آل انڈیا ایم پی گولڈ میڈل مشاعرہ میں بشیر صاحب کو گولڈ میڈل دیا گیا۔

اس کے علاوہ جناب آنند موہن صاحب اعجاز پبلسٹی آفیسر بھارت ہیوی الیکٹریکل بھوپال نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ پچھلے بیس سال میں یہ غزل بشیر صاحب سے کئی بار سن چکے ہیں اور تو اور حق کانپوری جب خود بھوپال میں مقیم تھے اور ہیوی الیکٹریکل کے مشاعروں میں کئی بار تشریف لاتے رہے ہیں۔ اُن کی موجودگی میں بشیر صاحب نے یہ غزل ہیوی الیکٹریکل کے مشاعرہ میں سنائی تو اُس وقت حق صاحب نے یہ دعویٰ نہ کیا کہ یہ دو شعر اُن کے ہیں جناب اعجاز صاحب نے مزید لکھا ہے کہ وہ کئی اور ثبوت بھی دے سکتے ہیں کہ متنازعہ دو اشعار جناب بشیر صاحب کے ہیں۔

مدیر "شانِ ہند" یہ غزل جناب شفا گوالیاری مرحوم کے دولکدہ پر جناب بشیر گوالیاری کی زبانی سُن چکا ہے اور پھر مشاعرہ آگرہ میں یہ غزل بشیر صاحب سے اصرار کے ساتھ سُنی گئی مشاعرہ آگرہ کی جو روداد شانِ ہند میں شائع ہوئی اس میں بشیر صاحب کی غزل میں یہ دونوں متنازعہ اشعار موجود ہیں۔

انتہائی افسوس ہے کہ حق کانپوری بضد ہیں کہ انہیں چور شعراء کی صف میں نمایاں جگہ دی جائے ورنہ عافیت اسی میں تھی کہ جب اس چوری کا پتہ چل گیا تھا تو وہ یہ دونوں اشعار اپنی غزل سے نکال دیتے اور کسی مشہور شاعر سے ان اشعار سے بھی بہتر اشعار کہلوا کر اپنی غزل میں شامل کر لیتے کیونکہ چوری کرنے سے بھیک مانگ لینا ہزار درجہ بہتر ہے کمال تو یہ ہے کہ جناب کمال جائسی صاحب نے بھی اس چوری کے مال کو حق صاحب کا ہی مال بنا دیا ہے اگر کمال جائسی ایسے لوگ بھی چور شاعروں کی طرف داری کرنے لگیں گے تو پھر بیچارے شاعر کہاں جائیں گے۔ اس طرف داری سے تو کہیں بہتر ہوتا کہ کمال جائسی صاحب حق صاحب کو ان دو اشعار کے بدلے دو اور اشعار کہہ دیتے اور اس چوری کے مال کے استعمال سے حق صاحب کو توبہ کرنے کیلئے کہتے۔

بشیر صاحب گوالیاری کو چاہیئے کہ وہ اس کی پروا نہ کریں کہ اُن کے اشعار کوئی چور شاعر پڑھ رہا ہے بلکہ انہیں خوش ہونا چاہیئے کیونکہ ایک نابینے کے حلال مال سے ایک آنکھوں والے نے حرام خوری کی راہ تلاش کر کے اپنے آپ کو غیر اصلی ثابت کیا ہے۔

مَن کہ مکتوب الیہ

سرور بھائی آداب !

شانِ ہند کی نئی شان دیکھ کر بے حد خوشی ہوا۔ آپ نے اچھا کیا گٹ اپ بدل دیا۔ حصہ نظم بھی پہلے سے جاندار ہے مشاعروں کی کارروائی کا انداز بے حد یکساں ہو گیا ہے اگر ذرا تنوع پیدا کیا جائے تو بہتر ہے

لفظ "آذر" قدیم فارسی ہے جس کے معنی آتش کے ہیں آذرگوں یعنی آتشی، آذرکدہ یعنی آتش کدہ، آذر پرست یعنی آتش پرست۔ اِن تمام معنی میں یہ لفظ آج بھی مستعمل ہے، اس کے علاوہ ایرانی شمسی سال کے نویں مہینے کا نام بھی آذر ہے اور ہر ماہ کا نواں دن بھی آذر کہلاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد بزرگوار کا نام بھی آذر مشہور ہے ایک روایت یہ ہے کہ اُن کے خادمِ خاص کا نام آذر تھا اور والد کا نام تارح تھا واللہ اعلم۔ بہرحال لفظ آذر فارسی ہے اور بمعنی آگ مستعمل ہے۔ عبرانی میں آدار ہے جو یہودی سال کے بارھویں مہینے کا نام ہے۔ مرزا جی آداب کہتے ہیں۔

فقط آپکی بہن ممتاز مرزا۔

محترم جناب سرور صاحب۔ تسلیم !

"شانِ ہند" کا مئی کا شمارہ موصول ہوا اُس کا ورق ورق بہت دلچسپی کے ساتھ پڑھے۔ محترم وزیر اعظم سے مخاطب ہو کر آپ نے اُردو زبان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے میں بیحد متاثر ہوا۔ آپکی حق گوئی نے مجھے بھی حقیقت بیانی پر اکسایا ہے۔ اپنے تاثرات میں ایک مضمون کی شکل میں بھیج رہا ہوں۔ اس میں آپ کا ذکر سب سے پہلے آیا ہے کیونکہ میں ایمانداری سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ اُردو کی بے لوث خدمت کے سلسلے میں آپکا ریکارڈ بے مثال ہے۔ آپ کے بعد جناب نندلال عیش، سردار دیوان سنگھ مفتون، مسٹر جگناداس اختر، سردار صاحب ماسٹر جگت سنگھ و دیگر احباب کا ذکر آیا ہے۔

اُمید ہے کہ آپ یہ مضمون پسند فرمائیں گے اور اِسے "شانِ ہند" میں قریبی اشاعت میں شامل کریں گے۔

نیازمند۔ وشواناتھ طاؤس چندیگڑھ

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

پروان چڑھا مگر شعوری عمر کو پہنچنے کے بعد اُنہوں نے حالات کے تقاضوں کو سمجھا اور ادب اور شاعری کی نئی حدوں کو اپنانے کی کوشش کی۔

ن۔ م۔ جواد صبح ادب میں رقمطراز ہیں۔

دانش مالوی ایسی رنگارنگ شخصیت کے مالک ہیں کہ صحیح مطالعہ کے لئے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالنا ہوگی۔ وہ قادر الکلام اور زود گو شاعر ہیں۔ شاعری اُن کا فطری ذوق ہے۔ ان کے یہاں جدت بھی ہے اور تنوع بھی۔ اِن کے کلام میں جوان دلوں کی گرماہٹ اور نرم شعلوں کی لپیٹ ہے۔ ان کے لب و لہجہ میں کہیں دل نواز سازوں کی جھنک اور دل گداز آہنگ کی شعلگی ہے اور کہیں قلب کو گرما دینے والا سوز ہے۔ مختصر یہ کہ اگر دانش کی شاعری پر مجموعی طور پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں اُس کی انفرادیت، انسانی ہمدردی اور فکری عناصر کا قائل ہونا پڑتا ہے اس کی شاعری فطری شاعری کی نشاندہی کرتی ہے وہ اس البیلے انداز کا شاعر ہے کہ صرف اپنی آواز اور لہجے کے بل بوتے پر اپنی ایک الگ .... جگہ بنا چکا ہے مجھے یہ کہتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ دانش اُردو شاعری کے اُفق کا ایک روشن ستارہ ہے اُس نے شاعری کو ایک نیا لہجہ بخشا ہے۔

مشاعرۂ خواتین مظفر نگر نمائش

الرحمانی

مسعودہ حیات - برکھا رانی - پربھا کیشب شبنم تسنیم فیضی - نیرا نجم نرگس - یکتا شبنم - فرزانہ نازؔ

نمائش مظفر نگر کے پنڈال میں ہر سال ایک مشاعرۂ خواتین بھی منعقد ہوتا ہے اس مشاعرہ کی بد انتظامی کا یہ حال ہوتا ہے کہ پنڈال کے باہر ہنگامہ کی صورت میں افراتفری کا عالم ہوتا ہے داخلہ کے لئے پاس جاری کئے جاتے ہیں۔ اور یہ ناممکن ہے کہ پاس سب کو دیئے جا سکیں۔

پنڈال میں شہر کے معزز حضرات وکلاء، پیر و فقیر، شعراء کرام و خواتین۔۔۔ کا ایک جمِ غفیر ہے نجم صاحب اس مشاعرہ کے منتظم ہیں وہ صیغۂ واحد غائب بنے ہوئے ہیں پاس لینے والے اُن کے نام کی دُہائی دے رہے ہیں ادھر پنڈال میں جو حضرات ۸ بجے سے بیٹھے ہوئے ہیں اب وہ سیٹیوں، تالیوں اور ہلڑ بازی پر اُتر آئے ہیں یہ محفلِ شعر و سخن ہے یا چنڈال چوکڑی۔ ان کی بھی کیا خطا کہ مارہ ہو چکے ہیں خدا خدا کر کے نجم صاحب نے مائک پر درشن دیکر دیری کی معذرت وغیرہ کر کے پھر مسز خان ایجوکیشن آفیسر مظفر نگر کا اسم گرامی صدارت کے لئے پیش کیا ہے ۔ محمد علی نشاط تائید فرما رہے ہیں اس مشاعرہ کو چلانے کے لئے جنابہ شکلا شاہ کو مائک سپرد کر دیا گیا ہے آپ بمبئی سے تشریف لائی ہیں۔ شکلا صاحبہ کے بارے میں یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ کو کا سمیلنوں میں اناؤنسنگ کے فرائض ادا کرتی ہیں لیکن آپ اُردو غلط بول رہی ہیں مثلاً ش۔ ق۔ خ۔ ز کا تلفظ صحیح ادا نہیں کر پا رہی ہیں آپ ہندی کے زیادہ قریب ہیں تعجب ہے کہ آپ اس کام کے لئے بمبئی سے بلوائی گئی ہیں جبکہ شبنم دہلوی موجود تھیں ویسے شکلا صاحبہ نے مجموعی طور پر مشاعرہ کو خوب چلایا۔ ان کی طرزِ ادائیگی سے یہ محسوس نہیں ہوا کہ آپ اُردو سے دُور ہیں مختصر تقریر کے بعد ضلع سہارنپور

کی ایک ابھرتی اور مترنم شاعرہ فرزانہ نازؔ انبہٹوی کو نغمگی دے رہی ہیں انبہٹی کا نام شنکر پنڈال میں قہقہوں کا ایک دھماکہ ہوا ہے لیکن یہ انبہٹہ تو ضلع سہارنپور کا شرفاء کا ایک قصبہ ہے نازؔ صاحبہ غزل سرا ہیں ۔

آغازِ محبت کا سبب یاد نہیں ہے
تھا یاد مجھے لیکن اب یاد نہیں ہے
جب پہلے پہل اُن سے ملاقات ہوئی تھی
شاید اُنہیں وہ بزمِ طرب یاد نہیں ہے

داد شباب پر ہے اور آپ اپنی دلکشی سے ایک دعوی ہیں

بیباک نگاہوں سے اُنہیں دیکھ رہی ہوں
دیوانہ ہوں آداب و ادب یاد نہیں ہے
کیا اُن سے سوالات کے جوابات کروں میں
وہ عہدِ وفا ہی اُنہیں جب یاد نہیں ہے
ٹکرائی تھیں نازؔ اُن کی نگاہوں سے نگاہیں
دِل کیسے لُٹا لُٹنے کا سبب یاد نہیں ہے

نازؔ صاحبہ داد و تحسین پا کر تالیوں کے شور میں مشاعرہ کی شانہ بسم اللہ کر کے کامراں جا رہی ہیں اور شکلا شاہ فرما رہی ہیں آپ اس خوبصورت ماحول کو بنائے رکھیے احباب اس ماحول میں تسنیم فیضی آ رہی ہیں اُن سے اُن کی غزل سنیئے صاحبہ یوں لحنِ داؤدی میں غزل سرا ہیں ۔

اُٹھنے لگے کیوں شعلے مرے قلب و جگر سے
اے بادِ صبا یہ تو بتا آئی ہے کدھر سے
اے سیلِ بلا تو بھی گزر جا مرے سر سے
مجھ کو تو گزرنا ہے اسی راہ گزر سے
نظارۂ حقیقت کا کچھ آساں نہیں ملتی

انسان کو پہچان محبت کی نظر سے

اس شعر پر داد نے ہنگامہ کو جنم دیا ہے اور آپ یوں محفل کو لوٹتے چلی ہیں ؎

چل اے دلِ مایوس کہیں بیٹھ کے رو لے
گھبرا اٹھے ہم اب تو امیدوں کے سفر سے

پھر داد ہے کہ کچھ نہ پوچھئے اور آپ اسی سج دھج سے لہک رہی ہیں ؎

بے جنبشِ لب جرم تو ہو کیا ہمیں پرواہ
افسانہ سنا دیتے ہیں ہم لوگ نظر سے

تسنیم صاحبہ محفل کو گرما کر تالیوں کے شور میں پلٹ رہی ہیں اور شکلا صاحبہ فرما رہی ہیں ہم کرسی پر تو نہیں چڑھتے ہیں صرف منچ پر ہیں اس پر تو ہمیں بیٹھے رہنے دیجیے — قہقہہ — آئیے پھر اسی غزل کے ماحول میں لیے چلی ہوں اور اب آپ مستورہ حیات سے ان کی غزل سنیئے دیکھا تو حیات صاحبہ بسنتی ساڑی زیب تن کئے یوں دل کشی سے غزل سرا ہیں ؎

تنہا تھی جو نگاہ وہ تنہا ہے آج بھی
پابندِ صد حجاب وہ جلوہ ہے آج بھی
گلشن میں رنگ و بو کی مہک سے چمن بھی ہے
لیکن دیارِ دل ہے کہ سونا ہے آج بھی
کس کو خبر کہ غم میں تڑپتے ہیں کتنے لوگ
محرومیوں کا دل میں بسیرا ہے آج بھی

داد نقطۂ عروج پہ ہے اور آپ اسی طرح محفل کو گرما رہی ہیں ؎

یہ اور بات کہ لب پہ ترا نام تک نہیں
دل گرمیِ وفا سے پگھلتا ہے آج بھی
گرچہ فضا پہ کوئی جنوں کا نشاں نہیں
صحرا ہمارے حال پہ ہنستا ہے آج بھی

پھر داد کا دھماکہ سا ہوا ہے اور آپ فرما رہی ہیں ؎

وہ رُت بدل گئی وہ بہاریں گزر گئیں
ماضی مری نظر میں مہکتا ہے آج بھی

حیات صاحبہ محفل کو چونکا کر شاداں اپنی جگہ پر آ رہی ہیں اور شکلا صاحبہ فرما رہی ہیں شاعرات کا تالیوں سے سواگت کیا کیجیے اس پر تالیوں کا ایک ہڑبونگ شباب پر ہے اب آپ پریکھا کیشپ شبنم دہلوی سے ان کی غزل سنیئے اور خوب زور سے تالیاں بجائیے — فنکار اپنا سواگت خود کرا لیتا ہے نہ کہ درخواست کرنے سے لہٰذا یار لوگ محفلِ شعر و سخن میں اس بدعت یعنی تالیوں پر اتر آئے ہیں اور شبنم صاحبہ سالہا سال کی مشق سنائی غزل چھیڑ رہی ہیں سنیئے ؎

عبادت کے لئے ہم نے وہیں کعبے بنائے ہیں
جہاں پر بھی ترے نقشِ کفِ پا ہم نے پائے ہیں
حقیقت تو یہ ہے کہ میکدے کا اب خدا حافظ
الٰہی خیر کم ظرفوں نے پیمانے اٹھائے ہیں
ستم تو یہ ہے کہ وہ اہلِ ساحل پر گراں گذرے
سفینے بچ کے طوفانوں سے جو ساحل پہ آئے ہیں
جو اہلِ ہوش تھے وہ [illegible] کر بیٹھے
خوشا قسمت کہ دیوانوں نے ویرانے بسائے ہیں

داد تو آپ کو بھی دی جا رہی ہے لیکن سامنے والے منچلے ذرا زیادہ اچھل کود کر رہے ہیں ان زندہ دلانِ ادب میں سلیم کھتولوی — محفوظ مظفر نگری — دیوی دیال فلک — حسرت و نصرت گھتوا سے لیکر جناب اعجاز احمد صاحب بدھانوی صدر بزم تمنا تک دیوانہ وار ہاتھوں کو لہرا لہرا کر آہ اور واہ اور داد تحسین کے پھول برسا رہے ہیں — اعجاز صاحب جب داد دیتے ہیں تو میرے پاس بیٹھے ہوئے عزیزم ڈاکٹر زاہد صاحب اور تمنا جمالی صاحب ان کی اس حرکت پر خود ہنس دیتے ہیں اگر مشاعروں سے یہ زندہ دلی الگ کر دی جائے تو اسے مشاعرہ ہی کون کہے گا دیکھا تو شکلا صاحبہ فرما رہی ہیں میں ایسی شاعرہ کو دعوت دے رہی ہوں جس کی ابھی ابھی شادی ہوئی ہے اور ؎

شادی نئی تھی دولھا تھا پرانا

قہقہہ — اور اب آپ ایک شبنم سے ان کی غزل سنیئے شبنم صاحبہ نیلی ساڑی گلابی بارڈر والی زیب

تن کے مائک پر آکر غزل سے پہلے مختلف اشعار سنا رہی ہیں جس پر شکلا صاحبہ بھی حسبِ موقع اور برمحل اشعار سنا رہی ہیں یہ ایسا منظر ہے کہ جیسے قوالی کی محفل جمی ہوا ور خوب چوا بی حملے ہو رہے ہیں ذرا یہ دل لگی اور قہقہے کم ہوئے تو شبنم صاحبہ یوں دلکشی سے سنا رہی ہیں ؎

آپ تک پہونچنے کا راستہ ملتا نہیں
شہر کی فصیلوں پر دوستوں کے پہرے ہیں
دیکھ کر کریں بھی کیا قاتلوں کی تصویریں
یہ تو سب ہمارے ہی دوستوں کے چہرے ہیں
دوست دل کے زخموں پر کیا لگائیں گے مرہم
دوستوں کو کیا معلوم زخم کتنے گہرے ہیں

اب داد دینے والے پُرجوش تالیوں پر اتر آئے ہیں آپ مائک سے کھسکنا چاہتی ہیں کہ ایک اور ایک اور کے شور میں پھر غزل سرا ہیں ؎

محوِ حیرت ہیں دیکھنے والے
غم کی تصویر بن گئے ہیں ہم
تیری تصویر سامنے رکھ کر
دِل کی دُنیا سنوارتے ہیں ہم
رازِ افشا کہیں نہ ہو جائے
آہِ سوزاں کو روکتے ہیں ہم

پھر سلیم کھتودی کھڑے ہو کر کچھ کہہ رہے ہیں جو داد کے شور میں سُنائی نہیں دے رہا ہے اور آپ مقطع سُنا رہی ہیں ؎

آنے والی ہے اب قضا شبنم
اور کچھ دیر جی رہے ہیں ہم

تالیوں کے شور میں شبنم صاحبہ مائک سے کھسک رہی ہیں اور شکلا صاحبہ فرما رہی ہیں یہ آگرہ تاج محل کی رہنے والی ہیں آگرہ کے دیوانے بھی ہوتے ہیں — صحیح فرمایا — تمنا جمالی — تاج محل کا نام لیکر میرے دل پر چوٹ لگائی اور پھر شبنم صاحبہ فرما رہی ہیں ؎

تاج محل سے بھی حسین محل بنوا دونگا
تُو جہاں مرے گی تجھے تاج میں گڑا دونگا

ان کے پتی نے وعدہ کیا ہوگا — شکلا — ایک قہقہہ — اور پھر فرما رہی ہیں آپ لکھنؤ سے آ رہی ہیں اور اب آپ بر کھا رانی سے ان کی حسین غزل سُننے بر کھا کیوں محفل پھر گرج اور برس رہی ہیں ؎

زندگی کے یہی سہارے ہیں
جھوٹے وعدے بھی ہمکو پیارے ہیں

داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ اِسی سٹیج سے چہک رہی ہیں ؎

ایک حسرت یہی ہے اب دِل میں
تم یہ کہہ دو کہ ہم تمہارے ہیں!
اُن کے لُطف و کرم کو کیا کہیے
جن کے ظلم و ستم بھی پیارے ہیں
دُشمنوں پر یوں نہ وقت پڑے
ہم نے جس طرح دن گذارے ہیں!

پھر داد کا دھماکہ سا ہوا ہے اور آپ محفل کو گرما رہی ہیں ؎

غم جھلک آیا روشنی کے لئے
جیسے پلکوں پہ کچھ ستارے ہیں!
جس کو دیکھو یہ کہہ رہا برکھا!
وہ ہمارے ہیں نہ تمہارے ہیں!

پھر تالیوں ایک اور ایک اور ملکہ پکھراج بوتک نے آپ کو ایک غزل سُنانے کے لئے مائک پر روک لیا آپ اسی جان لیوا ترنم سے غزل سرا ہیں۔

جب اپنا نہیں کہہ کر یوں تم کو پکارا ہے
آواز ہماری ہے انداز تمہارا ہے

داد دینے والے من چلے اب تالیوں پر آ گئے ہیں اور آپ فرما رہی ہیں

ہم نے تری اُلفت میں اور نام ترا لیکر
ہنس ہنس کے گذارا ہے جو دن بھی گذارا ہے
انسان کی نادانی دیکھیے تو کوئی برکھا
جینے کی تمنا میں مرنا بھی گوارا ہے

پر تمنّا صاحبہ محفل کو لوٹ کرنا ہیوں کے بے ہنگم شور میں کالمہ
پلیٹ رہی ہیں اور شکلا صاحب نیرِ انجم نرگس کو دعوتِ سخن
دے رہی ہیں اس اعلان پر نرگس صاحبہ مائک پر بیٹھ کر
ہی سُنا رہی ہیں نرگس صاحبہ بھاری بھرکم ہونے کے باعث
کھڑی ہو کر نہیں پڑھ رہی ہیں۔ (نہیں یہ بات نہیں بلکہ گانے
والیاں کھڑی ہو کر اچھا گا نہیں سکتیں (ادارہ) نجم صاحب
کی سوچ ایسی بھاری ——— تمنّا جمالی فرما رہے ہیں اس پر
راشد وغیرہ مسکرا رہے ہیں اور نرگس صاحبہ لحنِ داؤدی
میں غزل سرا ہیں ؎

اندازے میاں ہے مرے سچ کا سبب
پر تشنۂ نظر ادھر دیکھتے ہیں کب
باتوں سے آچلا تھا یقینِ خلوصِ دل
پر راز فاش کر گیا تیری نظر کا ڈھب
اوروں کی پیاس جن کے پینے ہیں جو بشر
ساقی انہیں کو جام نہیں بانٹیے تب لب

لیجئے ایک طرف سیٹوں پر جھگڑا شروع ہو گیا ہے دوسری
طرف گیٹ کے قریب اور باہر ایک ہجوم ہے میں نے یہ
حدِّ ادب کو راشد سے عرض کیا سیٹوں پر تو ملک میں انقلاب
آچکا ہے اور ابھی یہ جھگڑا طے نہیں ہو رہا ہے اس پر راشد
صاحب مُسکرا رہے ہیں۔ میں نے گذشتہ سال بھی نجم صاحب
سے درخواست کی تھی کہ یہ کرسیوں کا سسٹم ختم ہونا چاہیئے
کرسیوں کی وجہ سے پاس جاری کئے جاتے ہیں اور ہر سال
یہ پاس نجم صاحب کے گھر ڈھیر لگے پڑے رہتے ہیں اور جو
حضرات دُور دراز سے آتے ہیں اُن کو بے حد تکلیف
ہوتی ہے پنڈال کے گیٹ پر جان کی بے عزتی اور ذلّت
ہوتی ہے وہ قابلِ غور اور ناقابلِ معافی جرم ہے چند مقامی
حضرات کو پاس دیدیئے جاتے ہیں وہ تو آرام سے کرسیوں
پر قبضہ جما لیتے ہیں لیکن جو حضرات باہر سے آتے ہیں وہ پاس
کے حاصل کرنے میں نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے اور
سرگرداں پھرتے ہیں اور کیا ستم ہے کہ پھر بھی پاس سے محروم
رہ جاتے ہیں یہ سراسر ظلم ہے۔ زیادتی اور غیر اخلاقی بات

ہے کتنے ہی سامعین اور باذوق اور اردو پرست دوست
نجم صاحب کو ہر سال چندہ بھی دیتے ہیں یہ چندہ وصول کیا کیوں
اور کس لئے ——؟ جبکہ ہر سال ایک بھاری رقم مشاعرہ کے لئے
سونپ دی جاتی ہے پھر یہ شہر اور ضلع کے دوسرے قصبات
دیہات سے چندہ کیوں وصول کیا جاتا ہے ——؟ وہ بھاری
رقم جہاں کو دی جاتی ہے اگر کم ہوتی ہے تو صاف صاف کیوں
نہیں کہتے کہ اس رقم میں مشاعرہ نہیں ہوتا کچھ اور رقم کا اضافہ
کیا جائے۔ ایسا کوئی قانون بھی نہیں ہے کہ اگر اس مشاعرہ
کو چلایا جائے تو صرف نجم صاحب ہی اس کے خصوصی منتظم
ہوں گے ورنہ یہ مشاعرہ ہوگا ہی نہیں یا پھر وہ کسی مصلحت
کی بناء پر ایسا نہیں کرتے بہرحال ضلع کے ذمّہ داروں سے یہ
دریافت کیا جا سکتا ہے کہ یہ مشاعرہ آل انڈیا مشاعرے سے
الگ کیوں کیا جاتا ہے ——؟ یہ ضلع کے افسران کی تفریحِ
طبع کے لئے ایسا ہوتا ہے یا نجم صاحب کی اس طرح مدد کی
جاتی ہے رموزِ مملکت کو حکام ہی جانیں کیا مشاعرہ ختم کر کے
صرف ایک مشاعرہ پر توجہ نہیں دی جا سکتی اُمید ہے کہ ضلع کے
حکام اس پہلو پر بھی خصوصی توجہ فرمائیں گے اور نجم صاحب
کو بھیک مانگنے سے نجات دلائیں گے کیا ستم ہے کہ ذمہ دارانِ
ضلع ہر سال ایک مشاعرہ عورتوں کا سُننا بھی چاہتے ہیں اور
اس کے جملہ اخراجات بھی ادا نہیں کر پاتے اور اس کا ثبوت
نجم صاحب کی وہ چندہ کی مہم ہے جو وہ ہفتوں شب و روز
انتھک کوشش کر کے اس رقم میں اور اضافہ کرتے ہیں اور
وہ اپنے وقار کا سوال بنا لیتے ہیں حالانکہ ایسا سوچنا ہی غلط
ہے کیا یہ اُردو اور مشاعرہ کے نام پر بدنما داغ نہیں ہے؟
کیا اس طرح مشاعرہ کے نام پر چندہ وصول کرنا جائز ہے ——؟
کیا پرلطف بات ہے کہ اس رقم کا کوئی حساب ہوتا ہے
نہ کسی جگہ اس کا اندراج نہ ہی کسی اور طرح عوام کو یہ بتلایا جاتا
ہے کہ کتنی رقم سرکار یا نمائش کمیٹی سے ملتی ہے اور کس قدر
رقم چندہ کے ذریعہ وصول کی جاتی ہے۔ کیا غضب ہے
کہ نجم صاحب اس مشاعرہ کے لئے کوئی میٹنگ بلاتے
اور نہ ہی کسی سے مشورہ کرتے ہیں اپنی من مانی کر کے چند

راٹ کو بلا لیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ ½ ۱ - ۲
یے میں مشاعرہ چل کر اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے وہ تو یہ کہیئے
ضلع کا سنجیدہ طبقہ اور با اثر حضرات بروقت پہونچکر
مشاعرہ کو پٹنے سے بچا لیتے ہیں ورنہ ہر سال اس مشاعرہ میں
نازیبا اور ناشائستہ حرکات اور بیہودگیاں ہوتی
ان کے سامنے سر ندامت سے جھک جاتا ہے ہم بطورِ
تجاج ضلع کے حکام اور خصوصًا در دمند اور با غیرت
ؤلاء حضرات سے عرض کریں گے کہ اس مشاعرہ کو بند
ادینا چاہیئے سوائے ضلع کی بدنامی کے اور کیا ہوتا ہے
ں تو دیکھئے میں آپ کو محفل غزل سے کہاں لے گیا تھا اس
ے لئے معذرت خواہ ہوں سنئے ؎

نرگس مریض عشق تو کب کا گزر چکا
لائے ہو کس کے واسطے تم چارہ گر کو اب

بجئے تالیاں عنایت ہیں نہ جانے یہ تالیاں کیسی تھیں بہرحال
نرگس صاحبہ مائک سے کھسک رہی ہیں اور نسکلا صاحبہ
مار رہی ہیں آپ کسی کا دل نہ توڑیئے یہ بڑی دُور سے
ئی ہیں اور نرگس صاحبہ کے ساتھ ہی ½ ۱۲ بجے پہلا
ور ختم ہو رہا ہے ۱۱ بجے شروع ہونے والا مشاعرہ
رف ڈیڑھ گھنٹہ چلا اور اس مشاعرہ پر کتنی رقم خرچ کی
ئی ـــ اللہ جانے یا نجم صاحب دو ہزار روپے کا تو مجھے
لم ہے وہ بھی نجم صاحب ہی نے مجھے یہ رقم بتلائی تھی
زیادہ جو ادھر ادھر سے رقم آتی ہے اس کا علم صرف
نجم صاحب ہی کو ہوتا ہے حساب فہمی جمہوری دَور
میں بڑی اچھی بات ہے لہٰذا نجم صاحب کو چاہئے
کہ اخبارات کے ذریعے اس مشاعرہ پر صرف کی جانے
الی رقم اور بقیہ رقم کا ضرور اعلان کریں آج کے دَور
میں یہ انتہائی ضروری بھی ہے ورنہ ضلع کے ادب نواز
اور اہلِ ذوق کیا رائے قائم کریں گے ـ!

اگر دوسرا دور ½ ۳ بجے تک چلا تو اس کا
مطلب یہ نہیں ہے کہ سات شاعرات نے پنڈال اور
سامعین پر جادو کر دیا تھا یا عوام نے اُن کو بیحد پسند فرمایا

بلکہ یار لوگ جو دوسرے دَور میں اسٹیج پر قابض ہو کر
جمے اور ڈٹے رہے تو یہ سوچ کر کہ اب گھر جا کر کون
دروازہ کھٹکھٹائے اور کون یہاں سے اُٹھ کر جائے ـ
یہی باہر کے آنے والوں نے پروگرام بنایا آخر ایک
بجے رات میں قرب و جوار کے سامعین کے لئے
کون سی بسیں کھڑی ہوئی تھیں جو وہ اپنے اپنے گھر
جاتے لہٰذا انہوں نے خوب خوب شاعرات کو بنایا
اور خوب خوب کلام سُنا خدا کرے یہ بدعت اگلے
سال سے ضلع میں نہ ہو اور صرف ایک معیاری ـــ
تاریخی اور لاجواب آل انڈیا مشاعرہ ہی جاری رہے ـ
جس کو کئی ضلعوں سے سُننے کے لئے اُردو دوست اور
ادب نواز آتے ہیں اور کیا عرض کروں کہ
حق بات کا اظہار کوئی جرم نہیں ہے

اور کہ
پھر ملیں گے اگر آپ نے چاہا
خدا حافظ

"نذرانے"

اکرم فاروقی
ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی
فتح گڑھ

ایک اخباری خبر :-

فرخ آباد (ڈاک سے) انجمن فروغِ ادب اردو فرخ آباد کی جانب سے بتاریخ ۲۸ر جون ۷۶ء ایک آل انڈیا مشاعرہ سلسلۂ قیام نیشنل اردو لائبریری انعقاد پذیر ہوگا جس میں ملک کے بلند پایۂ شعرائے کرام شرکت فرما رہے ہیں۔ توقع ہے کہ یہ مشاعرہ آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوگا اور ٹیلی ویژن پر دکھایا جائے گا۔۔۔

(کیلاش چندر برتریا ایڈووکیٹ کنوینر مشاعرہ)

مکرمی برتریا جی! ہدیۂ خلوص

مجھے افسوس ہے کہ آپ کے خط کا جواب تاخیر سے دے رہا ہوں کیونکہ میں گزشتہ ہفتہ مشاعروں کے سلسلے میں باہر گیا ہوا تھا یہ معلوم ہوکر خوشی ہوئی کہ آپ ایک کل ہند مشاعرہ انجمن فروغِ ادب کی جانب سے فرخ آباد میں منعقد کرا رہے ہیں خدا آپ کی سعی مشکور کرے اور آپ کی لائبریری کے ذریعے اردو کو فروغ حاصل ہو۔ مشاعرہ کے سلسلے میں اعزازیہ سفر خرچ و نذرانہ کل مبلغ پانچ سو روپے اپنا تبرک عطا فرمانے کی زحمت و منظوری ارسال فرماکر دعوت نامہ کی تصدیق و توثیق فرمائیں تاکہ ایجاب و قبول دو طرفہ ہوجائے۔ براہِ کرم مبلغ ۲۵ روپے بذریعہ ٹی۔ ایم۔ او۔ ارسال فرمائیں دلی سے ہندوستان کے چند مشہور نامور و کامیاب مترنم شعراء کو آپ کی طرف سے مدعو کرکے آپ کے ساتھ تعاون کر سکتا ہوں۔۔۔

آپ کا مخلص اور اردو کا خادم بہار نظامی دہلوی

مکرمی تسلیم!

آپ کا نوازش نامہ ملا مجھے آپ کی ہم نئی تیاریوں خوشی ہوگی اگر آپ کی مشاعرہ کمیٹی مبلغ چھ سو روپے صرف بطور نذرانہ دیا جانا منظور کرے۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے۔ فقط مخلص اردو بقا کانپوری۔

محترمی! واجبات

نوازش نامہ ملا عام طور پر یوپی کے مشاعروں میں مجھے مبلغ پانچ سو روپے دیئے جاتے ہیں۔ آپ کے مشاعرہ میں حاضر ہو سکتا ہوں فرمائیں کہ آپ کی کمیٹی میرے لئے کیا منظور کر سکتی ہے؟ کم از کم مبلغ ڈیڑھ سو روپے پیشگی نذرانہ بھجوانے کی ضرور زحمت کریں۔۔۔ میں فرخ آباد کبھی حاضر نہیں ہوا ہوں خدا کرے آپ مجھے یاد فرمانے کے حق میں ہوں اور میں حاضر ہونے کے قابل۔۔۔۔۔ اردو کا ایک ادنیٰ خادم کبیر شمر

پرنسپل اردو کالج میرٹھ (یوپی)

محبی کیلاش چندر برتریا جی! آداب عرض!

گرامی نامہ ملا شکریہ۔ مبارکباد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو اردو کی ترویج و اشاعت کے لئے سرگرم عمل ہیں آپ! اردو کے فروغ کے لئے نیشنل اردو لائبریری قائم کر رہے ہیں یہ خبر موجب مسرت ہوئی میں آپ کے مشاعرہ میں ضرور حاضر ہوں گا آپ نے زادِ راہ اور اعزازیہ کے سلسلے میں پوچھا ہے عام طور پر مجھے مبلغ پانچ سو روپے اور آمد و رفت فرسٹ کلاس کا کرایہ دیا جاتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی انجمن کیا فیصلہ سناتی ہے اگر وہ مذکورہ بالا رقم معقول و مناسب سمجھتی ہے تو ضرور اطلاع دیں وگرنہ میں حاضری سے قاصر رہوں گا یہ سمجھ کر کہ شاید مشاعرہ کمیٹی نے مجھے اس کا اہل نہیں سمجھا زحمت کے لئے بے حد شکریہ۔۔۔۔ نیازمند صبا بریلرام پوری۔

مکرمی آداب

عنایت نامہ ملا شکریہ۔ ۳۵ برسوں سے مسلسل مشاعرہ بازی کرتے

ہونے کے باوجود ابھی تک سودے بازی کا گُر نہیں جان سکا ہوں اور اپنے آپ کو مشاعرہ باز شعراء کی سطح تک بھی نہیں پہونچا سکا ہوں۔ براہِ کرم آپ لکھیں کہ کمیٹی میرے مصارفِ سفر کے طور پر کیا دے سکے گی اگر نذرانہ قابلِ قبول ہوگا تو حاضر ہو جاؤں گا ورنہ معذرت پیش کر دوں گا۔ مخلص۔ نابش پرتاب گڑھی۔

محترمی! آداب

مسلسل باہر رہا کل رات واپسی پر ۱۲ رماہ رواں کا مکرم نامہ ملا شکریہ۔

چونکہ میں گوہاٹی اور شیلانگ کے مشاعروں میں جا رہا ہوں اور مجھے ان مشاعروں سے تقریباً ڈھائی ہزار روپے ملنے کی توقع ہے اس لئے آپ کے مشاعرہ میں اپنی عدم شرکت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ نیاز مند ہوش بارہ بنکوی۔

مکرمی تسلیم!

میں اپنے بدمزاج شوہر فہمی کی بے توجہی کا شکار ہوں۔ اس لئے بچوں کی پرورش کی خاطر مشاعرے پڑھتی ہوں اگر آپ فہمی صاحب کو بھی میرے ساتھ بلائیں گے تو میں مشاعرہ کی شرکت سے معذور رہوں گی۔ چونکہ عام طور پر مشاعروں میں کسی نہ کسی بات کو لیکر میری اور فہمی کی تکرار ہو ہی جاتی ہے جس کی وجہ سے میں پاگل پن کا شکار ہو جاتی ہوں۔ اس لئے میں مشاعرہ میں تنہا آؤنگی اور چار سو روپے لونگی۔

فقط ایک برگِ خزاں رسیدہ
کوثر فہمی امروہوی

مکرمی تسلیم!

آپ کا دعوت نامہ ملا شکریہ۔

گجرات، مہاراشٹرا و پنجاب کے چند آل انڈیا مشاعروں کی شرکت کے بعد آج ہی واپس آیا ہوں مجھے آپ کے مشاعرہ میں شرکت کرنے خوشی ہوگی آپ چونکہ اُردو کے فروغ اور نیشنل اُردو لائبریری کے قیام کے سلسلے میں مشاعرہ کرا رہے ہیں اس لئے میں آپ سے رعایتاً چار سو روپے بطور اعزازیہ قبول کر سکوں گا اس حقیر رقم کی منظوری سے بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں تاکہ مذکورہ تاریخ کے ہندوستان کے دیگر مشاعروں سے عدم شرکت کے لئے معذرت نامے ارسال کر دوں۔ فقط خادمِ اردو

سارق بدایونی۔

ایک اشتہار:۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ حضرات کو یہ معلوم ہو کر خوشی ہوگی کہ مورخہ ۲۸ر جون ۷۶ء کو میڈیکل انٹر کالج فرخ آباد میں ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے جس میں ملک کے مندرجہ ذیل نامور شعرائے کرام شرکت فرما رہے ہیں۔

- - - - - - - - - - -

نوٹ:۔ فتح گڈھ، قائم گنج، کمال گنج، محمد آباد، چھبرامئو، سہلے گنج اور قنوج کے پرائیویٹ بس اڈوں سے شام کو ۷ بجے بسیں مشاعرہ گاہ کے لئے روانہ ہوں گی جن حضرات کے پاس ہمارے دعوت نامے ہوں گے انہیں بس کا آمد و رفت کا کرایہ نہیں دینا ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ کیلاش چندر برتر بابا ایڈوکیٹ کنوینر مشاعرہ

برادرم برتر باجی! تسلیمات

میں آل انڈیا ریڈیو کے مشاعرہ کے سلسلے میں لکھنؤ گیا ہوا تھا آج واپسی پر آپکا خط ملا جس سے مشاعرہ کا علم ہوا مجھے یقین ہے کہ جب تک آپ جیسے مخلصین کی سرپرستی حاصل رہے گی ہندوستان میں اُردو روز افزوں ترقی کرتی رہے گی آپ چونکہ نیشنل اُردو لائبریری کے سلسلے میں مشاعرہ کرا رہے ہیں اس لئے فروغ اُردو کے خاطر مجھے صرف چار سو روپے درکار ہوں گے (علاوہ کرایہ آمد و رفت فرسٹ کلاس)

مخلص اُردو تسلیم بریلوی

مکرمی کنوینر صاحب آداب

مشاعرہ کا دعوت نامہ ملا شکریہ۔ میں چونکہ فرصت کا

کا بوجھ ہوں اس لیے میں سسرالی رشتوں کی نزاکت کے باعث
صرف مبلغ پانچ سو روپے لوں گی واضح ہو کہ مشاعرہ کے
بعد اگلے دن شہر کی کسی شعری نشست میں شرکت نہیں
کرسکوں گی چونکہ بہو ہونے کے ناطے مجھے اپنے کلچر کی دیرینہ
روایات کا احترام کرنا ہی ہوگا۔ فقط آپ کی بھابی

محمودہ نیاز دہلوی

محترمی! آداب

آپ کا دعوت نامہ ملا۔ میں انشاء اللہ مقررہ تاریخ پر ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔ لیکن آپ میرے قیام کا بندوبست عام شعراء کے ساتھ نہ کریں چونکہ میں بحمد اللہ اُن تمام خرافات سے محفوظ ہوں۔ جو عام طور پر آج شعراء میں عام ہیں۔ میں آپ کی اور اُردو کی خاطر صرف مبلغ پانچ سو روپے کا حقیر نذرانہ منظور کرسکوں گا اور لکھیے گا کہ آپ نے کن کن شعراء کو مدعو کیا ہے اور کون صاحب مشاعرہ اناؤنس کریں گے۔ قیام وطعام کا انتظام کہاں کیا گیا ہے؟؟ مفصل لکھیے۔ اُردو کا دیرینہ خادم ھادی رضیائی بھوپالی۔

بھائی جان آداب!

جواباً عرض ہے کہ میرے مالی حالات بھی کچھ زیادہ اچھے نہیں ہیں اس لیے میں نے تو پہلے ہی آپ کو کم سے کم نذرانہ لکھا تھا اگر آپ اصرار ہی کرتے ہیں تو دو سو پچاس روپے پر آ سکتا ہوں چونکہ تنخواہ ڈیڑھ سو روپے تو مجھے دہلی اور قرب وجوار کے مشاعروں سے ہی مل جاتے ہیں۔ اچھا ہو آپ مشاعرہ بہادر نظامی صاحب سے ہی اناؤنس کرائیں چونکہ وہ اپنے ہی گروپ کے آدمی ہیں جگر سنبھلی کے بجائے مسرت گوالیاری کو لاؤں گا کیونکہ وہ جگر سے اچھا پڑھتے ہیں۔

فقط حدِ آداب! خادم اُردو سحر واحدی

ایک اخباری خبر... (فرخ آباد ۔ مورخہ ۲۶ جون ۷۷ء)

احقر کو یہ اعلان کرتے ہوئے نہایت افسوس ہوتا ہے کہ انجمن فروغِ ادب فرخ آباد ملک کے بلند پایہ اُردو ولواتا اور زعیم دوست شعراء کرام کے حقیر نذرانوں کا بوجھ برداشت کرنے سے قاصر ہے اس لیے مورخہ ۲۸ جون ۷۷ء کو میونسپل انٹر کالج فرخ آباد میں منعقد ہونے والا آل انڈیا مشاعرہ غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کیا جاتا ہے شعراء کرام کو فرداً فرداً بذریعہ ٹیلیگرام مشاعرہ کے التواء کی اطلاع کردی گئی ہے۔

کیلاش چندر بر تریا ایڈوکیٹ
کنوینر مشاعرہ انجمن فروغِ ادب فرخ آباد

غزل — حضور سہسوانی

اچھا ہے یہ مذاق مری زندگی کے ساتھ
کتنے ہی درد جوڑ دیئے ہیں خوشی کے ساتھ

پھر کس طرح سکون میسر کسی کو ہو
سو الجھنیں لگی ہوں اگر زندگی کے ساتھ

ممکن نہیں اجالا ہمیشہ وہاں رہے
تاریکیاں لگی ہوں جہاں روشنی کے ساتھ

دنیا میں جب ملے نہ وفا کا کوئی صلہ
کوئی وفا کرے تو کرے کیا کسی کے ساتھ

وہم و خیال میں بھی نہ آئی کبھی یہ بات
دھوکا کریں گے لوگ مری زندگی کے ساتھ

اُف بھی نہ کی کبھی، یہ ہمارا ہی ظرف تھا
زہرِ حیات پیتے رہے خامشی کے ساتھ

وہ بے خبر ہزار سہی، میرے حال سے
وابستگی ہے پھر بھی مری زندگی کے ساتھ

ماضی کو اپنے بھول سکوں میں کسی طرح
جذبہ نہیں ہے اور کوئی بے کسی کے ساتھ

ہاں اس لیے میں آنہ سکوں گا کبھی حضور
مجبوریاں بہت ہیں مری بے کسی کے ساتھ

مثنوی بہارِ مالوہ

نازک الٰہ آبادی

جناب نازک الٰہ آبادی ملک کے صفِ اوّل کے شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ نازک صاحب کا مفصّل تعارف "شانِ ہند" کی کسی آئندہ اشاعت میں شائع کیا جائے گا۔

نازک صاحب نے "مثنوی بہارِ مالوہ" نظم فرمائی ہے جس میں مثنوی کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ یہ مثنوی ماہنامہ "شانِ ہند" میں قسط وار شائع ہوتی رہے گی۔ اِس بار "مثنوی بہارِ مالوہ" کے چند ابتدائی دعائیہ اشعار اور مالوے کا محل وقوع شائع کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین کرام اِس مثنوی کا دلچسپی کے ساتھ مطالعہ فرمائیں گے۔ (ادارہ)

مثنوی بہارِ مالوہ کے چند ابتدائی دعائیہ اشعار

مری مادرِ علم و فن قدسیہ — تمنائے پُر طفل مدّ ظلّہٗ
مرے جی میں ہے مالوے کی بہار — کروں تیرے قدموں پہ لاکر نثار
میرے ذہن کو روشنی بخش دے — خرد کو بھی تو رہبری بخش دے
عبارت جو لکھ جائے میرا قلم — وہ بن جائے تصویرِ رشکِ ارم
میں آغاز کرتا ہوں جو مثنوی — تو پھر اُس کے لفظوں میں جادوگری
جو کہسار و دریا و سبزے ہیں بن — اُٹھا لاؤں وہ مالوے کا حسن!
ہے کیا مالوا اپنے خود مول میں — ہے اِستھان کیا اُس کا بھوگول میں
ہیں جو اُس کے اِتہاس کی خوبیاں — اُجاگر کروں گا میں وہ شوخیاں

نہ رہ جائے ماں اِس میں کوئی کمی
تجھی کو ہے ارپن مری مثنوی!

مالوے کا محل وقوع

ہے جس سر زمیں پر خدا مہرباں — بتاؤں کہ وہ مالوہ ہے کہاں
دریں منطقہ معتدل مالوا — ہے بھارت کے نقشے میں جلوہ نما
بہتر، چھہتر (۷۲، ۷۶) ہیں طول البلاد — ہیں بائیس و چھبیس (۲۲، ۲۶) میں عرض البلاد
نگر "ناگدا" ہے شمالی سرا — جنوبی ہے یہ "دھار" تک مالوا
ہے "کھنڈوا" یہ بھی مالوے کی نگر — جو ہے اِک جنوبی پہاڑی نگر

ہے طول و عرض میں یہی وہ مقام
کہ ہے "مالوا" جس کا بھارت میں نام

غزلیں

آبد ہمسر ہندی

دِل کو بہلائیں ترے وعدے کی تکراروں سے کیا
کام پھولوں کے بھی نکلے ہیں کبھی خاروں سے کیا

چمن کو جنت پر بھروسہ تقاضا کرتے رہے
پوچھتا ہے داورِ محشر گنہگاروں سے کیا

اِک وہ تھے جو محبّت پہ نچھاور ہو گئے
تم وفا بھی کر نہیں سکتے وفاداروں سے کیا

مسکرا کر دعوتِ دار و رسن کر لی قبول!
خاک ہمسر ہو کوئی تیرے طلبگاروں سے کیا

ہفت خوانِ عشق طے ہونا بڑا دشوار ہے
کھیلتے ہیں حضرتِ دِل آپ انگاروں سے کیا

رات دِن رہتے ہیں سرمست مئے صبر و رضا
تیرے کوچے کے گداؤں کو جہانداروں سے کیا

شیخ اگر خاموش ہیں یہ مصلحت کی بات ہے
ورنہ رازِ حق بھی پوشیدہ ہے میخواروں سے کیا

دِل کا اطمینان لازم ہے عبادت کے لیے
یاد بن آئے تری آرام کے ماروں سے کیا

خود نماؤں کو تری صحبت نہ راس آئی ابد
کافروں کا ربط بھی ہوتا ہے پنداروں سے کیا

زخمی حصاری

ہر طرف مسرّت ہے ہر طرف سویرا ہے !!
رات ڈھل چکی یارو اَب کہاں اندھیرا ہے

وقت کے تقاضوں کی دیکھیئے کراماتیں!
وادیٔ تشدّد میں امن کا بسیرا ہے

کس لیے دِلِ ناداں تو نثار ہے اِن پر
بے ثبات ہے عالم تیرا ہے نہ میرا ہے

گوشہ گوشہ میں جس کے کرگسوں کا مسکن تھا
آج اِس گلستاں میں بلبلوں کا ڈیرا ہے

اپنی ہر تمنّا پر جس نے پا لیا قابو
مارِ نفس کے حق میں وہ تو اک سپیرا ہے

دستِ مرگ کی کوئی دیکھیے یہ ستمگاری
زیست نے عناصر کو کس طرح بکھیرا ہے

میکدے پہ قبضہ ہے جب سے پارساؤں کا
مے کشوں کا اے ساقی مسجدوں میں ڈیرا ہے

عالمِ امارت کی بات کیا کرے کوئی!
اِس میں ایک رہزن ہے دوسرا لٹیرا ہے

نقشِ زیست میں زخمی رنگ بھر دیئے جس نے
دیکھیں تو ذرا چل کر کون وہ چتیرا ہے!

عاجز ہنگنگھائی

چمن میں پر نہ پرندہ دکھائی دیتا ہے
لہو زمین پہ نہ ندہ دکھائی دیتا ہے

بنا دیں آدمی اُس کو جتن کیے کتنے
وہ شخص پھر بھی درندہ دکھائی دیتا ہے

یہ آسمانوں سے آیا ہے ٹوٹ جائے گا
جو مجھ میں قید پرندہ دکھا دیتا ہے

کفن کی فکر میں ڈوبا ہے جسکی تو عاجز
ابھی تو جان ہے! زندہ دکھائی دیتا ہے

نظم

نکہت شاجاپوری

کہاں ہے شکیبِ دل و جاں کہاں ہے
مرا حاصلِ دین و ایماں کہاں ہے
بلی تیرگی ہی ہمیں ہر قدم پر!!
مقدر میں اپنے چراغاں کہاں ہے

گلوں نے تبسم کی کلیاں کھلائیں!
بہاروں نے گلشن میں خوشبو لٹا!
گلستاں میں پھولوں کی محفل ہے رنگیں
مگر وہ بہارِ گلستاں کہاں ہے!

جنھیں دیکھ کر صبح ہوتی تھی روشن!!
جنھیں دیکھ کر شام۔ شام اودھ تھی!!
مہکتا تھا جن سے نگارِ دل و جاں!!!
مری آرزو کے نگہباں کہاں ہیں

محافظ تھے کلیوں کے معصوم کانٹے!
تجھے کیا ملا اے ستمگار گل چیں!
ڈھونڈتی ہیں بہارِ گلستاں!
بہار و وہ جانِ بہاراں کہاں ہے

غزل

مشتاق آذر سیانو

ہے ابھی شہر میں مخدوش نگاہوں کا پڑاؤ
کھڑکیوں سے ابھی باہر نہ نکالو چہرہ
مصلحت وقت کی یہ چیخ رہی ہے کب سے
اپنے چہروں پہ کوئی اور چڑھا لو چہرہ
اور کچھ دیر رہے گی ابھی قاتل کی تلاش
اور کچھ دیر کو معصوم بنا لو چہرہ

کل تمہیں خود ہی نقابوں کو الٹنا ہوگا
ہوشو! آج نقابوں میں چھپا لو چہرہ
آج ہر شخص کے چہرے پہ ہے چہرہ آذر
خوبصورت سا کوئی تم بھی لگا لو چہرہ

غزل

سحر سعیدی

منظر تمام اوس میں بھیگا دکھائی دے
کہرا چھٹے تو کوئی جزیرہ دکھائی دے

جھیلوں کے آئینوں میں ہے تیرے بدن کا عکس
بادل پہ تیرا نقشِ کفِ پا دکھائی دے

لہجے میں ہے چھپی ہوئی لذّت گناہ کی
آنکھوں میں زندگی کا سویرا دکھائی دے

سورج کے ساتھ ساتھ چلا ہوں تمام دن
ٹھہروں کہیں جو شام کا ڈیرا دکھائی دے

محفل میں رات بھر جو ہنستا رہا ہمیں !
وہ شخص آج کتنا فسردہ دکھائی دے

ہم راہِ جستجو میں بہت کھا چکے فریب
ہر خوابِ زندگی کا ادھورا دکھائی دے

لذّت کچھ اور پیاس کی بڑھ جائے ہے سحرؔ
جب شیشۂ بدن وہ چھلکتا دکھائی دے

غزل

ڈاکٹر ہنومان پرشاد شریواستو جگرؔ بستوی

انداز بہاروں کا دلآویز بہت ہے !
ہر شاخِ چمن پھر بھی فسوں خیز بہت ہے

دیوانو سنبھل جاؤ کہ ویرانہ ہے آگے
رک جاؤ کہ جنگل کی ہوا تیز بہت ہے

میں ڈھونڈ رہا ہوں تری زلفوں کی گھنی چھاؤں
ہے دھوپ کڑی اس میں تپش تیز بہت ہے

سب ڈوب گئے اہلِ خرد بحرِ جنوں میں
گلشن کی فضا اب کے جنوں خیز بہت ہے

کچھ اور بگڑ جائے نہ مجروح کی حالت
ظالم کی ادا پہلے سے خوں ریز بہت ہے

پینے ہی گئے پیرِ حرم آنکھ بچا کر ! !
وہ جام کہ جس جام سے پرہیز بہت ہے

سب ٹال گئے سُن کے جگرؔ شعلہ نوائی
شاید مرا اندازِ جنوں تیز بہت ہے

غزل

اخلاق سہسوانی

قفس میں اب اسیرو، آؤ تنظیمِ گلستاں کر لیں
پروں کو نوچ کر تعمیر اپنے آشیاں کر لیں

قفس کی تیلی تیلی پر بہاروں کی ضرورت ہے
یہ موقع ہے کہ اشکِ خوں سے ہم گلکاریاں کر لیں

ذرا ٹھہرو شبِ فرقت کے سیارو، ذرا ٹھہرو
تمہارے ساتھ ہم بھی ختم اپنی داستاں کر لیں

جنونِ عشق کی تکریم بیشک فرض ہے لیکن
ذرا ہم اپنے ملبوسِ خرد کی دھجیاں کر لیں

قفس ہوگا بہاریں ہونگی اے اخلاقؔ ہم ہونگے
مگر داغِ جگر کو پہلے رشکِ گلستاں کر لیں !

غزلیات

مننن بدایونی ایم ۔ اے

لاکھ پرواز پہ تم ماہِ مبیں تک پہنچے — ایک ہی جست میں ہم عرشِ بریں تک پہنچے
آج وہ عقل کے محبت میں نہیں تک پہنچے — شکر صد شکر کہ ادراک یقیں تک پہنچے
محوِ پرواز خلاؤں میں ہیں اہلِ دانش — کون پیغامِ اماں لے کے زمیں تک پہنچے
جو چلے گا وہی پہنچے کا نوا ہو کہ بساط — ہم چلے تھے نہ کہیں سے نہ کہیں تک پہنچے
آج انگلینڈ میں ہیں جمع سبھا اہلِ اسلام — کیا تعجب ہے کہ بے دین بھی دیں تک پہنچے
دل میں انساں کے کشش چاہئے واللہ ہقین — ہے یقیں خود ہی دریا رجبیں تک پہنچے

رگھونندن شرر (حصار)

خوش رہے ہر حال میں جو ہم کو وہ دل چاہئے
زندگی کو کیف جو بخشے وہ محفل چاہئے
غیر کا کوئی سہارا بھی نہیں ہم کو پسند !
اپنا دریا اپنی کشتی اپنا ساحل چاہئے
احتیاجِ خضر کب حاصل ہے راہِ شوق میں
رہروِ منزل کے دل میں شوقِ منزل چاہئے
دوستی کا دم تو سب بھرتے ہیں دنیا میں مگر
دوستی کے واسطے بے شک بڑا دل چاہئے
اے شرر ہم کو ابھی شعر و سخن کی راہ میں !
رہنمائی کے لئے استادِ کامل چاہئے

سرور حسین سرور فتحگڈھ

کتنے تاریک غم کے رستے ہیں
اپنے سائے کو ہم ترستے ہیں
یہ تو معراج ہے محبت کی
لوگ دیوانگی پہ ہنستے ہیں
کچھ سلاسل کی قید و بند نہیں
جسم افلاس میں بھی کستے ہیں
صرف باتیں نہ کیجئے حضرت
جو گرجتے ہیں کم برستے ہیں
خیرہ خیرہ نظر ہے آج سرور
بہ اُجالے بھی مجھ کو ڈستے ہیں

ڈاکٹر غیاث عارف

وقت نے سخاوت پر اس قدر ابھارا ہے — خود اتر کے سورج نے چاند کو سنوارا ہے
دوستو مجھے ہر غم اس لئے گوارا ہے — کیا خبر کہ کس غم میں دوست کا اشارا ہے
کس لئے نہ آدم کا خلد منتظر ہوگا ! — خلد سے نکلنے تک خلد کو سنوارا ہے
بے حسی کا یہ عالم یہ شعور کی پستی !!! — خود زندگی پرستوں نے زندگی کو مارا ہے
آپ کے تصور میں ہم گزر گئے خود سے — ہر صدا یہ سمجھے آپ نے پکارا ہے
کائنات قاصر تھی بارِ غم اٹھانے سے — ہم نے کی ہے وہ جرأت خود صد ہمارا ہے

پیار کی حقیقت کو سادہ لوح کیا جانے
پیار اصل میں عارف زیست کا سہارا ہے

دانش مالوی

اسماعیل ذبیح
سرونجی

کیا زمانہ دلِ مرحوم کا تھا کیا کہیے ؛ تم بھی تو دیکھنے والوں میں تھے کچھ یاد آیا

محفلِ یارانِ خوش اوقات برہم ہوئی اب تنہائی کے لمحات کہاں جا کر گزارے جائیں بجز اس کے کہ وقت کی دیوار سے سر مارا جائے کوئی چارہ کار نہیں۔ سوچا کہ بجائے سر مارنے کے اس تنہائی کو خوابوں کے حسین چاند ستاروں سے سنوارا جائے۔ خونِ گشتہ تمناؤں کی تصویر اُتاری جائے۔ سادہ اوراق پر کچھ رنگ اُبھارے جائیں کہ اچانک شادابی رفتہ پلٹ آئی۔ گزرے ہوئے موسم نے پکارا اور ذہن کے اُفق پر یارِ دیرینہ مہرباں کا سورج جگمگانے لگا دانش پر احسان کی یاد کے ساتھ رم کردہ بہاریں ہاتھ آئیں۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

لذیذ ہو تو حکایت دراز ہوتی ہے۔ میں دانش مالوی کو ۱۹۳۹ء سے جانتا ہوں جبکہ طالب علمی کے زمانہ میں وہ لہک لہک کر مشاعرہ میں غزل خوانی کرتا۔ اور چاروں طرف سے داد کا بے پناہ شور مشاعرہ گاہ کی چھت اُڑا دیتا۔ یہ شخص ہمیشہ رودادِ غم کہہ کر خوش رہا۔

ہر نفس اسکی صدا ہو جیسے ؛ زندگی نغمہ سرا ہو جیسے

اسکی فکر کے آبگینے روشن ہو کر کبھی تاریک نہ ہوئے۔ زندگی کے مطالبات نے کبھی اس کو مایوس نہیں کیا ہر خوشی سے شکست کھانے کے بعد بھی زندہ رہنے کا حوصلہ باقی رہا۔ اس نے ہر ساز کو چھیڑا اور ہر محفل کو متوجہ کرکے دم لیا۔ اگر ہمارے کان نہ ہوتے تو نوائے بلبل اور صدائے قمری بھی نہ ہوتی اور بالآخر ہمارے سینے میں دل نہ ہوتا تو تمام کائناتِ زندگی ہمارے لئے بے معنی ہوتی۔ اور تمام دنیائے حیات بیگانہ مفہوم۔ اسی نقطۂ نظر کو خیال میں رکھتے ہوئے دانش کہتا ہے

ہم بھی انسان ہیں اتنا تو ہمیں بھی حق ہے
زندگی آ تجھے سینے سے لگا کر دیکھیں!
سمجھ رہی ہے مجھے نقشِ آب [illegible] دنیا!
مری حیات کا لیکن یہ ماحصل [illegible]
وہیں سے زیست کی تکمیل کا آغاز ہوتا ہے
جہاں سے زندگی میں آدمی ناکام ہو جائے

"ہماری دُنیا ہمارے خیال کی مخلوق ہے"

اگر حسن کی نیرنگیاں جو دنیا سے ہمارا رابطہ جوڑتی ہیں درمیان سے غائب ہو جائیں تو ہم دیکھیں گے کہ ہم اور اس کے مابین کوئی تعلق نہیں رہتا۔ ہم اس کائنات ارضی کی رنگین طرازیوں کو اپنے حسیات کے لطیف شیشے کے پردے پر دیکھتے ہیں۔ دانش نے بھی اسی احساس کی ترجمانی کی ہے۔

خیالِ یار سلامت بہار کیا شے ہے
قدم اُٹھائیں جدھر ہم اُدھر بہار چلے
عشق کی گرد کو بھی نہ پہنچا کوئی
سب مرے ہمسفر دیکھتے رہ گئے
برگ و غنچہ و گل سے مہر و ماہ و انجم تک
عشق کی نظر تنہا۔ حسن جلوہ گر تنہا

بادی النظر میں محبت اور پیار کی شاعری پر ایک نفس پرست کے عشق و عاشقی کا دھوکہ ہوتا ہے حالانکہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس حقیقی عشق و محبت کا اظہار ہے جو ایک والا و شیدا شخص کو اپنے محبوب سے ہوتی ہے (ذات الوہیت) اور جسے وہ اپنی نگاہ میں ایک صنم نازک تصور کر کے محبت کرتا ہے۔ دانش کی شاعری میں "میخانہ" "شراب" جوشِ وحدانیت ہے اور محبوب

ہونٹ" "لاینحل اسرارِ اپنی توجیہ" اور "اسکی تشکیو ہوا" سے مراد اس کی رحمت و کرم ہے "بوس و کنار اور وصال" جذب و شوق کی علامت ہے۔ بہر حال اِن استعارات سے اُس نے شاعری میں ایک عجیب حُسن و دل کشی پیدا کر دی ہے۔

چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:۔

اب مرے حالِ پریشاں پر اُٹھی چشمِ کرم
عُمر گذری ہے یہی خوابِ پریشاں دیکھتے

کر دیا دیوانگی نے محوِ احساسِ الم !
اب تو رو تا جا رہا ہوں اور ہنسی آجائے ہے

خوش نصیب وہ مختارِ کائنات ہوں میں
نگاہ و دِل پہ بھی جس کا نہ اختیار چلے

شراب خانۂ شعر و سخن سے لوٹ رہے ہیں
جو لوگ میرے دیارِ وطن سے روٹھے ہیں

ہاں وا ہائے ! دُعا تھی حب اثر سے آشنا
ہم سے وہ تھا اور ہم اُس فتنہ گر سے آشنا

مری تشنگی فیض تک تیرے پہنچے
بڑھا دو اُس کو بڑھا میرے ساقی

ہمارے عہد نے اپنی روایات اور اپنی اقدار کو کھو دیا ہے یہ زمانہ بے یقینی کا ہے عجب و صدقی کا عالم ہے۔ اب لوگ دہلی اور لکھنؤ کے مکاتیب کی بات نہیں کرتے۔ سماج میں شاعر کا منصب باقی نہیں رہا شعر کس ترو پر کہیں کوئی آئیڈیالوجی ہونا چاہیے۔ دانش پر بھی اس ماحول کا اثر ہونا لازمی تھا اور یقیناً ہوا بھی لیکن اس کی ذات پر اُس کا جو ردِ عمل ہوا اس نے ایک نئے احساس کو جنم دیا اُس نے حد بندیوں کو توڑ ڈالا اپنی متاعِ گمشدہ کو حاصل کیا اور پکار اُٹھا۔ ؎

ڈوبتا تو خیر کشتی کا مقدر مان لیں ۔:۔ ناخداؤں کو مگر طوفان کا اندازہ تھا
ایک مہر سے پیمانِ وفا کر دیکھیں ۔:۔ لاؤ ایک ریت کی دیوار اٹھا کر دیکھیں
ابتک بھی بہر دانۂ جنوں پر حیراں ہے ۔:۔ جا گھر آئی لاکھ خرد ستاروں سے
روح عمل مفقود ہے جن انسانوں میں ۔:۔ کیا ہو گا اُن لاشوں کے انباروں سے

فنکار کی شخصیت یوں بظاہر اپنے سماج اور معاشرے کی پیداوار ہوتی ہے لیکن اُسکی شخصیت پروان چڑھانے میں مزاج کو دخل ہوتا ہے اپنے زمانے کے اثرات قبول کرنے کے ساتھ ساتھ صدیوں کی پنپتی ہوئی روایات بھی اس پر اپنا سایہ ڈالتی ہیں یہی اثرات اسکے تخلیقی جذبے میں گہرائی اور رچاؤ پیدا کرتے ہیں۔ دانش نے غزل کو بھی تخلیقی اظہار کا وسیلہ بنایا۔ ایسا اسلئے ہوا کہ موصوف نے ابتدا ہی میں اپنے شعری مزاج کے تقاضوں کو سمجھ لیا اور انتہائی اہتمام کے ساتھ ان تقاضوں کی تکمیل کو اپنا مطمعِ نظر قرار دیا۔ دانش نے روایتی تاثر کو قائم رکھتے ہوئے زندگی کے مختلف زاویوں کی عکاسی کی ہے۔ اُس نے سرمایہ دارانہ نظام پر بڑے کاری وار کئے ہیں اس کے اشعار سماجی اور فلسفیانہ خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں جنکی گہری طنز دل میں اُتر جاتی ہے اور ہر شعر قاری کے ذہن پر اپنا نقش یوں چھوڑ جاتا ہے جیسے زخم لگ رہے ہوں ؎

سوال یہ ہے کہ اس دور میں کدھر دیکھیں ۔:۔ تمہاری بزم کو دیکھیں کہ اپنا گھر دیکھیں
چلچلاتی دھوپ میں نیند سی آنے لگی ۔:۔ اپنے ٹوٹے گھر کی دیواروں کا سایہ دیکھ کر
یہ سب خلوص و محبت بجا سہی یارو ۔:۔ تمہارا چہرہ مگر آئینہ دکھائی دیتا ہے

دانش نے ہر شعر میں یہی کوشش کی ہے کہ وہ اس کو مکمل آگاہی کے ساتھ پیش کر سکے جو موسیقی سے قریب تر ہو۔ اور حسن کے ذریعے خیال بھی بھرپور طریقہ سے ادا ہو جائے اس لئے اشعار میں زبان کا مطالعہ آہنگ، ترتیب، ساخت اور موقع و محل کے مطابق تشبیہ و استعارات پائے جاتے ہیں اسکے اشعار میں سماجی شعور کا احساس خوبصورت الفاظ اور ادائیگی کی فراوانی ہے اُس کا ایک الگ مقام ہے جو اسے اپنی الگ راہ بنانے سے حاصل ہوا ہے۔ ؎

آپ کے غم میں ہرا ہر ہر نفس ۔:۔ رام کے بن باس میں چودہ برس
تن کے جلوے مہر و ماہ کی بستیاں ۔:۔ من کے مندر پہ چراغ دیے کلس
تمہیں خلوص کا پیکر سمجھ رہا ہوں میں ۔:۔ مرے دماغ میں یارو کوئی خلل تو نہیں

دانش مانوی پر جناب پروفیسر مظہر قاسمی صاحب (حال مقیم کراچی) کا لکھا گیا تبصرہ "نکاتِ دانش" بہترین حاصل تبصرہ ہے۔ مبصر کی لگاوٹ و نکتہ رس امعانِ مطالعہ کی غماز ہے اس تبصرہ میں جو نکات پیش کئے گئے ہیں وہ تبصرہ نگاروں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔ روزنامہ "اُردو ٹائمز" میں انجم زومانی رقمطراز ہیں کہ دانش مانوی نے روایات کے سلسلے میں آنکھیں کھولیں اُن کا رجحان قدامت پرستی کے ماحول میں

(باقی صفحہ پر)

گوشۂ عقیل

آرسی

فرخندہ لودھی

فوج میں ملازم تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد عزیز نے سرکاری ملازمین کو گورنمنٹ آف انڈیا دریا دلی سے رخصتیں عطا کر رہی تھی کہ ملک میں آزادی کی تحریک زیادہ زور پکڑ گئی۔ ہندو اکھنڈ ہندوستان مانگتے تھے اور مسلمان پاکستان۔ سکھ خالصتان کے مطالبہ پر اڑے تھے۔ ایسے ہنگامی حالات میں کچھ دل ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف کسی کا ہاتھ اور ساتھ مانگتے ہیں انہیں سیاست اور اقتدار سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ سادگی اور خلوص کا اعتماد لیے پھرتے ہیں جن کو عرفِ عام میں رومان کہا جاتا ہے۔

عزیز کی طبیعت ہی کچھ ایسی تھی ــــ وہ ڈیڑھ سال بعد گھر لوٹا تھا۔ گھر سے دوری نے اس میں کئی سوئے ہوئے احساسات کو جگا دیا تھا۔ اس کے شادی شدہ اور بڑی عمر کے ساتھی، اپنے گھروں سے دور بیرکوں کی تجرد والی فضا میں اپنی بیٹیوں اور بیویوں کی باتیں دہراتے۔ عورتوں کے قصے کہتے ــــ جانے کیا بات تھی کہ اسے ساری کہانیاں بھول جاتیں صرف عورت یاد رہ جاتی ــ کوئی لڑکی ــــ کوئی بھی لڑکی جو اس بھری دنیا میں اس کے حصے کی ہو۔

عزیز اور باتوں سے قطع نظر نسوانی قرب کے لطیف احساس سے محظوظ ہونے کی تمنا لئے پھرتا تھا۔ مگر یہاں فضا سازگار نہ تھی اس کے قصبے کے لونڈے بھی آزادی حاصل کرنے کے لئے قسمیں لئے پھرتے تھے اگرچہ وہ اس کے مفہوم سے اتنے ہی واقف تھے جتنا کوئی الہڑ عشق کے مراحل اور معاملات سے ــ عزیز بھی اسی ریوڑ میں ملا ہوا کرتا پھرتا تھا ــــ گھر میں جڑواں بھائی اور بوڑھی ماں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ بھائی اتنا کم گو اور سنجیدہ تھا کہ لوگ اس کا اصل نام بھول گئے اور صوفی جی کہہ کر پکارنے لگے بہنیں یا بیٹیاں جب اپنے گھروں میں سکھی ہوں تو انہیں میکہ کم ہی یاد آتا ہے۔ اس کا گھر سونا تھا ــ جیسے قبرستان ــــ

یہاں اس کے پہلو میں زندگی کی حرارت تھی ــ صفیہ ــ جو ہر وقت چہکتی رہی ــ

صفیہ کی ماں رابعہ عین شباب کے زمانے میں بیوہ ہوئی تو بیٹی کو زندگی بتانے کا بہانہ بنا کر اپنے آپ کو دنیا سے یکسر کاٹ لیا، جیسے وہ عورت نہ تھی ــ پھر آج سے پچیس چھبیس برس پہلے کا زمانہ ــ ابھی بیاہتا عورتوں کی آنکھوں میں بھی حیا و لحاظ باقی تھا۔ برادری اور عزتداری کے بندھن نہ ٹوٹتے تھے ــ

رابعہ کو سب نے بیک زبان منحوس قرار دیدیا اس نے جوانی میں بیوگی کا غم اٹھایا تھا ــ وہ ڈائن چڑیل بھتنی اور نہ معلوم کیا کیا ہوتے ہوئے ماں بھی تھی اور اسے صفیہ کو پالنا تھا اس لئے وہ اپنے بھائی اور بھاوج کے گھر کی گاڑی میں ایک ایسا پرزہ بن گئی جس کی اہمیت کو کوئی نہیں سمجھتا ــ

قدرت نے رابعہ کو ایسی کافور میں بسی ہوئی مٹی سے بنایا تھا کہ جیتے جی مردہ۔ گویا وہ ایسی جیسے میوے کی بھری ہوئی بوسیدہ باس میں جیسے وہ تمام اوصاف موجود تھے جنہیں لوگ بیوہ عورتوں میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔ موٹا جھوٹا پہنتا اور چپ رہتا ــ میاں کے راج میں بھی، اس کی ذات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی یہی وجہ تھی کہ راج سنگھاسن چھن جانے نے اسے زیادہ دیر نہ کھلایا یہاں یہ تجربہ اسے زیادہ عبادت گزار بنا گیا ــ صفیہ کے لئے جو ممتا کا جذبہ تھا۔ وہ کام کی زیادتی اور روز مرہ بیماری کے نیچے دبا گھٹی گھٹی سانسیں لیتا رہا۔ رابعہ دن بھر کولہو کے بیل کی طرح جتی ــــ اوائل عمر اور تھکن، وہ رات کو بستر پر گر کر اتنی گہری نیند سوتی کہ کوئی فکر یا جذباتی الجھن دامن گیر نہ ہو پاتی ــ

ماموں کے ٹکڑوں پر پلی صفیہ بڑی جلدی جوان ہو گئی۔ جیسے خودرو مٹی میں کنوار گندل۔ ترو تازہ اور رس بھری ــ ماموں جان کو اپنی تکرار سے فرصت نہ ملتی تھی لیکن جب رات

کو، پھر پیار سے تھپتھپاتی تو صفیہ کے بدن کے گداز پر سے اس کا ہاتھ پھسل جاتا۔ صفیہ کھنچ جاتی اَن ٹھٹک جاتی۔

انسان اپنی ذات کے شعور سے پہلے ماحول کا ادراک کرتا ہے۔ صفیہ کو ماں کے رویہ سے سمجھ لیا ہوگا کہ اسے تک پکار ملانی اور بے نیاز ماموں اچھے نہ لگتے تھے۔ اس کا جی چاہتا ان سب کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے آگے ہانکے اور من مانی کرے۔

پھر اُٹھ کر نماز اور تلاوت کی حد تک وہ گھر والوں کا ساتھ دیتی۔ اس کے بعد ماں کا تھوڑا بہت ہاتھ بٹا لیتی پھر میاں مٹھو اور پالتو بلی سے جب تک جی چاہا باتیں کیں۔ ان چھوٹے بھائی کو سیل اس کی بلا سے۔ وہ اونچی بلند آواز سے باتیں کرتی اور چیختی گویا اپنی ذات کی موجودگی اور بے بسی کا اعلان کر رہی ہو۔

گھر کے گھٹے ہوئے ماحول میں قید صفیہ نوعمر غزال تھی اور اس کی چیخ و پکار غزل۔ عزیز نے یہ پکار سنی اور اس کے دل میں ارمان جاگ اٹھے۔ پھر ہمسائے میں پکوان پک رہا ہو اور بھوک بھی لگی ہو تو ناک اپنے آپ پھڑ پھڑانے لگے گی۔

حالِ دل صفیہ تک پہنچانے کے مختلف وسائل پر غور کیا۔ مگر وہ اَڑ پچھو کری جو کبھی کوٹھے پر آتی تو اُدھر ایک ہمسائی خالہ کو پکارا اُدھر دوسری بُوا کو للکارا۔ دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں اُتر گئی۔ ہر کام ایک ہنگامہ۔ عزیز بے چین رہتا۔

اِدھر ہر روز نئی سے نئی خبریں آنے لگیں۔ کلکتے میں گولی چل گئی۔ بہار میں کئی دوکانوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ ملک کے طول و عرض میں ہندو مسلم فساد شروع ہو گئے۔ لوگ زبان کے بجائے اب کھلے بندوں ایک دوسرے کی کرنے لگے۔ کون کس کے ساتھ ہے، کون کس کا ہے؟ ہندوستان کے باسیوں نے اپنے آپ کو تقسیم کر لیا تھا۔ نوجوان لڑکوں بالوں کو جوش اور جواں مردی دکھانے کے مواقع میسر تھے۔

ہر روز شام کے وقت عزیز کا خاموش طبع بھائی چوک کے بیچ کھڑا ہو جاتا اور چھوٹی موٹی تقریر کرتا اور لڑکے "بن کے رہے گا پاکستان" اور "مسلم لیگ زندہ باد" کے نعرے لگاتے۔ عورتیں چھتوں اور بالکونیوں سے جھک جھک کر دیکھتیں۔ نوجوان سُنا سُنا کر دوسری پارٹیوں کو کوستے اور اپنے دلوں میں مسرور ہوتے کہ وہ ایک پنتھ دو کاج کر رہے ہیں — اُن کی آوازیں اُن کی محبوباؤں کے کانوں تک پیغامِ محبت بن کر پہنچ رہی ہیں اور قومی خدمت بھی ہو رہی ہے۔

عزیز اپنے مکان کے چبوترے پر کھڑا چپ چاپ دیکھ رہا۔ وہ آزادی کا نعرہ لگانے کا مجاز نہیں تھا۔ مگر وہ گلا پھاڑ کر کہنا چاہتا تھا۔ میری محبوبہ مجھ کو قید کر لے۔ صفیہ کے جسم کی ہر جنبش کا اُسے احساس تھا۔

صفیہ اور عزیز کے مکانوں کے درمیان صرف ایک دیوار تھی جو چھتوں پر جا کر جالی دار رہ گئی تھی۔ دونوں دلوں کی راہ میں تو نہ چناب حائل ہے، نہ جنگل نہ بیلا۔

صفیہ کو گرما کی وہ سہ پہر نہیں بھولی۔ جب کبھی ہمسائے کی دیوار کا سایہ ڈھلتا ہوا اُن کے صحن میں پھیلا اُس کے ذہن میں اندھیرے اُجالے کا کھیل اُبھر آتا ہے۔

اماں بیٹھی مسالہ پیس رہی تھی ممانی جان قرآن پڑھ چکی تلاوت کر رہی تھیں اور وہ بیکار بیٹھی سامنے کو صحن میں رینگتے دیکھ رہی تھی کہ مانو مٹکتی جھٹکتی چھت سے نیچے اُتری۔ اس کے گلے میں گھنٹی ٹنٹنا رہی تھی۔ ممانی دیکھتے ہی چیخیں۔

"دیکھو صفیہ اس کے گلے میں کس نے پھندا ڈال دیا"

صفیہ پیچھے لپکی تو مانو دوڑ کر دالان میں جا چھپی۔ اس کے گلے میں پیتل کی نئی گھنٹی ربن سے بندھی تھی۔ گھنٹی کے اندر ایک رقعہ ٹھنسا ہوا تھا۔ صفیہ نے پکڑتے ہی کھولا۔ لکھا تھا۔

ہم نے تو ہمت کر کے بلی کے گلے میں گھنٹی باندھ دی ہے
ہم سب چوہے ہیں۔ ایمان سے۔

تمہارا عزیز

صفیہ رقعہ پڑھ کر جہاں کھڑی تھی کھڑی رہی۔ اماں آوازیں دے رہی تھیں — کیا ہے؟ کیا ہے؟ صفو — رابعہ چلاتے چلی گئیں اور وہ تھر تھر کانپتی ماں کے پاس پہنچی اور گھنٹی اس کے سامنے رکھ دی۔ خاموش — سانس اکھڑی ہوئی" چوروں کی طرح آنکھیں جھکی تھیں۔ ماں نے گھنٹی پر ایک نظر

ڈال کر بھاوج کو اطلاع دی۔

"ہائے ہائے! میری مانو پر کس کو پیار آ گیا ——"

بھابی قرآن مجید پر جھوٹے جھوٹے ٹسوے بہا رہی تھیں اور صفیہ نہایت سعادتمند ملازمہ کی طرح گھٹنوں اٹھا کر ان کے پاس سے گئی ——

اور اپنی نظروں کا سیج قرآن کی سطروں میں چھپا لیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ پڑھ رہی تھی —— بھابی نے کس کس طرح اپنے لاڈ کا اظہار کیا۔ صفیہ کے کانوں میں گھنٹیاں ٹھنک رہی تھیں۔ کوئی دوسری آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

وہ رات بے خوابی میں گزری۔ اور اس نے زندگی میں پہلی بار صبحِ کاذب کو صبحِ صادق میں بدلتے دیکھا —— فضاء کے خاموش سینے سے اٹھتی ہوئی ہوکیں۔ مرغوں کی اذانیں —— ایک ایک کر کے ڈوبتے تارے اور مشرقی افق سے ابھرتا چمپئی سویرا —— رات کیا گزری صفیہ پر ایک زمانہ گزر گیا۔

صبح اٹھی تو ایسا لگا گویا وہ بہت بڑی سیانی ہو گئی ہے اور اس نے دنیا میں قدم رکھ دیا ہے۔

اس کا سر بھاری تھا۔ جسم تھکا ہوا۔ وہ تازہ ہوا کھانے کے لئے چھت پر چلی گئی —— لوگ ابھی سو کر نہ اٹھے تھے۔ اکا دکا مرد کھیتوں کی طرف جاتے دھندلے دھندلے دکھائی دیتے تھے۔ دودھ بلونے کی آواز، جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔ پورا گاؤں گنگنا رہا تھا۔ —— ایک میٹھا سُر۔

"صفیہ ——"!

سُر لفظ کے سانچے میں ڈھل گیا۔ وہ سیڑھیوں کی طرف لپکی۔ ٹھٹکی۔ مڑ کر دیکھا۔ جھلملیوں کے پیچھے ایک سایہ لرزا اور ایک کنکری اس کے پاؤں میں آ کر گری کنکری کے ساتھ کاغذ کا پرزہ بندھا تھا۔ وہ بہ عجلت سیڑھیاں اتر گئی۔ عزیز نے لکھا تھا۔

"صفیہ! صفیہ میں تمہارا ہوں"

صفیہ نے بھاگ کر طاقچے میں پڑے ہوئے قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"اوخدا! میں پاگل ہو جاؤں گی۔ اس سے بہتر کہ میں تمہارا نام لوں۔ میرا دل دھڑکنے لگتا ہے —— عزیز! میں کیا کروں؟ —— میں کیا کروں میرے خدا" وہ سوچنے سے زیادہ ہانپتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

محرومیاں محبت کو لازوال بنا دیتی ہیں لیکن آسنا بڑا جگر سب کا نہیں ہوتا کہ محرومیوں کے مدار پر زندگی گزارے محبت کا احساس ہوا تو ملاقاتیں بھی شروع ہو گئیں —— جب کبھی موقع ملا بیچ کی دیوار کے ساتھ کھڑے سرگوشیاں کیا کئے نیندیں اڑ گئی تھیں۔

عزیز پڑھا لکھا تھا۔ فوج کی ملازمت نے اسے آزاد خیال، خود سرا اور رِنڈ بنا دیا۔ وہ ہمیشہ صفیہ سے کہتا۔

"تم ڈرپوک ہو۔ نری گاؤدی"

صفیہ اس کی برادری کی لڑکی تھی۔ کسی رشتے سے بہن، کسی سے بھانجی یا بھتیجی ہوتی تھی —— عزیز کے لئے اسے حاصل کرنا قطعی مشکل نہ تھا۔

ماں نے صفیہ کے نام کے ساتھ بیٹے کی آنکھ کو گلابی ہوتے دیکھا تو بھانپ گئی۔ دو چار عورتوں نے سر جوڑ۔ پیغام گیا۔ صفیہ کے ماموں اور بھابی اپنی پڑھی لکھی بیٹی کے لئے آس لگائے بیٹھے تھے۔ بیچ پا تو ہوئے مگر لڑکے کی پسند کے سامنے ٹھنڈا ہونا پڑا! ادھر ادھر کی باتوں کے بعد دودھ پلا دیا۔ بات طے ہو گئی۔

رابعہ کا خیال تھا کہ عقد یا ندھ دیا جائے۔ مگر بھابی کہتی تھیں کہ گڈے گڑیا کا کھیل تو نہیں —— نابالک کے جب سب بچوں کو سکولوں کالجوں سے فارغ ہو کر آ جانے دو تب تک حالات بھی معمول پر آ جائیں گے۔

ہنگامی حالات کے تحت عزیز کو فوری طور پر واپس بلا لیا گیا۔ گاؤں میں آج اس کی آخری رات [illegible] چھت پر گئی وہ اداس تھی۔ آگ کا سمندر، آسمان بادلوں کے ٹکڑے۔ دہکتے لنگارے —— تخمینوں کا آخری تھا۔ بارا بہا اتنا خون آشام شام میں گم ہو گیا —— وہ گو یا آماده تھی۔

"ہمارے دوستوں سے ملنے چلا گیا ہوگا۔ اک بات بھی ہو جانے سے لتنے بدل گئے۔ اونہہ" وہ سوچا کی۔

کئی آنسو خاموشی کی موٹی میں جذب ہو گئے۔ ماں کی آواز پر سے نیچے جانا پڑا۔ جب چوکیدار کی آواز کے سوا گاؤں کی سب آوازیں سو گئیں تو وہ ایک بار پھر ادیر گئی۔

"صفیہ"

مگر خاموشی رہی۔ تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد وہ عزیز کی چھت پر کود گئی۔

• • •

نیند سے چونک کر بیدار ہوئی تو دن کے چھ بج چکے تھے۔ صفیہ کو بڑا پچھتاوا تھا کہ اس نے عزیز کو رخصت ہوتے ہوئے کیوں دیکھا۔ وہ جو آتنی دور چلا گیا ہے — بہت دور — گاڑی کو چھوٹے ایک گھنٹہ — ایک صدی بیت چکی ہے اس ایک صدی کے اس طرف ایک اور زمانہ شروع ہو گیا ہے —

دن اگرچہ ہجر کے تھے مگر گزر رہے تھے۔ صفیہ کا جی چاہتا ان بھاگتے دنوں کو پکڑ کر باندھ دے — عزیز کی ماں کہتی تھی اس کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا۔ نہ معلوم وہ ہندوستان میں تھا یا اس کی رجمنٹ کو باہر بھیج دیا گیا تھا — ایک ماہ — دو — تیسرا بھی گزر گیا۔ صفیہ کا جی ماندہ ماندہ رہنے لگا۔ ماموں کی بیٹیاں چھٹیوں میں گھر آگئی تھیں۔ رونق تھی مگر اس کا جی نہ لگتا۔

آخر ڈرتے ڈرتے صفیہ نے رابعہ سے ایک بات پوچھی — تو یہ ایک بات ہی ماں کے پندار کے خرمن کو سلگانے کے لئے کافی تھی۔ وہ جو صرف ذہنی مریض تھی جسمانی مریض بھی ہو گئی — وہ بھاوج سے کیسے کہہ دے کہ اسکا ایک ہی علاج ہے عزیز کو بلاؤ اور صفیہ کو چلتا کرو۔ حالات مخدوش ہیں۔ دنیا کیا کہے گی۔ برادری کیا کہے گی۔ رابعہ ہر وقت صفیہ سے کھنچی رہتی۔

مجھے نفس نے مار دیا۔ تو ڈائن ہے۔ ڈائن کا نفس آگ سے بھرا ہے"

کئی روز تک ماں بیٹی کی بول چال بند رہی۔ رابعہ کے من میں جو شے بھوت بن کر بیٹھی تھی وہ صفیہ کے بطن میں جان بن کر خون چوس رہی تھی۔

"عزیز! تم نے اچھا تو نہیں کیا۔"

صفیہ بلک بلک کر روتی۔ اوپر سے ملک کے حالات ناگفتہ بہ ہوتے جاتے تھے۔

ابھی دنوں عزیز کا خط آیا تو ماں بیٹی کو تسلی ہوئی — رابعہ نے جواباً پوری حقیقت لکھ بھیجی اور کئی روز تک جواب کا انتظار کیا۔ وہ ایک خط اور ارسال کرنے کا سوچ رہی تھی کہ عزیز کی ماں آ کر کہہ گئی کہ لڑکی کا کہیں اور بندوبست کر لو۔ میرے لڑکے نے جواب دیدیا ہے۔

اس روز نند بھاوج کی خوب جنگ ہوئی۔ رابعہ نے اپنا سارا غصہ صفیہ پر ٹھنڈا کیا — صفیہ کو اپنی ذات سے نفرت ہو گئی — اور عزیز؟ — وہ اتنی سیدھی کیوں بن گئی — وہ منگیتر تھا لیکن منگیتر مرد ہوتا ہے شوہر تو نہیں ہوتا۔

اتنے دکھوں کے سامنے مرنے کی جسارت صفیہ میں نہ تھی کہ کچھ کھا کر سو رہے۔ وہ مرنا چاہتی تھی۔ مگر مرنے کی موت کے منہ سے لوٹ آئی۔

عزیز کی ماں ساری برادری میں کہتی پھری کہ چڑیل میرے بیٹے کا نام دھرتی ہے اور اس کا بیٹا گندی نالی میں گرتے گرتے بچا ہے — اور یہ ماں بیٹی حرافہ ہیں وغیرہ وغیرہ

رابعہ کی اندھیری زندگی سے روشنی کی وہ کرن بھی بجھ گئی۔ جو صفیہ کی صورت میں زندہ تھی۔ اپنے حال اور مستقبل کو ماضی کی جھولی میں ڈال کر وہ اس قدر بے فکر ہو گئی گویا صفیہ اس کی ذمہ داری نہیں، دنیا کی تھی۔ جیسے چاہے رکھے۔

شکست سے زیادہ شکست خوردگی کا احساس تباہ کن ہے۔ رابعہ تو جی ہی چھوڑ بیٹھی اور صفیہ کے ہرے کا داغ نہ آنسوؤں سے دھلتا تھا نہ گھر بھر کی چاکری کرنے سے۔

نئی شخصیت بننے کے لئے ایک تلخ ازیہ یا حادثہ کافی
ہے پہلی عمارت کی بنیادوں کو اکھاڑ کر رکھ دے —
صفیہ غیر معمولی سنجیدہ ہوگئی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ آتے
رک جاتی۔ آنکھیں اٹھتے اٹھتے جھک جاتیں —
نے اپنے طور پر سرائے بیا مگر اس کا گناہ، معاف
نے کو کوئی بھی تیار نہ تھا حتیٰ کہ اس کی ماں بھی اس کا
تذکرہ چاہتا تھا کہ ماں سے کہے —
"ماں اب میں نے نفس کو مار دیا ہے۔ مجھ کو تنہا باشرم
ماں نے لیکن اتنا کہنے کا یارا کہاں ؟ گناہ کا بوجھ اتنا تھا
کہ صفیہ کی سانسیں ہی اکھڑی رہیں اور ہر خواہش دم توڑ

—

• • •

اِدھر رابعہ مری اور اُدھر ملک تقسیم ہوگیا۔ افراتفری
کا زمانہ تھا۔ ماموں میاں نوکری چھوڑ کر سیاستدان
بن گئے اور خوب باثر بن گئے۔
بیٹیوں کی شادیاں بڑے بڑے اہل کاروں کے
ساتھ ہوگئیں، بیٹے کا بیوپار، پاکستان میں ترقی تا خوب
پھیلا تھا۔ اب ممانی جان کو گھریلو زندگی نہ بھاتی تھی۔ وہ
کبھی ایک جگہ ٹک کر نہ رہیں آج ایک بیٹی کی مہمان ہیں تو
کل دوسری کی۔ ماموں اپنے سیاست کے کاموں
میں لگے رہتے۔ صفیہ پریشان رہتی ایک ماموں کی روٹی
توڑنا بھی بھلا کوئی کام تھا۔ وہ بیکاروں کی طرح سارا
دن گھوما کرتی۔ برقعہ اوڑھ کر کبھی اس رشتہ دار کی طرف
چلی جاتی کبھی اس واقف کار کا در وانہ جا کھٹکھٹاتی —
دنیا بدل گئی مگر صفیہ نہ بدلی وہ اسی طرح لوگوں کے در سے
سکون کی بھیک مانگ رہی تھی —
عزیز کی شادی مالدار گھر میں ہوگئی اور وہ بیوی بچوں
کے ساتھ سسرال میں خوش و خرم زندگی بسر کر رہا تھا
عزیز کی ماں کا اجداد کے گھر میں نہ معلوم کیا گزارہ گیا
تھا کہ وہ رو رو کر اندھی ہوگئی —
صوفی جی شروع سے نکھٹو اور گھر گھسو تھے اور

زیادہ تنہائی پسند ہوگئے۔ انہیں اپنے بھائی سے توقعات
تھیں کہ وہ نان نفقہ کے سلسلے میں اُن کی مدد کرسکا مگر
کہاں — ؟
صوفی جی کا دِل دُنیا سے اتنا اُچاٹ ہوا کہ وہ
اکثر بیٹھے بیٹھے کھو جاتے۔ کبھی جذب اور کبھی کیف و
مستی کے دَور آتے۔ ہنستے ہنستے رُونے اور روتے
روتے قہقہے لگانے لگتے۔
کہتے ہیں جس نے جو بیج کا روگ زیادہ چارہ گر بھی
ہے۔ صوفی جی نے اپنے نئے رویئے سے کئی دِل جیت لئے
اُن کی اقلیم میں روز بروز اضافہ ہونے لگا اور کسی چیز کی
کمی نہ رہی —
صوفی جی کو ماں کے سوا سب عورتوں سے نفرت
تھی مگر مصیبت یہ تھی کہ زیادہ تر عورتیں ہی ان کی معتقد
تھیں۔ وہ بہت کہتے میرے پاس مت آؤ۔ لیکن مُرادوں
والیاں جوگی کے جوگ سے مایوس نہیں ہوتیں چاہے
وہ لاکھ کوسے اور بُرا کہے —
اُن کی شہرت صفیہ کو بھی کھینچ لائی۔ وہ اس کے
ساتھ بڑی شفقت سے پیش آئے۔ اپنے بھائی کی زیادتی
کی معافی مانگی۔ سر پر ہاتھ پھیرتے اور روتے رہے —
صفیہ اُن کے سایہ میں کھڑی آنسو بہاتی رہی۔ اور ان آنسوؤں
کے ساتھ گزشتہ زندگی کی ساری صعوبتیں، جو اس نے
عزیز کی وجہ سے سہی تھیں، ہوتے ہوتے بہہ گئیں اور صفیہ کا جی
ایسا ہلکا پھلکا ہوگیا جیسے اس نے سب کو یکبارگی معاف کردیا
ہو۔ اُسے اس وقت شرم تھی نہ گھبراہٹ بلکہ وہ سوالیہ نگاہوں
سے صوفی جی کو دیکھ رہی تھی — ! دیکھو! میں نے زندگی
کی بازی ہار دی اور تیرے بھائی کو معاف کردیا۔ اب میرے
بالوں میں سفیدی جھلکنے لگی ہے۔ تو جذب کی کیفیت سے
اُبھر اور میرے دل کی وسعت کو دیکھ کر بتا میرے خدا نے
مجھے معاف کیا یا نہیں —
"بتاؤں گا — بتاؤں گا۔"
وہ ہمیشہ یہی کہتے اور صفیہ اپنے سوال کا جواب سننے

کے لئے اُن کی خدمت میں رہنے لگی۔ مرید عورتوں کا مسئلہ حل ہو گیا ۔

• • •

عزیز ایک بار ماں اور بھائی سے ملنے کے لئے آیا تو صفیہ کا دِل ایک عجیب تڑپ کے ساتھ مچلا ۔ اُس کے چہرے پر وہ چڑھتی جوانی کی چمک نہ تھی ۔۔ وہ پہلا سانولا عزیز کہاں تھا ؟ ۔۔۔ اور وہ پہلی سی ڈرپوک صفیہ ؟

اس نے دلیرانہ سلام کیا۔ عزیز اچٹتی نظر ڈال کر نکل گیا۔ جرم و سزا کے مخمصے میں پڑی صفیہ رات کو اُٹھ کر صوفی جی سے پوچھا کی ۔

" کیا جرم اور جہنم کا ساتھ ازل سے ابد تک ہے ؟

" کیا جرم سب کچھ ہے صوفی جی! جینا کچھ بھی نہیں "؟

" کیا ہم جرم و سزا کے لئے پیدا کئے گئے اور مارے گئے ۔؟

" پھر پیدا ہوں گے اور مارے جائیں گے ؟ ۔ ۔ ۔ ۔

پھر پیدا ہوں گے ۔۔ اور ۔ اور " اُس کی نیند اچاٹ رہی عزیز کے لئے اس کے دل میں نفرت تھی۔ اس یاد میں گندھی جب اس نے پہلی بار محبت کی فضا میں سانس لیا تھا مسرت کی دھارا ہر سر مو سے بہہ نکلی تھی۔ اب ہر رُواں ایک گھاؤ تھا۔ ہر گھمیں پر خدا یاد آتا تھا ۔۔ یہ کیسی نفرت تھی ۔۔ "عزیز مجھے معاف کر دو "۔ لیکن وہ تو خود اس کا مجرم تھا۔

عزیز کے رویے کا ذکر صفیہ نے صوفی جی سے کیا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسے اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے پھر جذب کی کیفیت طاری ہوئی۔ یہ کیفیت تسلسل اور طوالت اختیار کر گئی وہ ایک کمرے میں بند ہو گئے ۔۔ معتقدین جوق در جوق آتے مگر وہ کسی سے بھی گفتگو کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ بعض اوقات ان کی ضروریات کی چیزوں کے لئے بھی ان سے کئی کئی دن تقاضے کرنے پڑتے ۔۔ صفیہ کچھ کھلاتی تو کھا لیتے۔ کچھ کہنا ہوتا تو اسی سے کہتے ذرا کسی اور کام میں لگی یا نظروں سے اوجھل ہوئی بے چین ہو کر آوازیں دیتے۔ وہ ان کے اس رویے سے بڑی خوش تھی کہ

وہ بھائی کے ظلم کا بدلہ چکا دیئے ہیں اور اس کے دِل سے اُس داغ کو دھو دینا چاہتے ہیں۔

صفیہ۔ جیسے سب کے ماننے والے اُسے سب سے افضل سمجھتے ہیں ۔ یہ سلوک ان کی بزرگی اور عظمت کی دلیل ہے پھر اس خیال سے مطمئن کہ خدا نے اسے جس کام اور جس مقام کیلئے چُنا تھا اس کے لئے مشکلات اور آزمائشیں لازمی تھیں جو اُس نے سہہ لی ہیں ۔

• • •

صفیہ کے ساتھ عزیز کی تنی ہوئی بے رُخی کا واقعہ تو محض بہانہ بن گیا ۔ صوفی جی کی طبیعت سنبھلتی ہی نہ تھی۔ دن کچھ۔ رات کچھ عقیدت مندوں کا میلہ لگا رہتا۔ مگر کیا مجال کوئی کھڑکی میں جھانک بھی جائے۔ سارے پیغامات صفیہ کی وساطت سے آتے جاتے۔ اُس کے دل میں عقیدت، اُنس اور رفاقت سب یلغار کئے ہوئے تھے۔ اسے یہ خدشہ بھی تھا کہ خدانخواستہ جو کہیں صوفی جی کو کچھ ہو گیا تو اُس کا کیا بنے گا۔ صفیہ کو اتنا اہم مرتبہ پہلے کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔

• • •

سرما کی رات کا پچھلا پہر، کڑاکے کی سردی۔ صوفی جی کے کمرے کی پچھلی کھڑکی میں روشنی کانپ رہی تھی جیسے کوئی دیا نے کر جل رہا ہو۔ صفیہ کی نظر پڑی تو وہ چونک کر اُٹھی اور اُن کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

وہ زمین پر پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ پاؤں کی آہٹ سُن کر آنکھیں کھول لیں۔ صفیہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

" صفیہ ۔۔ "

" جی ۔ ۔ "

" میرے پاس آؤ ۔۔ "

" وہ جھجکی۔ ان کی سانسیں اُکھڑ رہی تھیں۔ صفیہ نے اُن کا ٹھنڈا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا ۔۔ وہ کراہے۔ صفیہ تم نے عزیز کو معاف کر دیا ۔؟ "

" جی ۔۔ "

" تمہیں وہ کالی رات نہیں بھولی ۔؟ "

" جی ۔ "

" اس رات ۔۔ وہ عزیز نہ تھا۔ میں تھا صفو " ! صفیہ چیختی چلاتی باہر نکل گئی۔ صوفی جی نے جانے کب آخری سانس لی۔ پاگل صفیہ

غزل

کنول انبالوی

وہ دل تو اب بھی ہے وہ طبیعت تو اب بھی ہے
اِک مہ جبیں سے مجھ کو محبت تو اب بھی ہے

دلِ مبتلائے دردِ محبت تو اب بھی ہے
جس پہ ہے اس کو ناز وہ فطرت تو اب بھی ہے

میرے دلِ حزیں کا جسے کچھ خیال ہو
اِک ایسے مہرباں کی ضرورت تو اب بھی ہے

پر کس طرح کہوں کہ دن اچھے نہیں رہے
مجھ پر کسی کی چشمِ عنایت تو اب بھی ہے

روشن ہے جس کے دم سے ہر دل کی کائنات
وہ غم تو اب بھی ہے وہ اذیت تو اب بھی ہے

مجھ کو نہیں یقیں مگر اے غمِ حبیب
مجھ کو خیالِ ضبطِ محبت تو اب بھی ہے

کتنے ہیں دل پذیرِ محبت کے سلسلے !
کچھ بات ہے کہ آپ سے نسبت تو اب بھی ہے

یہ مان یا نہ مان مگر اے دلِ حزیں ! !
ناکامیوں کی مجھ کو ندامت تو اب بھی ہے

یہ اور بات ہے مجھے غم کا بھی غم نہیں !
دل میں مگر وہ درد کی شدت تو اب بھی ہے

بے اعتنائیوں میں بھی ہے اعتنا کا راز !
مجھ پر یہ اُن کی خاص عنایت تو اب بھی ہے

اے دل نہ پوچھ ترکِ تعلق کے باوجود !
اُس جانِ آرزو سے محبت تو اب بھی ہے

خود سے ملے ہوئے ابھی زمانہ گزر گیا
اس آئینہ رو کی وہ صورت تو اب بھی ہے

اِک عمر سے رہے یوں تو وہ میرا رفیقِ خاص
لیکن کچھ اختلافِ طبیعت تو اب بھی ہے

مہر و وفا کے ہم نے خزانے مٹا دیے
ہم بے کسوں کے پاس یہ دولت تو اب بھی ہے

اے کنول ترا وہ جذبۂ صادق نہیں رہا !
ورنہ جہاں میں قدرِ محبت تو اب بھی ہے

یہ تو کہا کہ میرے نظریے بدل گئے !
پہلے جو تھا وہ رنگِ طبیعت تو اب بھی ہے

یہ ضبط بھی ہے مصلحت آمیز اے کنول
ورنہ ہر اک بیان کی جرأت تو اب بھی ہے

اردو کی پکار

حضرات:- کانگریس کے تیس سالہ دورِ حکومت میں اردو کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوئی ہیں اُن کے تدارک کی کوئی اُمید نئی حکومت سے بھی نہیں کی جاسکتی -

کانگریس نے اردو کی آڑ میں ہندو مسلم منافرت پھیلانے کا ناپاک فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا - اور مسلمان دانشوروں کو اُن کی تصانیف پر انعامات کی بارش کرکے اور اردو اکاڈمیوں، انجمن ترقی اردو ہند ایسے بظاہر نیم سرکاری اور دراصل خالص سرکاری اداروں کے ذریعے غیر مسلموں کو اردو سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ تقسیم وطن کے بعد بڑی جدوجہد سے اس حقیقت کو کسی حد تک جو یہ منوایا گیا تھا کہ اردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے - کانگریس حکومت نے مسلم دانشوروں کی ناجائز اور سراسر ناجائز سرپرستی کرکے انہیں یہ احساس دلایا کہ اردو صرف اور صرف مسلمانوں کی زبان ہے اور محض مالی مفادات کے تحت مسلم دانشوروں نے حکومت کی چالوں میں آکر اپنے ہاتھوں سے اردو کا گلا گھونٹنے کی ناپاک کوششوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے

کیا

آپ چاہتے ہیں کہ اردو ہندوستان میں بھی دم توڑ دے کیونکہ اردو کا وجود صرف اور صرف ہندوستان میں ہی کسی حد تک باقی ہے پاکستان میں یہ زبان صوبائی تعصب کا نشانہ بن چکی ہے - بنگلہ دیش کی علیحدگی کی بنیاد اردو ہی تھی - لہٰذا اگر آپ اپنی اِس پیاری زبان کو اپنے ملک ہندوستان میں زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو پھر

بلا تخصیص مذہب و ملت اسکی بقا و حیات کے لئے مشترکہ آواز بلند کیجئے حکومت سے مطالبہ کیجئے کہ اسکولوں اور کالجوں میں اردو پڑھانے کے انتظامات کئے جائیں - یونیورسٹیاں پھر سے اردو کے امتیازی امتحانات کا سلسلہ شروع کریں - سرکاری طور پر انگریزی ایسی خالص غیر ملکی زبان کی کتابوں کی خریداری کے ساتھ ساتھ اردو کی مطبوعات بھی خرید کر لائبریری میں مہیا کی جائیں -

آپ اپنے ہاں کی لائبریریوں میں اردو کتابیں منگائے جانے کے لئے اصرار کریں - کالجوں کے شعبۂ اردو کے ارباب بست و کشاد اردو کی بہترین کتابوں کی خریداری کی طرف خصوصی توجہ دیں - اور ہر فرد واحد اپنی بساط کے مطابق اردو کی قابلِ مطالعہ کتابیں اپنی ذاتی لائبریری میں رکھے - اگلے صفحات پر اردو کی کچھ بہترین مطبوعات کی فہرست حاضرِ خدمت کی جا رہی ہے - اردو کی بقا و حیات کیلئے اردو مطبوعات خریدنے کے سلسلے میں "شانِ ہند" آپ کی ہر طرح سے خدمت کے لئے ایک موزوں ادارہ ہے - کالجوں کی لائبریریوں کو یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی ہدایات کے مطابق کمیشن دیا جاتا ہے اور پبلک لائبریریوں کو لائبریری کمیشن دیا جاتا ہے یقین ہے کہ آپ ماہنامہ شانِ ہند نئی دہلی کی اس خالص اردو خدمت کو سراہیں گے -

خط و کتابت کا پتہ:- دفتر ماہنامہ شانِ ہند
فلیٹ ۵ - انصاری مارکیٹ
دریا گنج نئی دہلی ۲ - ۱۱۰۰۰۲

ترجمان القرآن جلد اوّل	مولانا ابوالکلام آزاد	۲۲/=
" جلد دوم	"	۲۲/=
" جلد سوم	"	۲۲/=
" جلد چہارم	"	۲۲/=
نقشِ ابوالکلام آزاد	عتیق صدیقی	۲۱/=
بھارت نے آزادی جیتی	از مولانا ابوالکلام آزاد	
(دوسرا ایڈیشن)		۳۵/=
غبارِ خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۵/=
خطبات مولانا آزاد	" "	۱۸/=
کاروانِ ادب	(ادبی سوسائٹی انجمن ترقی اردو)	۲۰/=
جدید اردو تنقید اصول و نظریات	ڈاکٹر شارب ردولوی	۲۰/=
شاخِ نہالِ غم	خورشید الاسلام	۱۵/=
کلیاتِ اقبال اردو (عکسی) صدی ایڈیشن		۲۵/=
اقبال: شاعر اور فلسفی	وقار عظیم	۱۴/=
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۵۰
بانگِ درا (عکسی)	علامہ اقبال	۱۰/=
بالِ جبریل	"	۷/۵۰
ضربِ کلیم	"	۷/۵۰
ارمغانِ حجاز	" "	۴/۵۰
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۴/=
اردو شاعری کا مزاج	"	۳۰/=
نظم جدید کی کروٹیں	"	۱۲/=
تنقید اور احتساب	"	۱۰/=
اردو ڈراما: تاریخ و تنقید	عشرت رحمانی	۱۵/=
اردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۸/=
آج کا اردو ادب	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	۱۲/=
اردو کے تیرہ افسانے	مرتبہ ڈاکٹر اطہر پرویز	۱۰/=
جدید شاعری	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۲۵/=
شاعری اور شاعری کی تنقید	" "	۱۶/=
غزل اور مطالعۂ غزل	" "	۲۰/=
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/=

غالب شخص اور شاعری	مجنوں گورکھپوری	۰/=
انسان اور آدمی	محمد حسن عسکری	۸/=
ستارہ یا بادبان	" "	-/=
اسلوب	سید عابد علی عابد	۴/=
اطرافِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۵/=
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	۲۰/=
سرسید - ایک تعارف	"	۱/۲۵
انتخاب مضامین سرسید	پروفیسر آل احمد سرور	۳/۵۰
اردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	۷/۵۰
اردو زبان و ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خان	۷/۵۰
اردو مثنوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۶/=
مقدمہ شعر و شاعری	مقدمہ از ڈاکٹر وحید قریشی	۶/=
شعاعِ ادب	شرافت حسین مرزا	۳/۷۵
تنقیدی ادب	عبدالشکور	۳/۵۰
تحقیقی مطالعہ حالی	ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی	۱/۵۰
تحقیقی مطالعہ انیس	" "	۱/۵۰
مثنوی گلزارِ نسیم	" "	۳/۵۰
نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی	فرحت اللہ بیگ	۱/۷۵
دہلی کا یادگار شاہی مشاعرہ	" "	۱/۵۰
نمائندہ مختصر افسانے	محمد طاہر فاروقی	۳/۷۵
منتخب ادبی خطوط	مغیث الدین فریدی	۱/۲۵
انتخاب مثنویاتِ اردو	" "	۳/۵۰
مجموعہ نظم حالی	ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی	۲/۹۵
انتخاب نثر و نظم	خوشتر گرامی	۱۸/=
قیدی کے خط	محمد یونس	۸/=
مغربی ادب کے معمار	اے محمد ابراہیم	۱۲/=
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتون	۲۵/=
جذباتِ مشرق	" "	۲۰/=
اردو شاعری کے ارتقا میں اردو شعراء کا حصہ	سریواستوا	۱۵/=
شرح دیوانِ غالب	بے خود موہانی	۱۵/=
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/=

ناسخ	ڈاکٹر شبیہ الحسن	۲۰/=
ارمغانِ ادب	اخلاق حسین	۱۱/=
جواہراتِ انیس	حصہ اوّل	۱۵/=
〃 〃	حصہ دوم	۱۲/=
لکھنؤ کا دبستانِ شاعری	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	۲۵/=
تذکرۂ اُردو مرثیہ	سید علی عباس حسینی	۱۱/=
تحقیقی نوادر	ڈاکٹر اکبر حیدری	۳۵/=
ریاض خیرآبادی	عظیم الحق	۱۲/=
عرش و فرش	جوش ملیح آبادی	۵/=
مطالعۂ داغ	سید محمد علی زیدی	۲۴/=
تعبیرِ غالب	ڈاکٹر مسعود حسن رضوی	۹/=
روحِ انیس	〃 〃 〃	۹/=
نگارشاتِ ادیب	〃 〃 〃	۹/=
ہماری شاعری		۷/۵۰
لکھنؤ کا شاہی اسٹیج	〃 〃 〃	۱۲/=
لکھنؤ کا عوامی اسٹیج	〃 〃 〃	۱۲/=
آئینۂ سخن فہمی	〃 〃 〃 〃	۵/=
بزم نامہ انیس	〃 〃 〃 〃	۷/=
اندر سبھا	امانت لکھنوی	۲/۵۰
یادوں کے سائے	بیگم ممتاز مرزا	۲۰/=
شرح بالِ جبریل	یوسف سلیم چشتی	۱۴/=
شرح بانگِ درا	〃 〃	۲۰/=
شرح غالب	〃 〃	۲۴/=
جاوید نامہ مع شرح جلد اوّل	〃	۶۰/=
〃 〃 جلد دوم	〃	۴۰/=
تنقید سے تحقیق تک	ڈاکٹر عنوان چشتی	۱۵/=
میزانِ سخن	علامہ اخلاق دہلوی	۱/=
روحِ بلاغت	〃 〃	۱/=
فنِ شاعری	〃 〃	۳/=
شمیم بلاغت	〃 〃	۱/=
ترقی پسند ادب ایک جائزہ	ہنسراج رہبر	۶/=

باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ	۴/=
آگ کا دریا	قرۃ العین حیدر	۲۰/=
پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار	بیگم شارب ردولوی	۱۸/=
اُردو ادب آزادی کے بعد	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۹/=
عرفانِ غالب	آل احمد سرور	۸/=
عکسِ غالب	〃 〃	۸/=
اقبال کے خطوط	منظر عباس نقوی	۱۸/=
وحید الدین سلیم	〃 〃	۹/=
دستِ صبا	فیض احمد فیض	۳/=
کلیاتِ فیض	〃 〃	۸/=
زنداں نامہ	〃 〃	۶/=
کلیاتِ جگر	جگر مراد آبادی	۹/=
آتشِ گل	〃 〃	۸/=
کلامِ اصغر	اصغر گونڈوی	۳/۵۰
مختصر افسانے کا فنی تجزیہ	ڈاکٹر فردوس فاطمہ نصیر	۱۵/=
سرسید کی صحافت	اصغر عباس (عام ایڈیشن)	۱۱/=
لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متل	۱۰/=
بہشتِ نظر	رتن پنڈوری	۱۵/=
دانش و بینش	کوثر چاندپوری	۱۶/=
آواز کی صلیب	〃	۱۲/=
پتھر کا گلاب	〃	۷/=
جوہرِ آئینہ	طالب کاشمیری	۱۲/=
۳۳ برس	دت بھارتی	۱۰/=
دیدۂ حیراں	ڈاکٹر مظفر حنفی	۶/=
کلیاتِ شاد عارفی		۳۰/=
تیکھی غزلیں		۶/=
تحریرِ خامہ		۶/=
دیپک راگ		۶/=
گلستانِ ہزار رنگ	بہاء الدین	۲۵/=
کلیاتِ اختر شیرانی	گوپال متل	۸/=
صحرا میں اذان	〃	۸/=

اُردو شاعری میں ہیئت کے تجربے　ڈاکٹر عنوان چشتی　۱۴/=
نیم باز (شاعری)　"　۶/=
عکس و شخص　"　۶/=
سُرود رجاوداں　بیکل اُتساہی　۵/=
بیگ سیاہ　ذکاء الدین شایاں　۵/=
اُردو غزل　ڈاکٹر یوسف حسین　۲۶/=
ہُور نگ　جلیل الٰہ آبادی　۵/=
حیرت کدہ　شائق　۵/=
بادواں خیالوں کے　نوبہار صابر　۶/=
لمحۂ صد رنگ　شمس　۴/=
سلگتے پھول ڈھلکتے آنسو　مدہوش بلگرامی　۴/=
وطن (اُردو)　ڈاکٹر دیا کھنڈ ریلے　۱۰/=
وطن (ہندی)　فیاض گوالیاری　۷/=
"　"　۳/۶۰
ردیف سزا قابل فراموش کا ہندی ایڈیشن)
دیوان سنگھ مفتون　۲۰/=
عنائیاں　رعنا جگی　۲/=
معورے خاکے　مظفر کمالی　۳/=
متاعِ نظر　نظر برنی　۳/=
ب السماء　نامی نادری　۲/۵۰
ریکتا　مفتون　۴/=
اب تماشا　کمار پاشی　۴/=
سن آئینے کے　ہرچرن چاؤلہ　۸/=
لا بیتر　طاہر تلہری　۶/=
شیری کہانی　اندر جیت　۴/=
بچوں کا بادشاہ　"　۳/۵۰
ٹم کی کہانی　"　۶/=
یاسیف　ادیب اعظم برہم ناتھ دت　۴/=
ب و بیداری　سبز داری　۳/=
سے کبوتر ہوشیار سانپ　طالب شاہ آبادی　۱/۵۰
سِ حیات　حمید قیصر　۳/=

چاند کا زخم　شمس فرخ آبادی　۲/=
آیاتِ قرآنی　قضا کوثری　۱/=
کرنیں　روحی بہار دواج　۶/=
انشائیات　ڈاکٹر سید عابد حسین　۱۵/=
نغمے خوش گزرے　بیگم انیس قدوائی　۱۲/=
مجیب صاحب کی ڈرامہ نگاری　قمر اعظم ہاشمی　۵/=
فکر و ریاض　علی جواد زیدی　۱۲/=
رموزِ غالب　ڈاکٹر گیان چند　۱۸/=
اقبال اور مغربی مفکرین　جگن ناتھ آزاد　۱۰/۵۰
ذکرِ غالب　مالک رام　۱۵/=
کچھ نثر میں بھی　آنند نرائن مُلّا　۱۶/=
بازگشت　ڈاکٹر کبیر احمد جائسی　۱۱/=
جدید اُردو　ڈاکٹر محمد حسن　۱۵/=
میرانیس سے تعارف　صالحہ عابد حسین　۷/=
اُردو کیسے لکھیں　رشید حسن خاں　۴/=
مشاہیر کے خطوط　عبداللطیف اعظمی　۱۲/۵۰
جانے والوں کی یاد آتی ہے　صالحہ عابد حسین　۱۸/=
مسالک و منازل　ضیا احمد بدایونی　۲۲/=
نگارشات　پروفیسر محمد مجیب　۱۶/=
غالب اور شاہانِ تیموریہ　خلیق انجم　۹/۵۰
ہوا کے دوش پر　غلام ربانی تاباں　۵/۵۰
قدیم دلی کالج　مالک رام　۴/۵۰
ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں اُردو تحقیق　۱/۷۵
سید فرحت حسین
مسرت سے بصیرت تک　آل احمد سرور　۱۴/۵۰
نظر اور نظریے　"　"　۱۲/۵۰
طنزیات اور مضحکات　رشید احمد صدیقی　۱۰/۵۰
اشخاص و افکار　ضیاء الحسن فاروقی　۷/۵۰
تجزیے　ڈاکٹر گیان چند　۱۳/۵۰
اُردو و قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ　ڈاکٹر محمود الٰہی　۱۴/=
خواتین کربلا کلام انیس کے آئینے میں　صالحہ عابد حسین　۱۴/=

حسرت کی شاعری	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۲/۵۰
کاروانِ فکر	// //	۳/۷۵
اُردو اسپیز	ظہیر الدین مدنی	۵/۵۰
اُردو مرثیہ	سفارش حسین رضوی	۶/=
بکھرے ورق	سونیتی کمار چٹرجی	۴/=
پردیسی کے خطوط	مجنوں گورکھپوری	۲/۷۵
تنقید کیا ہے	آل احمد سرور	۱/۷۵
جدید ترکی ادب کے ارکانِ ثلاثہ	ضیاء الحسن فاروقی	۴/=
یادوں کے سائے	عتیق احمد صدیقی	۱۸/=
تلاشِ میر	نثار احمد فاروقی	۱۱/=
نقدِ اقبال	میکش اکبر آبادی	
آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی	۵/=
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام	۱۰/=
ہمارے ذاکر صاحب	رشید احمد صدیقی	۹/=
اکابرِ تعلیم	سعید انصاری	۱۲/=
تذکرۂ معاصرین اوّل	مالک رام	۱۶/=
// // دوم	//	۱۴/=
ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں	سالم قدوائی	۳۰/=
پریم چند کے خطوط	مدن گوپال	۷/۵۰
قلم کا مزدور	//	۵/=
گنجہائے گراں مایہ	رشید احمد صدیقی	۸/=
ڈاکٹر ذاکر حسین	عبداللطیف اعظمی	۶/۵۰
شہر آشوب	نعیم احمد	۸/۵۰
شراب کہنہ	رشید نعمانی	۴/=
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں	غلام السیدین	۳۰/=
کیا خوب آدمی تھا	ڈاکٹر عابد حسین	۲/۵۰
تاریخ کیسے پڑھائیں	سرور ہاشمی	۸/=
تعلیم اور سماج	سعید انصاری	۵/=
گاندھی جی کے تعلیمی خیالات	//	۱۶/=

تعلیم فلسفہ اور سماج	ڈاکٹر سلامت اللہ	۱۲/۵۰
بنیادی اُستاد کے لئے	// //	۸/۵۰
جامعہ کا طریقہ	عبدالغفار مدھولی	۲/۵۰
چند پروجیکٹ	// //	۲/۵۰
ہم کیسے پڑھائیں	ڈاکٹر سلامت اللہ	۷/۵۰
موجودہ تعلیمی مسائل	عبداللہ ولی بخش قادری	۴/۵۰
تعلیمی خطبات	ڈاکٹر ذاکر حسین	۸/=
کھیل کے ذریعے تعلیم (اوّل، دوم)	عبدالغفار مدھولی	۴/=
مدرسہ ابتدائی کی کہانی	//	۲/=
عربوں میں تاریخ نگاری کا آغاز وارتقاء	محمود الحسن	۱۵/=
دنیا کی کہانی	پروفیسر محمد مجیب	۷/=
دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر	مہر محمد شہاب مالیر کوٹلوی	۴/=
دنیائے اسلام سے پہلے / اسلام کے بعد	عبدالسلام قدوائی — مجلد ۳/۲۸ غیر مجلد	۳/=
اسلامی عقائد و مسائلِ مذہب	جمال الدین	۴/=
مسلمان اور سیکولر ہندوستان	ڈاکٹر مشیر الحق	۷/=
مذہب اور جدید ذہن	// //	۷/۵۰
ہماری تہذیبی میراث	سفارش حسین رضوی	۷/=
مسلمان اور عصری مسائل	ڈاکٹر عابد حسین	۶/۵۰
کتاب و سنت کے جواہر پارے	جمال الدین اعظمی	۲/۲۵
سماجی تبدیلیاں	رام سرن شرما	۲/=
تعلیمات اسلام دوم	مولانا عبدالسلام قدوائی	۴/=
مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ	طاہر محمود	۴/=
پاکستان کا قیام اور ابتدائی حالات	سری پرکاش	۴/=
ہندوستان میں مذہب اسلام پر نظرِ ثانی کی ضرورت	اے اے فیضی	۵/=
تاریخ الامت اوّل	مولانا اسلم جیراجپوری	۳/۵۰
// دوم	//	[illegible]
// سوم	//	[illegible]

تاریخ الامت	چہارم	مولانا اسلم جیراجپوری	۴/۲۵
،،	پنجم	،،	۴/۲۵
،،	ششم	،،	۴/۲۵
،،	ہفتم	،،	۳/=
،،	ہشتم	،،	۲/۵۰
کچھ پرانے خط (دوم)		جواہر لال نہرو	۱۰/=
یادگار شخصیتیں		،،	۷/=
پچھلے پہر		جاں نثار اختر	۷/=
بیاضِ مریم		سکندر علی وجد	۱۲/=
ضبط شدہ نظمیں		مرتبہ خلیق انجم	۲۱/=
ہندوستان ہمارا (اول) دوم		جاں نثار اختر	۲۰/=
نئی نظم کا سفر		خلیل الرحمٰن اعظمی	۱۲/۵۰
آتشِ گل		جگر مراد آبادی	۸/=
نئی دنیا کو سلام		سردار جعفری	۸/=
گدھے کی سرگزشت		کرشن چندر	۴/۷۵
غالب اردو کلام کا انتخاب		پروفیسر محمد مجیب	۵/۵۰
ہیروئن کی تلاش (نیا ایڈیشن)		محمد مجیب	۱/۵۰
آزمائش		،، ،،	۲/۲۵
آذر کا خواب		قدسیہ زیدی	۴/=
جانِ عالم		،،	
سات سال			۶/=
ڈونگو		ترجمہ: قرۃ العین حیدر	۲/=
پت جھڑ کی آواز		،،	۷/=
ایک ننھی انیتا		امریتا پریتم	۴/=
باپ بیٹے		ترجمہ انور عظیم	۶/=
واردات		پریم چند	۵/۵۰
پیار کا موسم		مہندر ناتھ	۴/۵۰
دلی کی شام		بلقیس جہاں	۸/=
اپنے دکھ مجھے دیدو		راجندر سنگھ بیدی	۷/=
بڑی حویلی		مرزا محمود بیگ	۲/۵۰
چراغوں کا سفر		لابھ رام لال	۴/=

ایوانِ غزل	جیلانی بانو	۱۶/=
آرزو	سراج انور	۱۲/=
دھند	صغرا مہدی	۸/=
دھوپ چھاؤں	مسعود جہاں	۱۱/۵۰
خاک تمنا	سراج انور	۱۱/۵۰
منزلیں پیار کی	سیفی پریمی	۸/=
جلیس	انور کمال حسینی	۵/=
اللہ میگھ دے	رضیہ سجاد ظہیر	۷/۵۰
ابھی دور	صالحہ عابد حسین	۵/۵۰
پا بجولاں	صغرا مہدی	۶/=
دوسرے کنارے تک	عزیز قیسی	۳/۵۰
اپنی اپنی صلیب	صالحہ عابد حسین	۹/=
کالا شہر گورے لوگ	احسان الحق	۶/=
راستے اور کھڑکیاں (افسانے)	انور خاں	۵/=
پتھر کا شہزادہ (افسانے)	صغرا مہدی	۴/=
جہاں آرا (اوپیرا)	رفعت سروش	۵/۵۰
تنہائی (ڈراما)	ساگر سرحدی	۴/۵۰
دس افسانے (مرتبہ)	صغرا مہدی	۴/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	رشید حسن خاں	۴/=
انتخاب سراج اورنگ آبادی	ڈاکٹر محمد حسن	۱/۷۰
موازنۂ انیس و دبیر	رشید حسن خاں	۵/=
انتخاب مراثی (انیس و دبیر)	،،	۴/۵۰
انتخاب نظیر اکبر آبادی	،،	۵/=
نیرنگ خیال	مالک رام	۴/=
فسانۂ آزاد (تلخیص)	ڈاکٹر قمر رئیس	۸/۵
فردوسِ بریں	،،	۲/۷۰
شریف زادہ	،،	۳/۳۰
حیاتِ سعدی	رشید حسن خاں	۴/۴۰
انتخاب اکبر الہ آبادی	ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی	۳/۷۰
انتخاب میر	ڈاکٹر محمد حسن	
دیوانِ درد	رشید حسن خاں	۳/۳۰

مجالس النساء	صالحہ عابد حسین	۳/۳۰
انتخاب مضامین شبلی	رشید حسن خاں	۱۰/=
امراؤ جان ادا	ڈاکٹر محمد حسن	۷/=
یادگار غالب (حصہ ا) ~~حصہ~~ مالک رام		۱۱/۵۰
گزشتہ لکھنؤ	؍؍	
فسانۂ مبتلا	ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی	۵/۵۰
انتخاب ولی	سید ظہیر الدین مدنی	
افادات سلیم	خلیق انجم	۶/۵۰
توبۃ النصوح	مالک رام	۴/۵۰
قصہ حاتم طائی	اطہر پرویز	۷/۵۰
انتخاب ناسخ	رشید حسن خاں	۷/۵۰
انتخاب سودا	؍؍ ؍؍	۳/=
انتخاب محمد قلی قطب شاہ	محمد اکبر الدین صدیقی	۶/=
انتخاب ذوق	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	۴/۵۰
انتخاب مضامین سرسید	انور صدیقی	۴/=
باغ و بہار	میر امن	۶/=
مثنوی سحر البیان		۴/=
انار کلی	مقدمہ از ڈاکٹر قمر رئیس	۳/۵۰
نوادرِ اقبال	عبد الغفار شکیل	۵/=
انتخاب مثنویاتِ اردو	مغیث الدین فریدی	۳/۵۰
جدید غزل	رشید احمد صدیقی	۳/۲۵
ابوالکلام آزاد کے افسانے	عبد الغفار شکیل	۲/۵۰
نوادرِ ابوالکلام آزاد	؍؍	۹/=
ہم نفسانِ رفتہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۴/۵۰
ہندوستانی تہذیب اور اردو	شبنم سبحانی	۴/=
اردو املا	رشید حسن خاں	۲۷/=
ادب کا مطالعہ	اطہر پرویز	۱۰/=
ادب اور زندگی	؍؍	۸/=
ادب اور تنقید	اسلوب احمد انصاری	۱۱/=
تنقیدی اشارے	آل احمد سرور	۵/=
کیفیہ	پنڈت برجموہن کیفی	۱۴/=

کلاسیکی مغربی تنقید	ڈاکٹر محمد یٰسین	۶/=
چند ہم عصر	عبد الحق	۵/=
کلامِ سودا	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۸/=
انگریزی ادب کی مختصر تاریخ	محمد یٰسین	۲/=
فرانسیسی ادب	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	۷/=
گلکرسٹ اور اس کا عہد	محمد عتیق صدیقی	۰/=
حالی کی ایک جھلک	صالحہ عابد حسین	۲/=
خواجہ میر درد تصوف اور شاعری	ڈاکٹر وحید اختر	۲۰/=
محمد رفیع سودا	ڈاکٹر خلیق انجم	۵/=
شوپنہار	مجنوں گورکھپوری	۳/=
تاریخ جمالیات	؍؍ ؍؍	۴/=
اردو شاعری میں منظر نگاری	ڈاکٹر سلام سندیلوی	۲/=
اردو شاعری میں ترکیبیت	؍؍ ؍؍	۵/=
ادب کا تنقیدی مطالعہ	؍؍ ؍؍	۴/=
غالب کی شاعری کا نفسیاتی مطالعہ	؍؍ ؍؍	۱۲/=
تلمیحات	محمود نیازی	۹/=
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور، ڈاکٹر اطہر پرویز	۵/۵۰
لسانی مطالعہ	گیان چند	۲/۵۰
باغ و بہار	رشید حسن خاں	۶/۵۰
بوند اور سمندر	مترجم رضیہ سجاد ظہیر	۸/۷۵
ہندی کے ایک بابی ڈرامے	مترجم ڈاکٹر محمد حسن	۲/۵۰
راگ درباری	مترجم راشد سہسوانی	۵/۵۰
آبادی	؍؍ مخمور جالندھری	۲/۲۵
پنڈت وشنو دگمبر	؍؍ ش قدوائی	۲/۲۵
عظیم باغی	؍؍ ڈاکٹر پریتا ناسرین	۶/۲۵
قاضی نذر الاسلام	؍؍ عرشی ملسیانی	۲/۲۵
کچھوا اور خرگوش	ڈاکٹر ذاکر حسین	بلا جلد ۱/ مجلد ۲/
کبیر	مترجم ایم۔ کے۔ درانی	۲/۵۰
گاندھی کا ہندوستان کثرت میں وحدت	نیشنل گاندھی میوزیم کمیٹی	[illegible]
گرو نانک	مترجم مخمور جالندھری	۳/=
مٹی کی مورتیں	؍؍ رضیہ سجاد ظہیر	۵/=

تاشش کے محل	مترجم زینت ساجدہ	۵/۵۰
سفید خون	،، رتن سنگھ	۸/=
گرو گوبند سنگھ	،، محمود جالندھری	۲/=
زندگی ایک ناٹک	،، کشور سلطانہ	۱۰/=
رنجیت سنگھ	،، محمود جالندھری	۲/۷۵
جدوجہد آزادی	،، غلام ربانی تاباں	۵/۵۰
بنگلہ واڑی	،، عرش ملسیانی	۵/۲۵
شاعر	پریتش کمار ڈے	۸/۷۵
موت کے بعد	محمود سروش	۸/۷۵
آدمی کے روپ	سہیل عظیم آبادی	۱۲/=
[illegible]	رضیہ سجاد ظہیر	۳/۵۰
طبعیات کے بنیادی تصورات	مترجم احمد وکیل	۲۵/=
تاریخ فلسفہ اسلام	،، ڈاکٹر سید عابد حسین	۷/۵۰
تاریخ تمدن ہند	پروفیسر محمد مجیب	۱۲/=
تاریخ فلسفہ سیاست	،، ،،	۱۸/=
ہمارا قدیم سماج	سید سخی حسن	۱۰/=
تاریخ تعلیم ہند	مترجم مسعود الحق	۳۰/=
انقلاب ۱۸۵۷ء	مرتبہ پی سی جوشی	۱۴/۷۵
لسانی مطالعے	ڈاکٹر گیان چند جین	۱۲/۵۰
جدید ہندوستان میں ذات پات	مترجم شہباز حسین	۱۰/=
جریدۂ حیراں	ڈاکٹر مظفر حنفی	۶/=
تیکھی غزلیں	،،	۶/=
کلیات شاد عارفی	،،	۳۰/=
تحریر خامہ	،،	۶/=
دیپک راگ	،،	۶/=
برگ و بار	کنول ایناوی	۶/=
ہندوستان کا وسطی دور		۴/۵۰
خسرو شناسی	مرتبین ظ انصاری ابوالفیض سحر	۱۷/۵۰

حیدر علی	مترجم اقتدار حسین صدیقی	۷/=
ہندوستانی معیشت	مترجم محمد خلیق	[illegible]
ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں	،، قمر الدین	[illegible]۲۵
لہروں کی آواز	،، رام نرائن راز	۹/۵۰
چک دیر راجندر	،، راشد سہسوانی	۲۲/۵۰
[illegible]	،، ،،	۵/۵۰
جدوجہد آزادی میں [illegible] قانون ساز کا رول	مترجم غلام ربانی [illegible]	[illegible]/۵۰
آبِ حیات	تلخیص پروفیسر احتشام حسین	۶/۷۵
قومی شاعری	مرتبہ علی سردار جعفری	۴/=
چاردیواری میں	مترجم ظفر ادیب	۷/۷۵
فاطمہ کی بڑی اور بچپن کی ساتھی	مترجم اظہر پرویز	۵/۷۵
گنگا جل کے پنکھ	مترجم رضیہ سجاد ظہیر	۶/۷۵
برہمن لڑکی	،، اگر سین نارنگ	۷/=
ملیالم کے افسانے	،، ،، ،،	۸/۷۵
تامل افسانے	،، حسرت سہروردی	۸/=
ہندی افسانے	،، اگر سین نارنگ	۹/=
پنجابی افسانے	،، محمود جالندھری	۷/=
اردو افسانے	،، ،، ،،	۱۰/=
امیر خسرو	شیخ سلیم احمد	۱۰/=
مخدوم علی مہائمی	عبدالرحمن	۶/=
شہیدانِ آزادی (تاریخ آزادیٔ ہند)	ڈاکٹر چوپڑہ	۴/
مجموعہ فخر	حکیم قدرت اللہ میر قاسم	[illegible]/=
فرہنگ آصفیہ	چاروں حصے	۵۰/=
سحر نغمہ	ساحر ہوشیارپوری	[illegible]/=
آیا کبھی بسنت	واجدہ تبسم	۱۰/=
اُترن	،،	[illegible]/=
شہر ممنوع	،،	۱۲/=
کیسے کاٹوں رین اندھیری	،،	۱۰/=

ٹیلیفون نمبر ۲۷۸۸۸۰ | رجسٹرڈ نمبر ڈی ۳۷۰-D

ایڈیٹر
سرور تونسوی

ماہنامہ

شانِ ہند

نئی دہلی

قیمت سالانہ
بارہ روپے
فی پرچہ
ایک روپیہ پچیس پیسے

جلد نمبر ۳۸		جولائی سنہ ۱۹۷۷ء		شمارہ نمبر ۷

کیا آپ ایمرجنسی راج کو بھول گئے ہیں؟

ساڑھے چار ماہ کی جنتا پارٹی کی حکومت کو ناکام کہنے والے، وہ لوگ ہیں جو تیس سال میں عوام کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ اور جمہوریت کو ختم کر کے ایمرجنسی راج کے سائے میں ان لوگوں نے وہ وہ مظالم عوام پر ڈھائے کہ جس سے چنگیز اور ہلاکو کی روحیں بھی کانپ گئیں۔ اور اب یہی لوگ عوام میں جا کر جنتا پارٹی حکومت کے خلاف بے اطمینانی پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

کیا مہنگائی۔ بجلی کی کمی۔ سیلاب سے تباہی۔ رہزنی۔ ہڑتالیں۔ کانگریس کے راج میں نہیں تھیں؟ اگر عوام کی ساری آزادیاں سلب کر کے ایمرجنسی راج کے زیر مہنگائی۔ رہزنی اور ہڑتالوں وغیرہ میں جبراً معمولی سی کمی لائی گئی تھی تو کیا کانگریسی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ایمرجنسی کے تحت سیلاب سے بھی تباہی نہ ہوتی۔

سیلاب کے باعث ایک شخص کی موت ہو جانے کے باعث شریمتی اندرا گاندھی کا اس کے گھر جا کر اظہارِ افسوس کرنا کیا محض اس لیے نہیں تھا کہ جنتا پارٹی حکومت کے خلاف بے اطمینانی کے بیج بوئے جائیں۔ کیا شریمتی اندرا گاندھی یہ بتا سکتی ہیں کہ جب وہ وزیر اعظم تھیں تو اس وقت سیلاب سے ہزاروں مرنے والوں کے ہاں اظہارِ افسوس کے لیے کیوں تشریف نہ لے گئیں؟

عوام کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ جنتا پارٹی حکومت کو سابقہ حکومت نے خالی خزانہ۔ کورپٹ سرکاری کرمچاریوں کی وافر تعداد۔ اور کورپشن پر یقین رکھنے والے عوام وراثت میں دیئے ہیں۔ لہٰذا ان سب بدعتوں کا خاتمہ ہونے میں وقت لگے گا۔

افکار و واقعات

چھوٹے اخبارات کا مقتل ـــــــ محکمہ ڈی۔اے۔وی۔پی

"شانِ ہند" کی گزشتہ دو اشاعتوں میں وزیراعظم کے نام کھلے خط میں حکومت ہند کے محکمہ ڈی۔اے۔وی۔پی کے حالیہ کردار پر سیر حاصل تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ کس طرح جنتا پارٹی کے برسر اقتدار آتے ہی اس محکمہ نے چھوٹے اخبارات کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہے اور محکمہ ڈی۔اے۔وی۔پی کو چھوٹے اخبارات کی قتل گاہ بنا دیا گیا ہے۔

چند دن پہلے ایڈیٹر شانِ ہند نے رینہ صاحب ڈائریکٹر ڈی۔اے۔وی۔پی سے ملاقات کی۔ اور ایڈیٹر شانِ ہند کو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس نے اپنی ۴۸ سالہ صحافی زندگی میں ایسا کوئی افسر نہیں دیکھا جو رینہ صاحب کی طرح اپنے فرائض منصبی سے کما حقہٗ طور پر نا واقف ہو۔ اور جب رینہ صاحب سے ایڈیٹر شانِ ہند کے مسلسل حقیقت پر مبنی سوالات یا اعتراضات کا جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے یہ کہکر راہ فرار اختیار کی کہ انہیں ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے۔ اس وقت رینہ صاحب کے کمرے میں دو معزز صحافی اور بھی تشریف فرما تھے اور ان میں سے ایک صحافی نے دوسرے دن ٹیلی فون پر ایڈیٹر شانِ ہند کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ ایک عرصہ کے بعد سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست کی روح بولتی ہوئی سنائی دی۔

ایڈیٹر شانِ ہند اس تحریر کے ذریعے ڈائریکٹر صاحب مذکور کو چیلنج کرتا ہے کہ جو واقعات ایڈیٹر شانِ ہند نے انہیں بتائے اگر وہ انہیں غلط ثابت کر دیں تو ایڈیٹر شانِ ہند پر وہ مقدمہ چلا سکتے ہیں اور اگر یہ واقعات درست ہیں تو پھر رینہ صاحب کو یہ کرسی خالی کر دینے کے لیے از خود اپنی منسٹری کو لکھنا چاہیے۔ اور اگر رینہ صاحب نے یہ سب کچھ اپنے افسران بالا یا منسٹر صاحب کے اشاروں پر کر رکھا ہے تو پھر وہ بے قصور ہیں کیونکہ حکومت کانگریس کی ہو یا جنتا پارٹی کی گوری تو اپنے پیا کے اشاروں پر ناچے گی۔ اور ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ محکمہ ڈی۔اے۔وی۔پی اپنے منسٹر کے اشاروں پر ہی کچھ اخبارات پر نظر کرم کر رہا ہے اور دوسرے اخبارات کو یہ کہہ کر چپ رہنے پر مجبور کر رہا ہے کہ کانگریسی حکومت نے پچھلے سال اشتہارات پر تین کروڑ روپیہ برباد کر کے اس محکمہ کو دیوالیہ بنا دیا ہے۔

اگر واقعی ایسا ہی ہے تو پھر جن اخبارات پر اشتہارات کی بارش ہو رہی ہے اُن کے لیے روپیہ کہاں سے آ رہا ہے یا یہ نوازش محض اس لیے ہے کہ ان میں سے اکثریت ایسے اخبارات کی ہے جو جن سنگھی یا فرقہ واریت کو پسند کرنیوالے تھے۔

کیا ستم ظریفی ہے کہ محکمہ ڈی۔اے۔وی۔پی کے پاس کوئی کام نہیں۔ کوئی اشتہار نہیں (جیسا کہ ڈائریکٹر صاحب نے بتایا) تو پھر چار ماہ سے سارے کا سارا اسٹاف بے کار کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ اور سرکاری خزانہ سے بے کار بیٹھکر تنخواہ لے رہا ہے۔ کیوں نہیں اس سٹاف میں چھانٹی کی جاتی اور اگر چھانٹی کرنے سے جنتا سرکار گھبراتی ہے تو فالتو سٹاف کو ایسے محکموں میں بھجوا دیا جائے جہاں ملازمین کی ضرورت ہے۔

بہر کیف جنتا پارٹی کو کچھ دنوں کے بعد پتہ چلے گا کہ چھوٹے اخبارات کے لیے محکمہ ڈی۔اے۔وی۔پی کو قتل گاہ بنانا خود اس کے اپنے لیے نقصان کا باعث ہو گا۔

صدر جنتا پارٹی کی خوش فہمی

کسی بھی جاہلِ مطلق کو کرسیٔ اقتدار پر بٹھا دیا جائے تو کرسی پر بیٹھتے ہی اس پر فہم و ذہانت کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ایسی مخلوق سمجھنے لگتا ہے جیسے اللہ میاں نے خاص طور پر اسی مقصد کے لیے بنایا ہو۔ مثال کے طور پر جن جاہلانِ مطلق کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ اگر اللہ میاں بھی چاہیں تو آج تک ان سے بڑا جاہل پیدا نہیں کر سکتے۔ جونہی یہ حضرات آل انڈیا سیڈریا کسی دوسرے سرکاری محکمے میں ہزاروں سفارشوں کے بعد بھرتی ہوئے تو انہوں نے سب دانشوروں کو جاہل سمجھنا شروع کر دیا۔

جنتا پارٹی کے صدر جناب چندر شیکھر خدا کے فضل و کرم سے ایک ہونہار، ایماندار اور خدمتِ خلق کے خواہاں نوجوان ہیں۔ اور اسی لیے انھیں ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپی گئی یعنی انھیں جنتا پارٹی کا صدر بنایا گیا۔

مگر برا ہو اس کرسیٔ اقتدار کا کہ یہ اچھے اچھے سمجھدار اور دانشوروں کو بھی خوش فہمی میں مبتلا کر دیتی ہے چنانچہ یہ کہنے میں کوئی خرابی نہیں کہ ہمارے جناب چندر شیکھر صاحب بھی کرسیٔ اقتدار کی خوش فہمی میں آ گئے ہیں۔ جس کا ثبوت میں انھوں نے پچھلے دنوں پٹیالہ میں دیا کہ کون کہتا ہے کہ جنتا لہر میں کچھ کمی آ گئی ہے۔

حضور شیکھر صاحب کی خدمتِ عالیہ میں مؤدبانہ التماس ہے کہ جنتا لہر پارلیمنٹ کے انتخابات کے وقت اپنے پورے زور پر تھی صوبائی انتخابات کے وقت یہ لہر مالوہ کی خوشگوار ہوا بن چکی تھی اور اب اس خوشگوار ہوا میں مسلسل بارش کے باوجود تپش محسوس کی جانے لگی ہے۔

ایمرجنسی کے بھوت نے ایسا ننگا ناچ نا چاکہ عوام یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ اگر پھر خدانخواستہ کانگریس حکومت آ گئی تو وہ شاید اپنے گھروں میں ہی نظر بند کر دیے جائیں گے اور گھروں کی چار دیواری میں ہی بھوکوں مار دیے جائیں گے اور کسی کا مال، عزت اور وقار برقرار محفوظ نہ رہ سکے گا۔ اس لیے جنتا پارٹی کی لہر میں ابھی تک جان باقی ہے اور جب تک یہ متوقع خطرہ بنا رہے گا جنتا پارٹی کسی بھی خوش فہمی میں مبتلا رہ سکتی ہے، ویسے جناب چندر شیکھر کی خدمت میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس وقت حالت یہ ہو چکی ہے کہ اگر اب راج نرائن صاحب رائے بریلی کے حلقہ سے پارلیمنٹ کا چناؤ لڑیں تو وہ یقیناً شریمتی اندرا گاندھی سے ہار جائیں گے۔ یہ فرق ہے اس وقت کی اور گذشتہ پارلیمنٹ کے چناؤ میں جنتا لہر کا۔ اس پر بھی جناب صدر جنتا پارٹی کسی خوش فہمی میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں تو انھیں کون روک سکتا ہے۔ مگر حقیقت تو حقیقت ہی ہے۔

وزیر اعظم کے بیان پر ناراض ہونے والوں کی خدمت میں

پچھلے دنوں لکھنؤ میں عالی جناب مرارجی ڈیسائی وزیر اعظم ہند نے یہ فرمایا کہ اردو کسی بھی صوبہ میں دوسری علاقائی زبان قرار نہیں دی جا سکتی۔ اس بیان پر بہی خواہانِ اردو نے مختلف انداز سے اظہارِ ناراضگی فرمایا ہے۔

ہم اردو کی بقا و حیات کے سلسلے میں کسی بھی پُر امن راہ کو اختیار کرنے میں ہر مجاہدِ اردو کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے میں کبھی پیچھے نہیں رہیں گے مگر ہم نہایت ادب کے ساتھ وزیر اعظم کے اس بیان پر ناراض ہونے والے حضرات سے یہ دریافت کرنے کی جرأت کر رہے ہیں کہ (۱) کیا آپ نے اپنے بچوں کو اردو پڑھانے کی کبھی کوئی ضرورت محسوس کی؟ اور اس کے لیے آپ نے کوئی جدوجہد کی؟

(۲) جب حکومت نے محض مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنانے کی غرض سے یہ اعلان کیا کہ جہاں بھی دس طالب علم اردو پڑھنا چاہیں گے وہاں اردو پڑھانے والے ٹیچر کا انتظام کیا جائے گا۔ تو آپ نے اس وقت اپنے بچوں کو اردو

کی تعلیم دلانے کی کوشش کی ؟

(۳) جب مرکزی اور صوبائی حکومتیں اُردو کے نام نہاد اخبارات و رسائل (جن کی ناجائز پیدائش ہی محض سرکاری اشتہارات کے حصول کے باعث ہوئی تھی) پر سرکاری اشتہارات کے پردے میں عوام کا روپیہ برباد کر رہی تھیں۔ تب آپ نے کوئی صدائے احتجاج بلند کی کہ یہ روپیہ ان نام نہاد صحافیوں (شراب نوشی اور کالی اچکنیں سلوانے کے لیے) پر ضائع کرنے کی بجائے اُردو کے مدرسے جاری کیے جائیں ؟

(۴) آپ نے کبھی یہ کوشش مقامی طور پر کی کہ ہائی سکولوں یا کالجوں میں اُردو کلاسیں جاری کی جائیں ؟ مگر آپ نے یقیناً ان ضروری امورات پر کوئی دھیان نہیں دیا بلکہ آپ نے ان شعرائے کرام کو اپنے اُردو مشاعروں میں ہوائی جہاز کے آمد و رفت کے ٹکٹ کے علاوہ ایک ایک ہزار معاوضہ دیا جو محض اور محض اُردو کے نام پر پیٹ بھر رہے ہیں مگر اپنے بچوں کو اُردو پڑھانے کی بجائے کانونٹ سکولوں میں تعلیم دلاتے ہیں جیسے جناب کیفی اعظمی کی بیٹی شبانہ اعظمی اُردو کی الف ب سے ناواقف ہے اور سردار جعفری صاحب کے صاحب زادگان اُردو سے اتنے واقف ہیں کہ سردار کے معنی بھی دوسروں سے پوچھتے ہیں۔ اسی طرح اُردو کے دیگر مشہور شعرائے کرام نے اپنے بچوں کو اُردو کی تعلیم نہیں دلائی۔ جن اُردو کے شعرائے کرام اور اُردو مصنفین کی کتابوں پر اُردو اکاڈمیاں انعامات کی بارش کر رہی ہیں ان میں سے ہر شاعر اور مصنف کی اولاد اُردو سے ناواقف ہے۔

کیا کبھی آپ نے ان شاعروں اور مصنفین سے جو محض اُردو کے نام پر ہی جی رہے ہیں دریافت کیا ہے کہ بھئی آپ لوگ اپنے بچوں کو اُردو کیوں نہیں پڑھاتے ۔۔ ؟

اور تو اور جناب ڈاکٹر تسلیم بریلوی نے پچھلے دنوں دورانِ گفتگو بتایا کہ اس مرتبہ یو پی اسمبلی میں ۴۹ مسلمان ممبران منتخب ہو کر آئے ہیں مگر حلف اٹھاتے وقت کسی بھی مسلمان ممبر کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ یہ مطالبہ ہی کرتا کہ وہ حلف اُردو میں اٹھائے گا۔ حالانکہ جب انگریزی ایسی غیر ملکی زبان میں ہمارے اکثر و بیشتر ممبران اسمبلی و پارلیمنٹ حتیٰ کہ صدرِ جمہوریہ ہند حلف اٹھا سکتے ہیں تو ان ۴۹ مسلمان ممبران یو پی اسمبلی کو اُردو میں حلف اٹھانے سے کون روک سکتا تھا۔ مگر محض اس لیے کہ اگر ان حضرات نے اُردو میں حلف اٹھانے کے لیے کہا تو انہیں فرقہ پرست سمجھا جائے اس لیے یہ خاموش رہے ۔

کیا اسی برتے پر آپ وزیر اعظم کے بیان پر معترض ہیں ؟

اور سنیئے نئی دہلی کے دیال سنگھ کالج (ایوننگ) کے لیے ایڈیٹر شانِ ہند اور کچھ دیگر اُردو پرست حضرات نے کوشش کی کہ کچھ طالب علم اُردو کلاسز میں بھی داخلہ لیں اور اس سلسلے میں طلباء کو فیس میں رعایت وغیرہ دینے کی بھی پیش کش کی گئی مگر آپ جانتے ہیں کہ ہمیں اس مہم میں کیا کامیابی ہوئی ؟ صرف چار طالب علموں نے اُردو پڑھنا منظور کیا اور وہ بھی اس لیے کہ ان میں سے زائد تر نمبروں کے لحاظ سے کسی اور کالج میں یا دوسرے مضامین میں داخلہ ہی نہ لے سکتے تھے ۔

ان واقعات کی روشنی میں اگر وزیر اعظم یہ فرماتے ہیں کہ اُردو کسی بھی صوبے کی دوسری علاقائی زبان قرار نہیں دیجا سکتی تو کیا غلط کہتے ہیں ؟ وزیر اعظم کے اس بیان پر ناراض ہونے کی بجائے اپنے کردار پر غور کیجیے اور اپنا جائزہ لیجیے کہ آپ خود اُردو کے لیے کیا کر رہے ہیں ؟ شاید آپ میں سے کوئی صاحب ایڈیٹر شانِ ہند کی اس تحریر پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہیں کہ کیا ایڈیٹر شانِ ہند نے اپنے بچوں کو اُردو کی تعلیم دلائی ؟ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ ایڈیٹر شانِ ہند

۔۔۔ بعد اپنے یوں نوار دو کی تعلیم دلائی اور بڑے لڑکے نے اُردو میں بی۔اے آنرز دہلی یونیورسٹی سے کیا۔ ایڈیٹر شانِ ہند نے اپنی بیوی کو اُردو پڑھایا جو اس وقت دنیائے اُردو میں ایک مقام رکھتی ہیں۔ ایڈیٹر شانِ ہند کی لڑکی نے خانۂ ایران میں فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

سرکاری اشتہارات سے متعلق نئی پالیسی

یہ کاپی پریس جارہی تھی کہ محکمہ ڈی۔اے۔وی۔پی کے ایک افسر نے ہمیں بتایا کہ اب جنتا سرکار نے سرکاری اشتہارات کے بارے میں حسب ذیل پالیسی اختیار کی ہے۔

۱۔ حکومت اپنی کارکردگی کی تفصیل دیکر اپنی تعریف اشتہارات کی شکل میں نہیں چھپوائے گی۔

۲۔ کسی مذہبی تہوار کے سلسلے میں مبارک باد کا اشتہار نہیں دیا جائے گا۔

۳۔ سابقہ حکومت کی طرح سرکاری اشتہار بطور امداد نہیں دیئے جائیں گے۔

۴۔ کسی سرکاری سربراہ یا قومی لیڈر کے جنم دن پر کوئی اشتہار نہیں دیا جائے گا۔ اور نہ ہی یوم آزادی یا جشنِ جمہوریت کے مبارک باد کے اشتہارات دیئے جائیں گے۔

۵۔ صرف اور صرف قومی مفاد کے بارے (مثلاً انکم ٹیکس۔ شراب بندی۔ خاندانی منصوبہ بندی۔ محکمہ ڈاک کی فروغ الاوقات قومی بچت سکیم) میں ہی سرکاری اشتہارات وقتاً فوقتاً جاری کیے جائیں گے اور وہ بھی کثیر الاشاعت اخبارات کو دیئے جائیں گے۔ یعنی جس طرح ایک تجارتی ادارہ اپنے تجارتی مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی اخبار کو اشتہار دیتا ہے اسی طرح سرکاری اشتہارات بھی تجارتی مفاد کے پیش نظر کثیر الاشاعت اخبارات کو ہی دیئے جائیں گے۔

مندرجہ بالا تفصیل کو دیکھتے ہوئے ہمیں اُن اخبارات سے دلی ہمدردی ہے جن کا وجود ہی محض سرکاری اشتہارات حاصل کرنے کے لیے عمل میں آیا تھا۔

اقبال صدی کے سلسلے میں کل ہند مشاعرہ۔ بریلی

جناب ڈاکٹر سلیم بریلی سے اطلاع دیتے ہیں کہ اقبال صدی کے سلسلے میں وہ ایک کل ہند مشاعرہ ۸ راکتوبر کو منعقد کرا رہے ہیں۔ جس میں مجروح سلطان پوری صاحب۔ کیفی اعظمی صاحب۔ علی سردار جعفری صاحب۔ جناب راجندر کرشن صاحب نے شرکت کی منظوری دے دی ہے اور کیف بھوپالی۔ شمیم جے پوری۔ خمار بارہ بنکوی۔ عابدہ رفعت ٹونکی۔ رئیس لکھنوی۔ برکھا رانی۔ نور اندوری۔ شاعر فتحپوری۔ مسعود حیات۔ روحی دہلوی۔ شاہدہ نکہت باقی۔ اور اشد حیا کی شرکت متوقع ہے ان سب شعرا اور شاعرات کو دعوت نامے جاری کیے جارہے ہیں۔

مشاعرہ کا آنکھوں دیکھا حال سرور تونسوی ایڈیٹر شانِ ہند لکھیں گے۔ مشاعرہ کی نظامت فلم انڈسٹریز کے رضا مراد کریں گے۔ اور جناب آئی۔ ایس۔ جوہر اور مراد صاحب مہمان خصوصی ہوں گے۔

مشاعرہ میں داخلہ بذریعہ ٹکٹ ہوگا۔

حافظ محمد یوسف دہلوی آف "شمع" کا کار ایکسی ڈینٹ

۲۸ رجولائی ۱۹۷۷ء کو جناب حافظ محمد یوسف صاحب دہلوی میر اعلیٰ "شمع" جب اپنی رہائش گاہ سے اپنے فرزند ارجمند مسٹر ادریس دہلوی کے ساتھ دفتر تشریف لا رہے تھے تو تال کٹورا روڈ پر مخالف سمت سے آرہی ایک کار اُن کی کار سے بُری طرح ٹکرائی جس سے دونوں کاریں چکنا چور ہوگئیں۔ جناب حافظ صاحب کو متعدد چوٹیں آئیں اور اُن کے دائیں ہاتھ میں فریکچر آگیا۔ اس قدر خطرناک ایکسی ڈینٹ میں جملہ حضرات کی جانیں محفوظ رہیں یہ صرف و صرف اللہ کا کرم تھا۔

گوشۂ عقیل | مشاعرۂ عرس حضرت شاہ ولایتؒ

کریمی الاحسانی

مشیر جھنجھانوی - حفیظ رڑکوی - نور تقی نور - تمنا جمالی - انیس میرٹھی - نصرت گوالیاری - نظر ایٹوی
توصیف علوی - سکندر نیابت - خالد کیرانوی

سبھا گانو ضلع مظفر نگر میں ہر سال عرس حضرت شاہ ولایت علیہ الرحمۃ کی تقریبات کے سلسلے میں ایک محفلِ شعر و سخن بھی منعقد ہوتی ہے امسال ایک شستہ مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ آج ۲ جون ۲۰۰۰ء ہے رات کے ۱۲ بج چکے ہیں اور میں جناب محمد سعید صاحب بی۔ اے علیگ سابق چیرمین میونسپل بورڈ کاندھلہ کے ہمراہ ابھی ابھی کاندھلہ سے آیا ہوں حضرت شاہ ولایت شاہ کا مزارِ مبارک جانب شمال ندی کے پل کے قریب ایک بلند ٹیلے پر مرجعِ خلائق ہے جناب تمنا جمالی اس مشاعرہ کی صدارت کے لئے جناب محمد سعید صاحب کا اسمِ گرامی پیش کر رہے ہیں جس پر تالیوں سے اظہارِ خوشنودی کیا جا رہا ہے قبلہ مشیر صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دینے کے لئے مائک سنبھال کر شروع کیا ہے :-

ہمارے صدر صاحب نہایت ادب نواز ہیں اس خاندان نے ادیبوں اور شاعروں کی ہمیشہ خدمت کی ہے کسی منسٹر یا حاکم کو صدر بنانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا اگر وہ مشاعرہ کی اہمیت اور نزاکت کو نہ سمجھ سکتا ہو اگر ایک سخن فہم انسان باعزت ہو اور شعری ذوق بھی رکھتا ہو تو یہ مشاعرہ کی اور سامعین کی خوش قسمتی ہے سعید صاحب کو میں علی گڑھ سے جانتا ہوں اس ضلع نے بڑے بڑے علماء پیدا کئے یہاں کا ہر جاہل سخن فہم ہوتا ہے اور اکثر شعراء کرام اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ یہاں کے سامعین شعر و شاعری کے دلدادہ اور سخن فہم ہوتے ہیں اور پھر زحمتِ سخن دے رہے ہیں راجند سکھ خلش کو خلش صاحب یوں دیر سے بیٹھے ہوئے سامعین کی خلش دور فرمانے لگے ہیں سماعت فرمایئے گا۔ ؎

میرے ہاتھوں سے یوں پیمانہ گرا ہو جیسے
پھر کسی کا کہیں دل ٹوٹ گیا ہو جیسے
جب کبھی جرمِ محبت کی سزا ملتی ہے
ایسا لگتا ہے کہ انعامِ وفا ہو جیسے

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

دل دھڑکتا ہے تو اکثر یہ گماں ہوتا ہے
تم نے چپکے سے مجھے یاد کیا ہو جیسے

روشنی غائب ہو گئی ہے مشاعرہ کی ابتدا ہو گئی تھی کہ بجلی غلط ہوتی نظر آ رہی ہے اور اس عالم میں جناب تمنا صاحب بری طرح سے الجھے ہوئے ہیں ادھر مشاعرہ کو سنبھالنا اور ادھر روشنی کا انتظام کرانا لہٰذا اعلان کے ذریعے مشاعرہ کمیٹی کے ارکان سے درخواست کر رہے ہیں کہ فوراً لالٹینوں کا انتظام کیا جائے اور ساتھ ہی اپنے کلام اور لطائف سے سامعین کو بور ہونے سے بچا رہے ہیں نتیجے روشنی کا معقول انتظام ہو گیا ہے اور ادھر مشیر صاحب اکمل راہی کو یاد فرما رہے ہیں راہی صاحب عنایت کر رہے ہیں ؎

شاید یہ حادثاتِ مسلسل کا فیض ہے
ڈرتے نہیں جو یورشِ برقِ تپاں سے ہم

راہی صاحب گلو خلاصی کر کے چلتے بنے اور مشیر صاحب جواں سال اور گلوکار شاعر نسیم عثمانی سہارنپوری کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں نسیم صاحب یوں شعر کمال کرنے چلے ہیں ؎

آج ہاتھ میں مرے وہ ہاتھ ڈالے ہیں
آج میری راہوں میں دو دن اجالے ہیں

آج چشمِ ساقی کے طور ہی نرالے ہیں !
کتنوں نے مستی میں جام توڑ ڈالے ہیں !

داد انتہائے عروج سے سوا ہے اور آپ اسی طرح لہک رہے ہیں ؎

ہم کو گردشِ دوراں کیا مٹائے گی ہم خود
حادثوں کی دنیا میں گردشوں کے پالے ہیں !
ہے مرا تبسم بھی مرثیہ بہاروں کا !
میرے گیت اور غزلیں میرے دل کے نالے ہیں
آج ان کے قدموں پر پھوٹ پھوٹ کر روئے
آج زندگی بھر کے حوصلے نکالے ہیں !
زندگی کی قربت بھی کس قدر بھیانک ہے
زندگی نے جینے جی کتنے مار ڈالے ہیں !

انا للہ وانا الیہ راجعون ـــ ایک آواز ـــ دیکھا تو شمیم صاحب پلٹ رہے ہیں اور مشیر صاحب شاداں بدایونی کو یاد فرما رہے ہیں شاداں صاحب فرما رہے ہیں ؎

چلے جانا خوشی سے چھوڑ کر ذرا ٹھہرو
ہمیں یہ فکر پیہم ہے زمانے کی ہوا کیا ہے
بھلا ساقی کے ہوتے مے کے ہوتے جام کے ہوتے
پڑے ہیں تشنہ لب دو میکدہ کیا ہے
وفا کے نام پر ہم ہیں ازل سے آج تک شاداں
زمانہ ان سے کوئی پوچھے کہ آئینِ وفا کیا ہے

شاداں صاحب مناسب داد وصول کیے جا رہے ہیں اور مشیر صاحب مناسب الفاظ میں تعارف کراتے ہوئے ٹھاکر چندر سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں ٹھاکر صاحب ایک ہندی گیت عطا کر رہے ہیں ؎

مرے ساتھیو ملک کے جاں نثارو
نئی زندگی کے نئے سر ابھارو
تمہارا وہ تھا چکنی منزلوں کا !
پھر ہے گیت چھوڑے نئے گیت گاؤ
بہت مرحلے تھا تلانہ ادا پر

بہت ناز و ادا پر دل لگوایا !
سنوارا بہت موت کے گیسوؤں کو
ہمیں زندگی سے الجھنا نہ آیا

ٹھاکر صاحب محفل کو گرما کر کامراں جا رہے ہیں اور مشیر صاحب منظر سہارنپوری کو منظر عام پر لا رہے ہیں منظر صاحب یوں وارداتِ قلب و نظر کی منظر کشی کر رہے ہیں ؎

شمع جل بجھ کے یونہی روز دھواں ہوتی ہے
انتظار آپ کا کرنے میں اذاں ہوتی ہے

دوسرے مصرعے پر شاعرانہ داد دی جا رہی ہے اور آپ لہک رہے ہیں ؎

جس کو مل جائے تیری یاد کی خوشبو اے دوست
یہ بھی ہر شخص کی قسمت میں کہاں ہوتی ہے
اپنی پلکوں پہ نہ روکو مرے بہتے ہوئے آنسو
کچھ کہانی مری یونہی بیاں ہوتی ہے
ان کے دروازے پہ روتا ہوں بچھائے دامن
کارگر دیکھیے کب میری فغاں ہوتی ہے

منظر صاحب داد پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور مشیر صاحب خالد کبرانوی کو یاد فرما رہے ہیں خالد صاحب فرما رہے ہیں ؎

آیا نہ کبھی کوئی خریدارِ تمنا
دیکھی نہ کبھی گرمیٔ بازارِ تمنا
ہر شخص کو دنیا میں ہے آزارِ تمنا
نکلا نہ کسی دل سے کبھی خارِ تمنا
اللہ کرے آپ کو بیمارِ تمنا

ایک آواز ـــ اور آپ رواں دواں گلوخلاصی کر رہے ہیں ؎

زلف کو چھیڑ کے تو پا نہ سکا صبر و سکوں
آ گیا گردشِ ایام پہ چکر کیسا !
وصل کا سوچ کے انجام ہوں مضطر و ششدر
عالمِ حسن میں ظلمت کا یہ منظر کیسا !

خالد صاحب داد وصول کئے چلتے بنے اور مشیر صاحب ایک ابھرتے گلوکار شاعر سکندر حیات کیلاشی پوری کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں حیات صاحب لحنِ طلعت میں غزل سرا ہیں ؎

کس کے ہاتھوں کی مہک اٹھی حنا مات گئے
لڑکھڑاتے ہوئے، آئی ہوا رات گئے
تیری گلیوں کے بہت پھوٹ کے پتھر روئے
بعد مدت وہاں میں جو گیا رات گئے
ہچکیاں پھوٹ کے روئیں مرے آنسو بولے
ہائے یہ کس نے تجھے یاد کیا رات گئے

اسٹیج کے سامنے امڈتا ہوا سامعین کا یہ جمِ غفیر بے ساختہ آہ اور واہ پہ اتر آیا ہے اور حیات صاحب اسی سج دھج سے لہرا رہے ہیں ؎

تجھ سے تجدیدِ محبت کو جو اٹھتے ہیں قدم
کپکپا اٹھتی ہے آنگن کی فضا رات گئے
تیرے بن سانسِ حیات آج ہے مدھم جیسے
دور جاتے ہوئے قدموں کی صدا رات گئے

حیات صاحب محفل کو گرما کر کامراں پلٹ رہے ہیں اور مشیر صاحب حافظ کیرانوی کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں حافظ صاحب رواں دواں سنا کر چلتے بنے اور ساتھ ہی مشیر صاحب ایک ترجمان انجمن ترقی اردو شاعر دنیش کمار شباب میرٹھی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں شباب صاحب چہک رہے ہیں ؎

مسافروں کی جگہ راہبر کھڑے ہیں یہاں
سڑک خراب ہے آگے یہیں سے لوٹ چلو

داد کا پہلی بار ہنگامہ خیز دھماکہ ہوا ہے ادھر دس بجے صدر محترم محمد سعید صاحب معذرت کر کے تشریف لے جا رہے ہیں تمنا صاحب نے صدارت کے لئے محترم مشیر صاحب کا اسمِ گرامی پیش کیا ہے اور ان کی جگہ مائک سنبھال لیا ہے اور شباب صاحب اسی بانکپن سے پنڈال کو گرما رہے ہیں ہر چند کہ ابھی بجلی غائب ہے مگر مشاعرہ جما ہوا ہے ہاں تو سماعت فرمائیے ؎

چھت مرے دل کی بہت کمزور تھی
عمر کا باقی سفر بھی سر پہ سایہ تھا !

پھر آہ اور واہ نے ہنگامے کا روپ دھار لیا ہے اور آپ محفل کو لوٹتے چلے ہیں ؎

پاؤں اٹھتے ہی نہیں اب تو وطن کی جانب
مجھ کو بن باس نے آزاد کیا ہو جیسے

داد کے شور میں غزل سرا ہیں ؎

جسے وطن سے نکالا مری تلاش میں ہے
مرے وجود کا حصہ مری تلاش میں ہے
کھیتوں پہ آکے میں سورج کے گیت گاتا ہوں
مگر سڑک پہ اندھیرا مری تلاش میں ہے
نکل رہی ہے ہرن جان دشتِ غربت میں
سنا ہے میرا مسیحا مری تلاش میں ہے
[illegible]
گھنے درختوں کا سایہ مری تلاش میں ہے
صدا کے دشت میں کچھ نقش پاسے ملتے ہیں
یہ کون چاہنے والا مری تلاش میں ہے

شباب صاحب خوب خوب محفل کو چونکا کر سنا داد لے رہے ہیں اور اب اپنے کریمی الاحساس سے یہ تازہ اشعار سن کر شکر گذار کیجئے گا ؎

اب احتجاجِ ظلم پہ ششدر نہ دیکھئے
دستِ بشر میں کیوں ہے یہ خنجر نہ دیکھئے
جن سے جناب والا کو عزت ہوئی نصیب
ان بیکسوں کا حال مکرر نہ دیکھئے !
پھر انقلاب تازہ کوئی رونما نہ ہو
کل کے تغیرات پہ ہنس کر نہ دیکھئے
ان سے نوید فصلِ بہاراں ہے دیکھ تو
کلیوں کو گلستاں میں مسل کر نہ دیکھئے

آئیے پھر اتنے میرٹھی سے یہ حسین اور شگفتہ غزل سنئے دیکھتے ہیں کہ آپ کم بھی بھلا دیجئے گو

میں کہتا ہوں کوئی اور سزا دو مجھ کو
تم نہیں دیتے نہ دو میری وفاؤں کا صلہ
صرف اتنا ہی کرو دادِ وفا دو مجھ کو
سچ کو سچ کہتا ہوں سقراط نہیں ہوں لیکن
تم سمجھتے ہو تو زہر پلا دو مجھ کو

انیس صاحب داد وصول کئے کامران پلٹ رہے ہیں اور تمنا صاحب دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں حفیظ رڑکوی کو۔ حفیظ صاحب اپنے دلکش ترنم سے غزل سرا ہیں

محبت کی گلکاریاں اللہ اللہ
یہ عمر بے بہشتیاں اللہ اللہ
وہ ان کے کرم کا وہ بخشش کا عالم
وہ میری سیاہ کاریاں اللہ اللہ
کسی کی عیادت کو جانے کی خاطر
وہ پہروں سے تیاریاں اللہ اللہ

اس شعر پہ دادِ نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ کہتے ہیں ؎

لپکتے ہے جلوے، سمٹتے ہے جلوے
وہ ان کی نیاداریاں اللہ اللہ!

پھر داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ اسی دلکشی سے فرما رہے ہیں ؎

کبھی چشمِ نم سے کبھی رنج و غم سے
کسی کی وہ دلداریاں اللہ اللہ
جنوں سے خرد تک خرد سے جنوں تک
محبت کی بیداریاں اللہ اللہ!

حفیظ صاحب داد میں ڈوبے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور تمنا صاحب دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں مشہور مترنم شاعر نور لقی نور میرٹھی کو۔ نور صاحب لحنِ داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

ایسا نہ ہو غم تیرا آنسو میں ڈھل جائے
میں اشکِ الم روکوں اور آہ نکل جائے
ایسی بھی کوئی ٹھوکر اے غیرتِ رسوائی
سر قدموں میں ہو ان کے اور جان نکل جائے
میخانے میں رندوں کو چھوٹ اتنی نہ دے ساقی
ایسا بھی تو ممکن ہے مے خواروں میں چل جائے

اس شعر پر دادِ نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں ؎

حق مانگنے والوں کے دامن تو نہ پھیلیں گے
یا جان رہے باقی یا جان نکل جائے!

نور صاحب تالیوں کے شور میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور تمنا صاحب ماسٹر توصیف علوی کیرانوی سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں قبلہ توصیف عنایت فرما رہے ہیں ؎

تھا میکدے سے جن کو نکالا گیا کبھی!
آج ان کو پاسبانِ حرم دیکھ رہے ہیں!
کروٹ یہ زمانہ نہ کوئی بدلے گا یقیناً!
ہم گردشِ دوراں کے قدم دیکھ رہے ہیں

داد کے شور میں ارشاد ہو رہا ہے ؎

راہِ الفت میں جنون و شوق کام آیا تو ہے
اُن کے دیوانوں میں پہلے میرا نام آیا تو ہے
ہو ہی جائے گی مکمل داستانِ شوق اب
اُن کے لب پر کوئی حرفِ ناتمام آیا تو ہے
ہے جہاں حیرت میں ہر اہلِ خرد اہلِ جنوں
منزلِ راہِ وفا میں وہ مقام آیا تو ہے
دیدیا صبح آنے کی محفل سجا اعوں نے جواب
روشنی کو پھر دلِ سوزاں ہی کام آیا تو ہے

قبلہ توصیف صاحب داد وصول کئے جا رہے ہیں ادھر لائٹ آ گئی ہے اور ادھر اس محفلِ شعر و سخن کے دولہا مشہور مترنم غزل گو شاعر تمنا جمالی ایک نغمہ۔ ایک مرثیہ ایک خراجِ عقیدت شہیدانِ کھالا پار مظفر نگر کی مقدس روحوں کے نام بطور نذرانۂ عقیدت پیش کر کے محفل کا رنگ بدلنے چلے ہیں سنیئے ؎

زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن
حق بہادر ہیں یہ اپنا اپنا چمن زندہ باد اے وطن

گولیاں کھا کے بھی مسکراتے رہے
پھر بھی تیرے سدا گیت گاتے رہے
مرنے والوں کو تو دے سکا نہ کفن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

بن ہمارے تیرے گیت گائے گا کون
میرے تلسی کے نغمے سنائے گا کون
ہے ہمارے ہی دم سے نوا بانکپن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

سر فروشوں سے تکرار اچھی نہیں!
بھگت کے شیروں سے بیکار اچھی نہیں!
[illegible]
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

جو مٹا دے ستم ایسی آندھی بھی ہے
ہم زمینوں کا اک ایسا ساتھی بھی ہے
پھر بھی پہنے ہیں ہم ضبط کا پیرہن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

ہر بند پر آہ اور واہ کے وہ دھماکے ہوئے کہ بس کچھ نہ پوچھیے ہر بند کو دو دو تین تین بار دہرانا۔ تالیوں کے بے ہنگم شور میں شاداں پلٹ کر اپنی جگہ آ کر دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں ایک ابھرتے مترنم شاعر نظر ابٹوی کو نظر صاحب غزل سرا ہیں ؎

دنیا تو بھٹکتی ہے دن رات اندھیرے میں
دیکھو تو ابھی میرے حالات اندھیرے میں

داد مطلع ہی سے شباب پر ہے اسوقت تمنا صاحب کے بعد نظر صاحب کا انتخاب خوب ہی رہا ارشاد ہوا ہے ؎

جگنو کی طرح آنسو دامن پہ چمکتے ہیں
ہوتی ہے جب آنکھوں سے برسات اندھیرے میں
افکار بھی سورج پہ اداس ہیں سیاست کے
ہے آج بھی گلشن کے حالات اندھیرے میں

جب داد نے ہنگامہ بپا روپ دھار لیا ہے اور آپ اسی جانِ لیوا ترنم سے محفل کو گرما رہے ہیں ؎

اظہارِ تمنا پر چپ کیوں ہو زباں کھولو
اچھی نہیں لگتی ہے ہر بات اندھیرے میں
برباد اچانک کیوں آبادیاں ہوئیں اپنی
جیسے کوئی لٹ جائے بارات اندھیرے میں

نظر صاحب محفل کو گرما کر داد و تحسین پا کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور تمنا صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں جناب عاشق کبرالوی سے۔ عاشق صاحب کو عشق نے بالآخر حضرت غالب کا تو نہیں کیا البتہ نکما ضرور کر دیا اب وہ بات نہیں رہی کچھ عمر کا بھی تقاضا ہے ارشاد ہوا ہے ؎

شکوہ مرا بے فائدہ صیاد ترے سے
مجبور ہی ہو کر کوئی فریاد کرے ہے
میں سوچتا ہوں حرف نہ آ جائے وفا پر
اور تو ہے کہ ہر روز نئی افتاد کرے ہے
[illegible]
دنیا یہ جھجک سے ہی بیداد کرے ہے
اس وقت کا وہ کیف وہ دلشاد وہ عالم
جس وقت انھیں دل سے کوئی یاد کرے ہے

قبلہ عاشق صاحب داد لوٹ کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور تمنا صاحب دعوتِ غزل دے رہے ہیں نصرت گوالیاری کو نصرت صاحب اپنے مخصوص دلکش ترنم سے محفل پر چھانے چلے ہیں ؎

کیا نہیں ہم کہ کیا نہیں ہوتا
اُن کو پاسِ وفا نہیں ہوتا
شغلِ دل کے خلاف چاہتی ہے
جب جنوں رہنما نہیں ہوتا!
آپ اور لفظِ غیر میرے لیے
کاش میں نے سنا نہیں ہوتا

تجربہ ہے کہ تیرے غم کے سوا !
کوئی غم دلربا نہیں ہوتا

داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ اسی سج دھج سے پڑھ رہے ہیں ؎

ہم محبت میں اس جگہ ہیں کہ جہاں
فرق اور فاصلہ نہیں ہوتا !

پھر داد کا ایک دھماکہ ہوا ہے اور آپ محفل کو گرما رہے ہیں ؎

کیا ہمارا بھلا کروگے تم !
تم سے اپنا بھلا نہیں ہوتا !

نصرت صاحب محفل کو گرما کر تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور تمنا صاحب درخواست کلام بلاغت نظام کر رہے ہیں محترم مشیر صاحب سے قبلہ نہایت متانت اور اعتماد کے ساتھ عطا کر رہے ہیں آئیے یہ سدابہار اور حسین شعر سنئے ؎

ہر اک چہرہ پہ آثارِ خود نمائی ہے
تمام شہر مجھے اجنبی سا لگتا ہے !

داد پھر کسی ہنگامہ کا نشاں ہو رہا ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں ؎

یہ دیکھنا ہے کہ اب کتنے پھول کھلتے ہیں
گھٹا برس تو گئی ہے مشیر صحرا پر

پھر آہ اور واہ کا ایک دھماکہ ہوا ہے ارشاد ہوا ہے ؎

آزادیٔ وطن کو سرِ دار دیکھ کر !
جتنے بھی اہلِ ہوش تھے زنداں میں آ گئے !
تہذیبِ حسن و عشق عجب کشمکش میں ہے !
صحرا نورد شہرِ نگاراں میں آ گئے !
یوسف کے بھائیوں سے ملاقات ہو گئی !
یوسف کو ڈھونڈتے ہوئے کنعاں میں آ گئے
کچھ رہزنوں نے مل کے جلائی تھیں مشعلیں
ہم کہ نکتہ چیں چراغاں میں آ گئے !

قبلہ مشیر صاحب داد و تحسین پا کر کامراں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی پہلا دور نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہو کر دوسرا دور شروع ہو رہا ہے جو مؤذن کی اذان اللہ اکبر تک جاری رہا —

کئی بار لائٹ غائب ہوئی ایک دو بار مائک نے بھی جواب دیا لیکن بڑھانہ کے سامعین اور اہلِ ذوق حضرات اور دونوں دوستوں کی سخن فہمی کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ پہلو بدلنے کا نام تک نہیں لیا اور صبح تک ڈٹے اور جمے رہے جناب تمنا صاحب جناب شہاب صاحب نے جس خلوص و محبت سے شعرائے کرام کی خاطر مدارات کی اور جس خوش سلیقگی سے کم وقت میں اور اس الیکشن کے دوران یہ مشاعرہ منعقد کرایا وہ بھی ایک کارے دارد والا معاملہ ہے بہرحال تمنا و شہاب و اعجاز صاحبان باوجود عرس کی تقریبات کے دیگر پروگراموں میں اس درجہ منہمک بھی رہے کہ شہاب صاحب کی آواز ہی جواب دے گئی تھی بول نہیں سکتے تھے کئی بار شہاب صاحب کا نام پکارا گیا مگر آپ سنانے سے کتراتے رہے۔ ایک مرحلہ پر آپ اصرارِ پیہم کو نظر انداز نہ کر سکے اور مائک پر آ کر اسی دلکشی سے غزل سرا ہوئے۔ آپ بھی سنئے ؎

ہونٹوں پہ ان کے موجِ تبسم بکھر گئی
تصویرِ زندگی میں نئے رنگ بھر گئی
سوچا تمہیں تو ہم نے جہاں تک گیا خیال
دیکھا تمہیں تو ہم نے جہاں تک نظر گئی !

اس شعر پر داد نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ یوں گلوخلاصی کر رہے ہیں حالانکہ سامعین سننے کے موڈ میں ہیں لیکن آپ کا گلا کام ہی نہیں کر رہا ہے — ایک شعر اور سنتے جائیے ؎

کیفِ دوام کس کو ملا ہے جہان میں
اٹھئے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

آپ کے ساتھ ہی یہ حسین لاجواب اور شگفتہ محفل شعر و سخن برخاست ہو رہی ہے میں بھی فجر کی نماز ادا کرنے چلا۔ خدا حافظ!

میں کیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں ۔

معیار کی کسوٹی پر

(ادارہ)

متاعِ کبیر۔ ضخامت ۱۴۴ صفحات۔ حجم $\frac{20 \times 30}{16}$۔ کاغذ اچھا طباعت اور کتابت مناسب۔ قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ:۔ بزم حفیظ کبیر کوڑنگل۔ ضلع محبوب نگر۔ (آندھرا پردیش) یا دفتر شانِ ہند نئی دہلی ۲۔

جناب پنڈت دامودر ذکی چٹھا کو۔۔ کے شاگردِ رشید جناب حفیظ کبیر صاحب کوڑنگل ضلع محبوب نگر (اے۔پی) کا یہ مجموعۂ غزلیات شعری لحاظ سے مطالعہ کے قابل ہے۔ جناب علی جلیلی ایم۔اے۔ عثمانیہ جناب حفیظ کبیر کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"غزل ہر دور میں کچھ نہ کچھ بدلتی رہی ہے اور اب جو تبدیلیاں اس میں آئی ہیں اس نے آج کے شاعروں کو دو گروپ میں بانٹ دیا ہے ایک وہ جو نئے تقاضوں کے ماتحت غزل کو نئی راہوں پر لا رہے ہیں دوسرے وہ جو ابھی غزل کی کلاسیکی روایت پر وضعداری سے قائم ہیں متاعِ کبیر کے شاعر کا تعلق اس دوسرے گروپ سے ہے، ان کے اشعار پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ خارجی اثرات ان پر اثر انداز نہیں ہوئے شاید وہ اسلاف کے روایات اور اکتسابات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتے بالخصوص غزل کی صورت میں جن کی جڑیں ماضی سے پیوستہ ہیں، ان کے سامنے غزل کا ماضی ہے غزل کا حال نہیں اسی پس منظر میں ان کا یہ نقش ابھارا جا سکتا ہے کہ وہ غزل کے تمام لوازمات کو سامنے رکھ کر غزل کہتے ہیں اور اس جادہ سے ہٹنا گوارا نہیں کرتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ روایتی رنگِ تغزل نبھانے کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں"۔

حضرت علی جلیلی کے مندرجہ بالا قول کی تصدیق حفیظ کبیر کے مندرجہ ذیل اشعار بہتر انداز میں کر رہے ہیں۔

ہے آسماں کو غرض بجلیاں گرانے سے
چمن سے کام نہ مطلب ہے آشیانے سے

اب ضرورت نہیں راہبر کی!
جذبۂ دل مرا راہبر ہے

جب مسلسل وہ یاد آتے ہیں
سلسلے غم کے ٹوٹ جاتے ہیں

غمِ حیات کی بڑھتی ہیں تلخیاں جس دم
تمھاری یاد مری غمگسار ہوتی ہے

پھر سے ہونے لگے تازہ مرے زخموں کے کنول
یادِ محبوب کو اب دل سے دعا دی جائے

دامن کسی کی یاد کا تھامے ہوئے کبیر
آگے نکل گئے ہیں غمِ دو جہاں سے ہم

حالِ دل یوں تو مرا قابلِ اظہار نہیں
آپ سنتے ہیں تو پھر لائقِ اظہار بھی ہے

مجبوریاں تو تم نے بتائیں بہت مگر!
اب میرے دردِ دل کا کہو کیا علاج ہے؟

کمال دیکھوں تمھاری بہانہ سازی کا
ملو کبھی تو کوئی دن کسی بہانے سے

جاگا ہوں شبِ ہجر کا اے شورِ قیامت
کچھ اور سلانا مجھے بیدار نہ کرنا

ہمارے سامنے غیروں سے ملنا
ستم ہے اور بالائے ستم ہے

جلوۂ طور تو ہے آج بھی موجود مگر
کوئی موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار بھی ہے؟

رگ وید اور اپنشد کی روشنی:۔

ڈاکٹر تسکین الرحمٰن کی یہ تالیف حکومتِ ہند کے شعبۂ ثقافت کی مالی امداد سے شائع ہوئی ہے اور اس

سرکاری مطبعہ کے باوجود ۲۲×۱۸/۲ سائیز کے ۱۲۰ صفحات کی اس کتاب کی قیمت دس روپیہ ہے۔ جبکہ اس کتاب کی کتابت اس انداز سے ہوئی ہے جیسے بچوں کی کتابوں کی ہوتی ہے اور طباعت کی خرابی کا یہ عالم ہے کہ کسی کسی صفحہ پر تو کوئی کئی سطریں پڑھی ہی نہیں جا سکتی ہیں۔

رگ وید اور اپنشد کی روشنی کو قابل مصنف نے ان محدود صفحات میں مقید کرنے کی کسی حد تک کامیاب کوشش کی ہے کتاب کئی لحاظ سے قابل مطالعہ ہے مگر کتابت اور طباعت کی بدنمائی اس کتاب کے مطالعے کے لیے ذوقِ سلیم پر گراں گزرتی ہے نیز اس کتاب کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اس موضوع کے شائقین بھی شاید ہی یہ کتاب قیمتاً خریدنا پسند کریں۔

ملنے کا پتہ: عصمت پبلی کیشنز - ۱۵ - جواہر نگر - سری نگر (کشمیر)

یادِ صُغرا ہمایوں مرزا

محترمہ صُغرا ہمایوں مرزا حیدرآباد کی ممتاز، ذہین، باہمت اور پیکرِ خلوص انسان دوست اور درد آشنا خاتون تھیں۔ انھوں نے رفاہِ عام کے لیے جو علمی، ادبی، تعلیمی اور سماجی خدمات انجام دیں اس کی مثال کم از کم ہندوستان میں کسی دوسری خاتون کے مقابلہ میں ملنا محال ہے۔ صُغرا ہمایوں مرزا نے تن من دھن سب کچھ غریبوں محتاجوں اور خصوصاً خواتین کی بہبودی اور خدمت میں زندگی کی آخری گھڑی تک لگائے رکھے۔

ان کے شوہر نامدار جناب ہمایوں مرزا ایک مشہور بیرسٹر تھے جنھوں نے اپنے پیشے کی کمائی کو اہلِ خیر اہلیہ کی خیر خیرات اور ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرتے نیز عزیزوں، نادار طالب علموں، بیوہ بیراؤں اور یتیموں کے لیے وقف کر دیا۔ ایک فوقانی مدرسہ "صفدریہ" نام کا چھ سو سے زائد لڑکیوں کی ذہنی آبیاری کر رہا ہے۔

صُغرا ہمایوں مرزا کہنہ مشق صاحبِ دیوان اور اعلیٰ پایہ کی نثر نگار تھیں۔ ان کی ساری تصانیف پسندیدہ اور دل پذیر ہیں۔ انہوں نے ہندوستانی اور دنیا کے شہرہ آفاق شہروں کا دورہ کیا اور شہرہ آفاق علمی شخصیتوں لیڈروں اور شاہوں سے بے تکلف ملاقاتیں کیں۔ صدر ہندوستان۔ شاہِ ایران، طوطیانِ ہند و ایران بنگال کے ٹیگور۔ لاہور کے اقبال۔ حیدرآباد کی سروجنی نائیڈو ایسے متعدد نام فہرستِ ملاقات میں شامل ہیں۔ مولوی عبدالحق نے اپنے خطوط اور ملاقاتوں میں اردو زبان پر ان کی قادرالکلامی، الفت اور موانست اور تعلق خاطر کا بے ساختہ اعتراف کیا ہے۔

۲۳ راکتوبر ۱۹۷۶ء کو صفدریہ گرلس ہائی سکول ہمایوں نگر۔ حیدرآباد میں یومِ صُغرا ہمایوں مرزا منایا گیا۔ جس کی تمام کارروائی ایک خوبصورت سووینیر میں شائع کی گئی ہے۔ یہ سووینیر کئی ادبی اور شعری کتابوں پر بھاری ہے۔ ہر صاحب ذوق کو اس سووینیر کا مطالعہ کرنا چاہیے اور یہ سووینیر ہر اردو لائبریری میں یادگار کے طور پر رکھا جانا چاہیے جو ساڑھے تین روپیہ میں ریاست منزل ۲۶۲ - ۲۰ - ۶ خیریت آباد - حیدرآباد ۴۰۰۰۰۵ (آندھرا پردیش) سے منگایا جا سکتا ہے۔

پرانی کہانیاں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

اردو کے مشہور محقق ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ایک عرصے سے دیو مالا اور اساطیر پر کام کر رہے ہیں۔ ان کا مقالہ "راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں کی اساطیری جڑیں" پاکستان کے ادبی حلقوں میں وقعت کی نظر سے دیکھا گیا تھا حال ہی میں انھوں نے پرانوں کی اساطیری کہانیوں کو سادہ اور عام فہم اردو میں منتقل کیا ہے۔ ان کہانیوں سے پرانے ہندوستان کا فکری اور لاشعوری پس منظر سامنے آتا ہے اور اردو میں ان کی اہمیت یہ ہے کہ ان کہانیوں سے بہت سی تلمیحات کی جڑیں تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اور یوں قدیم معنویت کے انکشافات تک ہوتی ہے اس لحاظ سے یقیناً اس کتاب کو بھی علمی ادبی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوگی۔ یہ کتاب ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں خوبصورت انداز میں شائع کی گئی۔ قیمت سوا آٹھ روپے ملنے کا پتہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا نئی دہلی۔ دفتر شانِ ہند سے بھی دستیاب ہے۔ (انور سدید)

ضیغم رام پوری کی غزل

رمز آفاقی

۱۱ مثمن — ۲۹ بحور مسدس مضاعف

مختصر سوانح: حافظ اکرام الدین احمد ضیغم پسر حافظ قطب الدین — ۱۷۸۸ء (۱۲۰۳ھ) میں بمقام رامپور پیدا ہوئے۔ پہلے حشمت تخلص تھا پھر ضیغم کر لیا۔ ہزل، ریختی اور مرثیوں میں مہمان تخلص رکھا۔ کلام پر اصلاح میاں احمد حسین راحت اور رؤف احمد رافت سرہندی سے لی۔ ضیغم رافت صاحب کے داماد بھی تھے۔ تاریخ گوئی کا بھی شوق تھا۔ شاعری کے علاوہ طبِ یونانی، ڈاکٹری، ویدک اور دیگر علوم میں بھی دستگاہ تھی۔ مختلف ملکوں کی سیر بھی خوب کی۔ کیمیاگر مشہور تھے۔

۱۸۷۰ء (۱۲۸۶ھ) میں ڈھاکہ میں انتقال ہوا۔

باقی حالات سخن الشعراء صفحہ ۲۹۲ — شمیم سخن صفحہ ۱۵ — ۱۵۸ — انتخاب یادگار صفحہ ۲۰۷ تذکرہ کاملانِ رامپور صفحہ ۲۴۹ دیکھئے —

نساخ نے اُن کی یہی غزل (۱۹ بحروں کے مطابق) متعدد بحروں میں ظاہر کی ہے لیکن نساخ کوئی ماہرِ عروض نہ تھا اس لئے خوب غوطے کھائے ہیں۔ دو وزن اُن بحروں کے یہاں پیش کر رہا ہوں جن سے غزل کا کوئی واسطہ ہی نہیں لیکن نساخ کی دھینگا دھینگی دیکھئے بحرِ وافر میں لکھتا ہے —

بحرِ وافر مثمن اعضب معصوب: مفتعلن مفعولن مفتعلن مفعولن

اوّل تو رکن اعضب حشو میں وارد نہیں ہوتا بلکہ صرف صدر و ابتدا کا رکن ہے۔ پھر مفعولن اقصم ہے یعنی نساخ اصطلاحاتِ عروض سے بھی ناواقف ہے۔ اقصم بھی رکن حشو و عروض و ضرب میں نہیں آتا۔

دوم کون ظالم وزنِ مذکورہ کو وافر سے منسوب کرے گا۔

اسی طرح بحرِ کامل مسدس مضمر مقطوع مذال یا مرفل کے تحت وزن لکھا ہے —

مستفعلن فعلاتن متفاعلاتن

رکن مقطوع عروض و ضرب سے مختص ہے نہ کہ حشو سے نیز زحافِ ترفیل چودہ سو برس پہلے دورِ جاہلیت میں کہیں کہیں دکھائی دیتا ہے اس کے بعد کوئی جانتا بھی نہیں کہ مرفل بھی کوئی رکن ہوتا ہے۔ یہاں یہ مثل صادق ہوتی ہے کہ بکری نے دودھ دیا مینگنوں بھرا — اذال کہیں ہے نہیں فضول لکھا —

تعجب ہے کہ بحر الفصاحت میں اس غزل کا کوئی وجود نہیں۔

عبدالباری آسی الدنی نے کہا "عرب و عجم کے زبردست سے زبردست شاعر کے یہاں بھی ایسی کوئی غزل نہیں پائی جاتی جو اتنی بحروں میں موزوں ہو بلکہ کوئی شعر بھی ایسا نہیں۔"

آسی صاحب کا فرمان ایک حد تک صحیح ہے۔ فیضی کی ایک غزل جو پانچ شعروں کی ہے نظر سے گزری ہے وہ ۲۰ بحروں میں پار کر جاتی ہے لیکن یہاں صرف ضیغم کی غزلِ زیرِ نظر ہے جو علاوہ بحرِ وافر و کامل کے ۱۱ مثمن اور ۲۹

سدس مضاعف بحروں کو عبور کر جاتی ہے۔

یہ نفیس غزل حضرت ضیغم رامپوری کی اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی ہے۔ وہ کیمیا گر مشہور تھے اور کیمیا گر دل یہ کلام "ایک آنچ کی کسر" ہوتا ہے۔ اُن کی اکسیر میں جس طرح ایک آنچ کی کسر رہی اُسی طرح شاعری اور علم عروض بھی کسر رہ گئی۔

اس غزل کے نو اشعار میں چار اشعار اُس زمانے کے لحاظ سے بے داغ اور بے عیب ہیں۔ کیوں کہ اُس عہد کے اُستادوں کے کلام میں۔ گر بمعنی اگر، یاں۔ واں وغیرہ الفاظ نظر آتے ہیں لہٰذا یہ قابلِ گرفت نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ضیغم صاحب نے یہ غزل تمام بحورِ مسدس مضاعف پر کہی تھی اور اس میں وہ کامیاب ہیں لیکن تذکرہ نویسوں اور تبصرہ نگاروں نے جو عروضی اصطلاحات اور محلِ زحافات سے واقف نہ تھے اُن بحروں میں بھی غوطہ دینے کی کوشش کی ہے جن سے غزل کا کوئی واسطہ ہی نہیں مثلاً بحرِ وافر و کامل۔

عام عروضی کتابوں میں صرف ۱۹ بحروں کا ذکر ہے لیکن بحریں اکتیس ہیں جن میں گیارہ بحریں بالکل غیر مستعمل ہیں۔ بقول خلیل مانک پوری [illegible] میں کل بارہ بحریں مستعمل ہیں ۱۹ نہیں۔

موجدِ عروض (خلیل بن احمد بصری) نے علاوہ [illegible] کے تمام بحریں دائروں سے مسدس ہی لی تھیں۔ اس غزل کا انداز بھی مسدس (مضاعف) ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔

جی نہیں چاہتا کہ ایسے نفیس شاعر کی معمولی لغزشیں پیش کروں لیکن حق تبصرہ مقتضی ہے کہ کیمیا گری کے ساتھ جو عروض دانی میں ایک آنچ کی کسر ہے وہ بتانا میرا فرض ہے۔ لہٰذا تقاضائے حق سے مجبور ہو کر لکھتا ہوں۔

بعض بحروں کے اوزان کی زد میں شوخی اور ساقی کی ی ساقط ہو جاتی ہے اور شکوی و مینا کا الف بھی۔

چھٹے شعر میں لفظ "فصل" کا لام تمام اوزان پر بھاری ہے اور مخاطب کا بھی فقدان ہے۔

نویں شعر میں شاعر کا تخلص ضیغم اس طرح واقع ہوا ہے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ضے۔ غم بیچ میں سخت ناگوار اور ترنم سے پڑھنے میں مہمل ہو جاتا ہے یعنی اس طرح: ؎

ملنے میں خوبوں کے ضے۔ غم کوئی بچتا ہے جی

معلوم یہ ہوتا ہے کہ ضیغم صاحب اپنا تخلص کھپا نہ سکے۔ یہی تینوں چیزیں ایک آنچ کی کسر ہیں

شہد۔ سہاگا۔ گھی　　　　مری دھات کا جی

جس غزل کا ایک ایک لفظ نگینے کی طرح جڑا گیا ہو اس میں کوئی ترمیمی مجوزہ پیش کرنا کوئی کھیل نہیں۔

حضرت علامہ عشق آبادی فرماتے ہیں کہ "خالقِ ارض و سما۔ صانعِ فہم و ذکا، کا سہارا لے کر کچھ تجویزے نذر کرتا ہوں، اُمید ہے کہ اعراف میں روحِ ضیغم خوش ہو کر قبول فرمائے گی جو باعثِ ہزار شکر ہوگا۔"

ترمیم کے بعد یہ ۹ شعروں کی مرصع غزل ہے۔

(میرا۔ مرا) تیرا۔ ترا (یہی۔ یہ) پر۔ یہ وغیرہ تقطیع میں استعمال ہو سکتے ہیں اور صنعتِ متلون میں جائز ہیں۔

ضیغم رام پوری کی اصل غزل

مع ترمیم علامہ عشق آبادی

جاں تیرے غم ہی میں دی	اب تو جو کچھ ہو سو ہو	شوخی یہ ہم نے بھی کی	اب تو جو کچھ ہو سو ہو
،، ،، ،،	،، ،، ،، ،،	گھٹنا یہ ہونی ہی تھی	،، ،، ،، ،،
غیروں سے ڈرتا ہے کیا	کوچے میں اُس کے تو جا	کہتا ہے کچھ سب یہ جی	،، ،، ،، ،،
روٹھے گا ہم سے تو گر	تیغے اسے چھوڑیں گے سر	ٹھانی ہے دل میں یہی	،، ،، ،، ،،
واں ہے تو خوش میری جاں	دم میرے لب پر ہے یاں	کہدے یہ اُس سے کوئی	،، ،، ،،
جیسے یہ جاں ہے عشق	ویسے ہی دل ہے میرا	چیر بن گے سینے کو بھی	،، ،، ،،
شکوہ ہے لب پر تیرے	روز و شب اے میرے دل	ہونٹوں کو اپنے تو سی	،، ،، ،،
نامے ہیں ،، ،، ،،	،، ،، ،، ،،	،، ،، ،، ،،	،، ،، ،،
ساقی ہے مینا ہے اور	گل کی بھی آئی ہے فصل	بادہ بھی تھوڑا سا پی	،، ،، ،،
برکھا ہے بادہ بھی ہے	پھولوں کی آئی ہے رت	ساقی یہ تھوڑی سی پی	،، ،، ،،
غیروں سے ملتا ہے تو	کوئی تب اے میری جاں	لاگیں گے ضد سے تیری	،، ،، ،،
،، ،، ،،	بولوں سے تو ،، ،، ،،	دیکھیں گے ضد بھی تیری	،، ،، ،،
ملنے میں خوبوں کے ضنے	غم کوئی پڑتا ہے جی	سر پہ یہ جوکھوں ہے لی	،، ،، ،،
ضیغم ان اچھوں میں بھی	کیا ،، ،، ،، ،،	جوکھوں سرا اپنے یہ لی	،، ،، ،،

چارٹ بحور مثمن

نمبر شمار	نام بحر	ارکان: صدر و ابتدا	حشوین	عروض و ضرب	ارکان: صدر و ابتدا	حشوین	عروض و ضرب
۱	رجز ۱	مستفعلن	مفعولن	مستفعلن	مفعولن	سالم	سالم
	۲	مفتعلن	،،	مفتعلن	،،		
	۳	مفعولن	مستفعلن	مفعولن	مستفعلن	سالم	سالم
۲	رمل	فاعلاتن	مفعولن	فاعلاتن	مفعولن	سالم	سالم
۳	مشاکل	فاع لاتن	،،	فاع لاتن	،،		
۴	مجتث	مس تفع لن	،،	مس تفع لن	،،	سالم	سالم
۵	خفیف	مفعولن	مس تفع لن	مفعولن	مس تفع لن	سالم	بسا

نمبر شمار	نام بحر	ارکان: صدر وابتدا	حشوین		عروض وضرب	ارکان: صدر وابتدا	حشوین		عروض وضرب
٦	مضارع	مفعولن	فاع لاتن	مفعولن	فاع لاتن				سالم
٧	مقتضب	مفعولُ	مستفعلن	مفعولاتُ	مستفعلن		سالم		سالم
		مفعولاتن	فاعلن	مفعولاتن	فاعلن				
٨	بسیط	مستفعلن	رر	مستفعلن	رر	سالم	سالم	سالم	سالم
٩	مدید	فاعلاتن	رر	فاعلاتن	رر	سالم	سالم	سالم	سالم
١٠	عمیق	فاعلن	فاعلاتن	فاعلن	فاعلاتن	سالم	سالم	سالم	سالم
١١	وسیع	رر	مستفعلن	رر	مستفعلن	سالم	سالم	سالم	سالم

گیارہ بحور مثمن میں چار بحریں سالم ہیں۔ نمبر ۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۱
جہاں رکن سالم آیا ہے وہاں ہم نے سالم لکھ دیا ہے۔

چارٹ بحور مسدس مضاعف

نمبر شمار	نام بحر	ارکان: صدر وابتدا	حشو	عروض وضرب	عمل زحافات: صدر وابتدا	حشو	عروض وضرب	مزید
١	ہزج	مفعولن	مفعولن	فع				
٢	رجز	رر	رر	رر				
٣	رمل	رر	رر	رر				
٤	منسرح	رر	رر	رر				
٥	خفیف	رر	رر	رر				
٦	جدید	رر	رر	رر				
٧	قریب	رر	رر	رر				
٨	سریع	رر	رر	رر				
٩	صریم	رر	رر	رر				
١٠	سلیم	رر	رر	رر				
١١	کبیر	رر	رر	رر				
١٢	جسیم	رر	مفعولُ	رر				خفیف وسلیم بھی ہو سکتا ہے

شمار	نام بحر	ارکان: صدر و ابتدا	ارکان: حشو	ارکان: عروض و ضرب	مکمل زحافات: صدر و ابتدا	مکمل زحافات: حشو	مکمل زحافات: عروض و ضرب	مزید
۱۲	بدیل	مفعولُ	مفعولُ	فع				
۱۴	مجتث	”	مفعولن	”				
۱۵	حمید	”	”	”				
۱۰	صغیر	”	”	”				
۱	وسیع	فاعلن	”	”	سالم			یہ وزن رجز کا بھی ہو سکتا ہے
۱۱	مشاکل	فعلُ	مفاعیلن	”				
۱۱	طویل	”	”	”				
۲	قلیب	”	فعلن	مفعولن				
۲	مدید	مفعولن	”	فعلن				
۲۱	عریض	”	”	”				
۲۲	بسیط	”	”	”				
۲۱	مضارع	”	”	”				
۲۵	مقتضب	مفعولُ	”	”				یہ وزن مضارع کا بھی ہو سکتا ہے
۲۰	متدارک	فاعلن	”	”	سالم			یہ وزن منسارع کا بھی ہو سکتا ہے
۲۷	عمیق	فعلن	مفعولن	”				” ” طویل و مشاکل ” ” ”
۲۷	اسیم	”	”	”				” ” وسیع ” ” ”
۲۹	متقارب	فعلُ	فعولن	”				

دو سو روپے نقد انعام

ہم شبنم رام پوری کی غزل پر دو سو روپے انعام کا اعلان کر رہے ہیں - اس صورت سے کہ اوزان ہم لکھ رہے ہیں اور آپ کو یہ لکھنا ہے کہ یہ ارکان کن کن زحافات کے ذریعے مختلف بحروں سے بنلے گئے ہیں - ہر بحر کا نام اور ارکان کے آگے عمل زحافات لکھیے -

نوٹ :- ۱ زحاف تخنیق اور زحاف تسکین اوسط کا فرق ملحوظ رہے - ہم کسی عروضی کے اس قول کے پابند نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں -

۲- خرم (ثلم) اوزان سے مرتب زحافات سد فی سر صدر و ابتدا کے لئے ہیں

۳- زحاف حذف و حبت نتا نوے فی سد عروض و ضرب کے لئے ہیں -

۴۔ مربع مضاعف ہمیں پسند نہیں۔ ۲۹ بحریں مسدس مضاعف ہیں۔ ۱۱ مثمن ہیں جن میں چار بحریں سالم ہیں۔
۵۔ مثمن بحور میں جہاں رکن سالم آیا ہے ہم نے آپ کی آسانی کے لئے "سالم" لکھ دیا ہے۔ باقی خانے عمل زحافات آپ بھریئے۔
۶۔ ہمارے دیئے ہوئے چارٹ کو فلسکیپ کاغذ پر بنا کر لکھئے لیکن کہیں اِملا ہجّا نہ بدلئے تا کہ رکن مفرد فی و مجموعی کا فرق نمایاں رہے۔

۷۔ انعام کا فیصلہ حضرت علاّم عشق آبادی فرمائیں گے۔
۸۔ اِس انعامی مقابلہ میں صرف شانِ ہند کے مستقل خریدار ہی حصّہ لے سکیں گے یا وہ حضرات جو اب مستقل خریدار بننا پسند فرمائیں۔
(ادارہ)

غزل

جوزف انور

نکل پڑے ہیں پھر شہروں سے دیوانوں کے دَل بادل
آج بجانے کتنے بنیں گے ویرانے جنگل بادل!

تم کیا جانو دیکھ کے تم کو کتنی بسری یادوں کے
اس دِل کی سوکھی دھرتی پر چل جاتے ہیں ہل بادل

یوں لہرانے بل کھانے کیوں جھوم رہے ہو نشے میں
کس رندِ مدہوش کی چھپ کر پی آئے بوتل بادل!

کوئی رانش ایسی بھی تو ہو ایک کمرے میں آجائیں!
شمع صراحی پھول کہ ساغر نغمہ لب بوتل بادل!

برسے تھے پہلے بھی لیکن ایسی تو کچھ بات نہ تھی!!
کب سے سیکھ لیا برسانا تم نے آگ کی جل بادل

کس کارن یہ اتنا آخر ایسے پھوٹ کے روتے ہو!
کن نینوں سے آج چرا نے پہنچے تھے کاجل بادل

آج کی شب بھاری ہے انور جائیں بھی تو جائیں کہاں
گھر میں بارِ غم تنہائی باہر ہیں بوجھل بادل!!

فیض رتلامی

جی ہاں! میں فیض رتلامی ہوں!!!

اپنے بارے میں کچھ لکھنا اور اپنا تعارف آپ کرانا خود قطرہ قطرہ یا ریزہ ریزہ ہونے کے مصداق ہے پھر بھی مدیر "شانِ ہند" کے تعمیلِ ارشاد میں مندرجہ ذیل سطور کے توسط سے اپنا مختصر سا تعارف قارئین شانِ ہند کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں!

میری پیدائش مورخہ ۷ جولائی ۱۹۴۷ء بمقام گلشن آباد (جاؤرہ) کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی کیونکہ ذوقِ شاعری خدا کی دین پر منحصر ہے اور بغیر طبیعت کے موزونی کے شعر کہنا امرِ محال ہے مگر یہ عطیہ مجھے قدرتی طور پر عطا ہوا تھا اسلئے میں بہت کم عمر سے شعر کہنے لگا اور رتلام کے ایک کہنہ مشق اور بزرگ شاعر حضرت منشی اسحاق الحق صاحب احسان رتلامی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا موصوف کی زیرِ سرپرستی میرے ذوقِ شاعری نے پروان چڑھنا شروع کیا اور استاد کی خصوصی توجہ کے سبب بہت کم عرصہ میں فنِ شعر و ادب کی چیدہ چیدہ باریکیوں سے بخوبی واقف ہو کر بہت سے شعر کہنے لگا۔

میرا پیشہ میرے شوق سے قطعی مختلف ہے، میں ریلوے ملازم ہوں اور ملازمت کے بعد اپنی ہی سائیکلوں کی دکان پر بھی کچھ نہ کچھ کام کرتا رہتا ہوں۔ آکاش وانی اندور بھوپال سے آپ اکثر و بیشتر میرا کلام سماعت فرما سکتے ہیں میں نے کچھ فلموں میں بھی گیت لکھے ہیں میرے تین گیت ریکارڈ ہو کر عوام میں مقبول ہو چکے ہیں۔ جنہیں مہندر کپور "یا مہا" "آر تی کر جی" اور ملا منجو را نے گایا ہے فلموں کے نام کرشن کریم "آج کی پکار" "دل ایک کھلونا" وغیرہ ہیں۔

دراصل مجھے ترقی کی اس بلندی تک پہنچانے میں میرے بڑے بھائی صاحب محترمی فیاض صاحب کا بے حد تعاون رہا ہے جنہوں نے ایک شفیق بھائی ہی نہیں بلکہ ایک رحم دل بن کر میری تربیت کی اور میرے ذوق و شوق کو جلا بخشنے میں ہر قدم اپنی پُرتاثیر دعاؤں سے مجھے نوازا۔ ان کے ساتھ حضرت صوفی بسمل نقش بندی رتلامی کا بھی میں ممنون ہوں کہ انہوں نے بھی گاہ گاہ میری رہنمائی فرما کر اپنے زریں مشوروں سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور فلمی دنیا میں مشہور ہدایتکار حضرت غلام محمد صاحب (مغفور) (فلم پاکیزہ فیم) کے بڑے صاحبزادے "ممتاز احمد" سے بھی متعارف کرا کے میرے لئے ترقی کے ذرائع پیدا فرمائے۔

اسی ضمن میں شنکر شنبھو بھی ہیں جن کے خلوص بیکراں نے مجھے بمبئی میں اکیلا پن محسوس ہی نہ ہونے دیا۔

اصنافِ سخن میں میری عزیز ترین "صنفِ غزل" ہے ویسے میں نے نظمیں۔ قطعات، نعتیں۔ سلام گیت بھجن بھی کہے ہیں اور کہہ رہا ہوں ادب میں کسی حد تک جدت کا حامی ہوں ویسے کھلے دل سے ترقی پسند گروپ کے ساتھ ہوں۔

میرے پسندیدہ شعراء میں غالب، مومن، جگر، فیض احمد فیض، شکیل، فراق، قتیل شفائی۔ اور ساحر لدھیانوی ہیں!

غزل

لطف ہے باقی ہے گلفام کا
ذکر ہے لب پہ تمہارے نام کا
خواب میں مجھ کو لبھانے آ گئے
چل دیئے پھر کر کے وعدہ شام کا
پھول کا دھوکا تھا مہندی ہاتھ کی
رنگ نکھرا اور بھی گلفام کا
پیاس رہ کر بھی رہیں گے دور دور

کیا پتا تھا عشق کے انجام کا
فیضؔ جب دل سے نہ پہنچا کوئی فیض
پھر بتاؤ دل رہا کس کام کا

گلشن سے آج چھوڑ کے ہم آشیاں چلے
لیکن یہ ہم بھی کہہ نہیں سکتے کہاں چلے
ہم اُٹھ کے اُن کی بزم سے یوں ناگہاں چلے
بجھتے ہوئے چراغ کا جیسے دھواں چلے
خود زندگی کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے
جب زندگی کا چھوڑ کے ہم کارواں چلے
صیاد وہ ہے تیرے تو یہ میرے بس کی بات
قینچی چلے کسی کی کسی کی زباں چلے!!
محفل سے اُن کی اُٹھ کے ہمیں بیٹھنا پڑا
جب یہ کہا کہ فیضؔ بھلا تم کہاں چلے

(۳)

بیٹھا ہوں غمِ یار کو سینے سے لگائے
یہ ڈر ہے کہ دولت یہ کوئی لوٹ نہ جائے
آتی ہے نظر منزلِ مقصود اُسی کو!
بڑھتے ہوئے قدموں کو جو پیچھے نہ ہٹائے
وہ دیکھ کے ہنستے ہی رہے برسرِ محفل
ہم دردِ محبت سے تڑپتے رہے ہائے
آیا تو ہوں بھیجا ہوا دُنیا میں اُسی کا
اب اُس کی خوشی چاہے بگاڑے کہ بنائے
یہ میری تمنا ہے رہے ہوش سلامت
ساقی کی یہ کوشش کہ مجھے ہوش نہ آئے
اے فیضؔ وہاں جشنِ چراغاں نہیں ہوتا
پڑتے ہوں جہاں گردشِ ایام کے سائے

(۴)

پیکرِ حُور سراپا تجھے لگتی ہے
میری محبوبہ کی تصویر بھی کیا لگتی ہے
مضطرب قلب پہ برسا تی ہے پیہم شبنم
آپ کی زُلف تو ساون کی گھٹا لگتی ہے
زندگی کیا ہے یہ آتی ہے سمجھ میں یارو
آگ اُلفت کی جو سینے میں فدا لگتی ہے
بددُعا شوق سے مے نوشوں کو دے لے واعظ
بددُعا بھی تری رندوں کو دُعا لگتی ہے
کوچۂ یار میں اے فیضؔ جو گزری وہ حیات
عمر بھر قیدِ محبت کی سزا لگتی ہے

(۵)

جب سے ہوئی ہماری ملاقات آپ سے
ملتے ہیں ہم خیالوں میں دن رات آپ سے
جو دیکھتا ہے دیکھتا رہتا ہے آپ کو
سیکھے کوئی ادا یہ طلسمات آپ سے
پھیلی ہوئی ہے چاند کی جیسے کہ چاندنی
کتنی حسین بن گئی یہ رات آپ سے
ملنے سے پہلے دل میں مرے تھی یہ آرزو
ہو گی کبھی تو میری ملاقات آپ سے

(۶)

اُن سے نظر میں جو ملیں عشق کے جذبات کے ساتھ
چُھپ گئے پردے میں وہ جلووں کی ہنات کے ساتھ
زُلف تو لازمی مانوس رہے گی رُخ سے!
صبح وابستہ بھلا کیوں نہ رہے رات کے ساتھ
اُن سے ملنے کی خوشی ہے مجھے لیکن اے دل!
ہے جُدائی کا زمانہ بھی ملاقات کے ساتھ
اشک آنکھوں میں ہیں اور آہِ مسلسل لب پر
کیا مصیبت ہے کہ آندھی بھی ہے برسات کے ساتھ
لب پہ شکووں کا ہے انبار جبیں پر بل ہیں!
آ رہے ہیں وہ عجب تحفۂ سوغات کے ساتھ
فیضؔ سمجھتا ہیں گے وہ ترکِ محبت کر کے
بات اُن کی بھی تو بگڑے گی مری بات کے ساتھ

تابوت

سنہری سلیبل
مترجم:- انجم نوید

لندن سے آیا ہوا چرب زبان وکیل میری پوری شام برباد کر چکا تھا۔ نہ صرف یہ کہ میں اس کی بیکار اور لایعنی تقریروں کا سلسلہ ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا بلکہ اسے چپ کرنے کے لئے میں نے جو کوشش بھی کی رائیگاں گئی۔ نتیجتاً تنگ آکر خود مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔

ممکن ہے کہ اگر آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہو خود میرا تعلق وکیلوں کے ایک مشہور اور معزز خاندان سے ہے مگر مجھے اس پیشے سے دلی نفرت ہے ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود میں کبھی اپنے ممتحنوں کو مطمئن نہیں کر سکا جس کا نتیجہ میں ہمیشہ فیل ہوتا رہا بہر حال اس وکیل پر تو مجھے اور بھی غصہ آرہا تھا۔ خاص طور پر اس لئے کہ جہاں میں اس کی باتیں سن سن کر بور ہو رہا تھا۔ وہیں دوسرے لوگ بڑی دلچسپی سے اس کی لایعنی گفتگو سن رہے تھے۔

ہم لوگ اس وقت بیک لینڈ کے چھوٹے سے شراب خانے میں بیٹھے تھے قانون کا امتحان پاس کرنے میں ناکام ہونے کے بعد میں مختلف قسم کی ملازمتیں کر چکا تھا جن میں کلرک، سیلز مین اور کمرشل ایجنٹ کی نوکریاں بھی شامل تھیں۔ فی الحال میں گاؤں گاؤں قصبہ قصبہ گھوم پھر کر ایک جسمانی تربیت کی سوسائٹی کی کتابیں فروخت کرتا پھر رہا تھا اس قسم کا لٹریچر بیچنا کوئی معمولی کام نہیں بہت کوشش اور دماغ سوزی کے بعد دو چار کتابیں ہی فروخت ہوتی تھیں اور چونکہ میرا معاوضہ صرف کمیشن کی صورت میں ملتا تھا۔ اس لئے گذر اوقات بڑی مشکل سے ہوتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ شاید اس شراب خانہ میں کچھ ایسی سیل ہو جائے مگر وہ کمبخت وکیل مجھے بولنے کا موقع دینے کے لئے تیار ہی نہیں تھا میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ کاش کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تاکہ اس وکیل کی زبان بند ہو سکے۔

چنانچہ جب میں نے دو اجنبیوں کو شراب خانے میں داخل ہوتے اور سب لوگوں کو ان کی طرف متوجہ ہوتے دیکھا تو دل ہی دل میں بہت خوش ہوا لیکن وہ بالکل عام سے نظر آرہے تھے مگر کچھ اس پُرشور آواز میں باتیں کرتے ہوئے اندر آئے تھے کہ ہر شخص ان کی طرف دیکھنے لگا وہ سیدھے بار کاؤنٹر کی طرف بڑھے اور ایک پنٹ بیئر کا آرڈر دیا۔ اسے پینے کے بعد پھر ایک پنٹ طلب کیا جب وہ بھی حلق سے اتار چکے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اپنا وقت برباد کرنے کے سوا ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔"

"بالکل" دوسرے نے سر ہلایا۔

"تم لوگوں کو پتہ ہے" پہلا بار میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہوا۔ "ہم دونوں یہاں کرم اسٹون کی پہاڑی پر چڑھنے آئے تھے۔ بڑی کوشش اور تگ و دو کے بعد اوپر پہنچے تو پتہ چلا کہ وہاں دیکھنے کے قابل کوئی چیز نہیں ہے۔ نہ کوئی خوبصورت نظارہ نہ کچھ اور۔"

وہ اناڑی یا محض شوقیہ کوہ پیما معلوم ہوتے تھے کیونکہ کوئی اچھا کوہ پیما اپنی کسی کوشش کو وقت ضائع کرنے کے مترادف خیال نہیں کر سکتا۔ خواہ وہاں نظارہ ہو یا نہ ہو۔ اسی وجہ سے بار میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی ان کے پاس اس بیان سے متاثر نہیں ہوا اور مجھے اندیشہ ہو چلا کہ کہیں اب وہ وکیل پھر اپنی لاف زنی شروع نہ کر دے۔ جوان دونوں کی آمد سے وقتی طور پر منقطع ہو گئی تھی۔

واقعی وقت خراب! یہ نئی کی اس سے بدتر صورت اور کوئی نہیں ہو سکتی" دوسرے نو وارد نے گویا تائید کی۔

یہ سُن کر بار کے گوشے میں بیٹھا ہوا ایک چھوٹے سے قد کا آدمی جسے ہم نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اچانک بول اٹھا۔

"وقت کی بربادی" وہ بولا "میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وقت برباد ہونا کسے کہتے ہیں۔ اسے سُن کر تمہیں اندازہ ہوگا کہ تم نے گرم اسٹوؤں کی چوٹی پر چڑھنے میں جو وقت صرف کیا اس کا ایک ایک لمحہ کار آمد تھا۔"

پھر کسی جانب سے اپنی داستان سُنانے کی دعوت کے بغیر اُس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ اب سے کئی سال پہلے کا ذکر ہے کہ ایک پولیس افسر ایک مشہور ... مجرم کا تعاقب کرتے ہوئے اس علاقے میں آنکلا۔ یہاں پہنچ کر پولیس افسر نے اس مجرم کو پکڑ ہی لیا تھا مگر بدقسمتی سے وہ پہاڑی پگڈنڈیوں کی جانب بھاگ نکلا۔ رات کا وقت تھا، اور چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ پولیس افسر اسے گرفتار کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ چنانچہ وہ بھی اس کے پیچھے پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ چڑھتے چڑھتے وہ اس کے اتنے قریب آگیا کہ اُس کی آواز بخوبی مجرم کے کانوں تک پہونچ سکتی تھی۔ چنانچہ اُس نے پکار کر مجرم سے اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے کے لئے کہا۔ ادھر اُس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ... ادھر اُس کا پیر پھسل گیا۔ اب یہ اتفاق ہی تھا کہ بجائے گہرے کھڈ میں گرنے کے بجائے درمیان میں اُبھری ہوئی ایک چٹان پر جا گرا۔ جان تو بچ گئی مگر ... سے گرا تھا۔ اسلئے پیر کا ٹخنہ یا تو ٹوٹ گیا یا اُتر گیا۔ ابھی ... اپنی غفلت پر خود کو بُرا بھلا کہتے ہوئے یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کوئی اسے یہاں سے باہر نکالے گا یا نہیں کہ اُس نے مجرم کی آواز سُنی۔

"ہیلو اگر تم زندہ ہو تو ... میں تمہیں اوپر کھینچنے کے لئے کسی رسی کا انتظام کرنے جارہا ہوں۔"

پولیس افسر نے ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد جواب میں پکار کر پوچھا۔

"کیا تم ولیم ٹرنر ہو"؟

"یقیناً" اوپر سے آواز آئی۔

"میرے پاس تمہاری گرفتاری کا وارنٹ ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تم سڈنی بلنٹ کے قاتل ہو۔"

"پھر تمہارا کیا ارادہ ہے"؟

"اب تم زیر حراست ہو۔"

"میرا گرفتار ہونے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"دیکھو ولیم" پولیس افسر نے جواب دیا۔ "فوری طور پر میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں اور اگر تم اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہو تو میں تمہارا ممنون ہوں گا لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جیسے ہی میں اوپر پہنچا تمہیں گرفتار کر لوں گا۔"

صاف ظاہر تھا پولیس افسر بہت با اصول اور اپنے فرض کا پابند انسان ہے مگر ولیم بھی کچھ کم نہیں تھا۔

"شٹ اپ" اس نے جواب دیا۔ "تم کچھ بھی کہو میں تمہیں اس حال میں نہیں چھوڑ سکتا میں رسی لینے جارہا ہوں"

اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ پھر کئی گھنٹوں کے بعد جب پولیس افسر کو اس کے آنے کی کوئی اُمید نہیں رہی تھی وہ واپس آگیا۔ اور اس دوران تمام رات بارش ہوتی رہی جو کہ دوسرے دن بھی جاری رہی۔ اس لئے ولیم کے جانے کے بعد کوئی اور بھی پولیس افسر کی مدد کو نہیں پہونچ سکا تھا۔

"کیا ابھی زندہ ہو؟" ولیم نے پکار کر پوچھا۔ "میں ایک لاش کے لئے اپنا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا۔"

"ہاں میں ابھی زندہ ہوں" پولیس افسر نے چلا کر جواب دیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں کسی اور کو مدد کے لئے نہیں لا سکا، ان حالات میں کسی کو لا بھی نہیں سکتا تھا۔ بہرحال مجھ سے جو بھی کوشش بن پڑے گی دریغ نہیں کروں گا۔"

پولیس افسر کو شبہ تھا کہ ایسی صورت میں جبکہ اُس کا ایک پیر بیکار ہو چکا تھا۔ تنہا ایک آدمی اسے کس طرح باہر نکال سکے گا۔ یہاں میں اِن دشواریوں کا ذکر نہیں کروں گا جو اس پولیس افسر اور اس مجرم کو اس سلسلے میں پیش آئیں بہر حال کسی نہ کسی طرح ولیم نے پولیس کو پہاڑی کے اُوپر کھینچ لیا پولیس افسر اُوپر پہنچتے پہنچتے تکلیف اور تھکن سے تقریباً نیم بیہوش سا ہو رہا تھا پھر بھی اس نے باقی بچی ہوئی قوت کو مجتمع کیا اور سیدھے ہاتھ کی مٹھی بھینچتے ہوئے بولا۔

"شکریہ میں تمہیں پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا۔ مجھے افسوس ہے۔"

اور یہ کہتے ہوئے اُس نے ولیم کے مُنہ پر ایک گھونسہ مارنا چاہا تاکہ اسے بیہوش کر دے اُسے معلوم تھا اگر اُس نے ایسا نہ کیا تو ولیم اُوپر پہنچتے ہی بھاگ نکلے گا۔ اور اپنی زخمی حالت میں وہ اُس کا تعاقب نہیں کر سکے گا مگر بد قسمتی سے اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔ ولیم بڑی آسانی سے ایک طرف جھک کر اس کے وار سے بچ نکلا گھونسے کی جھونک میں پولیس افسر اپنا توازن نہ سنبھال سکا اور ایک مرتبہ پھر پہاڑی سے اس کا پیر پھسلا اور وہ نیچے گر گیا چونکہ ولیم بھی رسّی کے ذریعے اس کے ساتھ بندھا ہوا تھا اس لئے وہ بھی اُس کے ساتھ گرا اور اس بار وہ نکلی ہوئی چٹان بھی دونوں کو نہ روک سکی اور فضا میں قلابازیاں کھاتے ہوئے دونوں آگے پیچھے ہزاروں فٹ گہرے کھڈ میں نوکیلے پتھروں پر گرے اور گرتے ہی ختم ہو گئے اب آپ لوگ خود ہی فیصلہ کریں کہ اس واقعہ کی روشنی میں یہ حضرات کہاں تک وقت کی بربادی کا ماتم کرنے میں حق بجانب ہیں۔

وہ خاموش ہو گیا۔ لوگ ابھی اس حیرت انگیز اور المناک حادثے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ وکیل صاحب بول اٹھے۔

"بہت دلچسپ" انہوں نے کہا اور ایک مرتبہ پھر سب کی نظریں اُن کی جانب اُٹھ گئیں۔ "مگر کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تمہاری بیان کردہ داستان حقیقت پر مبنی ہے"

"قطعی طور پر" اس آدمی نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میرا خیال ایسا نہیں ہے"، وکیل صاحب نے کہا اور دیگر سامعین کی جانب دیکھ کر بولے "حضرات میں ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ صاحب دانستہ یا نادانستہ غلط بیانی کے مرتکب ہوئے ہیں یہ کہانی ہرگز سچ نہیں ہو سکتی"

وہ ایک بار پھر اس اجنبی شخص کی طرف پلٹے ——

"تمہارے بیان سے معلوم ہوتا کہ اس واقعہ کا کوئی گواہ نہیں تھا کیا یہ درست ہے؟"

"جی ہاں درست ہے"

"کیا یہ دونوں آدمی نیچے گرتے ہی مر گئے تھے"؟

"جی ہاں درست ہے"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں کسی سے ملنے کا موقع نہیں ملا اور وہ خود کسی کو اپنی ہلاکت کی ایسی صورت میں ان باتوں کا جو تم نے ہمیں سنائیں خود تمہارے علم میں آنا کیسے ممکن ہوا۔"

وکیل صاحب نے فاتحانہ لہجہ میں کہا اور گردن اکڑا کر حاضرین کی طرف دیکھا۔

"جب کوئی موقعہ کا عینی شاہد ہی نہیں" انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کسی قدر طنزیہ لہجہ میں کہا۔ "تو یہ واقعہ ہرگز تمہارے علم میں نہیں آ سکتا۔ سوائے اس صورت کے کہ تم ان مرحوم و مغفور افراد میں سے کسی کا بھوت ہو"

"جی ہاں درست ہے"، اس شخص نے جواب دیا اور غائب ہو گیا۔

دربار پرکاش سرور ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے میٹر کے صفحات خواجہ پریس حصہ شیخ منگلو جامع مسجد دہلی اور سرورق بائیلڈ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر شانِ ہند نلیٹ ۲ - انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع کیا۔

بھیانک رات

ایس۔ ایم عابد نقوی
(لندن)

رات انتہائی سرد اور تاریک تھی۔ کہرے کی چادر ہر شے کو نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ فضا پر سناٹے تاریکی کی حکمرانی تھی۔

میں اسکاٹ لینڈ سے بذریعہ کار ایک ضروری کام نیو کاسل جا رہا تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اب میں (اسکاٹ لینڈ) ایڈنبرگ سے آدھے راستے آ چکا تھا ہلکی ہلکی دھند اس وقت بھی فضا پر مسلط تھا جو گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ عالم یہ تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا حماقت کہیئے یا جلدی.. کہ میں جلد پہنچنے کے خیال سے۔ ہائی وے چھوڑ کر ایک راستے پر مڑ گیا جس کے متعلق سن ضرور رکھا تھا مگر گزرنے کا پہلے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا اپنی اس غلطی کا احساس مجھے جلد ہی ہو گیا سڑک بے حد پتلی اور پیچیدہ تھی دور دور تک کسی لیمپ پوسٹ کا نام و نشان نہ تھا۔ دھند کا یہ عالم تھا کہ تاریک سے تاریک ہوتی جا رہی اور دور و نزدیک کسی آبادی کا پتہ نہ تھا اور اگر تھا تو کہیں اور۔ تاریکی کی سیاہ چادر نے اسے نظروں سے اوجھل کر دیا تھا سنسان اور تاریک رات اکیلی راہ کار کی سیاہ دھند میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہنے سے سر درد کرنے لگا تھا کار دس گیارہ میل کی رفتار سے رینگ رہی تھی۔

رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ ابھی آدھا راستہ بھی طے نہ کر پایا تھا مجھے پریشانی کی ... آ رہا تھا لیکن اس بھیانک اور سنسان مقام سے کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی ایسے میں کوئی شخص بھی اس راحت کا اور خوشی کا اندازہ بخوبی کر سکتا ہے جو مجھے اس چھوٹی سی سرائے کے ناگہاں نظر آ جانے پر ہوئی۔ سفر اگلی صبح تک ملتوی کرنے کا فیصلہ کر لیا اور میں نے کار روک لی — وہ سرائے گو چھوٹی.... مگر نہایت صاف ستھری اور گرم تھی سرائے کا مالک ایک بوڑھا پُرشفقت اور باتونی آدمی تھا۔

ہم جلد ہی بے تکلف ہو گئے اور کھانے کے دوران مختلف موضوع پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ میں پورے دن کا تھکا ہوا تھا اس پر مسلسل دو گھنٹے کی دماغ سوزی سے طبیعت پر سستی اور کسلمندی سی طاری تھی۔ میں سن رہا تھا اور بوڑھا بول رہا تھا۔ نہ جانے کس وقت موضوع بدل کر بھوت پریت پر آ گیا تھا۔

شاید تمھیں بھوتوں پر یقین ہو؟ مجھے بھی نہ تھا مگر اس سرائے کو خریدنے کے بعد سے مجھے اپنی رائے بدل دینی پڑی۔۔۔ بوڑھا کہہ رہا تھا۔

" کیوں اس سرائے میں کیا ہے "؟۔۔

میں شوق و تجسس سے جاگ اٹھا۔ کسلمندی اور سستی دور ہو گئی۔ اور میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا بھوتوں کی کہانیوں کو میں نے واہمہ اور مفروضات سے زیادہ کبھی اہمیت نہ دی۔

نہ ہی اپنی زندگی میں کبھی میرا اور کسی بھوت کا آمنا سامنا ہوا۔ بھوتوں کی کہانیاں میں بڑے شوق سے سنتا لیکن اس یقین کے ساتھ کہ یہ سب فرضی اور من گھڑت داستانیں ہیں۔

(ملّی) بلّی کے بھوت نے اس سرائے اور اس کے آس پاس کے رہنے والے کو بھی بھوتوں کے وجود کا یقین دلا دیا ہے میرے استفسار پر بوڑھے نے کہا۔

11-JOHN CARTWRIGHT HOUSE, OLD BETHNAL GREEN
LONDON E2 6PZ

"یہ بہت پرانی کہانی ہے اس سرائے میں تقریباً دو
سال پہلے ایک لاوارث لڑکی کام کیا کرتی تھی۔
سرائے ہی کے ایک کمرے میں وہ دو اور لڑکیوں
ساتھ رہا کرتی تھی۔ نام تو اس کا کچھ اور تھا مگر لوگ
سے لِلی کہہ کر پکارتے تھے۔ ننھی بھی لِلی پھول کی طرح نازک
سین چھریرا جسم۔ لمبے سنہرے بال اور سودوں جیسا
معصوم چہرا۔
اپنی سنجیدہ طبیعت، شائستہ اطوار اور رکھ رکھاؤ
باعث وہ اپنے ساتھ کام کرنے والوں کی تضحیک
نشانہ بنی رہتی۔ سرائے کا گندہ ماحول، گاہکوں کی بے
ہودہ نظریں اور ساتھ کام کرنے والوں کا طنزیہ سلوک
ان سب نے مل کر لِلی کو اپنی زندگی سے بیزار کر دیا تھا
فرار چاہتی تھی اپنے ماحول سے مگر جاتی کہاں ؟
کتنے آوارہ لوگ اس کے پیچھے لگے، دھمکیاں دیں
ت جتائی۔ مگر وہ لاوارث اور بے سہارا لڑکی نہ جس
س نہ کوئی سرپرست، پھر بھی کسی کے فریب میں نہ
آئی۔
لیکن دنیا میں جو کچھ اسے چاہیے تھا پیار کے دو
ل۔ وہ بھی بولنے والا کوئی نہ ملا تھا۔ زندگی یونہی
ارتی رہی۔
ایک رات ایک خوش پوش نوجوان سرائے میں
خل ہوا۔ نووارد کے چہرے کی شرافت اور اعلیٰ
شاک اس کے ضامن تھے کہ وہ کسی نہایت اونچے
ان سے تعلق رکھتا ہے اس رات کے بعد نوجوان
ات آتا رہا۔ لِلی کی اس سے دلچسپی بڑھتی رہی۔
قاتیں ہوتی رہیں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ لِلی کو کسی
برتاؤ میں حقیقی خلوص نظر آیا۔ پتہ نہیں دل میں کیا
امیدیں باندھتی رہی۔ یہ سوچے بغیر کہ کبھی مخمل میں
ٹاٹ کا پیوند لگا ہے ؟ ۔
لوگوں کی طنزیہ اور آوارہ باتوں سے تنگ
آخر ایک دن وہ دل کی بات زبان پر لے آئی۔۔۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں ۔ ۔ ؟"
"جلدی ۔ بہت جلدی لِلی ۔ ۔ ۔ میں خود بے چین ہوں"
یہ سن کر اس نے یقین کر لیا اور خاموش ہو گئی۔
دن گزرتے رہے۔ اور ایسا وقت بھی آیا کہ نوجوان
نے آنا بند کر دیا۔ اس کی محبت ۔ ۔ ۔ ملاقاتوں کے چرچے
سرائے کے ہر شخص کی زبان پر آنے لگے ۔ ۔ ۔ زندگی کی
پہلی اور آخری خواہش کا یہ انجام ہو گا وہ سوچ بھی نہ
سکی تھی۔ اب وہ پہلے سے خاموش اور دکھی رہنے
لگی ہر ایک سے دُور ۔ ۔ ۔ اور لاتعلق ۔ ۔ ۔ سوچتی
زندگی میں کوئی ہمدرد نہیں ۔ ۔ ۔ کیا انسانیت ختم ہو گئی؟
پھر صبر و شکر سے اور شکستہ دلی سے اپنے کاموں میں مصروف
ہو جاتی اور اس کی آنکھیں اس نوجوان کا انتظار کرتیں
اور اس کی مایوسی کو سب لوگ تاڑ جاتے ۔ ۔ ۔ ۔
ایک دن اُس نوجوان کا خط ملا اپنے اتنے دن
نہ آسکنے کی معذرت اور اُسے ہدایت کی کہ وہ ہفتہ
کی رات گیارہ بجے سڑک کے موڑ پر ملے۔ پھر وہ
چرچ جا کر دنیا کی نگاہوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے
ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔ سوکھے کھیتوں میں
پھر پانی بھر گیا۔ فصلِ بہار پھر سے آگئی۔ وہ خوشی میں
جھوم اٹھی۔ ابھی ہفتہ میں تین دن باقی ہیں۔ یہ سوچ سوچ
کر وہ خوشی سے ناچنے لگی۔ راتوں کو جاگ جاگ کر اس نے
عروسی جوڑا تیار کیا اور دن بھر کام میں مصروف رہی آخر
ہفتہ کی رات بھی آگئی۔ ساتھیوں کی دبی ہنسی اور آنکھوں
میں چھپی شرارت کو نظر انداز کرتی وہ وقت سے پہلے ہی
آنے والے خطرے سے بے خبر سڑک کے موڑ پر پہنچ
گئی۔
رات اندھیری تھی ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی
طوفان کے آثار تھے۔ ہوائیں تیز چل رہی تھیں۔ لیکن
وہ ان باتوں سے بے نیاز۔ دل میں امنگیں لئے انتظار
کر رہی تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار اب بارش میں تبدیل ہو چکی
تھی۔ مگر جس کا انتظار تھا نہ آیا۔ وہ بارش میں [illegible]

چکی تھی۔ رات کافی گذرنے کے باوجود وہ انتظار کرتی رہی۔

اتنے میں اُس نے دیکھا کہ دُور سے کسی کے کار سے اُترنے کی آواز آئی اور وہ آواز اُس کے قریب بڑھتی رہی۔ وہ خوشی خوشی موسم کی تکلیف اور انتظار کی گھڑیاں سب کو بھول کر اس کی طرف لپکی اس کی باہوں میں پہنچنے کے لئے بے قرار۔ اتنے میں وہ سایہ اس سے ٹکرایا۔ اور اسکی چیخ نکل گئی۔ دوسرے لمحے وہ اس اجنبی کی باہوں میں سہمی ہوئی بے ہوش پڑی تھی نامعلوم وہ اسے کار میں ڈال کر کہاں لے گیا دوسرے دن کے اخباروں میں یہ خبر چھپی تھی۔ ایک نوجوان حسینہ کی برہنہ لاش برابر کے کھیت کی جھاڑیوں سے برآمد ہوئی اور پاس ہی اس کا عروسی کا جوڑا پھٹا ہوا ملا۔

یہ خبریں چاروں طرف پھیل گئی۔ للی مر گئی شدید صدمہ اور احساس۔۔۔۔ تجہیز و تکفین کے چند دن بعد دوسری دونوں لڑکیوں نے جو للی کے ساتھ ہی کمرے میں رہتی تھیں۔ وہ کمرہ چھوڑ دیا۔

— راتوں کو رونے کی آواز کپڑوں کی سرسراہٹ اور ہلکی ہلکی دردبھری ستار کی آواز کسی ذی روح کی موجودگی کا احساس انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھا۔

کہانی ختم ہوگئی تھی۔ بوڑھا سگار سلگا رہا تھا۔ شاید وہ چہرے کے تاثرات ہی پڑھ رہے ہوں گے۔ پھر بوڑھے نے کہا "تمہیں شاید یقین نہیں آیا۔؟ مگر لوگوں کو وہ اب بھی نظر آتی ہے!

سفید لباس، سر سے پاؤں تک جگمگاتی عروسی پوشاک۔ تاج پہنے اندھیرے میں یکایک نمودار ہوجاتی ہے اور یکایک ہی غائب ہوجاتی ہے"

شاید اس کمرے میں ایک رات بسر کرنے کے بعد مجھے اس کہانی پر یقین آجائے۔ میں نے سوچا رات ٹھہرنا چاہیے کیوں نہ یہ معمہ بھی حل ہو جائے تھوڑی سی ردوقدح کے بعد میں وہ کمرہ کرایہ پر لینے میں کامیاب ہو گیا۔

کمرہ بہت سادہ اور چھوٹا سا تھا صرف ایک طرف میز اور دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا سا پلنگ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

رات کافی گذر چکی تھی میں تھکا ہوا تھا۔ لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس لڑکی کے خیال نے جگانے پر مجبور کیا۔ رات کے آخری پہر ذرا سی غنودگی آنے لگی۔

وہ کسی ہاتھ کا ٹھنڈا لمس تھا۔ جس نے مجھے بیدار کیا۔ کوئی برف سے بھی زیادہ سرد ہاتھ آہستہ آہستہ میرے سر پر پھیرتا رہا۔ ہلکی ہلکی ستار کی دلسوز آواز جیسے کوئی اپنی غمناک کہانی موسیقی کے ذریعے سُنا رہا ہے آنے لگی، میں نے ہاتھ بڑھا کر گھبراتے ہوئے لائیٹ آن کر دی۔ کمرے میں کوئی نہ تھا مجھے اپنے وہم اور حماقت پر ہنسی آگئی میں بتی بجھا کر لیٹ گیا۔

آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ پھر کمرے میں وہی پاؤں کی چاپ۔ بتی جلائی تو کوئی نہ تھا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا رفتہ رفتہ ایک عجیب سا احساس روح پر چھانے لگا۔

جیسے کوئی اور بھی کمرے میں موجود ہو۔ یقین سا ہو رہا تھا کہ اگر بتی بجھا دوں گا تو اسے دیکھ لوں گا۔ میں نے بتی بجھا دی۔ چند سکینڈ گھُپ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر مجھے نظر آ ہی گیا۔

روشنی کا ایک چھوٹا سا نقطہ دروازے پر زمین سے کوئی تین فٹ اوپر حرکت کر رہا تھا اور اس میں سے ستار کے مدھر دلسوز گیت نکل رہے تھے اس میں ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ میں ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔

اس روشنی اور مدھر گیت کا احساس میرے سارے وجود پر چھاتا چلا جا رہا تھا۔ کوئی چیز میرے دل کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ ایک خواہش جڑ پکڑتی جا رہی تھی روشنی کے اس حصار اور مدھر نغمہ کو اپنے اندر جذب کر لوں۔ اس میں تحلیل ہو جاؤں۔۔۔۔ میں بستر سے اُٹھ گیا آگے بڑھا روشنی کے اِس

حصار کی جانب۔ نہ جانے وہ کون سی قوت تھی جو مجھے اپنے آپ میں لے آئی مجھے ہوش آیا۔ روشنی کے اس ہالہ سے چند ہی قدم کے فاصلے پر تھا کہ ڈر اور خوف میرے رگ رگ میں سرائیت کر گئے ٹھنڈے جسم اور جھنجھی کا احساس میرے پورے وجود پر چھا گیا۔ ہاتھوں اور پیروں میں حرکت کی سکت نہ رہی ۔ ۔ ۔

رنج و غم اور تنہائی کا ایک عجیب سا جان لیوا احساس، دل اور دماغ پر طاری ہو گیا۔ یوں لگا جیسے اس بھری دُنیا میں بالکل تنہا اور بے سہارا ہوں میرا کوئی بھی نہیں ۔ ۔ ۔ دِل سینے میں ڈوبنے لگا۔ بروقت اپنی تمام قوتوں کو جمع کر کے میں پیچھے کی طرف پلٹ پڑا ۔ ۔ ۔ خدا جانے کس طرح گرتا پڑتا بستر تک پہنچا۔ لائٹ جلائی پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ میں نے آنکھ بند کر لی۔

روشنی کا وہ دائرہ غائب ہو گیا۔ نقاہت اس قدر طاری تھی کہ بے سُدھ کتنی ہی دیر بستر پر پڑا رہا۔

اس واقعہ کو پیش آئے برسوں گذر چکے ہیں۔ اب سوچتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ رنج و اندوہ کا وہ احساس اس رات کس طرح میرے وجود پر چھا گیا تھا۔ شاید وہ بلّی کے دِل پر گذرے ہوئے صدمے کا ایک پرتو تھا۔

غزل

جناب جیمنی سرشار
(سونی پت)

تم نے ہمارے ساتھ تو جو کچھ کیا کیا
دشمن نے ساتھ مل کے کیا یہ بُرا کیا

آجاؤ ایک بار ہمارے کہے سے تم
ہم نے ہزار بار تمھارا کہا کیا

ایک اور بے وفائی کی بنیاد پڑ گئی
جب بھی کسی سے آپ نے عہدِ وفا کیا

تم خود ہی شرمسار جفا ہو تو کیا کریں
ہم نے کبھی کسی سے تمھارا گِلا کیا؟

خونِ جگر سے رنگ بھرا پھول پھول میں
ہم نے ہی اس چمن کو بہار آشنا کیا

ہم کیا ملے عدو کے لگی تن بدن میں آگ
کم بخت دیکھ دیکھ کے ہم کو جلا کیا

فرصت ملی کبھی تو بتا دیں گے آپ کو
ہم بیکسوں کے ساتھ زمانے نے کیا کیا

دشمن نے ہر ادا سے کو ناکام کر دیا
سرکار نے ہر کام بڑے کام کا کیا

دُنیا نے اس کی راہ میں کانٹے بچھا دیئے
پھولوں سے جس نے باغ کو آراستہ کیا

اچھا بُرا اُسی کے مطابق کہو اسے
جس نے جہاں میں کام جو اچھا بُرا کیا

حاصل ہوئی شعور کی دولت جو ملنے کو
دل کو تمھیں نے دردِ محبت عطا کیا

ہم بیکسوں نے عرش پہ پہنچا دیا تمھیں
تم نے ہمارے واسطے سر کا بھلا کیا

اُردو کی بے غرض خدمت اور پُر زور حمایت کرنے والے غیر مُسلم ادیب اور صحافی اُردو کیلئے کام کرنے والے اِداروں میں اِن کا کیا مقام ہے؟

(جناب وشوا ناتھ طاؤس)

قائدِ اعظم محمد علی جناح چاہے ہزاروں خوبیوں کے مالک تھے لیکن اُنہوں نے زندگی کی سب سے بڑی حماقت یہ کی اُردو کے سوال کو مسلمانوں اور پاکستان کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ جہاں وہ بانیٔ پاکستان کے نام سے ہمیشہ یاد کئے جائیں گے وہاں اُنہیں اُردو کے قاتلِ اعظم کے طور پر بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اُن کی ہی کرم فرمائی کی بدولت آج اُردو ہندوستان میں دم توڑ رہی ہے تو پاکستان میں سسک سسک کر جی رہی ہے۔ پچھلے پاکستان میں چار قومیتوں کا تصوّر اُبھر رہا ہے پنجاب میں پنجابی کو سرکاری زبان قرار دیئے جانے کا مطالبہ زور پکڑ رہا ہے، سندھ میں علاّمہ اقبال کے فوٹو پچھلے دنوں طلباء نے جلا ڈالے تھے، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں تو اُردو کے قدم کبھی بھی جم نہیں پائے تھے ان دونوں صُوبوں میں علاقائی زبانیں ہمیشہ اُردو پر حاوی رہی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے ہندوستانی مسلمانوں نے اُردو کے اس حشر سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا ہے ورنہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس زبان کی قبر کھودنے میں مصروف ہیں۔ "نشانِ ہند" کے مئی ۱۹۷۷ء کے اشاعتِ قطعات کے کالموں میں یہ بالکل درست لکھا گیا ہے کہ جہاں بھی مالی مفاد ہو مسلمان اُردو کو اپنی زبان سمجھتے ہیں اور جہاں اُردو کے لئے کوئی جھگڑا اُٹھ رہا ہو وہاں یہ چلانے لگتے ہیں کہ اُردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے۔ اُردو کے دعویدار یہ مسلمان کیا اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتائیں گے کہ اُردو کے لیے جان کی بازی لگا دینے والے اُردو صحافیوں اور رادیبوں کی کیا حوصلہ افزائی کی گئی اور گزشتہ تیس برسوں میں انجمن ترقی اُردو، اُردو اکاڈمیوں، ترقیٔ اُردو بورڈ یا دیگر اُردو اداروں میں اُنہیں کس قدر نمائندگی دی گئی یا اُنہیں کتنے اعزازات و انعامات سے نوازا گیا؟

تقسیمِ وطن کے فوراً بعد کے دور میں جب اُردو دُشمنی انتہا کو پہونچ چکی تھی اور اس زبان کا نام لینا گناہِ کبیرہ سے کم نہ تھا جس غیر مسلم نے اُردو کے حق میں سب سے پہلے آواز بلند کی وہ تھے جناب وِدیا رتن سرور تونسوی اپنے جریدہ "نشانِ ہند" میں اُنہوں نے پے در پے اُردو کی حمایت میں اداریے تحریر کئے اور دشمنانِ اُردو کی ریشہ دوانیوں کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا وہ اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کے معتوب و مغضوب ہوئے لیکن وہ اس مظلوم زبان کے حق میں لگاتار لکھتے رہے۔ اور نہایت [illegible] پامردی کے ساتھ اُردو کی بقا و حمایت کے لئے کوشاں رہے کیوں کہ اُن کا ہمیشہ [illegible] رہا ہے کہ اُردو ہندوستان کی زبان ہے اور اس پر ہندوؤں کا اتنا ہی حق ہے جتنا مسلمانوں کا ہے

اُردو کے لئے قلمی جہاد کرنے کے علاوہ عملی طور پر بھی اُنہوں نے اِس زبان کی بے شمار خدمات انجام دیں۔ زبردست مالی نقصان اُٹھا کر بھی اُنہوں نے "شانِ ہند" کو زندہ رکھا۔ اُردو کے کتنے ہی غیر معروف اُدبا و شعرا کو وہ منظرِ عام پر لائے۔ راجستھان کے گمنام مگر باصلاحیت اُردو شاعروں کو اُردو داں طبقے سے متعارف کرانے کے لئے اُنہوں نے لگاتار اپنے مجلّے کے اوراق وقف رکھے اور اُن کا یہ کارنامہ اُردو ادب کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا بشرطیکہ تاریخ گو کوئی غیر متعصب مصنف ہو۔ سرور تونسوی صاحب نے اُردو شاعروں کی کومنٹری لکھنے کی ایک نئی طرح ایجاد کی اور اس طرح اُردو شاعروں کو ملک کے طول و عرض میں مقبول بنایا۔ "شانِ ہند" کے پچھلے تیس ۳۰ سالوں کے فائل گواہ ہیں کہ اُس کے مدیر نے اُردو کی حمایت میں جس قدر لکھا ہے اور جتنے زور سے لکھا ہے اُس کی مثال "ہماری زبان" پیش نہیں کر سکتا۔ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر غیر جانبدار محبانِ اُردو (بھلے ہی وہ سب کے سب مسلمان ہوں) کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے اور وہ "ہماری زبان" اور "شانِ ہند" کے فائلوں کی اس نظریہ سے ورق گردانی کرے کہ کس نے اُردو کے لئے زیادہ جوش و خروش ظاہر کیا ہے اور کس کے دلائل میں زیادہ وزن ہے تو یقیناً ان کا فتویٰ "شانِ ہند" کے حق میں ہوگا۔ لیکن اُردو کے اس بے باک مجاہد اور بے لوث خادم کی انجمن ترقی اُردو یا اُردو کی دعویدار دیگر تنظیموں نے کیا عزت افزائی کی؟ اس سوال کا جواب ان تنظیموں کے اربابِ اختیار خود اپنے دل سے پوچھیں۔

آزادی کے ابتدائی چند سالوں میں جبکہ مشرقی پنجاب آگ اور خون کے دریا میں سے گزرنے کے باعث اندھی فرقہ پرستی کا بُری طرح سے شکار تھا اُردو کے نامور صحافی [illegible] نے جالندھر سے نکلنے والے اپنے ماہانہ رسالے "نئی صدی" میں اُردو کی حمایت میں پے در پے مضامین لکھے اور ہندوستان میں اِس زبان کی حیات و بقا کے لئے ٹھوس عملی تجاویز پیش کیں۔ راقم کے ایک خط کو اپنے اداریے کا موضوع بنا کر اُنہوں نے فدایانِ اُردو سے کتابوں کا ایک اشاعت گھر قائم کرنے اور اُردو ادیبوں کی مالی امداد کرنے کا پلان بھی پیش کیا۔ یہ پلان سرے نہ چڑھ سکا کیونکہ اُن دنوں نہ تو حکومت ہی اُردو کی سرپرستی کرنے کے لئے تیار تھی اور نہ پنجاب کے عوام اُردو کے حق میں کچھ سننے کے روادار تھے۔ رسالہ "نئی صدی" کچھ سال جاری رہ کر بند ہو گیا لیکن اس کے کالموں میں اُردو کے کاز کیلئے جو کچھ لکھا گیا وہ کبھی بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ نند لال [illegible] صاحب اب کئی برسوں سے روزنامہ "ملاپ" جالندھر سے وابستہ ہیں اور پنجاب کی ادبی سرگرمیوں سے متعلق ہر ہفتے اس میں ایک خاص فیچر لکھتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی سعیِ جمیلہ سے جب علیگڑھ میں انجمن ترقی اُردو کا از سرِ نو قیام عمل میں آیا تو [illegible] اس کے پہلے جنرل سیکریٹری قاضی عبدالغفار سے ایک خط کے ذریعے استدعا کی کہ انجمن کی مجلسِ عاملہ میں پنجاب کو مناسب نمائندگی دی جائے۔ اپنی طرف سے میں نے [illegible] صاحب کا نام تجویز کیا۔ قاضی عبدالغفار نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "نئی صدی" کے وہ شمارے اُنہیں بھجوا دیئے جائیں جن میں اُردو کے حق میں اداریے لکھے گئے ہیں۔ میں نے اُن کے ارشاد کی تعمیل کر دی لیکن اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا۔

شہسوارِ صحافت سردار دیوان سنگھ مفتون کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اُردو کے لئے نعرۂ حق بلند کرنے میں وہ پیش پیش رہے۔ اُن کا قلم اُردو کے موقف کی تائید کرنے کیلئے ہمیشہ حرکت میں رہا۔ اس بارے میں نہ اُنہوں نے کبھی اہلِ وطن کی ناراضگی کی پروا کی اور نہ

ارباب حکومت کے عتاب کی۔ ریاست کے کالموں میں انہوں نے اردو کے دشمنوں کو آڑے ہاتھوں لیا اور ہندی کے اندھے حمائیتوں کو للکارا۔ حکومت کے اردو شکن اقدامات ہوں یا آل انڈیا ریڈیو کی اردو دشمن پالیسی انہوں نے ہمیشہ اردو کے مخالفانہ جذبے کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ اخبار "ریاست" فرقہ پرستی کا سب سے بڑا دشمن اور قوم پرستی کا سب سے بڑا حامی رہا۔ اردو صحافت کے تئیں سردار دیوان سنگھ مفتون کی خدمات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا انہوں نے "ناقابل فراموش" جیسی عظیم کتاب لکھی اردو ادب میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔

انجمن ترقی اردو کے ترجمان "ہماری زبان" نے حال ہی میں مرحوم ان شا اختر کی یاد میں ایک خصوصی نمبر شائع کیا ہے لیکن کیا اس نے آنجہانی سردار دیوان سنگھ مفتون کی یاد میں بھی کوئی نمبر چھاپا ہے یا کوئی کتاب شائع کی ہے ؟

مسٹر جمنا داس اختر لاہور میں شری ویریندر کے روزنامہ اخبار "جے ہند" کے ادارہ کے ایک سینئر رکن تھے۔ ملک کے بٹوارے کے بعد ہجرت کر کے دلی آئے تو لالہ دیش بندھو گپتا کے اخبار "تیج" کے مدیر ہو گئے "تیج" چونکہ ایک قوم پرست روزنامہ ہے اس لئے اختر صاحب نے دل کھول کر اس میں اردو کی حمایت میں آواز بلند کی اور اردو کے مخالفین کو منہ توڑ جواب دیئے۔ ایک ہندو روزنامہ کا لگاتار اردو کے حق میں لکھنا کچھ فرقہ پرست ہندوؤں اور آریہ سماج کے ایک طبقے کو ناگوار گذرا لیکن اختر صاحب نے بھی عناصر کی پرواہ نہیں کی "تیج" سے الگ ہونے کے بعد اختر صاحب نے "سویرا" جاری کیا جو اب بھی باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور جس نے اردو کی خدمت کو اپنا مسلک بنا رکھا ہے۔

مسٹر جمنا داس اختر کچھ عرصہ پہلے تک آل انڈیا اردو ایڈیٹرز کانفرنس کے جنرل سکریٹری تھے اور آج کل اس کے صدر ہیں لیکن اس تنظیم میں انہیں فرقہ پرست عناصر کا ہمیشہ ہی سامنا کرنا پڑا ہے۔ مقام شکر ہے کہ آل انڈیا اردو ایڈیٹرز کانفرنس میں قوم پرست اراکین کا غلبہ ہے اور اختر صاحب کا اپنا ذاتی اثر و رسوخ بے پناہ ہے۔ نہ ان کے تجربے کو چیلنج کیا جاسکتا ہے اور نہ قابلیت کو حقیقت تو یہ ہے کہ ان جیسا سلجھا ہوا کوئی دوسرا اردو صحافی اس ملک میں موجود نہیں ہے۔ اپنی مسلسل کوششوں سے انہوں نے اردو ایڈیٹروں کی اس جماعت کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے اور اس کے نام کو چار چاند لگا دیئے ہیں ورنہ شاید جناب حیات اللہ انصاری کا حامی گروپ انہیں کبھی آگے آنے نہیں دیتا۔

کون اردو دوست ہوگا جو سردار صاحب ماسٹر جگت سنگھ کے نام نامی سے واقف نہیں ہوگا نصف سے زائد صدی تک وہ رسالہ "رہنمائے تعلیم" کے ذریعے اردو دنیا کی خدمت انجام دیتے رہے ملک کے بٹوارے کے بعد جب وہ لاہور سے دلی منتقل ہوئے تب بھی صدق دل کے ساتھ اردو کے کاز کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ ادبی کساد بازاری کے اس دور میں ایک خالص تعلیمی رسالے کو روایتی اعلیٰ معیار کے ساتھ شائع کرتے رہنا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن زبردست مالی نقصان اٹھا کر بھی انہوں نے اسے جاری رکھا۔ اور یہ اب بھی ان کے فرزند ارجمند سردار برجبن سنگھ کی نگرانی میں چھپ رہا ہے۔ سردار صاحب ماسٹر جگت سنگھ اردو کی خدمت کرتے کرتے ختم ہو گئے لیکن آج رسالہ "رہنمائے تعلیم" کے علاوہ ہمیں ان کی کوئی اور یادگار نظر نہیں آتی

سردار جنگ بہادر سنگھ ایڈیٹر ہفت روزہ "شیر پنجاب" اور بیسویں صدی کے جناب خوشتر گرامی

کے ذکر کے بغیر یہ مضمون ادھورا رہے گا۔ سردار جنگ بہادر سنگھ نے بھی ہمیشہ اُردو کے عَلم کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھامے رکھا ہے اور اپنے اخبار کے صفحات اُردو کی حمایت کے لیے وقف رکھے ہیں ان کا نظریہ ہے کہ اُردو کی حمایت کے لئے غیر مسلموں کو صفِ اول میں رہنا چاہیئے تاکہ حکمرانوں کے دماغ سے یہ بات نکالی جاسکے کہ اُردو محض مسلمانوں کی زبان ہے۔ اُردو زبان کے تئیں جناب خوشتر گرامی کی خدمات کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے۔ ان کا رسالہ "بیسویں صدی" اُردو کے اُن قدیم رسالوں میں سے ایک ہے جو نصف صدی سے بھی زائد عرصہ سے متواتر نکال رہے ہیں اور جو ہمیشہ ہی عوام میں مقبول اور ہر دلعزیز رہے ہیں۔ خوشتر صاحب اُردو کے حق میں لکھتے یا بولتے ہوئے کبھی کسی سے نہیں ڈرتے۔ ایک میٹنگ میں انہوں نے مرکزی وزیر انفارمیشن و براڈکاسٹنگ مسٹر ودیا چرن شکل کے منہ پر یہ کہدیا تھا کہ اُن کی حکومت اُردو کے ساتھ فراڈ کر رہی ہے اور اُردو کے سلسلے میں ہمیں محض طفل تسلیوں سے بہلایا جا رہا ہے۔

اُردو سے محبت کرنے والے اور اس کی خدمت کرنے والے بے شمار ادیب اور صحافی ہیں۔ میں نے اس مضمون میں صرف ان کا ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ جنہوں نے بلاخوف وخطر اس زبان کی حمایت کی اور ہر طرح کے نتائج سے بے نیاز ہو کر اس کے حق میں آواز اٹھائی۔ میں انجمن ترقی اُردو اور اُردو کے لیے کام کرنے والے سرکاری، نیم سرکاری و غیر سرکاری اداروں سے پوچھتا ہوں کہ انہوں نے اُن مجاہدین اُردو کیلئے کیا کیا؟ اُردو کے لئے کام کرنے والے ان اداروں میں اُردو کے اُن بے غرض خادموں کا کیا درجہ اور مقام ہے؟

لہ اب بیسویں صدی خوشتر صاحب نے فروخت کردیا ہے۔ (ادارہ)

غزل

حضرت فیاض گوالیاری

جلوے جب اُن کے نور کے سانچے میں ڈھل گئے
ہم بڑھ کے روشنی سے بھی آگے نکل گئے

جو وقت کو نہ جھیل سکے، وہ کنول مرگئے
اُف ری تپش گلے گلے پانی میں جل گئے

اب اس جگہ بنے کوئی اونچی سی یادگار!
کچھ جو تیر لبوں سے کھنچے ہی پیچھے مچل گئے

آنے دو آ رہا ہے جو خاموش انقلاب
دُنیا بدل رہی ہے، زمانے بدل گئے

سوتا نہ زندگی کا کبھی ختم ہو سکا!
ہر سانس نئے حیات کے چشمے اُبل گئے

جھٹکا سے آدمی کی بھلا کائنات کیا
آکاش باسیوں کے مگر دل دہل گئے

کروٹ کا کس کو ہوش تھا خوابِ شباب میں
جھونکے صبا کے آئے تو کروٹ بدل گئے

دُنیا رباب شوق لیے ناچتی رہی!
سورج سے دیوتا کو اندھیرے نگل گئے

فیاض جب بھی آگئی شاہنشہی کی شان!
جمہوریت کے تاج سروں سے اچھل گئے

ہیضہ (کالرا)

ڈاکٹر سلیم
بریلی

"جولائی کا مہینہ شروع ہو رہا ہے اور ان دنوں میں عام طور سے لوگوں کو ہیضہ ہوتے دیکھا گیا ہے لہٰذا ضروری سمجھا کہ اس وقت مجھے اپنی تحریر کا موضوع "ہیضہ" کو بنانا چاہئے لہٰذا اس ماہ میں آپ حضرات سے "ہیضہ" پر گفتگو کروں گا۔"

آیورویدک اصولوں کے مطابق [illegible] وقت کے تقاضہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جانوروں کی طرح زیادہ کھانا کھاتے ہیں انہیں بدہضمی ہو کر ہیضہ ہو جاتا ہے اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ برسات کے دنوں میں زیادہ گرمی بڑھنے پر ہی ہیضہ ہوتا ہے اور یہ سبب ہے کہ زیادہ گرمی بڑھنے کی وجہ سے تھوڑا کھانا بھی صحیح ڈھنگ سے ہضم نہیں ہو پاتا اور بدہضمی ہو جاتی ہے۔

یہ تین ڈھنگ سے ہوتا ہے۔

۱۔ جرائیمک ہیضہ (۲) معمولی ہیضہ (۳) سوکھا یا خشک ہیضہ جسے آیوروید میں "السک" اور ڈاکٹری میں [illegible] کہتے ہیں۔

۱۔ جرائیمک ہیضہ۔ یہ نہایت ہی خطرناک ہوتا ہے اس میں اکثر ۵۔۶ گھنٹہ میں ہی مریض دنیا کو چھوڑ جاتا ہے اس میں قے اور دست کے لیے مریض کو زور نہیں لگانا پڑتا بغیر ضرورت و تکلیف کے قے دست ہوتے ہیں۔ جسم کی گرمی ایک دم کم ہو جاتی ہے دو ایک دست اور قے ہونے سے ہی مریض بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔ اس طرح کا ہیضہ عموماً بارشات کے تیسرے حصے میں ہوتا ہے

۲۔ معمولی ہیضہ۔ اس میں جرائیمک ہیضہ کے برخلاف بہت قے دست ہونے پر بھی مریض کمزور نہیں ہوتا قے اور دست ہونے کے وقت زور لگانا پڑتا ہے۔ چاول کے دھوون جیسا دست ہوتا ہے اور دست کے ساتھ یا دست جانے کے بعد ہی قے آنے کا ہونا دونوں طرح کے ہیضہ میں پایا جاتا ہے۔

۳۔ انبذ ہیضہ۔ اس میں قے اور دست نہیں ہوتے باقی ہیضہ کے تمام ہی اشارے پائے جاتے ہیں مثلاً پیٹ میں سخت درد، پیشاب نہ ہونا، کمزوری، پیاس، ہاتھ پیر میں اینٹھن، پیٹ پھولنا وغیرہ یہ بھی جرائیمک ہیضہ کی طرح خطرناک ہوتا ہے۔

علاج۔

ہیضہ میں قے و دست ہونے کی وجہ سے جسم سے پانی کا حصہ خارج ہو جاتا ہے اور جسم میں پانی کم ہونے کی وجہ سے خون بہت گاڑھا ہو جاتا ہے۔ خون گاڑھا ہونے سے جسم میں خون کا دوران کم ہونے لگتا ہے۔ نتیجہ میں جسم کی گرمی ختم ہو کر مریض ملکِ عدم سدھار جاتا ہے۔ لہٰذا ہیضہ کا سب سے اچھا اور پہلا علاج یہی ہے کہ خون کو پھر سے پتلا کیا جائے، خون پتلا کرنے کے لیے ہاتھ کی نس کے ذریعے خون میں نمک جل ملا کر خون کو پتلا کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ مریض کو جلد ہی کسی قریب کے ہسپتال لے جایا جائے جس سے ٹھیک وقت پر صحیح علاج ہو سکے۔

ہیضہ کے مریض کے لیے ضروری ہے کہ اس کے جسم کا زہر باہر نکالا جائے چونکہ جب تک زہر باہر نہیں نکلتا اس وقت تک زہر کا بننا بھی بند نہیں ہوتا۔ لہٰذا ابتدا ہیضہ میں قے اور دست کرانے والی دواؤں کا استعمال کرنا چاہئے۔ اس کے لئے آیوروید میں اچھا بید [illegible] دس کا [illegible] ال اچھا ہے۔ ساتھ ہی ایک پاؤ گرم پانی میں آدھا تنک نمک ڈال کر پلا دینے سے بھی قے اور دست ہو کر مریض ٹھیک ہونے لگتا ہے اور مریض کو سکون محسوس ہوتا ہے نیچے لکھی آیورویدک دوائیں ہیضہ میں بہت اچھا کام کرتی ہیں۔

۱۔ عرق کپور :۔ ۵ تا ۳۰ بوند شکر میں ملا کر ضرورت کے مطابق ۵ ۔ ۵ منٹ سے لے کر ۱/۲ گھنٹے کے فرق سے دیا جا سکتا ہے ۔ اس کے استعمال کے فوراً بعد پانی کا استعمال منع ہے ۔

۲۔ امرت دھارا :۔ ۵ تا ۱۰ بوند شکر یا بتاشہ کے ساتھ کھلائیں ۔

۳۔ پیاز کا رس ۵ ۲ گرام سے ۷۰ گرام تک پلانے سے ہیضہ میں بہت اچھا فائدہ ہوتا ہے ۔

۴۔ اپا مارگ :۔ (چرچری) کی جڑ کو پانی میں اُبال کر پلانے سے ہیضہ ٹھیک ہو جاتا ہے ۔

۵ ۔ ۵ لال مرچ کو پانی کے ساتھ خوب باریک پیس کر ۷ بتاشے ملا کر پلانے سے بہت فائدہ ہوتا ہے

۶ ۔ اس کے علاوہ بید ناتھ کا اجیرڈ کننک رس اچھا علاج ہے ۔

اگلے شمارہ میں عرق کپور و امرت دھارا بنانے کا طریقہ تحریر کیا جائے گا

ایلوپیتھک علاج :۔

اگر بند ہیضہ ہے تو دو بڑ بوتلس اسٹرانگ کے ساتھ ایک پاؤ گرم پانی میں ۱/۲ چھٹانک نمک ڈال کر پلائیں جس سے قے دست ہو کر زہر باہر نکل جائے اور مریض کو سکون ہو۔ اگر بند ہیضہ نہ ہو تو سلفا گوناڈین ۲ گولیاں اسٹریپٹو میسن کیپسول ۱۔۱ ۔ ۴ گھنٹے کے وقفہ سے دیں ساتھ ہی کولین مکسچر کا استعمال رکھیں اسکے علاوہ ایلکٹرال پاؤڈر تھوڑی تھوڑی دیر سے پانی میں گھول گھول کر پلائیں

پرہیز :۔ جب تک مریض کو پوری طرح سکون نہ ہو جائے اس وقت تک اسے کھانے کو کچھ نہ دیا جائے سوائے برف یا پانی کے کچھ سکون ملنے پر بھی نیبو اور مصری کا شربت، پھلوں کا رس، دودھ دہی کی برف ملی لسّی، مٹھا، پھٹے دودھ کا نیبو پڑا پانی، سابو دانہ وغیرہ، دال روٹی سبزی وغیرہ کو ۴ ۔ ۶ دن نہ دیا جائے تو بہتر ہے اگلے شمارے میں تو اسہر کے ... اقسام کی جانے کا ...

غزل

ساجد رئیس وارثی
ایڈووکیٹ ۔ شاہجہاں پور

مچی ہے شہر میں ہل چل یہاں سے بھاگ چلو
قدم قدم پہ ہے مقتل یہاں سے بھاگ چلو

یہ کہہ رہا ہے اک اک پل یہاں سے بھاگ چلو
جو دیکھنا ہو تمہیں کل یہاں سے بھاگ چلو

نہ کھینچ لے کوئی آنچل یہاں سے بھاگ چلو
یہاں کے لوگ ہیں پاگل یہاں سے بھاگ چلو

خود اپنے بوجھ سے دن رات دھنس رہے ہیں لوگ
یہ شہر ہے کہ ہے دلدل یہاں سے بھاگ چلو

ہے ذہن میں اُسی آواز کا گزر اب تک
یہ کہہ رہا تھا کوئی کل یہاں سے بھاگ چلو

یہاں تو سانس کا لینا بھی ہو گیا دوبھر
خدا کے واسطے اک پل یہاں سے بھاگ چلو

ہر اک صدا سے اُبھرتا ہے خوف کا سایا
کہے ہے کوئی مسلسل یہاں سے بھاگ چلو

بلائیں شہر کی مصروف ہیں تعاقب میں
یہاں سے پاس ہے جنگل یہاں سے بھاگ چلو

نہ جانے کون یہ کہتا پھرے ہے گلیوں میں
بجا کے رات کو سانکل یہاں سے بھاگ چلو

بہت گزار لیے زندگی کے دن ساجد
کسی بہانے سے بس کل یہاں سے بھاگ چلو

مثنوی بہارِ مالوہ

وانِکؔ الہ آبادی

مالوے کے پہاڑ، دریا، اور جنگل

یہاں "ست پڑا" کا ہے نامی جبل
فلک بوس و سر سبز پیارا اٹل!

یہاں بہتی ہے "چھپرا" نامی ندی
جو اس مالوے کی ہے عظمت بڑی!

اسے "نربدا" بخشتی ہے تو آب
بناتی ہے جو مالوا پُر شباب!

ہے "چمبل" بھی گو دخترِ "ست پڑا"
ہے بے فیض اس سے مگر مالوا!

مالوے کی آب و ہوا

ملاقہ ہے یہ سیکڑوں میل کا
ہے یکساں مگر اس کی آب و ہوا!

نہ لو و لُوؤں کا ہے مالوے میں گزر
نہ گرمی سے ہوتے ہیں حیراں بشر!

ہے بس موسمِ گل ہی اس پر نثار
یہاں پر نہ اُڑتا ہے گرد و غبار!

کسی کو بھی سوزِ رخ جلاتا نہیں
پسینہ کسی کو بھی آتا نہیں!

یہاں صبح کا ذب سے بیکر خمار
مچلتی ہے بارہ ۱۲ مہینے بہار!

ہے یہ مالوی صبح کا ماحصل
کہ صبحِ بنارس ہے اس سے خجل

جیسے مالوی شام کی ہے تمیز
کہے گا وہ شامِ اودھ کو کنیز

یہاں بند کمروں میں سو کر عوام
شبِ مالوی مے کے پیتے ہیں جام

مالوے کے مخصوص شہر

ہیں "اُجین" "اندور" ہی دو نگر
جو کُل مالوے کے ہیں دل اور جگر

نگر اس کے "رتلام" اور "جاورا"
ہیں مغرب میں دو مالوی ہم نوا

جنوبی ہے اک "دھار" کا بھی نگر
ہے جس پر کہ کُل مالوے کا اثر!

ہے اک مشرقی شہر "دیوس" کا
جہاں جلوۂ مالوا ہے بچھا!

نگر "گوالیر"، "شیوپوری" "مندسور"
جہاں مالوی مے کے چلتے ہیں دور

"مہدپور"، "مہیشور" در آغوش ہیں!
مئے مالوا کے جو مے نوش ہیں!

ہے "مانڈو" بھی اک حصۂ مالوا!
ہے سنگیت کا جس میں جوہر چھپا

"تسناود" "دھرگون" اور "منڈلیسر"کا
ہے کُل مالوا بس انہیں سے جڑا

صفت اِن کی آگے کروں گا بیاں
کہ ہے وصف میں کون اپنے کہاں

★

ٹیلیفون نمبر ۲۷۸۸۸۰ رجسٹرار آف نیوز پیپرز آف انڈیا کا رجسٹریشن نمبر ۲۷/[illegible] رجسٹرڈ نمبر ڈی [illegible]

ایڈیٹر
سرور
تونسوی

ماہنامہ

شانِ ہند

نئی دہلی

قیمت سالانہ
بارہ روپے
فی پرچہ
ایک روپیہ

جلد نمبر ۲۸ | اگست ۱۹۷۷ء | شمارہ نمبر [illegible]

۱۵ـ اگست

ہندوستان کا یہ ۳۰ واں یومِ آزادی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان نے اپنی ہی حکومت کانگریس کے ہاتھوں جمہوریت کی تمام قدریں کھونے کے بعد عملی طور پر انہیں دوبارہ پایا ہے اور ایک شخصی حکومت سے نجات پائی ہے۔ اور اب جنتا پارٹی حکومت نے ہندوستانی عوام کو پھر سے جملہ جمہوری حقوق واپس دیکر صحیح معنوں میں ایک قومی حکومت کا دَور شروع کیا ہے۔ دوسرے معنوں میں اب کی بار ۱۵ اگست جہاں ہمیں انگریزی حکومت سے آزادی ملنے کی یاد دِلاتا ہے وہاں کانگریس کی جمہوریت سوز، عوام دشمن اور شخصی حکومت کے خاتمے کا بھی مبارک قومی تہوار ہے۔

آئیے

ہم سب آج یہ عہد کریں کہ ہندوستان میں جمہوری قدریں قائم رکھیں گے۔ کسی شخصی حکومت کو برسرِ اقتدار نہ آنے دیں گے۔ اور اپنے مُلک کو داخلی و خارجی ہر خطرے سے محفوظ رکھیں گے۔ اور ہر ہندوستانی بلا تفریق مذہب و ملت ہندوستان کا وفادار رہے گا۔

ودیا پرکاش [illegible] شیخ منظور [illegible] جامع مسجد دہلی [illegible]
شانِ ہند فلیٹ ۵ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع کیا

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو

ادارہ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزیّن چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔　　قیمت: دس روپے

(مستقل خریداروں کے لیے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک)

مرتبین:- **سرورؔ تونسوی　،　عزیزؔ اندوری**

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی مُلک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر "جشنِ سحر نمبر" ملک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا اس لیے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت مندی کا مظہر ہے۔

اُجرتِ اشتہار:- عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپے نصف ۱۵۰ روپے سرورق اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپے سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے۔

مزید تفصیلات کے لیے لکھیے

ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۸۷۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج، نئی دہلی ۲

افکار و واقعات

گویا متشاعر شادی کرنے چلا

یو پی کا ایک متشاعر جو صرف اچھا گا سکتا ہے اور جو موسیقی پسند منتظمین، سامعین اور مشاعروں میں بھجوانے والے مداحوں کے باعث اپنے سارقِ اشعار ہونے یا اپنے بزرگوں کا عطا کردہ کلام مشاعروں میں سنانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا پچھلے دنوں ایک خوبصورت اور کم عمر شاعرہ کو اپنے جال میں پھانسنے میں یہاں تک کامیاب ہوا کہ یہ متشاعر اس شاعرہ کا اٹیچی کیس اٹھائے اٹھائے اکثر بیشتر مشاعروں میں نظر آنے لگا اور متشاعر نے ہر جگہ یہ مشہور کر دیا کہ یہ شاعرہ ان کی منگیتر ہے اور بہت جلد شادی ہونے والی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ہوائی شاعری کا یہ جوڑا بریلی کی ایک خانقاہی تقریب میں شامل ہوا اور اس شاعرہ پر ایک مجسٹریٹ صاحب جی جان سے فریفتہ ہو گئے۔ مجسٹریٹ صاحب نے اس مفروضہ جوڑے کے ہوٹل میں پولیس بھجوائی اور اس متشاعر پر یہ جھوٹا الزام لگایا گیا کہ وہ اس خوبصورت اور کم عمر لڑکی کو لکھنؤ سے اغوا کرکے لایا ہے کیونکہ ہوٹل کے رجسٹر میں ان لوگوں نے اپنی آمد کا اندراج لکھنؤ لکھا تھا حالانکہ یہ دونوں لکھنؤ کے رہنے والے نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بریلی کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (کلکٹر) پولیس کے افسرِ اعلیٰ اور ہوٹل مالک نے مجسٹریٹ صاحب کی آتشِ عشق کو کسی طرح ٹھنڈا کیا اور یہ ہوائی شاعری کا جوڑا اُلٹے پاؤں بریلی سے بھاگ گیا۔

متشاعر نے اپنی مفروضہ شہرت و عزت، خاندان کے شجرے کے ڈانڈے بزرگانِ اسلام سے ملانے اور بے شمار دولت کمانے کے سبز باغ دکھانے کے بعد کسی حد تک لڑکی کو شادی کے لئے اس شرط پر راضی کر لیا کہ وہ کچھ دن ان کے گھر میں رہ کر حالات کا جائزہ لے گی کہ آیا وہ شادی کے بعد وہاں گزر بھی کر سکے گی یا نہیں چنانچہ یہ متشاعر خوشی خوشی اس لڑکی کو اپنے گھر لے گیا کیونکہ وہاں اس نے پہلے ہی یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان بھر میں یہ خوبصورت شاعرہ دل و جان سے اس پر مرتی ہے اور وہ اس سے شادی کر رہی ہے۔ اس شاعرہ یا مفروضہ منگیتر کا کہنا ہے کہ ابھی ان حضرت کے یہاں قیام کئے دو ہی دن ہوئے تھے کہ ان کی رشتہ کی دو بہنوں نے اسے اصلی صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ تمہارے ہونے والے میاں تو خود اپنے چاہنے والوں کے منظورِ نظر رہ چکے ہیں وہ تم سے کیا شادی کریں گے۔ اور جو لڑکا ان مراحل سے گزر چکا ہو وہ انتہائی درجے کا بے غیرت، بے شرم، بد اخلاق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بدترین نام نہاد شوہر ہونے کے ناطے اپنی بیوی کی عزت کو بھی اپنے آرام و آسائش اور حصولِ زر کے لیے قربان کر دیتا ہے۔

اس خوبصورت شاعرہ پر اپنے مفروضہ منگیتر کے رازہائے درونِ پردہ کا انکشاف ہو ہی رہا تھا کہ اس متشاعر نے یہ تجویز اپنی مفروضہ منگیتر کے سامنے رکھی کہ بمبئی کے بڑے بڑے لوگ اور فلمی دنیا کی تمام سرکردہ ہستیاں دل و جان سے مجھ پر اور میری شاعری پر [illegible] فدا ہیں اور وہ میرا جشن بمبئی میں منانا چاہتے ہیں کہا تم میرے ساتھ بمبئی چلو اور جشن...... کے لیے جو سووینیر شائع کیا جائے گا اس کے لیے تم ان چھوٹے بڑے لوگوں سے بھاری بھر کم رقوم کے اشتہار فراہم کرو۔ اس طرح سے ہم چند ہی دنوں میں بہت جلدی [illegible] بنا لیں گے۔

مگر یہ لڑکی جس کی رگوں میں پٹھان ماں باپ کا خون دوڑ رہا تھا اور جس کے ماں باپ کو اپنی [illegible] ہے۔ اس متشاعر کی اس اسکیم کو سنتے ہی بھڑک اٹھی اور [illegible]

سیرے شوہر بننا چاہتے ہو یا مجبور ہے۔ اور اس کے بعد اس لڑکی نے جو اس متشاعر کی چہیلی ہے اسے نقد۔ تالی ہیں کہ جس کے معنی فرہنگ آصفیہ میں بھی شاید نہ ہوں۔ اس متشاعر کے گھر میں سب رشتہ داروں کے سامنے یہ ڈرامہ ہونے کے بعد لڑکی دہلی چلی آئی تو یہ مجنوں ۱۹۷۶ء دلی آپہنچے جس کی رُوداد اس لڑکی کی زبانی شانِ ہند کی اشاعت آئندہ میں پڑھیں گے۔

معنوی بیٹیوں سے شادیاں

اُستاد اور شاگرد کا رشتہ معنوی طور پر باپ اور اولاد کا رشتہ ہوتا ہے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ بعض عمر رسیدہ اساتذہ نے اپنی بیٹیوں کی ہم عمر طالبات سے شادیاں کرلی ہیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی، علی گڑھ یونیورسٹی اور ایک اور یونیورسٹی کے مشہور اساتذہ نے اپنی طالبات یعنی معنوی بیٹیوں سے شادی کرکے اس پاک رشتہ کے تقدس کو جو ضرب لگائی ہے وہ یقیناً قابلِ افسوس ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ اساتذہ اپنی ان بیٹی نما دلہنوں کو بڑے فخر کے ساتھ سوشل تقریبات میں لیے پھرتے ہیں اور اپنے احباب سے ان کا تعارف کراتے وقت اپنی اس صفت کا اظہار کرتے ہوئے ندامت محسوس نہیں کرتے کہ انہوں نے اپنی طالبۂ علم کو ورغلا کر شادی کی ہے۔

کیا زمانہ آگیا ہے کہ وہ استاد جو گُرو کا درجہ رکھتے ہیں اور جو زیرِ تعلیم طلبا اور طالبات کو اپنی حقیقی اولاد کی طرح سمجھتے تھے وہ اب اپنی طالبات سے عشق کرتے ہیں اور بعض تو عشق کے تمام منازل طے کرنے کے بعد شادیاں رچا لیتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ وزارتِ تعلیم اس قسم کے بدچلن اساتذہ کو اس پاک اور مقدس پیشے سے نکالنے کا کوئی قانون بنائے تاکہ ازل سے اس مقدس پیشے کا جو تقدس چلا آرہا ہے اسے مزید ضرب نہ لگے۔

محکمہ ریڈیو اور پریس انفارمیشن بیورو کی دوست نوازی

حکومتِ ہند کے محکمہ پریس انفارمیشن بیورو نے ایک پریس نوٹ "نس بندی اور اس کے مسائل" عنوان سے اخبارات میں اشاعت کے لئے بھجوایا ہے۔ جس کے نیچے بشکریہ "آل انڈیا ریڈیو اردو نیوز" لکھا ہوا ہے۔ یعنی یہ پریس نوٹ کوئی ایسی تقریر ہے جو اردو نیوز سروس آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو چکی ہے۔

اس پریس نوٹ کو شروع سے آخر تک کئی مرتبہ پڑھا یہ جاننے کے لئے کہ ہمارے آل انڈیا ریڈیو کی اُردو نیوز سروس کو اس تقریر میں کونسی وہ نئی دریافت معلوم ہوئی جو اسے اس نیوز سروس میں نشر کیا گیا جو کہ پڑوسی ممالک کے اُردو داں حضرات کے لئے ہی جاری کی گئی ہے۔ اور محکمہ پریس انفارمیشن بیورو کے ذمہ دار ارکان کی سوجھ بوجھ کی داد دینے کے لئے بھی ہم نے کئی جواز ڈھونڈے کہ آخر کار اس تقریر میں کونسی ایسی انوکھی بات تھی جسے اس نے پریس ریلیز کے طور پر سب اُردو اخبارات کو بھجوایا۔ مگر ہم صرف اسی نتیجے پر پہنچے کہ اس تقریر کے لکھنے اور نشر کرنے والے کو آل انڈیا ریڈیو نے الگ معاوضہ دیا اور پریس انفارمیشن بیورو نے اگر نقد معاوضہ نہ دیا ہو تو کم از کم تقریر لکھنے والے کا ذاتی پروپیگنڈا تو کیا۔ ویسے جہاں تک ہمارا خیال ہے اس محکمہ نے بھی اس کا کچھ نقد معاوضہ دیا ہوگا۔ کیا محکمہ ریڈیو اور محکمہ پریس انفارمیشن بیورو کے ذمہ دار ارکان اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ اس قسم کی فرسودہ تقریریں نشر کرانے اور اُسے پریس ریلیز کے طور پر جاری کرنے میں عوام کا روپیہ ضائع نہیں کیا جا رہا۔ کیا ان دونوں محکموں کے ذمہ دار حضرات نے یہ بھی یقین کر لیا تھا کہ تقریر کرنے والے صاحب خود بھی شراب نوشی سے کوسوں دُور ہیں یا خود را میاں فضیحت و دیگراں را نصیحت پر عمل پیرا ہیں۔ ایڈوانی صاحب محکمہ ریڈیو اور دُوردرشن میں انقلاب لانے کے ہزار دعوے کرتے رہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ اس محکمہ میں کسی بھی مستحق اور موزوں دانشور کا داخلہ ممنوع ہے اور یار لوگوں نے اپنی من مانیاں کر رکھی ہیں۔ اگر ایڈوانی صاحب کو سچی باتیں سننے کی عادت ہو تو وہ ایڈیٹر شانِ ہند کو کسی روز بلائیں اور اس محکمے کی کارستانیوں کی داستان سُنیں تاکہ اُنہیں معلوم ہو سکے کہ اس محکمے کے سُدھار کے لئے انہیں کس قدر محنت اور کوشش کرنی ہوگی۔

کہانی کی کہانی

ہرچرن چاولہ
اوسلو (ناروے)

ہر کہانی کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے جیسے چاندی اور سونے کے ورق لگی مٹھائی کے تھالوں کے پیچھے، اپنی اندھیری دکانوں میں بیٹھے حلوائی کے آٹے، شیرے، میدے اور تیل یا گھی میں سنے میلے کچیلے ہاتھ ہوتے ہیں اور مکھیوں اور بھڑوں سے بھرے برتن ہوتے ہیں اور......

سردار بھا نثری سنگھ کی کہانی یہ ہے کہ اُسے مجھ سے عشق کی حدوں تک پیار تھا کیونکہ تب سردار کے ساتھ اس کے تین توڑ پھوڑ کرتے والے بچے اور ایک بیوی تھی مگر مکان نہیں تھا۔ مکان چونکہ میرے پاس تھا اس لیے سردار کا عشق مجھ سے زیادہ تھا اسے اور اس کی بیوی کو میرے بغیر نیند ہی نہیں آتی تھی مگر اسے جونہی مکان مل گیا وہ گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو گیا وہ مجھ سے روز کہتا تھا بھائی جی اور۔ کبھی مجھ پہ بھی کہانی لکھو۔ اب جبکہ تمام کہانی ختم ہو گئی تو میں کیا لکھوں۔ چلو چھوڑو اُسے گولی مارو۔ آپ کو بھا نثری کی کہانی میں مزہ نہیں آ رہا تو میں کون سا خوش ہو رہا ہوں اسے یاد کر کے۔ یقین مانیے میری اس سے کوئی خوبصورت یاد وابستہ نہیں۔

ہر کہانی کار کی اپنی بھی ایک کہانی ہوتی ہے۔ دیکھیے میں چودہ ملک گھوما ہوں لیکن جھوٹ نہیں بولوں گا میرے چودہ طبق ابھی تک روشن نہیں ہوئے۔ لندن، پیرس، [illegible] اسکو، برسلز، ایمسٹرڈیم، [illegible]، اوسلو، [illegible] کوپن ہیگن، بغداد، بیروت مجھے تو سب ہی شہر اچھے لگے تھے کیونکہ ہر شہر نے میرے ساتھ کوئی نہ کوئی کھیل کھیلا تھا۔ اب میں ان ذکروں کو لے بیٹھوں تو وہ کہانی کہاں رہ جائے گی وہ تو سفرنامے بن جائیں گے ایسی ہے......

یہاں میرے کمرے میں شیوجی مہاراج، ہنومان اور کرشن بھگوان کی تصویریں لگی ہیں۔ ہاں وہی جن کے سامنے شیلف میں اگربتی کا سٹینڈ پڑا ہے۔ پہلے میرے ڈرائنگ روم کے ایک شیلف پر تھیں مگر ڈرائنگ روم تو ایک کامن روم قسم کی چیز ہے۔ وہاں میرے کئی واقف انہیں دیکھ کر مجھ سے پوچھ بیٹھتے تھے کہ کیا میں بت پرست ہوں اب بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات تھی۔ مورتیوں کے سامنے جلتی ہوئی اگربتی یا جل کر ختم ہوئی اگربتی، اور میرا نام چیخ نہیں کہتا تھا اس بات کی۔ میں نے ان کا دل رکھنے کے لیے اپنے دیوتاؤں کا استھان بدل لیا مگر میں نے انہیں کبھی یہ نہیں کہا کہ تم باپ کی فوٹو کو اگر عزت دیتے ہو تو اپنے دیوتا کی فوٹو کو کیا دو گے۔ دیکھیے میں پھر بہک گیا۔ میں بالکل کسی مذہب کا پرچارک نہیں ہوں۔ مذہب سب ہی اچھے ہیں بس لامذہب ہونا بُری بات ہے۔ ایمان دھرم تو ایک اصول کا نام ہے۔

میں بھی کہاں بھٹک گیا ہوں اور آپ کو بھی ایک گیند کی طرح اِدھر اُدھر لڑھکاتا پھرتا ہوں۔ یہ سامنے میرے گلاس میں رنگ برنگی پنسلیں پڑی ہیں قریب تیس تو ہوں گی۔ شیشے کے ان گلاسوں جن میں میرے دوسرے قلم پڑے ہیں پر دودھ دہی لسی اور کریم کے خوبصورت ڈبوں سے چار رنگوں کے پھول میں نے کاٹ کر چپکا دئیے تھے انہوں نے میری پڑھنے کی میز کو بہت خوبصورتی سے سجا دیا ہے مگر یہ جو پاس بالوں میں لال ربن باندھے نیچے لال گھاگھرا پہنے، گلے میں سنہری نیکلس ڈالے اپنے ساتھ [illegible] ٹوکری تھامے کالی سی لڑکی بیٹھی ہے [illegible] ننگی چھاتیاں دیکھ کر میرا دوست [illegible]

جاتا تھا اور جب خیالوں کی دنیا سے واپس لوٹتا تھا تو مجھ سے ایک سگریٹ ضرور مانگتا تھا۔ سگریٹ پیتے ہوئے وہ اسس بلیک بیوٹی کو اُٹھا کر سامنے رکھ لیتا تھا اور اس کی ڈوکری نا ایش شیشے میں رکھ کر جھانکتا ہوا اندر ہی اندر اپنے آپ بھی پگھلتا رہتا تھا۔ کہتا تھا اسے دیکھ کر مجھے یونیورسٹی کی وہ کالی لڑکی یاد آ جاتی ہے جو اوسکر لائبریری کے ریڈنگ ہال میں میری ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا کرتی تھی۔ اختر کہتا ہے میں نے اُسے بہت دانہ ڈالا تھا مگر وہ میرے سے ناک اور گورے رنگ کی بدصورتی سے انتہائی نفرت اور چڑ سی لیے ایک دن آخر وہ ایک چپٹی ناک والے کالے حبشی کے ساتھ چلی گئی اور میں بلیک بیوٹی رم کی برتن میں ڈوبتا چلا گیا۔ جب اُبھرا تو میرا رنگ جل جل کر کالا سیاہ پڑ چکا تھا مگر تب کیا فائدہ جانے والے تو جا چکے تھے۔

پھر ڈاہٹل میں اپنی کتاب "یوگا اور صحت" [illegible] شیلی بیزن سیریز کا ایک [illegible] ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی اگر یہ کہے کہ یہ کا فارن کی چیز ہے۔ انڈیا سے آئی ہے اس لیے میں اسے نہیں اپناتا تو یہ وہی بات ہوئی جیسے ہندوستان میں رہنے والا یہ کہے کہ میں بجلی اس لیے استعمال نہیں کروں گا کیونکہ یہ ایک امریکن تھامس ایڈیسن نے ایجاد کی تھی بھلا کوئی تک ہے۔ میں ہندوستانی ہوں مجھے تو یوگا پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے اس لیے میں نے اس کتاب میں سے پندرہ آسن اپنے لیے چنے جو میں کرتا۔ میں کہتا ہے کر یوگا آپ کے ذہنی خوبصورتی کو اُجاگر کرتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے یا نہیں میں نہیں جانتا۔ نہ جان کر دل تو بہلا رہتا ہے۔ جاننے کی کوشش کروں گا تو یہ جان نہیں جاؤں گا کہ یوگا میری ٹیڑھی ناک یا بھینگی آنکھ بالکل سیدھی نہیں کر سکتا۔ ہاں ایک شیرش آسن جس میں مجھے ٹانگیں آسمان کی جانب کر کے سر کے بل کھڑا ہونا ہوتا ہے مجھے بہت پسند ہے کیونکہ چند پل میں اُلٹی دنیا کے ساتھ اُلٹا چمگادڑ کی طرح ٹنگ جاتا ہوں تو دنیا پھر دن بھر میرے ساتھ سیدھی چلتی رہتی ہے یا شاید میرے ذہن کے وہ بند خانے کھل جاتے ہیں جن کے جھروکوں سے میں دنیا اُلٹا دیکھتا [illegible]

جرمنی میں لال موتی کے ساتھ میں بزنس کرنا چاہتا تھا کیونکہ مجھے انگریزی آتی تھی اسے نہیں آتی تھی۔ اسے جرمن آتی تھی مجھے نہیں آتی تھی۔ اسے میری ضرورت تھی مجھے اس کی ضرورت تھی۔ میں نے تو یہی سمجھا تھا مگر وہ ایک ہی کائیاں نکلا۔ اس نے جرمن اخباروں کے کچھ تراشے دکھلائے۔ کسی میں اس کے بارے میں کچھ لکھا تھا تو کسی میں کچھ۔ میں نے کہا مجھے جرمن نہیں آتی۔ اُس نے جو کچھ بتایا میں نے اُسے ٹھیک مان لیا۔ ہاں کچھ تصاویر بھی تھیں۔ ایک میں وہ ایک ٹرک کو رسی سے باندھے دانتوں سے کھینچ رہا تھا۔ دوسری میں اپنی چھاتی پر ہاتھی کے پیٹ رکھے اوپر ہاتھی کے نیچے کھڑا تھا۔ تیسری میں اس کے سر پر ایک بڑا سا پتھر رکھا تھا جسے ایک آدمی ہتھوڑے سے توڑ رہا تھا۔ میں بہت متاثر ہوا۔ وہ بولا۔ بزنس میری لائن نہیں۔ میں نے فوراً مانا۔ واقعی بزنس تمہاری لائن نہیں۔ میں نے ایک اور سیٹھ تیرتھ رام ماتھا رام کے ساتھ بزنس کر لیا مگر سیٹھ نے جب میرا تولا تولا ماشہ ماشہ خورد بُرد کر دیا تو میں نے لال موتی کی مدد طلب کی۔ لال موتی بولا: بزنس میری لائن نہیں مگر خیر تمہارے لیے۔ پھر لال موتی دو بلیوں کے درمیان بندر بن کر انصاف کرنے بیٹھا مگر دوسری بلی شدید اُس جتنی بڑی تھی اور نہ یا ؤں میاؤں بھی جرمن زبان میں کرتی تھی اس لیے میں ہی زیادہ لُٹ گیا۔ کچھ عرصہ بعد میں ایک بار دوبارہ بازار پر کھڑا ہوا ہی تھا کہ لال موتی کے دل میں پھر میرے لیے پیار جاگا۔ بولا "میں تو بزنس کر نہیں سکتا تم چاہو تو یہ گھڑیاں خرید لو۔ وارے نیارے ہو جائیں گے۔" اومیگا اور رِسٹ سوئس کی کوئی پچاس گھڑیاں ہوں گی میرے پاس پیسے نہیں تھے پھر بھی دو گھڑیاں میں نے اپنے لیے خرید لیں۔ اومیگا اور رِسٹ گھڑیاں ہوں اور مٹی کے مول اور کیا چاہیے دہلی پہنچتے ہی ان گھڑیوں نے کسی بے وفا محبوب کی طرح آنکھیں پھیر لی تھیں۔ آٹومیٹک گھڑیوں نے وقت کو ایک جگہ باندھ لیا تھا اور اپنا سنہری رنگ گرگٹ کی طرح بدل کر سفید کر لیا تھا۔

کرکے اٹھا تھا اس لیے بچ گیا۔ خدا آپ کو بھی ان سے محفوظ رکھے۔

سیٹ شرا مجھے یوتھ ہوسٹل کے باہری پلیٹ فارم پر پلاسٹک کی رنگ برنگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی دھوپ سینکتی ہوئی ملی تھی۔ آغاز مئی کی ہلکی ہلکی دھوپ، جو نیچے بہتی اس ندی کے پانیوں سے اختلاط کے بعد اوپر آتی تھی اور اس کے خوبصورت کالے بالوں سے اٹکھیلیاں کرتی تھی تو وہ کالا سونا بن جاتے تھے۔ اس کا جاپانی حسن بھی اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا تھا۔ میں سگریٹ پیتا اپنی کرسی سرکاتا ہولے ہولے اس کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔ سگریٹ کے دھوئیں نے اسے میری موجودگی کا احساس دلایا تھا۔ اسے اپنی سگریٹ کی طرف دیکھتے پاکر میں نے ڈن ہل کا پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ ایک سگریٹ کھینچ کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اس نے شکریہ ادا کیا تھا۔ "ڈانکے شین"

میں نے اس دن اس سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ پھر میری دعوت پر میرے ساتھ وہ نیچے مائن پر آئی تھی۔ بوٹ کلب سے ایک کشتی کرایہ پر لے کر ہم بہت دیر تک دریا میں کشتی کھیتے پھرے تھے۔ کشتی چلانا اسے آتا تھا نہ مجھے مگر یہ کشتی بہت آسان تھی۔ ہمارے پاؤں کے نیچے پیڈل لگے ہوئے تھے جنہیں ہم بچوں کی سائیکل کی طرح چلا رہے تھے اور میرے ہاتھ میں موٹر کار جیسا سٹیرنگ تھا جسے حسب ضرورت ادھر ادھر گھمانا ہوتا تھا۔ اس کے تعاون اور اپنی ہمت سے میں نے کشتی کی لمبی سیر کی تھی۔ پھر ہم بازار گئے تھے۔ وہ دکان شوماخر سٹراسے پر تھی۔ جہاں شو ونڈو کے پاس وہ رک گئی تھی۔ انڈین ایمبرائیڈری کی ڈریسز تھیں۔ میں اس سڑک سے نکلتے ہوئے روز ہی انہیں دیکھتا تھا ان کی کڑھائی کوئی خاص اچھی نہیں تھی مگر اسے وہ بہت پسند آئی تھیں۔ وہ وہاں سے ہلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ آخر ہم اندر گئے تھے۔ اس نے ایک ایک ڈریس پہن کر دیکھی تھی وہ کتنی لاپرواہی سے کپڑے اتار اتار کر میرے سامنے ڈریسز بدل بدل رہی تھی۔ ہر بار نئی ڈریس پہن کر وہ میرے سامنے آتی۔ آگے پیچھے کے بٹن یا ٹانکیں مجھ سے گھوم کر پوچھتی۔ "کیسی لگتی ہوں؟"

میں ہندوستانی ہوں میرے لیے انڈین لباسوں میں بھلا کیا کشش ہو سکتی تھی مگر میں سچ کیسے جھٹلاتا اس پر ہر لباس خوب پھب رہا تھا۔ مجھے یورپ کی ہواؤں میں سچ بولنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ میں کہتا "یہ ڈریس کچھ بھی نہیں تھی مگر تمہارے جسم پر آکر یہ نکھر اٹھی ہے۔"

اس نے تین بلاؤز اور دو کرتے پسند کیے تھے مگر اس کے پاس پیسے ناکافی تھے۔ میں نے کہا تھا تم خرید لو۔ ادائیگی میں کر دوں گا۔ اس نے کچھ اپنے اور کچھ میرے پیسے ملا کر چیزیں خرید لی تھیں۔ رات کو پھر ہم کشتی پر گھومے تھے۔ میرے ہندوستانی ذہن نے مجھے رائے دی تھی اپنی قیمت وصول کر لوں اور۔۔

دوسرے دن اس نے اپنا یاشیکا جرمن کیمرہ مجھے دیتے ہوئے کہا تھا۔ "رکھ لو۔" "مگر" میرا احتجاج پُرزور نہیں تھا۔ "کشتی کی سیر تو ہم دونوں نے مل کر ہی کی تھی نا۔ یہ تو تمہاری محنت کا معاوضہ۔"

عورت کو جیت کر مرد مونچھیں اونچی کرتا ہے۔ شیشے کے سامنے گر بڑھ لگا تھا اس نے میری مونچھیں نیچی کر دی ہیں مگر پھر شیشے نے مجھے تسلی دی تھی۔ تیرے تو مونچھیں ہیں ہی نہیں۔

ڈنمارک میں میرے ایک دوست ہیں کیم کرون اہوجہ۔

وہ خود کو میرا بہترین دوست مانتے ہیں کچھ دن مجھے نہ ملیں تو اداس ہو جاتے ہیں لہذا فون کرتے ہیں آجاؤ۔ میں جرمنی سے ڈنمارک ان کے پاس آجاتا ہوں۔ پھر وہ گھر اپنے والد محترم کو لکھ دیتے ہیں کہ آجاتا ہے اور ان کے والد محترم میرے بڑے بھائی کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور شکایتاً کہتے ہیں۔ تمہارا بھائی وہاں کیوں آجاتا ہے؟ اور میرے بڑے بھائی تو کیا میں خود بھی نہیں سمجھ پاتا کہ میں "کیوں آجاتا ہوں۔" مگر مجھے یہ احساس ضرور ہو جاتا ہے کہ میری گرامر بہت کمزور ہے اور یہ کہ الفاظ اپنے معنی بدل رہے ہیں مثلاً کسی کو پہلوان جی کہا جا رہا ہو تو یقیناً وہ مریل سا آدمی ہوگا یا ہر ملک صاحب، لالہ صاحب، بخشی صاحب یا فلاں صاحب ضرور کوئی کلرک ہوگا یہ دوسری بات ہے اور چونکہ دوسری بات ہے تو اس کے معنی بھی دوسرے

یا کہ وہ کرسی کسی ایسی کرسی پر بیٹھا ہو گا جس کے پاؤں سے ان کے بڑے بڑے صاحب بہت سہتے ہوں گے جیسے زاون کی اُرہائی کے بارے سے موت بندہ کی رہتی تھی۔

میں نے کھلی ہواؤں میں ٹک ٹک گھوم گھوم کر اپنے دماغ کے سارے روشندان کھولنے کی بہت کوشش کی ہے مگر پھر اپنے ہندوستان جنت نشان میں پہنچتے ہی محسوس ہوتا ہے کہ میں بدستور غلام ہوں۔ کیونکہ باہر کی گرامر میرے گھر کی گرامر سے بالکل جدا ہے۔

بجنور اور آبادی مراد آباد کے جگر تھے۔ شاہ بخاری لاہور کے بندہ ہیں۔ وہ اچانک اور زبردستی ہر واقف اور ناواقف کے سر پر بیتال کی طرح سوار ہو جاتے ہیں اور پھر اپنے قصیدے کرتے جاتے ہیں۔ کبھی لاہور کے انجینئر بن جاتے ہیں کبھی امریکہ کے اور کبھی روس کے مگر جرمنی میں سبزی فروش ہیں یعنی ایک سبزی فروش کے اسسٹنٹ۔ بس یہاں تک اس بندۂ ناچیز کا اس سے تعارف ہے ایک دن وہ غائب ہو گئے بہت پوچھا: جہاں گرا انہیں زمین کھا گئی یا آسمان۔ آسمان والا جانے۔ کافی دنوں بعد ملے تو کہنے لگا۔ بس مر ہی تو گئی بچہ۔ پھر کہنے لگی میرا بیٹی میں کال دہلیے کوئی نہیں جانتا میں تو جانتی ہوں۔" وہ مجھے ہوائی اڈے لے گئی۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا مگر بڑے صاحب اڑ گئے۔ بولے۔ "تم ہوائی جہازوں کے انجینئر لگتے ہی نہیں۔"

بات چلی یا نہ ۔ شاہ صاحب نے بقول ان کے امریکہ اپنے ٹریننگ سنٹر کو ڈگری واپس بھیج دی۔ لکھا اسے سنبھال کر رکھو۔ لوگ اسے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ امریکہ جو ایک عرصے جرمنی کے کندھوں پر سوار ہے نے اپنا بوجھ اور زیادہ کر دیا۔" بس تب سے اللہ کے فضل و کرم سے یہاں مقیم ہوں۔ ہوائی جہاز اڑایا کرتا ہوں مرمت کے بعد ٹرائی (TRY) کے لیے جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

ایک : کافی عرصہ بعد بندہ کی ملاقات اُن سے ناروے میں ہو گئی بولے: "میرا بھائی یہاں تھا اس لیے میں بھی ادھر ہی آ گیا۔ چار پیسے بھی یہاں زیادہ ہیں۔ یہاں بھی الجھن پیدا ہوئی تھی میں نے ڈگری نکالی۔ ابھی چھونے ہی لگا تھا کہ آفیسر نے

میرا ہاتھ روک لیا۔ میں نے اس بیچ پروس کو آگے کر دیا۔ اب اوپر والے کے فضل و کرم سے پانچوں گھی میں ہیں۔" انہوں نے چابیوں کا چھلا انگلیوں پر گھماتے ہوئے کہا۔

"کار اور فلیٹ کی چابیاں ہیں یہاں آ گر لی ہے مریم بیز۔ اپنا پتہ تو دے دیجئے۔ کبھی توفیق ہوئی تو نیاز حاصل کروں گا۔" بندہ نے انکساری سے کہا۔

"مشکل ہے۔ سخت پردہ داری ہے" وہ کٹ سے گئے۔

"گھر کا پتہ مت دیجئے۔ کام کا ہی سہی۔ کبھی مل بیٹھیں گے"

"ابھی تو یاد نہیں" مجھے حیران دیکھ کر وہ سنبھلے۔ "ٹیلی فون نمبر پتہ نہیں کیا ہے۔ تم مت آنا۔ میں خود ہی کسی دن آ کر تمہیں گاڑی میں لے جاؤں گا۔ تم آؤ اور میں ملوں نہیں۔ پریشانی ہو گی نا تمہیں۔ شفٹ ڈیوٹی ہے میری۔"

جرمنی میں انہوں نے مجھے اپنے ساتھ اپنے فلیٹ میں رکھا تھا کیونکہ کرایہ زیادہ تھا یہاں انہیں میری ضرورت نہیں تو کیوں مجھے بلائیں سیدھی حق کی بات ہے اور حق کی بات یہ بھی ہے کہ وہ مجھے ملتے تو ہیں مگر ملتے نہیں۔ سمجھ گئے آپ۔

آل انڈیا مشاعرہ کیرانہ —— [illegible] عثمانی

صوفی زمزم بجنوری، شبیر جھنجھانوی، وسیم بریلوی، ہلال رامپوری، شوق بہرائچی، انور اندوری، [illegible]، شمیم جھانسوی، مظفر رزمی، تمنا عالی، جاوید بدایونی، تسلیم کمتونوی، نجم مظفرنگری۔

ایک طرف اُردو آئین کی مسلّمہ زبان ہے لیکن اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں اور کس بُری طرح سے آئین مذاق بن کر رہ گیا یا کسی دفعہ کو تسلیم بھی نہیں کیا جاتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو کل صحیفۂ آئین کا کیا حشر ہوگا؟

اُدھر مشاعرے زندگی کا ایک جزو بن کر رہ گئے ہیں اگر اب مشاعرہ کو زندگی سے الگ کر دیا جائے تو زندگی بے کیف بے رُوح ہو کر نہ رہ جائے گی۔؟ اسے چھوڑیئے کہ اُردو کو مشاعرہ سے کیا ملا۔

اُدھر بہ عجلت تمام ملک کے وزیر اعظم عالیجناب مرارجی ڈیسائی نے دہلی میں نہایت شان استغنائی اور بے نیازی سے اعلان فرمایا [illegible]ں کہ اُردو کو جمہوریۂ ہند میں کوئی درجہ یا کوئی مقام نہیں دیا جائے گا اور نہ اُردو کسی پہ زبردستی ٹھونسی جائے گی اور اس طرح ملک کے مختارِ کل آئین کا مذاق اڑا کر اردو پسندوں کے ارمانوں کا خون کرتے ہیں ....؟ لیکن ہم بھول رہے ہیں ہندوستان ہے یہاں تو شہیدِ وطن مہاتما گاندھی کے قاتل کو بچانے کے لیے وکیل بھی مل جاتا ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ وزیر اعظم نے اُردو کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور خدانخواستہ وہ متعصب ہیں بلکہ ان ہزاروں غیر مسلموں کا کیا بنے گا جو کل غیر مسلم اُردو کنونشن رچا رہے تھے ——؟ اور مانگ کر رہے تھے کہ اردو کو یو پی میں دوسرا درجہ دیا جائے اس کنونشن کے منعقد کرنے والے مسلمان تو نہیں تھے۔؟ اس مطالبہ کو دہرانے والے [illegible] یہ تو غیر تھے پھر اُردو کو کس بنا پہ تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے ہم [illegible] حلقہ پر آ کر بھول جاتے ہیں کہ ہمارے عزت مآب وزیر اعظم ہے —— کبھی کبھی ایسے بیانات کو واپس لینے [illegible] خواہ

ہوتے نظر آتے ہیں خدا کرے کہ اب بھی ایسا ہی ہو عجیب بات ہے کہ اُردو کے فروغ کے لیے حتی الامکان اردو کی حالی [illegible] مگر اس کو دوسرا درجہ نہیں دیا جائے گا کیا کسی پودے کو نہلانے سے وہ زندہ رہ سکتا ہے؟ آخر جب پیڑ کی جڑ تک پانی نہیں پہنچے گا تو وہ کیسے بڑھے گا؟ اور کیسے وہ اس طرح پنپے گا؟

اس خشک اور بے مزہ بات کو چھوڑ کر میرے ساتھ قصبہ کیرانہ (مظفر نگر) کے سید چھڑیاں میں چلیے۔ آج ۱۵ جون ۱۹۶۷ء ہے رات کے پورے گیارہ بج رہے ہیں یہاں میں ایک عظیم دلکش، منور شامیانہ، فرش، کرسی وغیرہ سے [illegible] نظر فریب پنڈال بنایا گیا ہے ہر چند کہ آج موسم کا تقاضا تھا کہ اس برسات کے موسم میں مشاعرہ اور کسی جگہ منعقد ہوتا لیکن قدرت نے اراکینِ مشاعرہ کا ساتھ دیا اور آج جو شاندار بارش ہوئی ہے وہ دو تین بجے کے بعد بند ہو گئی تھی ورنہ اس پنڈال میں بیٹھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا جناب مظفر رزمی کیرانوی صدارت کے لیے جناب بشیر احمد صاحب ایم ایل اے کا نام [illegible] پیش کر رہے ہیں ایم ایل اے صاحب کا نام نامی سن کر نہایت گرمجوشی اور تالیوں کے شور سے اظہارِ خوشنودی کیا جاتا ہے آپ کو مائک پر لایا جا رہا ہے اور ساتھ ہی جناب [illegible] عالم خاں جاوید بدایونی ایڈیٹر [illegible] فرما رہے ہیں:-

پہلے اعلان کیا جا چکا ہے [illegible] سے درخواست کی [illegible] قبول فرمائیں [illegible]

قبول فرما کر شکر گزار کیا پھر ایم ایل اے صاحب تالیوں کے شور
میں فرما رہے ہیں :-

میرے دوستو۔ بھائیو اور بہنو میں آپ لوگوں کا ممنون ہوں کہ
آپ لوگوں سے الیکشن میں جیتا جیتنے کے بعد فوراً لکھنؤ چلا گیا
اب آیا ہوں سب سے پہلے معذرت خواہ ہوں کہ میں اب تک
آپ لوگوں کے یہاں نہیں پہونچ پایا ہوں اب سب لوگوں کے
شکریے ادا کرنے کو یہاں جو شعرا کرام آئے ہوئے ہیں میں
شکریہ ادا کرتا ہوں اور پھر فریدی ہندو پرتاپ شاعر گرامی
سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ ہی اس مشاعرہ
کی صدارت کریں لوگ صاحب تالیوں کے شور میں تشریف
کرسیٔ صدارت پر ... انداز سے فرما رہے ہیں :-

میں اس قابل نہیں ہوں یہ بھائی بشیر احمد صاحب کی مہربانی
ہے ان کا اور آپ حضرات کا شکر گزار ہوں پچھلے سال پانچ
بجے تک مشاعرہ چلا تھا اور اس سال چھ بجے صبح تک چلنا چاہیے
تالیوں کے شور میں آپ اپنی جگہ آ رہے ہیں اور رزمی صاحب اس
مشاعرہ کے افتتاح کے لیے پنڈت چندر پرکاش جوہر بجنوری سے
درخواست نعت شریف کر رہے ہیں یہ مشاعرہ اجمیر غریب نواز
چشتی اجمیری کی یاد میں ہر سال منعقد ہوتا ہے روایت ہے کہ
خواجہ غریب نواز نے تین دن کیرانہ میں بھی قیام فرمایا تھا جوہر
صاحب فرما رہے ہیں ؎

نہ جس کی فضیلت پہ دو عالم کی جبیں ہے
سجدہ گہ کونین وہ طیبہ کی زمیں ہے
دنیا کا عقیدہ بھی ہے اپنا بھی یقیں ہے
جو بات ہے طیبہ میں کہیں اور نہیں ہے

وہ نہایت سنجیدگی سے داد دی جا رہی ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں

یادِ نبی مقدس ہے یہ طیبہ کی زمین ہے
جنت بھی یہیں سالکِ جنت بھی یہیں ہے
اے خاکِ مدینہ ترے اعجاز کے صدقے
پیشانیٔ نشتر جو یہاں فرش نشیں ہے
کہیں محشر میں طیبہ میں نہ کر دوں خیالِ جنت
کیا ... ہے ... اور کہیں ہے

جوہر صاحب خوب خوب داد و تحسین وصول کیے جا رہے ہیں اور رزمی
صاحب سلیم اختر کیرانوی کو یاد فرما رہے ہیں اختر صاحب یوں
گلوکاری کر رہے ہیں ؎

ہر طرف شور بپا ہو گیا میخانے میں
آج چھلکے گی جگر خون سے پیمانے میں

رزمی صاحب زحمتِ سخن حافظ شریعت اللہ حافظ کیرانوی کو دے
رہے ہیں حافظ صاحب بھی درد اک روداد سنا کر صاف گئے ایک
شعر تو سنتے ہی جائیے :-

شکوہ اب ساقی سے کیا ساغر سے کیا مینا سے کیا
ہم گئے میخانے میں جب جام ہٹ کر رہ گئے

پھر رزمی صاحب دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں انجم ضیا کیرانوی کو
انجم صاحب یوں دلکشی سے غزل سرا ہیں :-

وہ میرے حالِ زار پہ جب مسکرائے ہیں
بے اختیار آنکھ میں آنسو بھر آئے ہیں
برقِ تپاں کے جورِ مسلسل کے باوجود
ہر شاخِ گل پہ ہم نے نشیمن بنائے ہیں
دامن بھی تار تار گریباں بھی تار تار
انجم کسی کی یاد نے یہ گل کھلائے ہیں

انجم صاحب داد میں ڈوبے مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور رزمی
صاحب خالد کیرانوی کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں خالد صاحب
فرما رہے ہیں ؎

لحاظ کرنے لگے ہیں حیا ہے آنکھوں میں
بدل گیا ہے زمانہ شعور کیوں نہ کریں
نوازشات و کرم پر یقینِ کامل ہے
تری جناب میں ہم بھی تصور کیوں نہ کریں

کاش خالد صاحب تحت ہی سے سناتے تو کچھ اور بات ہوتی خالد
صاحب مناسب داد وصول کیے چلتے بنے اور رزمی صاحب
مناسب الفاظ میں قرأت فرما کر جواں فکر جواں سال شاعر
ڈاکٹر عبد الغنی علی غیور سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں ڈاکٹر
صاحب تالیوں کی جھنکار میں ... کر رہے ... اور ...
رہے ہیں ؎

اب جنتا کے رہبر سُن لیں ۔۔ باتیں میری دھیان لگا لیں
جنتا کا احسان ہے تم پر ۔۔ جنتا کا انعام ہے تم پر
جنتا کو تم بھول نہ جانا ۔۔ مستی میں تم بھول نہ جانا
کوئی غلط تم کام نہ کرنا ۔۔ جنتا کو بدنام نہ کرنا
جنتا کے گر کام کرو گے ۔۔ اونچا اپنا نام کرو گے
ہر دم تم ہشیار ہی رہنا ۔۔ چوکس اور تیار ہی رہنا
یاد رکھو جمہور کی آندھی ۔۔ جس میں اُڑ گئی اندرا گاندھی

ڈاکٹر صاحب تالیوں کے بے ہنگم شور میں کامران پلٹ رہے ہیں اور رزمی صاحب بزرگ شاعر جگدیش پرشاد ویش سے درخواست کلام کر رہے ہیں محترم ویش صاحب عنایت کر رہے ہیں ؎

پھر ہوک اٹھی دل میں پھر آپ کی یاد آئی
ڈس لے نہ کہیں مجھ کو آخر مری تنہائی
کچھ اور جنوں بھڑکا شعلوں نے ہوا پائی
عشاق کو دنیا نے زنجیر جو پہنائی
لہروں کے تھپیڑوں سے طوفانِ ویش بچ کر
کشتی مری دنیا کی بس تہہ میں اتر آئی

کشتی تھی یا پن ڈبی ۔۔۔۔ ایک آواز ۔۔۔۔ ایک قہقہہ ۔۔۔۔ اور قبلہ ویش صاحب داد پا کر چلتے بنے ادھر رزمی صاحب کیرانہ کے ایک جواں سال مترنم شاعر کوثر زیدی کو دعوتِ غزل دے رہے ہیں کوثر صاحب غزل سرا ہیں ؎

شام و سحر اُداس ہیں دل اور نظر اُداس
وہ کیا گئے کہ ہو گئے دیوار و در اُداس
اک وہ کہ بس قریب سے ہنس کر گزر گئے
اک ہم کہ بس کھڑے ہیں سرِ رہگزر اُداس
کیوں دفعتاً دعا کے لیے ہاتھ اُٹھ گئے
کیا آج ہو گیا ہے مرا چارہ گر اُداس
ہم سے مآلِ ترکِ تعلق نہ پوچھیے
ہم بھی اُداس ہیں وہ بھی اُدھر اُداس
کوثر جواب خط پہ تھی نظریں لگی ہوئیں
لیکن یہ کیا ہوا کہ ملا نامہ بر اُداس

کوثر صاحب خوب خوب محفل کو گرما کر شاداں اپنی جگہ چلے گئے ہیں اور رزمی صاحب رئیس کیرانوی کو یاد فرما رہے ہیں رئیس صاحب یوں گلو خلاصی کر رہے ہیں ؎

مری زیست کیا ہے اے جاں اک مرکزِ الم ہے
میں گلہ کروں تو کس سے یہ سبھی کا کرم ہے
میں سمجھ سکا نہ لیکن ابھی تک نظامِ دنیا
اسی رہ میں میکدہ ہے اسی راہ میں حرم ہے

رئیس صاحب بھی رواں دواں سنا کر گئے اور اب مسٹر بشیر احمد کی خدمت میں حافظ سعید صاحب ایک منظوم سپاس نامہ پیش کر رہے ہیں اور ساتھ ہی رزمی صاحب درخواست کر رہے ہیں جناب وسیم بریلوی سے کہ تشریف لا کر نظامت کے فرائض انجام دیں تالیوں کے شور میں وسیم صاحب نے مختصر سی تقریر فرما کر اکمل راہی بڑھانوی کو یاد فرمایا ہے راہی صاحب فرما رہے ہیں ؎

یوں باغباں کا ہے کرم ہم پر بھری بہار میں
تنکے جلائے آشیاں آتے نہیں شمار میں
ساقی کے سامنے نہ جھک چاہے شراب نہ ملے
اور بنا لے میکدہ ہے تیرے اختیار میں

راہی صاحب مناسب داد وصول کر کے اپنی جگہ آ چکے ہیں اور وسیم صاحب رامپور کے ایک ابھرتے مترنم شاعر طاہر فراز کو دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں فراز صاحب مائک پر جوں ہی آئے تو ہلال سیوہاروی نے باآواز بلند السلام علیکم کہا ۔۔۔۔ ایک قہقہہ ۔۔۔۔ اور فراز صاحب فرما رہے [illegible] رامپور سے حاضر ہوا ہوں ۔۔۔۔ کون سا رامپور ۔۔۔۔ ایک آواز ۔۔۔۔ اسٹیٹ ۔۔۔۔ فراز صاحب ۔۔۔۔ پھر یوں [illegible] غزل سرا ہیں ؎

تڑپ اٹھی ہے اک امید بھی [illegible]
اس انجمن سے اٹھا ہوں [illegible]
پہلی بار داد نے [illegible]
گھما رہے ہیں [illegible]
کیا حادثات [illegible]
بستر [illegible]

دوسرے مصرعہ پر [illegible]

[illegible] سانس [illegible]
[illegible] اٹھے
[illegible] اسی بانکپن سے محفل کو یوں
[illegible] ہیں ~

جب اشکبار ذہانت سے فرصت ملی مجھے
میں اللہ کا کہ بھول گیا [illegible] مجھے
خاموشیاں [illegible] بدل گئیں
[illegible] اب نہیں پہچانتی مجھے
[illegible] سے جان لیوا اندھیروں میں قید ہوں
اے وقت اک ذرا تو دکھا روشنی مجھے

[illegible] کچھ نہ پوچھئے اور میں آپ کے چہرے کو بغور دیکھ کر آپ کے اشعار کی انفرادیت پر سر دھن رہا ہوں اور آپ لہرا رہے ہیں ~

[illegible] ہے دانشوروں کا کال تھا
اک صاحب نظر کی نظر کھا گئی مجھے

پھر واہ نے پنڈال میں عجب سماں کو جنم دیا ہے کئی بار دہرا کر اسی [illegible] سے لہک رہے ہیں ~

اس اتفاق پہ حیراں پریشان بہت سے لوگ
کچھ دوستوں کی دشمنی راس آ گئی مجھے

فراز صاحب محفل کو گرما کر تالیوں کی جھنکار میں کامراں پلٹ رہے ہیں اور وسیم صاحب شہاب ہیمی بڑھانوی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں شہاب صاحب دلکشی سے غزل سرا ہیں ~

تیرے بغیر کوئی بھی تو غمگسار نہیں
میں جی رہا ہوں مگر زندگی سے پیار نہیں
ہر اک قدم پہ رہ امتحاں سے گزرا ہوں
نہ جانے آپ کو کیوں میرا اعتبار نہیں
چلے ہوئے ہیں دیے آج پھر فصیلوں پہ
یہ کیسا جشن چراغاں ہے جب بہار نہیں

داد شہاب پر [illegible] اور آپ اس شعر کو دہرا کر کامراں پلٹ رہے ہیں [illegible] پر آکر سوچ رہا ہوں آج جناب غیاث خاں اور [illegible] کے سامنے کیوں نہیں بیٹھے آپ یہ

سن کر یقیناً خوش ہوں گے کہ یہ دو حضرات مشاعرہ کی جان ہیں اور دونوں ہی مشاعروں میں جان ڈال دیتے ہیں۔ شعرا کو وہ داد دیتے ہیں کہ دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں ان کی کمی یوں محسوس نہیں ہو رہی ہے کہ دونوں ہی اسٹیج پر براجمان ہیں لیجیے اب آپ ایک آواز — ایک لہجہ — ایک ترنم شمیم جبالسوی سے سنیے

زندگی کی اداس آنکھوں میں
یوں مسرت کے خواب پلتے ہیں
جس طرح جو تیرہ دن میں شام ڈھلے
بجھتے بجھتے چراغ جلتے ہیں

داد پر کسی ہڑبونگ کا گماں ہو رہا ہے اور آپ اسی بانکپن سے محفل کو چونکا رہے ہیں ~

قلب مفلس سے آہ اٹھ اٹھ کر۔ لب پہ آتی ہے پر نہیں آتی
بند پنجرے میں جس طرح بلبل۔ پھڑپھڑاتی ہے اڑ نہیں سکتی

پھر داد شباب پر ہے اور اسی عالم نغمگی میں ایک حسین گیت سنا کر تالیوں کے سنگم شور میں اپنی جگہ آرہے ہیں اور وسیم صاحب عاشق صابری کیرانوی کو زحمت سخن دے رہے ہیں قبلہ عاشق صاحب بوڑھے اور گھسے ترنم سے لہک رہے ہیں ~

بیکلی درد میں اتنی ہو کہ اوساں نہ رہے
اتنا تڑپوں کہ مجھے منت درماں نہ رہے
ان کے در سے تری تقدیر کو اک نسبت ہے
غیر کے سامنے پھیلا ہوا داماں نہ رہے

قبلہ عاشق صاحب داد وصول کر کے چلتے بنے اور وسیم صاحب ملک کے مشہور نابینا مترنم شاعر سلیم کھتولوی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں سلیم صاحب فرما رہے ہیں کہ ایمرجنسی کے دوران جناب مشیر صاحب اور بھائی کریمی الاحسانی نے میرے لیے بہت کچھ کیا۔ کریمی صاحب نے تو اس دور میں میرے حق میں خوب ڈٹ کر لکھا انہوں نے اس وقت اس طرح صاف گوئی اور حق بیانی سے کام لیا کہ ہم نے یہ سمجھا کہ اب کریمی صاحب پھنسے اور پھر دلکشی سے غزل سرا ہیں ~

سکوں افزا ترقی کو جہاں کچھ اور کہتی ہے
ستم پرور نگاہ آسماں کچھ اور کہتی ہے

شبابِ لالہ و گل پر نہ اترائیں چمن والے
مگر ان پر وہ بہارِ گلستاں کچھ اور کہتی ہے
غرورِ کامرانی کے نشے میں ہنسنے والوں سے
فغاں بے کس کی آہِ ناتواں کچھ اور کہتی ہے
یہ سچ ہے میری الفت بھی تمہارے دل میں ہے لیکن
یہ بیتابی نصیبِ دشمناں کچھ اور کہتی ہے

[illegible]یم صاحب محفل کو گرما کر جا رہے ہیں اور وسیم صاحب ہندوستان [illegible]ور آپ کے ضلع کے مشہور مترنم شاعر —— رزمی صاحب [illegible]ب آواز —— نہیں تمنا صاحب —— دوسری آواز —— [illegible]می صاحب تو پاکستان کے بھی شاعر ہیں —— ہلال صاحب دیکھا تو اسی ہنسی مذاق میں فرما رہے ہیں تمنا جمالی سے ان کی غزل [illegible]نیے تمنا صاحب یوں محوِ داد دہی میں غزل سرا ہیں ؎

پوچھا تو حالِ زار مگر دور دور سے
امید ہم نے کی تھی بہت کچھ حضور سے
حالانکہ گفتگو کے بھی لائق نہیں مگر
دیوانہ ان سے بات کرے بے شعور سے
کلیاں اداس، پھول پریشاں، چمن خموش
ہے ملتفت بہار مگر دور دور سے
ہم مٹ گئے تو ان پہ بھی الزام آئے گا
اے نامہ بر تو ان سے یہ کہیو ضرور سے

[illegible] تو داد برابر دی جا رہی ہے لیکن اس شعر پر داد نے ہنگامہ [illegible] روپ دھار لیا ہے اور آپ اسی بانکپن سے سحر کرنے [illegible]لے ہیں ؎

دل اپنے ہوش میں نہیں کیا جواب دے

•

تیری لگن تیری ہی تمنا لیے ہوئے
لوٹے ہیں عرش سے کبھی ہم اوجِ طور سے

[illegible]نا صاحب محفل کو چونکا کر تالیوں کی جھنکار میں شاداں و فرحاں [illegible]راماں خراماں جا رہے ہیں اور وسیم صاحب درخواستِ کلام [illegible]ر رہے ہیں ماسٹر توصیف عاصی علوی کیرانوی سے۔ قبلہ عاصی [illegible]احب اپنے مخصوص انداز سے [illegible] عطا کر رہے ہیں

؎ روز جو بدلا کیے تھا اپنے چہرے کے نقاب
آج وہ محفل میں آخر بے نقاب آیا تو ہے
دیکھنا یہ ہے بھرے جاتے ہیں کس کس کے جام
میکدہ میں ایک دورِ انقلاب آیا تو ہے
مختلف تاروں کے سُر ملتے ہیں کب تک دیکھیے
اک نئے مطرب کے ہاتھوں میں رباب آیا تو ہے

داد اور آہ، واہ کا ایک بھونچال سا آیا ہے کئی بار دہرا کر عنایت کر رہے ہیں ؎

ناخدا کے ہاتھ سے اب تک جو ڈوبی کشتیاں
وقت لینے کے لیے ان کا حساب آیا تو ہے

قبلہ عاصی صاحب خوب خوب داد و تحسین وصول کیے آ رہے ہیں اور وسیم صاحب پیام ککرالوی کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں پیام صاحب عنایت کر رہے ہیں ؎

بڑے نکھار بڑے بانکپن سے گزری ہے
مری نگاہ ترے پیرہن سے گزری ہے

داد کا عالم نہ پوچھیے اور آپ اسی دلکشی سے فرما رہے ہیں ؎

سما گئی ہے ستاروں کے دیدہ و دل میں
وہ روشنی جو تری انجمن سے گزری ہے
ہجومِ لالہ و گل میں گھرا رہا ہوں میں
مری حیات بڑے بانکپن سے گزری ہے
وہ زندگی ہی حقیقت میں زندگی ہے پیام
جو آزمائشِ دار و رسن سے گزری ہے

پیام صاحب داد وصول کیے [illegible] ساتھ ہی وسیم صاحب کیرانہ کے مقبول اور مترنم شاعر جلیل صاحب [illegible] کو دعوتِ فکر دے رہے ہیں جلیل صاحب غزل سرا ہیں ؎

نکلا کہیں پہ چاند کہیں تیرگی رہی
جب تک وہ میرے ساتھ رہے زندگی رہی
جب میں ترے جمال میں گم ہو کے رہ گیا
محفل میں ہر نگاہ مجھے ڈھونڈتی رہی
میں تھا کہ اپنی دھن میں گزرتا چلا گیا
دنیا قدم قدم پہ مجھے روکتی رہی

صحرا میں خود تک کوئی زندگی نہ تھی
میری صدائے شوق مگر گونجتی رہی
بھٹکا پھرا کیا یونہی طریقت کی راہ میں
سجدوں سے بے نیاز اگر بندگی رہی

جلیل صاحب خوب خوب محفل کو گرما کر داد لوٹ کر تالیوں کی جھنکار میں کامران اپنی جگہ آ رہے ہیں اور وسیم صاحب اب آپ کے کریم الاحسانی کو یاد فرما رہے ہیں۔ اتنی حسین غزل اور دلکش ترنم کے بعد یہ خشک اشعار بھی سن لیجیے گا ―

نادان کڑی دھوپ میں کیا ڈھونڈ رہے ہیں
اچھا تو یہ زلفوں کی گھٹا ڈھونڈ رہے ہیں
جن کے کردار پہ تھا کل تک گیا یارو
اب وہ ہر دسپے پیچھے ہیں مزاروں کا حج
اللہ رے جن لوگوں کا شجرہ نہیں ملتا
ہم سے بھی وہ اب نام و نسب مانگ رہے ہیں
جن کو جہاد کے لفظ و بیاں کا علم نہیں
بزعمِ خود وہ مجاہد ہے کیا کیا جائے
جو شمعِ نفرت باہم جلائے پھرتا تھا
وہ آج امن کا قاصد ہے کیا کیا جائے
جسے نہ ربط رہا ہے نیاز و مجنوں سے
وہ اپنے دور کا ماجد ہے کیا کیا جائے

آئیے پھر محفلِ غزل میں چل کر چند رہبر کا کشش جوہر ... سنتے یہ حسین غزل سنیے ―

یہ آسماں پہ جو تارا دکھائی دیتا ہے
شبِ الم کا سہارا دکھائی دیتا ہے
چلو تو مل نہ سکے بحرِ عشق کا ساحل
رکو تو پاس کنارا دکھائی دیتا ہے

داد نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ فرما رہے ہیں ―

یہ سر جھکائے جو بیٹھا ہے تیری محفل میں
ترے خلوص کا مارا دکھائی دیتا ہے
مرا ہی ہاتھ نہیں ہے مری تباہی میں
ترا بھی اس میں اشارا دکھائی دیتا ہے

مجھے نہ ربط ہو کیوں کر غمِ محبت سے
یہی تو ایک سہارا دکھائی دیتا ہے

رہبر صاحب اپنی غزل کے جوہر دکھا کر داد وصول کیے اپنی جگہ آ رہے ہیں اور نسیم صاحب دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں مشہور مترنم شاعر نور اندوری کو صاحب تالیوں کی جھنکار میں مائک پر کیا آئے کہ فرمائشوں کا ایک طوفان ہی ہنگامہ سر اٹھا رہا ہے اور آپ اس ہنگامہ سے بے نیاز لہرا رہے ہیں ―

دئیے بن کے پلکوں پہ لہرائیں آنسو
ہنسو اس قدر کہ نکل آئیں آنسو

داد پہ کسی ہنگامہ کا گماں ہو رہا ہے اور آپ اسی بیچ دھیمے سے لہک رہے ہیں ―

ابھی آسماں پر ستارے نہیں ہیں
ابھی میری آنکھوں میں چھپ جائیں آنسو
مسرت کا احساس ہی اس قدر ہو
اگر آ بھی جائیں تو چھپتائیں آنسو

پھر داد نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ محفل کو یوں چہکا رہے ہیں ―

مری تشنہ آنکھوں کی حسرت یہی ہے
ادھر جائیں خوشیاں ادھر آئیں آنسو
کسی کو محبت کسی کو مرادیں مسرت
کسی کو مصائب تمنائیں آنسو

آہ اور واہ کا شور کم ہوا تو مقطع عنایت کر رہے ہیں ―

جو پلکوں پہ ٹھہریں تو تارے ہیں انور
اگر ٹوٹ جائیں تو کہلائیں آنسو

نور صاحب محفل میں نغمگی بکھیر کر تالیوں اور ایک اور ایک کے شور میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہوئے کامران پلٹ رہے ہیں اور وسیم صاحب ضلع کے مشہور مترنم شاعر نجم مظفر نگری کو یاد فرما رہے ہیں۔ نجم صاحب یوں دلکشی سے غزل خواں ہیں ―

جن میں تھا خونِ گرم وہ سینے بدل گئے
آدابِ دوستی کے قرینے بدل گئے

اس دورِ انقلاب کی نیرنگیاں نہ پوچھ
ساحل تک آتے آتے سفینے بدل گئے

دکے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

جس تھا مرے گھر میں بند سب دیکھتے تھے
میں نے اس سے گھبرا کر کھڑکی ان کو توڑا ہے

ونے دعا کو جنم دیا ہے اور آپ اسی دلکشی سے لہرا رہے ہیں ؎

ہر طور کی بدنامی ہر طرح کی رسوائی
اک جرمِ محبت کی کیا کیا نہ سزا پائی
میں شاعرِ خود رفتہ دیوانہ و سودائی
حیراں ہوں انہیں میری کیا بات پسند آئی
مدت سے تری کوئی آواز نہیں آتی
ڈس لے نہ کہیں ناگن بن کر مجھے تنہائی

پھر آہ اور واہ کا ایک شور ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

ہم اہلِ محبت کو غم سہنے کی عادت ہے
وہ اپنی عنایت کا سمجھیں نہ تمنائی
رو کر تو یہ پوچھے گی اور ہنس کے اڑا دیگی
اب حال کہیں کس سے دنیا ہے تماشائی

نجم صاحب خوب خوب داد لوٹتے تالیوں کے شور میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور وسیم صاحب خوش گلو، خوش رو، خوش لباس طارق بدایونی کو دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں طارق صاحب الک رہے ہیں ؎

تخیل میں یادوں کے خنجر لگ دیکھے ہیں
بے پردہ چلے آؤ ہم آنکھوں کو میچے ہیں
کس طرح ستاروں کی نگری میں بنائیں گھر
ہم تیری نگاہوں کی پرواز سے نیچے ہیں

نے بھونچال کو جنم دیا ہے اور آپ اسی بانکپن سے سحر کرنے چلے ہیں ؎

اللہ رے مجبوری اللہ رے مختاری
ہم سر کو جھکائیں ہیں وہ تیغ کو کھینچے ہیں
اے اہلِ چمن تم کو اس خون سے نفرت ہے
کتنے ہی چمن ہم نے اس خون سے سینچے ہیں

طارق صاحب محفل کو گرما کر تالیوں کی جھنکار میں شاداں جا رہے ہیں اور وسیم صاحب مشہور مترنم شاعر مظفر رزمی کو دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں رزمی صاحب تالیوں کی جھنکار میں آ کر غزل سرا ہیں ؎

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آئینہ گر کر ہاتھ سے
میرا چہرہ ان گنت چہروں میں بٹ کر رہ گیا
جب نظر آیا کہ رہزن ہے بشکلِ رہنما
قافلے والوں سے میں دانستہ کٹ کر رہ گیا

داد کا عالم نہ پوچھئے آج کی شاعری میں جب بھی رہبر اور رہزن کا نام آتا ہے تو یار لوگ داد سے پنڈال کو سر پر اٹھا لیتے ہیں اور بڑی دیر تک یہ ہنگامہ جاری رہتا ہے ہر دو حضرات سے اہلِ ملک کو اس قدر تلخ تجربات ہوئے ہیں کہ دونوں کے نام سن کر بیساختہ ہنسی آتی ہے یہ بیداری، یہ شعور، یہ پرکھ اور تمیز اہلِ ملک کو مبارک ہو اور ساتھ ہی حضرت احسان دانش صاحب قبلہ کا ایک شعر سنتے چلیے ؎

نہ رہنماؤں کے حلقے میں لے چلو مجھ کو
میں بے ادب ہوں ہنسی آ گئی تو کیا ہوگا

ہاں تو دیکھئے رزمی صاحب یوں محفل کو لوٹنے چلے ہیں ؎

حادثہ در حادثہ، در حادثہ در حادثہ
سارا ماضی ایک آنسو میں سمٹ کر رہ گیا

پھر ایک ہڑبونگ ہے یہ شور خوشگوار ذرا کم ہو تو ارشاد ہوا ہے ؎

میں چلا تھا جستجو میں غنچہ و گل کی مگر
ایک کانٹا میرے دامن سے لپٹ کر رہ گیا
زندگی جو اک حقیقت تھی کہانی بن گئی
واقعہ تھا میں جو افسانوں میں بٹ کر رہ گیا

رزمی صاحب داد میں ڈوبے تالیوں کے بے ہنگم شور میں کامراں اپنی جگہ آ رہے ہیں ادھر وسیم صاحب تالیوں کی جھنکار میں مائک پر آ کر یوں شگفتہ پھول پیش کر رہے ہیں ؎

نظر میں آئیں گے چہرے نہ جانے کس کس کے
دعا کیجیے کہ محفل میں روشنی کم ہو

آہ اور واہ کا شور کم ہوا تو ارشاد ہوا ہے ؎

پانی پہ تیرتی ہوئی یہ لاش دیکھیے
اور سوچئے کہ ڈوبنا کتنا محال ہے

اس شعر پر داد کا سابقہ ریکارڈ بھی جھوم رہا ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں سے

وفا کی راہ میں کتنے ہی موڑ آئیں گے
بتا یہ عمر کہاں تیرا انتظار کرے

پھر داد فقط معراج سے سوا ہے اور آپ یوں محفل کو چونکا رہے ہیں سے

سکوت گورِ غریباں کو توڑ جاتا ہے
دیا جلا کے یہاں کون چھوڑ جاتا ہے

اب داد دینے والے بے حال سے ہو چلے ہیں اور آپ بھی آج سنانے کے موڈ میں ہیں ارشاد ہوا ہے سے

جلنے والے بھی یہاں کیا نہ گنوائے ہوں گے
جسم جل جائیں تو احساس بچائے ہوں گے
آؤ ان کھنڈروں پہ کوئی نظم لکھیں
جانے کس کس نے یہاں خواب سجائے ہوں گے

داد کا عالم نہ پوچھئے اور آپ عطا کر رہے ہیں سے

دل میں مندر کا سا ماحول بنا دیتا ہے
کوئی اک شمع سی ہر شام جلا دیتا ہے
زندگی دی ہے تو یہ شرطِ عبادت نہ لگا
پیڑ کا سایہ بھلا پیڑ کو کیا دیتا ہے

قبلہ وسیم صاحب تالیوں کے بے ہنگم شور میں شاداں و فرحاں اپنی جگہ آ کر جانِ عالم خاں جاوید بدایونی سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں جناب جاوید صاحب مشاعروں کے شاعر نہیں ہیں پھر بھی اہلِ محفل پر اپنے کلام بلاغت نظام سے کرم فرما رہے ہیں سنیے سے

ستاتی ہے تمہاری یاد ہر دم تم نہیں آئے
نہ جانے ہو گئے کیوں ہم سے برہم تم نہیں آئے
نہیں رکھتا کدورت دل میں کوئی مرنے والا ہے
عدو بھی کر رہا ہے میرا ماتم تم نہیں آئے

وہ آئے آ رہے ہیں آئے جاتے ہیں کہتے رہیں
تسلی دل کو یوں دیتے رہے ہم تم نہیں آئے

داد نے ہڑبونگ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ [illegible]

پس مُردوں بھی یہ حسرت ہارے سا [illegible]
زمانہ آیا لیکن جانِ عالم تم نہیں آئے

جانِ عالم پہ پیار لوگ مسکرا رہے ہیں اور آپ فرما رہے ہیں میرا نام جانِ عالم ہے ۔۔۔ ویسے بھی آپ جانِ عالم ہی ہیں وسیم صاحب ۔۔۔ ایک قہقہہ ۔۔۔ قبلہ جاوید صاحب تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ کامراں پلٹ رہے ہیں اور وسیم صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں محترم شوق اثری رامپوری سے ۔۔۔ قبلہ شوق صاحب بھی مشاعرہ کے شاعر نہیں ہیں پھر بھی آپ نے مزاحیہ کلام سے محفل قہقہہ زار بنا کر رکھ دی ہے آئیے آپ بھی ذائقہ بدلیے سے

جو دو باکار ہوتے ہیں تو دس بیکار ہوتے ہیں
یہ دس بیکار ہی دوشِ جہاں پہ بار ہوتے ہیں
مگر مردم شماری میں اضافہ ہی اضافہ ہے
اگر ہوں مائنس کے دو پلس کے چار ہوتے ہیں

داد کا ایک ہڑبونگ اور ہلڑ بازی ہے یہ شور کم ہے تو ارشاد ہوا ہے سے

پہلے خیال یہ تھا کہ اللہ پاک نے
جو کچھ نہ کر سکا اسے شاعر بنا دیا
اب شاعروں کو فرصتِ تخلیق بھی نہیں
جو جس نے کہہ کے دیدیا محفل میں گا دیا

پھر ایک غل غپاڑہ ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں سے

قوم پر کوئی مصیبت آ پڑے تو آ پڑے
جب ضرورت ان کی ہو تو یہ گھروں میں جا چھپیں
ہائے جو ٹوپیاں لگا کر بن گئے خدامِ قوم
ایسے کپڑے میں سکو جائیں جو چھپی دھوپ میں

آہ اور واہ کے شور میں ارشاد ہوا ہے سے

گو ندھنے بیٹھا ہے آٹا جب تو جلنے لگا
خانساماں بھی سیاسی چال اب چلنے لگا

دولتِ احساس ابھی ہے مگر اتنی نہیں
سرِ میرے ہاتھ میں ہے اُن کا سنبھلنے لگا

قبلہ شوق صاحب دو طویل دیہاتی زبان میں مزاحیہ نظمیں سنا کر داد لوٹے محفل کو قہقہہ زار بنا کر تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور وسیم صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں جناب بشیر جھنجھانوی سے۔ قبلہ بشیر صاحب عطا کر رہے ہیں ؎

بجھتا ہوا شعلہ بھی جلانے کو بہت ہے
سوکھے ہوئے پتوں کے یہاں ڈھیر لگے ہیں
تہذیب کے دامن میں جو دھبے ہیں لہو کے
یہ پھول مقاصد کی ہواؤں سے کھلے ہیں
اے آتشِ دوراں تجھے یہ بھی خبر ہے
ہم لوگ جہنم کی فضاؤں میں پلے ہیں
پہرے ہیں نگاہوں کے ہر اک جنبشِ لب پر
زنداں میں جدھر دیکھئے آئینے لگے ہیں
خوشحالیٔ اربابِ وطن غور طلب ہے
فصلوں کی جگہ کھیت میں انسان کھڑے ہیں
آواز دبے گی کبھی تو آئینہ رہے گی
الفاظ کے پیکر کہیں سولی پہ چڑھے ہیں
کب تک نہ مٹیں گے غمِ دوراں کے اندھیرے
سورج کو ہتھیلی پہ لیے ہم بھی کھڑے ہیں

قبلہ بشیر صاحب ہر شعر پر داد و تحسین وصول کیے شاداں پلٹ رہے ہیں اور ادھر ایم ایل اے صاحب بھی ۱۲ بجے تشریف لے جا رہے ہیں اسی عالم میں وسیم صاحب درخواستِ کلام بلاغت نظام کر رہے ہیں محترم صوفی زمزم بجنوری مدظلہ العالی سے۔ محترم زمزم صاحب اپنے مخصوص و دلکش انداز سے عطا فرما رہے ہیں ؎

کیا یقیں کرو گے تم عنقریب ایسا ہو
جسم جسم عریاں آنکھ آنکھ پر دا ہو
کیا خبر ہے کل کوئی انقلاب ایسا ہو
تیرگی بنے سورج چاندنی اندھیرا ہو

داد کے پُر شکوہ شور میں عنایت کر رہے ہیں ؎

اے چارہ گرو تم سے تو یہ بھی نہیں ہوتا
اک حرفِ تسلّی جو دوا ہے نہ دوا ہے

داد کا سابقہ ریکارڈ بھی اس بھونچال پر چپ ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور آپ دلکش ترنم سے پُر وقار انداز میں فرما رہے ہیں ؎

زندگی ہے تو وہ ہنگام بھی آ جائے گا
اُن کے ہونٹوں پہ مرا نام بھی آ جائے گا
سرگزشتِ غمِ دل کہتے ہوئے ڈرتا ہوں
خوف یہ ہے کہ ترا نام بھی آ جائے گا
اُن سے اقرارِ وفا کر کے بہت ہم خوش تھے
یہ نہ سمجھے تھے کہ الزام بھی آ جائے گا

قبلہ صوفی زمزم صاحب محفل کی تشنگی دور فرما کر تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور وسیم صاحب ذوالقدر بلال کے لیے زحمتِ سخن دے رہے ہیں بلال سیوہاروی کو۔ بلال صاحب تالیوں کے شور میں مائک پر آ کر فرما رہے ہیں ؎

تم اپنی غریبی کو مٹاتے نہیں خود ہی
کیا کیا نہ ملا تم کو سمجھا نہیں کچھ
ہر شہر میں مدت سے ہے راتوں کو اندھیرا
حیرت ہے کہ تم لوگ اشارا نہیں سمجھے

بلال صاحب ایک طویل نظم سنا کر تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی یہ بلا دور فجر کی اذان اللہ اکبر تک جاری رہا۔!

اس مشاعرہ کو کامیاب کرانے میں مسٹر جان عالم خان جانی اپنی صاحب جناب مظفر رزمی اور اراکین مشاعرہ کمیٹی نیز [illegible] کے کارکنان نے بڑی جدوجہد کی اور شعرا کرام کی خاطر مدارات کی جہاں یہ حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں وہاں مسٹر بشیر احمد ایم ایل اے اور شری مہندر پرتاپ سنگھ گرگ جی۔ سامعین عوام و [illegible] حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے کچھ اپنا قیمتی وقت دے کر اس مشاعرہ کو یادگاری اور مثالی مشاعرہ بنایا۔ اب اجازت دیجیے ذرا سا بھی خدا کو یاد کر لو نہ چلو خدا حافظ!

فرشتہ

[illegible] لیکن جن میں جدید عہد کے لوگوں [illegible] ہے۔ فرانس کی تاریخی کتابوں میں [illegible] منزل ہے لیکن ان کتابوں میں وہاں کے [illegible] ہے اس کی روشنی میں ہمارے لیے اس پر [illegible] نہیں ہے۔

[illegible] پیرس ہوٹل آج جس مقام پر رات دن روشنیوں [illegible] کرتا ہے، وہاں پچاس سال پہلے تک ایک [illegible] ہوٹل تھا۔ اس کا نام بھی پیرس ہوٹل تھا۔ [illegible] ایک چھوٹے قد کا خوش لباس آدمی تھا۔ وہ ہوٹل [illegible] کے باوجود اپنے اعلیٰ کھانوں اور [illegible] گرد و نواح کے قصبات میں خاصا مقبول تھا۔ اگر [illegible] ہوٹل کی مقبولیت کا اصل سبب اس کا [illegible] ایک بہترین باورچی تھا۔ جیکوئس اس سے اتنا خوش [illegible] سے کام کا نگران بنا دیا تھا۔ نگراں ہونے کے باوجود سارل خود بھی [illegible] کام میں لگا رہتا تھا۔ وہ [illegible] کا قائل نہیں تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ [illegible] کوشش کریں تو اس [illegible] نہیں کر سکتے کہ لوگ انگلیاں چاٹتے رہ جائیں۔

جیکوئس کو اپنے ہوٹل کی مقبولیت پر بہت فخر تھا کیونکہ اکثر و بیشتر شہر کے لوگ محض [illegible] کام و دہن کی خاطر طویل فاصلے [illegible] وہاں آتے تھے۔ جیکوئس کو اپنے باورچی سارل پر بھی فخر تھا کیونکہ اس کے بغیر شاید ہوٹل دو کوڑی کا بھی نہ رہتا اور جیکوئس کو [illegible] پر فخر ہونا ہی چاہیے تھا کیونکہ وہ اس علاقے کی خوبصورت ترین لڑکی تھی۔ علاقے کے خوشحال نوجوانوں میں سے اکثر [illegible] سے شادی کرنے کے خواہش مند تھے لیکن جیکوئس کچھ اور ہی چاہتا تھا۔ وہ نہ [illegible] کی جدائی برداشت کر سکتا تھا اور نہ کسی مرحلے

[illegible] کا [illegible] لینا چاہتا تھا [illegible] بہترین [illegible] ایک [illegible] کا رشتہ سارل کو دے دیا۔

[illegible] وہ رات [illegible] ہوٹل کے [illegible] کے لیے خوشی [illegible] کی رات تھی صرف اس لیے نہیں کہ سارل اور [illegible] تھی بلکہ اس لیے کہ اس رات [illegible] مارکوئس ہوٹل [illegible] آنے والا تھا [illegible] درجہ رکھتا تھا جو کسی روحانی پیشوا [illegible] اس کا حکم آخری [illegible] رکھتا تھا۔ آج اس کی آمد [illegible] شرکت کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ ایک قدیم رسم [illegible] آنے والا تھا۔

شاید آج کے اکثر لوگ [illegible] رسم قرار دیں لیکن اس زمانے میں یہ رسم ایک [illegible] کی اہمیت رکھتی تھی۔ مارکوئس کو کئی پشتوں سے یہ حق حاصل [illegible] شادی کی پہلی رات جو دلہا کی ہوتی ہے، وہ دلہن کی [illegible] الفاظ میں دلہن کی ازدواجی زندگی کا افتتاح کرے۔ شاید [illegible] زمانے میں یہ رسم خاص طور پر دلہن کے لیے [illegible] لیکن ان دنوں ایسا نہیں تھا۔ یہ رسم بری نہیں سمجھی جاتی تھی۔

بہرحال چاہے یہ رسم بری سمجھی جاتی ہو یا اچھی، اکثر [illegible] کے والدین سہاگ رات کو مارکوئس کی آمد و شب باشی کی حقیقت قبول کر چکے تھے کیونکہ اس طرح ان کا آقا انہیں [illegible] کے بھی دیتا تھا اور پھر یہ بھی ان کے لیے باعث فخر تھا کہ ان کے بچے اپنی رگوں میں اعلیٰ نسل [illegible] تھے۔

خود دلہن کے لیے بھی یہ ایک یادگار [illegible] بہت کم عورتیں ایسی ہوں گی جو اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہوں۔ اکثر عورتوں کو آپس میں یہ باتیں کرتے سنا گیا [illegible] شادی کی پہلی رات ایک جاہل، گنوار اور [illegible] کی نسبت ایک تجربہ کار، خوش لباس اور خوشبوؤں [illegible] امیر کا قرب زیادہ چاہا [illegible] اور رومانی ہوتا [illegible] میں بھی یہ عورتیں پہلی رات کا تجربہ نہ بھولتی ہوں گی [illegible] اس رسم سے تمام لوگ خوش ہوتے تھے [illegible]

[illegible] کہا گیا تھا [illegible] شادی کی [illegible] رات
[illegible] اور کسی [illegible] الجھن کا [illegible] کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

مارکوئیس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اس [illegible]
[illegible] میں وہ بہت [illegible] یا [illegible] ہوتا تھا
[illegible] اسے ہر لحاظ سے ایک مکمل مرد تسلیم کیا جاتا
۔ مارکوئیس سے پہلے اس کے آبا و اجداد کو اتنے صبر آزما
[illegible] کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ مارکوئیس نے
[illegible] والد کی وفات پر گزشتہ سال ہی یہ فرائض سنبھالے تھے۔
[illegible] سال قصبے میں شادیاں کچھ ایسی تیزی سے ہو رہی تھیں کہ مارکوئیس
[illegible] کی فرصت بھی نہیں تھی۔ شاید کوئی کم حوصلہ اور کمزور
[illegible] ایسی رسوم ادا کرنے کے بجائے بھاگ جانے کو ترجیح دیتا
[illegible] آفرین ہے مارکوئیس کی ہمت اور حوصلہ پر کہ اس نے
[illegible] بار بھی قانون کی عنایت کی ہوئی اس نشاط انگیز پابندی
[illegible] جان چھڑانے کا ارادہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ سخت گرمی میں ایک
[illegible] کے اندر اندر بارہ شادیاں ہوئیں اور مارکوئیس ہر شادی
[illegible] مصروف رہا اور ہر دلہن کے ساتھ اس نے سہاگ رات
[illegible] اری ایک بار بھی اس نے تھکن یا کمزوری کا مظاہرہ نہیں
کیا۔

سارل اور لوزان کی شادی کی رات [illegible] ہوٹل کے
[illegible] میں ایک [illegible] کئی اقسام کے کھانے اور مشروبات
[illegible] ہوئے تھے۔ بیشتر کھانے سارل ہی نے تیار کیے تھے۔ آج
[illegible] نے عام لوگوں کی نسبت کہیں زیادہ مزے دار کھانے
[illegible] تھے۔ یہ اس کی شادی کی دعوت تھی اگر آج مہمانوں
[illegible] کھانے نہ ملتے تو وہ اس کی شادی کیسے
[illegible] سکتے تھے۔ مہمان میز کے چاروں طرف کرسیوں پر بیٹھے
[illegible] سے مارکوئیس کا انتظار کر رہے تھے۔ گرما گرم کھانوں سے
[illegible] اور اشتہا انگیز بھاپ نکل رہی تھی۔ لوگ اور زیادہ
[illegible] ہو رہے تھے۔

آخر مارکوئیس پہنچا۔ مہمان گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ لوزان کا
[illegible] سے [illegible] وہ اس عظیم شخص کے بارے میں بہت
[illegible] اور مارکوئیس [illegible] اپنے بڑے اشارے

[illegible] میز کی طرف [illegible] تھا۔ [illegible] خود اس کی [illegible]
[illegible] لوزان نے اپنا [illegible]
پسند یدہ [illegible] سے دیکھا۔ وہ بالکل [illegible]
شہزادہ تھا۔ قصبے کے عام [illegible]
سے بہت مختلف سارل سے بھی کہیں زیادہ [illegible]
[illegible] وہ ایک ایسی دنیا [illegible]
تمام تر آسودگی، آسائش اور راحتیں [illegible]
اور محرومی کے منحوس سائے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ [illegible]
احساس سے سرشار ہو رہی تھی کہ ایک رات [illegible]
اس کا تو ہوگا اور کم از کم ایک خوبصورت رات تو وہ اس
کی بانہوں میں گزارے گی ذہنی لحاظ سے وہ اس سے بہت
دور سہی مگر جسمانی طور پر وہ ایک رات اس کے قریب [illegible]
لوزان کو معلوم تھا کہ اس کے بدن کی تمام رعنائیاں [illegible] مارکوئیس
کو ہمیشہ کے لیے اپنا نہیں بنا سکتی تھیں۔ وہ صرف ایک رات
کے لیے میرا ہوگا۔ اس نے سوچا اس ایک رات میں [illegible]
روح کی گہرائیوں میں اترنا ممکن ہے۔ لیکن یہ ایک رات بھی
کیا کم ہے؟ میں اتنی مسرتیں اپنے دامن میں بھر لوں گی کہ انہیں
زندگی بھر کا سرمایہ بنایا جا سکے۔

مارکوئیس اپنے لیے مخصوص کی ہوئی کرسی کی طرف بڑھا اور
مہمانوں کے سامنے نخوت سے جھکنے کے بعد بیٹھ گیا پھر اس نے
ہاتھ کے اشارے سے باقی لوگوں کو بھی بیٹھنے کی اجازت دے
دی۔ سب لوگ گھبرائے ہوئے انداز میں بیٹھ گئے۔ دلہن کا باپ
جیکوئس اس کے دائیں جانب تھا اور دلہن لوزان [illegible]
مارکوئیس کے سامنے ارغوانی شراب سے لبریز [illegible]
اور اس طرح شادی کی دعوت کا آغاز ہوا۔ مارکوئیس [illegible]
تھا یہ اس کی عادت تھی اور اسی لیے اسے [illegible]
تھا اس کی موجودگی میں [illegible] لوگوں [illegible]
ہوتی تھی زیادہ تر ضروری باتیں [illegible]
جا کر [illegible] زندگی کے [illegible]
تھے جب [illegible]
لیے خوش کرتا [illegible]

ماحول میں ایک عجیب سناٹا تھا۔ مارکوئیس آج معمول سے بڑھ کر خوش تھا۔ جیسے اسے کسی طرف سے اپنے لیے کوئی خطرہ محسوس نہ ہو رہا ہو۔ اس نے اپنی تیز آنکھیں لوزان کے چہرے پر گاڑ دیں۔ پھر تمام مہمانوں کو دیکھنے کے بعد لوزان سے پوچھا "مادام! ان لوگوں میں سے آپ کا دولہا ہونے کا اعزاز کسے حاصل ہے؟"

اس سے قبل کہ لوزان کوئی جواب دیتی اس کا باپ جیکوئس بول اٹھا۔ "جناب والا دولہا یہاں موجود نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ بلیئرڈ کا نگراں ہے۔ اس لیے اس کا دعوت میں شامل ہونا ممکن نہیں ہے۔"

"یہ تو ایک عجیب بات ہے۔" مارکوئیس نے اپنے سخت لہجہ میں کہا۔ "شادی کی دعوت میں دولہا کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ باورچی خانے میں دوسرے ملازم موجود ہیں وہ کام چلا لیں گے۔"

"جی ہاں بجا فرمایا جناب نے" جیکوئس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن وہ نہیں آئے گا جناب اسے مجبور نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ وہ عجیب مزاج کا آدمی ہے اصل میں اس کی ماں اطالوی تھی۔"

مارکوئیس اس طرح کے انکار کا عادی نہ تھا۔ وہ برافروختہ ہو کر بولا۔ "اسے یہاں بلاؤ میری ماں اطالوی نہیں تھی لیکن دولہا یہاں نہ آیا تو تم دیکھ لینا کہ میں کتنے عجیب مزاج کا آدمی ہوں۔"

مزید انکار یا احتجاج کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جیکوئس نے ایک نوکرانی کے کان میں کچھ کہا وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ مارکوئیس نے لوزان کی طرف متوجہ ہو کر اپنے دور دراز کی سیاحتوں کے قصے چھیڑ دیے۔ وہ نہ جانے کہاں کہاں کی داستانیں دلچسپ پیرائے میں سنا رہا تھا۔ لوزان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ مارکوئیس ان دور دراز جزیروں کی باتیں کر رہا تھا۔ جہاں عجیب عجیب پھول مہکتے ہیں۔ اور جہاں مختلف عناصر کی پرستش کی جاتی ہے اور عجیب و غریب رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ سب لوگ خاموشی سے سن رہے تھے اور اس کی آواز ہر طرف رواں تھی اور اس میں ایک مہذب ٹھہراؤ تھا۔ جو اس گفتگو [illegible] کے لیے

باعث رشک تھا۔ جنہوں نے ملک سے تو کیا اپنے قصبے سے بھی کم ہی قدم نکالا تھا۔

اچانک مارکوئیس کو اسی موہوم خطرے کا احساس دوبارہ ہوا۔ اس کی چھٹی حس خطرہ قریب ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنا سفرنامہ ختم کیا۔ اور گھوم کر پیچھے دیکھا۔ سارل باورچی خانے سے ہال میں داخل ہو رہا تھا اس کا چہرہ کسی قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔ وہ غیر ارادی طور پر اپنی آنکھیں مارکوئیس کے چہرے پر گاڑے ہوئے تھا۔ اس کے میلے کچیلے کپڑوں پر ایپرن بندھا ہوا تھا۔ جس سے وہ اور زیادہ بھدا نظر آتا تھا۔ "جناب یہ ہے دولہا" جیکوئس نے جھجکتے ہوئے کہا "آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ یہ کام میں بہت مصروف تھا۔ اگر آپ اجازت دیں تو دوبارہ بھیج دیں۔"

"میرے پاس آؤ اچھے باورچی!" مارکوئیس نے جیکوئس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے سارل سے کہا۔ سارل آہستہ سے اس کے پاس آ گیا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر رک کر ادب سے جھکا اور پھر مارکوئس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ اگرچہ بظاہر وہ مودب تھا لیکن اس کی آنکھوں میں نفرت کے الاؤ دہک رہے تھے اور بھینچے ہوئے ہونٹوں کی مسکراہٹ نہایت سفاکانہ تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام سارل ہے جناب!" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"خوب! تو بھئی سارل! میں تمہیں دو باتوں کی مبارکباد دیتا ہوں۔ ایک یہ کہ تم نے نہایت اچھے کھانے پکائے ہیں۔ اور دوسری یہ کہ تم نے بڑی حسین بیوی کا انتخاب کیا ہے۔ شاید تم میری اس ترتیب پر اعتراض کرو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اچھا کھانا اچھی عورت پر فوقیت رکھتا ہے۔ ایک باورچی کی حیثیت سے تم بھی مجھ سے اتفاق کرو گے۔ جنس کی بھوک تسکین کے بعد ایک کمی کا احساس چھوڑ جاتی ہے۔ مگر معدے کی بھوک مٹ جائے تو ایک لذت بخش تکمیل کا احساس ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا۔؟"

"میں نے کبھی اس کے متعلق غور نہیں کیا جناب!" سارل نے جواب دیا۔

"تو تمہیں اب ضرور غور کرنا چاہیے۔ ایک اچھے باورچی کی حیثیت سے تمہیں اپنے پیشے پر نازاں ہونا چاہیے۔ اور ایک شوہر کی حیثیت سے تمہیں محبت کے عارضی ہونے سے واقف رہنا چاہیے۔ لیکن خیر، وقت تمہیں خود سب کچھ سکھا دے گا۔ آؤ آج میرے ساتھ ان دونوں انسانی ضرورتوں کی تکمیل کا جشن مناؤ۔" مارکوئیس نے ایک جام میں شراب ڈال کر اسے دی اور دوسرا جام خود تھام لیا۔ میری دعا ہے کہ تمہیں زندگی بھر اچھے کھانوں اور اچھی عورت کی قربت حاصل رہے۔"

سارل نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے جام لے لیا اس کے سنجیدہ چہرے پر اندرونی کشمکش کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ بیک وقت رنج، بے بسی، غصے اور نفرت کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ مارکوئیس سے اس کی نفرت فطری تھی۔ اسے اپنی حق تلفی کا احساس تھا۔ اس نے بدتمیزی کی حد تک تیزی کے ساتھ جام ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی گھونٹ میں خالی کرکے میز پر رکھ دیا۔ جبکہ مارکوئیس نے ابھی اپنا جام ہونٹوں سے لگایا ہی تھا۔ جیکوئس بڑی تشویش سے سارل کو دیکھ رہا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں سارل مارکوئیس سے گستاخی نہ کر بیٹھے اس لیے اس نے کہا: "محترم مارکوئس! اگر آپ اجازت دیں تو اب سارل باورچی خانے میں چلا جائے۔ وہاں بہت کام ہوگا۔"

"ہرگز نہیں۔" مارکوئیس نے فیصلہ کن انداز میں کہا "یہ اس کی شادی کی دعوت ہے اس کی یہاں موجودگی ضروری ہے۔ لوزاں! رات خاصی ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے اس وقت نوجوان دلہنوں کو بستر پر جانے کی طلب ہونے لگتی ہے۔ تم جاؤ، آرام کرو۔ میں اپنی کرسی آج کے دولہا کو پیش کرتا ہوں اور خود تمہاری جگہ بیٹھ کے اس سے باتیں کروں گا۔ آج کھانے میں لطف آگیا۔ میں سارل سے اتنے اچھے کھانے پکانے کا نسخہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" مارکوئیس نے اپنی کرسی سے اُٹھ کر سارل کو اس پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

لوزاں اس عجیب و غریب صورتِ حال سے حیران و پریشان تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر خوابگاہ کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ سارل نے اس سے آنکھیں ملانے کی بہت کوشش کی جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن لوزاں جا چکی تھی۔ اس کی کرسی پر مارکوئیس بیٹھ گیا تھا اور عجیب انداز سے مسکرا رہا تھا جیسے وہ تصور میں کسی لذت انگیز خیال سے لطف اٹھا رہا ہو۔ اس نے سارل سے کہا۔

یہ دنیا ناانصافیوں کا جہنم ہے۔ یہاں اپنے سے برتر طاقت کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ انصاف ہو ہی نہیں سکتا۔ میں ایک امیر باپ کا بیٹا ہوں اس لیے میرے پاس اتنی دولت ہے کہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اعلیٰ ترین زندگی گزار سکتا ہوں۔ اور تم جیکوئس اتنی طرح محنت کرتے ہو، میری بھی خواہش ہے کہ کروں لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔ سارل تم نے اپنی مشاقی اور مہارت سے کھانا پکانے کو بھی ایک فن کا درجہ دے دیا ہے۔ تم نے اس میں شاعروں کے کلام کی طرح اپنی روح پھونک دی ہے۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم دونوں میری زندگی پر رشک کرتے ہو۔ تم لوگ انسانی زندگیوں کی حقیقتوں سے اس قدر قریب ہو کر اس کا حسن محسوس نہیں کرتے۔ اور میں انسانی تعلقات کی گرم جوشی سے کم قریب ہوں۔ عزت و احترام سے زیادہ قریب ہوں۔ ہمیشہ کے اندر جھانک لیتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم اس خوف سے لرزہ براندام ہو کہ کہیں تمہارا داماد مجھ پر حملہ نہ کر بیٹھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ سارل اپنے اندر کی آگ پر بڑی کامیابی سے قابو پائے ہوئے ہے۔ سارل! تم یقیناً اس بنا پر مجھ سے نفرت کر رہے ہو کہ آج قانون کی رُو سے مجھ پر ایک ایسا فرض عائد ہوا ہے جس سے براہِ راست تمہیں سب سے زیادہ متاثر ہونا پڑے گا لیکن میں کہوں گا کہ تمہیں صبر سے کام لینا چاہیے۔

[illegible] اتنا ہی [illegible] تھا۔ چونکہ
[illegible]۔ ممکن ہے اس میں
[illegible] نفرت نہیں کرتا۔ میں تو
[illegible] نفرت کرتا ہوں جس نے آپ کو وہ کام کرنے
کی [illegible] جیسا احمق ہے۔" اس نے غور سے
[illegible] آنکھوں سے مارکوئیس کی طرف
دیکھا [illegible] کہ آپ [illegible] ہیں میں صبح کام لوں [illegible]
[illegible] ہال میں خاموشی چھا گئی۔ آتش
دان کی تیز آگ میں سب کے چہرے دمک رہے تھے۔
مارکوئیس کے چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھتے
ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے اب آج کی محفل برخاست ہونی
چاہیے۔ رات بہت ہو گئی ہے مزید تاخیر ہوئی تو کہیں میں اپنا
فرض پورا کرنے سے پہلے ہی نیند کی آغوش میں نہ پہنچ جاؤں
[illegible] کے لیے بھی جانا ہے۔"

وہ اٹھا۔ مہمان اس سے پہلے ہی احتراماً اٹھ چکے تھے۔
مارکوئیس سیدھا خواب گاہ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔
اسے اپنی پشت پر گڑی ہوئی مرعوب اور خوفزدہ نظروں کا
بخوبی احساس تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ آنکھیں
کس کی ہوں گی۔ لیکن وہ پیچھے دیکھے بغیر سیدھا اوپر چڑھتا
گیا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ مارکوئیس کو یہ کیوں
معلوم تھا؟ اب تک جو باتیں ہوئی ہیں۔ ان سے اس کے
عقل مند ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے آگے آپ کو
یہ سب [illegible] پڑے۔ اس رات [illegible] میں جو کچھ
ہوا وہ لوزاں نے دوسرے روز اپنی ایک سہیلی کو بتا دیا اور
چونکہ لوزاں نے سہیلی کو رازداری کی قسم دی تھی۔ اس لیے
بہت جلد قصبے بھر کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس رات کیا ہوا
تھا۔

مارکوئیس کمرے میں داخل ہوا، لوزاں شب خوابی کا
لباس [illegible] دراز ہو چکی تھی۔ اسے بڑی بے تابی
سے مارکوئیس کا انتظار تھا۔ شاید اس کے تصور میں [illegible]

تک [illegible] اصل [illegible] تھا۔ [illegible]
کے بارے میں [illegible] سنا تھا اس سے [illegible]
گیا تھا جب [illegible] کسی کے تصور [illegible]
کے محل میں آنے والے حسین لمحات کے خیال [illegible]
[illegible] مارکوئیس [illegible] ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ [illegible]
[illegible] سوا [illegible] کپڑے تبدیل کر [illegible]
[illegible] منٹ اور گزر گئے۔ مارکوئیس نے [illegible] اس کے پاس
اور نہ کوئی آواز دی۔ لوزاں نے [illegible] پہلو بدل کر اسے
دیکھا۔ مارکوئیس مکمل لباس پہنے بیٹھا تھا۔ اور اس نے تاش
کے پیکٹ کھول کر پتے میز پر پھیلا رکھے تھے۔ لوزاں کی
حیرت اچانک برہمی میں بدل گئی۔ آخر ایسی یادگار رات
مارکوئیس کو کیا سوجھی کہ اس کے پاس آنے کے بجائے
تاش میں وقت ضائع کر رہا ہے؟ لوزاں کو مارکوئیس کی
یہ حرکت اپنے حسن و شباب کی شدید توہین محسوس ہوئی۔ یہ
اپنے لائق نہیں سمجھتا ہوگا چند لمحوں کے توقف کے بعد لوزاں
نے نائٹ گاؤن پہنا اور بستر سے اٹھ کر آہستہ [illegible]
چونک کر مڑا تو کچھ پتے زمین پر جا گرے۔

"بہت خوب!" لوزاں نے طنزیہ لہجے میں کہا "تو یہ ہے
آپ کا طریقہ فرائض کی تکمیل کا؟"

مارکوئیس خاموشی کے ساتھ حیرت سے اسے دیکھتا [illegible]
لوزاں روہانسی ہو کر بولی۔ "میں سب سمجھتی ہوں۔ اچھی
طرح سمجھتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں ایک غریب [illegible]
اور دیہاتی لڑکی ہوں جسے آپ جیسا عظیم شخص اپنے شایانِ
شان نہیں سمجھتا۔ مگر آپ کو مجھ سے یہ سلوک نہیں کرنا
چاہیے۔ کل سارے قصبے میں مجھے طنزیہ نظروں سے دیکھا جائے
گا کہ یہ لڑکی اس قابل بھی نہیں تھی کہ مارکوئیس اس کے
ساتھ اپنی رسم نبھاتا۔ آہ میری کتنی بے عزتی ہو گی [illegible]
اس صورتِ حال کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"تم غلط سمجھتی ہو لوزاں۔" مارکوئیس [illegible] لہجے
میں بولا۔ "میں تمہیں ان پڑھ وغیرہ نہیں [illegible]
ہو۔ تم تو بے حد خوبصورت اور عقلمند لڑکی ہو [illegible]

[illegible]

"آپ ـــــ آپ تو شاعر ہیں۔"

"میں شاعر نہیں، فلسفی ہوں اور ہر شے [illegible]

[illegible] میں نے اپنا کردار [illegible]

[illegible] گزارتا ہوں۔ [illegible]

[illegible]

خاموش ہو گیا۔

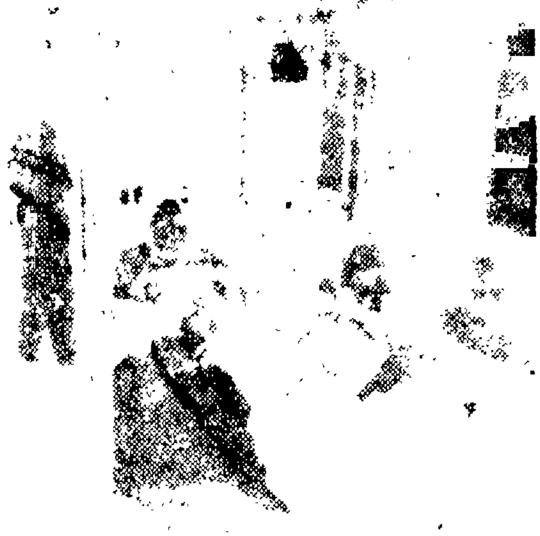
[illegible] انسان نے حیرت سے دریافت کیا

[illegible]

ایک ملک — ایک قوم

وہ مل کر کام کرتے ہیں:





ریل گاڑی کے ڈبے میں —

گورنام سنگھ مدراس جانے والی گاڑی میں سوار ہے۔
وہ کاروبار کے سلسلے میں وہاں جا رہا ہے۔ سفر لمبا ہے مگر مختلف بیوپاریوں کے ساتھ بات چیت سے
سفر کی اُکتاہٹ کم ہو جاتی ہے۔ یہ بیوپار مختلف مقامات کو جا رہے ہیں۔ کوئی ناگپور جا رہا ہے۔
کوئی حیدرآباد۔ تو کوئی وجے واڑہ۔ نیلور۔ اور کڈپا۔
وہ آپس میں مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ مگر گورنام سنگھ کے ساتھ وہ دوستی کے رشتے میں بندھ جاتے ہیں۔
دوستی کسی قسم کی حد بندی کو نہیں مانتی۔

جو دوریاں نکمے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں، ان کو دور کرنے میں مدد کیجیے

معیار کی کسوٹی پر

(ادارہ)

زبان اور قواعد (رشید حسن خاں) ناشر ترقی اُردو بورڈ، نئی دہلی۔ حجم ۱۸×۲۲، ضخامت ۳۰۵ صفحات۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ، گٹ اپ ترقی اُردو بورڈ کی روایات کے مطابق، قیمت سترہ روپیہ، دفتر شانِ ہند، نئی دہلی ۲ سے دستیاب ہے۔

یار لوگوں نے معیار کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ کتاب جس قدر مہمل اور غلطیات کا مجموعہ ہو اتنا ہی اسے سراہا جائے شہرت کے طور پر اُردو اکادمی اتر پردیش نے ان کتابوں پر زائد رقوم کے انعامات دئے ہیں جو عام حالات میں مطالعہ کے قابل بھی نہیں ہیں اور تو اور ایسے شعری مجموعوں پر ایک ایک ہزار روپیہ انعام دیا گیا ہے جن میں دیگر فنی اسقام کے بعض مصرعے ہی وزن سے خارج ہیں۔

ترقی اُردو بورڈ سے ہی رشید حسن خاں صاحب کی "اُردو املا" بڑے اہتمام سے شائع ہوئی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ "اُردو املا" سے بڑھ کر اغلاط کا مجموعہ آج تک اُردو زبان میں شائع ہی نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں ادارہ شانِ ہند نے دو مستند علماء کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے "اُردو املا" کے پہلے ڈیڑھ صد صفحات میں ہی تقریباً ایک ہزار اغلاط کی نشان دہی کی۔ یعنی اگر "اُردو املا" کی غلطیوں پر تفصیل لکھا جائے تو "اُردو املا" سے ضخیم کتاب تیار ہوگی اگر ترقی اُردو بورڈ یہ کتاب شائع کرنے کو رضامند ہو تو یقیناً اُردو ادب پر احسانِ عظیم ہوگا کیونکہ "اُردو املا" نے اُردو املا کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی ہیں وہ اُردو کی نیم مردہ رُوح کے لئے خطرناک ہیں۔ اور تو اور رشید حسن خاں صاحب [illegible] کی املا میں بھی تصرف فرمایا ہے مثال کے طور پر کیا وہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو لکھتے وقت "بسم اللہ" کے "ب" الگ لکھیں گے؟

"زبان اور قواعد" رشید حسن خاں صاحب کے [illegible] کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں انہوں نے لکھے ان مضامین پر نظر ثانی کی گئی ہے اور بعض کو از سر نو لکھا ہے بقول رشید حسن خاں تلفظ کا مسئلہ [illegible] عربی و فارسی کے بہت سے الفاظ کے [illegible] مستعمل ہیں۔ اکثر تبدیلیاں یہاں کے لہجے [illegible] آئینہ داری کرتی ہیں۔ ان تبدیلیوں سے اس [illegible] ثبوت ملتا ہے کہ دنیا کی دوسری خود مختار زبانوں کی طرح اُردو نے بھی لفظوں کو اپنے سانچے میں ڈھالا ہے [illegible] کے لحاظ سے بھی اور بناوٹ کے اعتبار سے بھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رشید حسن خاں کی [illegible] تصنیف "اُردو املا" کے مقابلہ میں قدرے بہتر [illegible] کے لکھنے میں انہیں [illegible] [illegible] ترقی بورڈ نے واقعی ایک اچھی کتاب شائع کی ہے۔

ارضیات کے بنیادی تصورات : [illegible] چیف، مترجم ڈاکٹر عابد حسین، ناشر ترقی [illegible] تعلیم و سماجی بہبود نئی دہلی۔ حجم [illegible] قیمت ۲۲ روپے، دفتر شانِ ہند نئی دہلی [illegible] مل سکتی ہے۔

[illegible] علم ارضیات جس [illegible] کی بناوٹ اور اس پر [illegible]

ہونے والی تبدیلیوں کے علاوہ علمِ ارضیات ارضیاتی ادوار پر روشنی ڈالتا ہے اور روزمرہ ہونے والی ان تبدیلیوں کا ذکر کرتا ہے جن سے گزر کر ہماری زمین اپنی موجودہ شکل میں آئی ہے۔ سورج کی گرمی، ہوا، بارش، اوس، پالا، کہر، برف یہاں تک کہ نباتات اور حیوانات سب ہی ارضیاتی عوامل ہیں۔ ارضیات ہمیں نیچر اور ارتقاءِ قدرت کو سمجھنے کا درس دیتی ہے۔ علاوہ ازیں علمِ ارضیات ہی دھاتوں، کوئلہ، تیل، نمک اور دوسرے سودمند ذخائر کا پتہ لگانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ غرضیکہ علمِ ارضیات سے واقفیت کے بغیر ہم باقاعدہ معدنیات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

علمِ ارضیات نہ صرف ہماری عام معلومات اور دائرۂ اُفق کو وسیع کرتا ہے بلکہ یہ انتہائی تجرباتی قدر و قیمت کا حامل ہے۔

یہ سائنس صرف معدنیات کا اندازہ اور پتہ لگانے کی حد تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ اپنے احاطے میں بہت ساری چیزوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر عمارتوں، سڑکوں، ریلوں، سرنگوں، باندھ، بجلی گھروں وغیرہ کی تعمیر سے پہلے علاقہ مخصوص کی زمین، چٹانیں، ان کی ساخت وغیرہ سے واقفیت بھی اسی سے حاصل ہوتی ہے اور اس واقفیت اور شمار حاصل کئے بغیر کفایت شعاری اور کم وقت میں پائیدار چیزیں تعمیر کرنا مشکل ہے۔ علمِ ارضیات میں زیرِ زمین پانی کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس پانی کو اپنی صنعتی اور روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کیسے حاصل کیا جائے؟ آب زدہ علاقوں سے پانی نکاس کیسے کیا جائے؟ علاوہ ازیں معدنی چشموں کا مطالعہ بھی علمِ ارضیات میں کیا جاتا ہے۔

ارضیات کے بنیادی تصورات کتاب کا اصل مقصد علمِ ارضیات سے واقفیت کرانا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے قارئین ایک ایسی باقاعدہ سائنس سے واقفیت حاصل کر سکیں گے اور اُن قدرتی قوتوں سے واقف ہو جائیں گے جن کا وہ اپنے قصبات میں دیہات کے آس پاس کے میدانی اور پہاڑی حصوں میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں علمِ ارضیات کے ہر پہلو پر روشنی نہیں ڈالی جا سکی یہ صرف طبیعی اور حرکاتی ارضیات پر مشتمل ہے۔ علمِ ذخائر پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے اور علمِ حجریات کے صرف مبادیات کا ذکر کیا گیا ہے طبیعی ارضیات PHYSICAL GEOLOGY میں علمِ ارضیات کی مختلف مخصوص شاخوں کا مختصر ذکر ہوتا ہے اور یہ کتاب اس مقصد کو پورا کرتی ہے۔

اُردو ترقی بورڈ یقیناً مبارکباد کے قابل ہے جس نے اُردو میں پہلی بار ایسی مفید کتاب شائع کر کے اُردو داں طبقہ کو طبیعی ارضیات سے روشناس کرایا ہے۔ کتاب ہر لحاظ سے قابلِ مطالعہ ہے اور ایسی کتابوں کا ہر لائبریری میں منگایا جانا ضروری قرار دیا جانا چاہیے۔

کھاتہ نویسی اور کھاتہ داری:۔ جناب کیو، ایچ فاروقی صدر شعبۂ کامرس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی انگریزی تصنیف (BOOK KEEPING & ACCOUNTS) کا یہ اُردو ترجمہ (جسے خود مصنف نے ہی اُردو کا لباس پہنایا ہے) بھی ترقی اُردو بورڈ نئی دہلی نے ہی شائع کیا ہے۔ یہ کتاب بھی بہترین اہتمام کے ساتھ ۱۸×۲۲/۸ حجم کے ۳۳۳ صفحات پر شائع ہوئی ہے اور اس کی قیمت بارہ روپیہ ہے۔ یہ کتاب بھی دفتر شانِ ہند نئی دہلی ۲ سے دستیاب ہے۔ بہی کھاتہ اتنی ہی قدیم چیز ہے جتنی کہ انسانی تہذیب ہے۔ ہماری تہذیب کی طرح تجارتی لین دین کا حساب کتاب رکھنے کے طریقوں میں بھی بتدریج ترقی ہوتی ہے اور آج کی دنیا میں ڈبل انٹری سسٹم کو پسندیدہ طریقہ حساب مانا جاتا ہے کیونکہ دوہرے اندراجات کے طریقہ کار کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر لین دین کے دو پہلو ہوتے ہیں یعنی کہ ایک تو منافع اشیاء اور خدمت کا لینے والا ہوتا ہے اور دوسرا دینے والا ہوتا ہے۔ اس فائدہ کو حاصل کرنے والے اور فراہم کرنے والے کی خدمات کو پیسہ سے بدل لیا جاتا ہے

آج کی دُنیا میں بہی کھاتہ ایک ضروری چیز ہے جس طرح روزمرہ کی زندگی میں کوئی شخص اپنی گھڑی یا دفتر کی گھڑی کے بغیر گزارہ نہیں کرسکتا کیونکہ اُس کی تمام مصروفیات کا انحصار وقت کے تعین پر ہوتا ہے اسی طرح ہر چھوٹے بڑے تجارتی ادارہ کے لئے بہی کھاتہ روزانہ کے لین دین کا اندراج کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

انکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس اور دیگر کئی الجھنوں سے بچنے کے لئے صحیح ڈھنگ سے رکھا ہوا حساب کتاب انتہائی مفید اور کارآمد رہتا ہے۔ وہ لوگ جو اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں سے واقف ہوں اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اُردو ترقی بورڈ واقعی عوام کے لئے مفید کتابیں شائع کرکے ایک اچھی راہ اختیار کر رہا ہے۔

پوشکن :- (ڈاکٹر ظ انصاری) اُردو ترقی بورڈ نئی دہلی کی ایک ایسی کتاب جو ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔ جناب ظ انصاری روس تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے پوشکن کی مختصر سی، لیکن بھرپور، رنگارنگ، بے قرار اور مردانہ وار زندگی کے ساتھ اُس کے فن کا کاوشوں، بندشوں اور سازشوں کا مطالعہ انہماک کے ساتھ کیا اور اس دَور کی تہذیبی زندگی اور ذہنی پیچ وتاب سے روشناس ہونے کے بعد اس بڑے شاعر اور اس کی شاعری نیز طرزِ بیان سے آگاہ ہوئے اور اس پس منظر پر بھی چھا گیا جس پر اگلی نسلوں نے سوانگ رچایا۔ کوئی بھی بڑا فنکار اپنے وقت کا ترجمان اور آنے والے عہد کا اعلانچی ہوتا ہے اور کوئی اہم تاریخی دَور ایسی ہستی سے خالی نہیں جاتا۔ اور اُنہوں نے پوشکن کی زندگی اور فن کا مطالعہ کافی غور وخوض کے ساتھ کیا اور یہ سب کچھ اُنہوں نے اس کتاب میں سمو دیا ہے۔ ظ انصاری کا فرمان بالکل بجا ہے کہ اُردو ہی نہیں بلکہ کسی بھی ہندوستانی زبان میں ابھی تک پوشکن کا کلام یا اس کی حیات وفن پر قابلِ ذکر کام سامنے نہیں آیا ہے۔ بے شک پروفیسر مجیب نے اپنی اہم اور قابلِ قدر تصنیف روسی ادب (جلد اول) میں پوشکن پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ مگر ظ انصاری نے ماسکو میں پوشکن کے ۸ ہزار مصرعوں کا منظوم ترجمہ کیا۔ اور یہ ترجمہ پوشکن کے خیال، مصرعے کے الفاظ کے پہلو اور رنگِ سخن کو کترنے یا بدلنے کے بغیر کیا گیا ہے اور ظ انصاری صاحب اپنی منظوم زبان کے بوتے پر شاعر کے ساتھ سائے کی طرح چلتا گیا ہے۔

پوشکن واقعی قابلِ مطالعہ کتاب ہے اور ظ انصاری کچھ حلقوں میں خواہ کیسے ہی سمجھے جاتے ہوں مگر ان کی یہ کتاب اُنہیں اہلِ قلم اور شاعر منوانے کے لئے ایک سند کا درجہ رکھتی ہے۔

پوشکن ۱۸×۲۲/۸ سائز کے ۲۳۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور اس کی قیمت بارہ روپیہ ہے یہ قابلِ قدر کتاب دفتر شانِ ہند نئی دہلی ۱۲ سے بھی مل سکتی ہے۔

تالستائے :- تالستائے کی زندگی اور فن کا یہ مطالعہ جناب ڈاکٹر محمد یٰسین علی گڑھ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے جسے ترقی اُردو بورڈ نئی دہلی نے طباعت کی تمام رعنائیوں کے ساتھ ۱۸×۲۲/۸ سائز کے ۱۵۲ صفحات پر شائع کیا ہے۔

افسانہ اور ناول کا نام سنتے ہی ہمارے ذہن میں جہاں ڈکنس، بالزاک اور ہارڈی، منشی پریم چند، کرشن چند اور ایسے کئی دیگر ملکی و غیر ملکی فسانہ نگاروں اور ناول نویسوں کے اسمائے گرامی اُبھرنے لگتے ہیں وہاں تالستائے کا نام سرِ فہرست نظر آتا ہے جس کے دو ناول "جنگ اور امن" اور "انا کرنینا" اپنی اشاعت کے سو سال گزر جانے کے بعد بھی ہمارے لئے فن کے بہترین نمونے ہیں کاش اُردو میں بھی ایسے ناول لکھے جاتے۔

ہندوستان میں تالستائے کی اہمیت کا احساس اس کی سیاسی تصانیف کی بدولت شروع ہوا جبکہ مہاتما گاندھی نے اس کے عدمِ تشدد اور سول نافرمانی کے اصولوں کی تقلید کرتے ہوئے برطانوی سامراج کے ایوانوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ گاندھی جی نے تالستائے کو اپنا گرو مانا ہے اور اُس کی تعلیمات کا ہماری تحریک آزادی پر گہرا اثر

پانچ بیش بیش نظر تصنیف تالستائے کی سوانح حیات اور ادبی تصانیف کو اردو پڑھنے والوں سے روشناس کرانے کی ایک مختصر کوشش ہے۔ اس میں شہزادہ سپاہی، عاشق، فنکار، فلسفی مصلح اور باطنی تالستائے کے ذاتی تاثرات کے علاوہ خصوصی طور پر اس کے افسانوی شاہکاروں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

یہ کتاب بھی..... شائع کرکے اُردو ترقی بورڈ نے اپنے فرائض کا احساس بڑی نیک نیتی سے کیا ہے۔ اس کتاب کی قیمت سوا نو روپیہ ہے اور ناشر کے علاوہ دفتر شانِ ہند نئی دہلی سے بھی دستیاب ہے۔

برنارڈ شا :- (عبد المغنی)، صفحات ۹۶، سائز $\frac{18 \times 22}{8}$، قیمت چار روپیہ ناشر ترقی اُردو بورڈ نئی دہلی۔ دفتر شانِ ہند نئی دہلی ۲ سے بھی طلب فرما سکتے ہیں۔ وکٹوریہ عہد، شا کے ابتدائی ایام، تصنیفی جد وجہد کا آغاز، شہرت و مقبولیت، شا کا نظریۂ فن و ادب، جدید مغربی سماج پر تنقید، شا کا فلسفۂ حیات، شا کے دیباچے، شا اور فن ڈرامہ نگاری، شا کا اسلوب، شا کا مقام اور پیغام۔ یہ گیارہ عنوانات ہی اس امر کی ضمانت ہیں کہ یہ کتاب مطالعہ کے قابل ہے۔ فاضل مصنف نے ہر عنوان کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔ برنارڈ شا پر اُردو میں یہ مختصر سی کتاب بہر طور اپنا ایک مقام رکھتی ہے اور ترقی اُردو بورڈ کے ارکان کی فرض شناسی کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

چار درویشوں کا قصہ :- مرتب ڈاکٹر نور الحسن نقوی، حجم $\frac{18 \times 22}{8}$ سائز کے ۹۴ صفحات۔ ناشر ترقی اُردو بورڈ، نئی دہلی۔ قیمت تین روپیہ پچیس پیسے۔ ملنے کا پتہ ناشر یا دفتر شانِ ہند نئی دہلی ۲۔

کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی طبیعت خراب ہوئی۔ حضرت خواجہ امیر خسروؒ ان کے مرید اور بڑے عزیز شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنے پیر کا دل بہلانے کے لئے ایک قصہ سنایا۔ یہ قصہ تھا چار درویشوں کا۔ حضرتؒ اچھے ہو گئے تو اُنہوں نے دعا دی کہ جو اس قصے کو سُنے شفا پائے۔ یہ قصہ واقعی بہت دلچسپ ہے۔ اپنا تو یہ یقین ہے کہ جو بیمار اس قصے کو پڑھے یا سنے گا وہ اب بھی شفایاب ہو سکتا ہے۔

بشرطیکہ اس کا عقیدہ راسخ ہو۔

ادب کسے کہتے ہیں :- اطہر پرویز صاحب ایک بہت اچھا لکھنے والے ہیں اُنہوں نے زیر نظر کتابچے میں بچوں کو بڑے ہی دلنشین انداز میں سمجھایا ہے کہ ادب کسے کہتے ہیں۔ یہ کتابچہ بچوں کے لئے ہی نہیں بڑے بوڑھوں کے لئے بھی ایک نعمت ہے خصوصاً اُن بے ادب ادیبوں کے لئے جنھوں نے ادب کو سوقیانہ رنگ دے رکھا ہے۔ ترقی اُردو بورڈ یقیناً تعریف کے قابل کام کر رہی ہے اور ایسی کتابوں کو بچوں کے لئے شائع کر رہی ہے جو ہر طور پر قابلِ مطالعہ ہیں اور مفید ہیں۔ اس کتابچہ کا حجم ۳۲ صفحات ہے اور قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے ہے۔ دفتر شانِ ہند نئی دہلی ۲ یا ترقی اُردو بورڈ نئی دہلی سے طلب فرمایا جا سکتا ہے۔

دیس دیس کی کہانیاں :- اس کتابچہ کو بھی اطہر پرویز نے ہی ترتیب دیا ہے۔ یونان، چیکوسلواکیا، آئرلینڈ، ہندوستان، روس، جاپان کی سات کہانیوں کا یہ مجموعہ بچوں کے لئے بہت ہی مفید اور یہ واقفیت بہم پہنچانے والا ہے کہ دوسرے ممالک کی قدیم کہانیاں کیسی ہوا کرتی تھیں اس کتابچے کو بھی ترقی اُردو بورڈ نئی دہلی نے بڑے اچھے انداز سے چھاپا ہے۔ حجم ۳۶ صفحات، قیمت دو روپیے پچیس پیسے ناشر یا دفتر شانِ ہند نئی دہلی سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

عقلمند مچھیرا :- جناب ہاشم ندیم نے اس کتابچے میں عقلمند مچھیرے کے علاوہ چور، اُستاد اور شاگرد، گدھے کی حجامت، سچا دوست، دو دیکادوست، سخی حاتم، مختصر ڈرامے اکٹھے کر دئے ہیں۔ یہ ڈرامہ اخلاقی، آپسی بھائی چارا۔ مذہبی یکجہتی، اتفاق اور رواداری کے آئینہ ہیں جو بچوں کے دلوں میں ان اخلاقی قدروں کی قدر و منزلت بڑھانے تریاق کا کام دیتے ہیں۔ اس قسم کی مفید کتابیں سرکاری طور پر لائبریری میں بھجوائی جانی ضروری ہیں۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل یہ سات ڈراموں کا مجموعہ ترقی اُردو بورڈ نئی دہلی نے شائع کیا ہے اور دو روپیہ بیس پیسے میں ناشر سے یا دفتر شانِ ہند نئی دہلی ۲ سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

نایاب اور مشہور اُردو کتابیں منگائیے

[illegible] لہولہان ترکمان گیٹ

ہندوستان کا ایک اور جلیان والا باغ

مہاجر شمس الدین

۱۹ اپریل ۱۹۷۶ء ہندوستانی تاریخ کا خون میں ڈوبا ہوا ایک اس دن کا ذکر کرتے ہوئے مورخ کے قلم سے خون ٹپکے گا اور کون ہے جو اس دن کو یاد کر کے خون کے آنسو نہیں روئے گا تاریخ کے اس تاریک ترین دن میں نہ صرف ترکمان گیٹ کے سینکڑوں بے گناہوں کا خون بہا کر معصوم بچوں کو یتیم اور سہاگنوں کو بیوہ بنایا گیا تھا نہ صرف بایوں کے سہارے اور ماؤں کی گود اجاڑی گئی تھی بلکہ اس دن دنیا کی سب سے بڑی اور عظیم جمہوریت کا تماشا ہی نے گلا گھونٹ کر گڑھے میں پھینک دیا تھا آج وہ دن جب یاد آتا ہے تو جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اس دن کو یاد کر کے ہٹلر، مسولینی، چنگیز اور ہلاکو کی روحیں شرم سے پانی پانی ہو رہی ہونگی اس تباہی کی داستان سنجے گاندھی کی اس تقریر سے شروع ہوتی ہے جو انھوں نے مسجد فیض الٰہی آصف علی روڈ پر ایک اکھاڑے کا افتتاح کرتے ہوئے فرمائی تھی، موصوف نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا کہ یہ علاقہ بہت گندا ہے یہاں صفائی کی بہت سخت ضرورت ہے یہاں کے لوگ جاہل ہیں یہ جہالت دور کرنے کے لیے اور صفائی کے لیے یہاں ایک تنظیم بنانے پر زور دیا دراصل اس تنظیم کا مقصد آئندہ وزیر اعظم بننے کا خواب دیکھنے والے سنجے گاندھی کے ہاتھ مضبوط کرنا تھا جہالت دور کرنے والی اس تنظیم کی اصلیت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اس تنظیم نے یعنی یوتھ کانگریس نے عین میلاد النبی کی شب کو جبکہ ہمیں یاد الٰہی میں مصروف رہنا تھا بہالک تیلیان میں فحش ناچ گانے کرائے اس محفل کی شمع تھیں سنجے گاندھی کی پرائیویٹ سیکریٹری رخسانہ بیگم جو اب افسانہ بیگم ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس شمع محفل افسانہ بیگم کے جلوے دیکھنے والے کہ عید میلاد النبی کے اس موقع پر بے پردہ [illegible] مسلم خواتین کو اپنی حیا اور شرم [illegible] [illegible] لا کر اپنے ساتھ [illegible] شامل ہونے کی دعوت دی اور علاقے کے کانگریسی [illegible] بننے جو اس [illegible] پروانے بنے ہوئے تھے انھوں نے اس بدنام زمانہ کی پُر زور تائید کی۔ ویسے یہ دلچسپ بات ہے کہ وہی لوگ اس وقت اس کی مخالفت [illegible] ان شہیدوں کی یاد میں جن کے خون سے وہ خود بھی [illegible] جلی حرفوں میں پوسٹر شائع کر کے خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ اب ہماری بربادی کا وقت آ رہا تھا ۱۳ اپریل ۱۹۷۶ء [illegible] چوکوار ٹر دوجانہ [illegible] واقع آصف علی روڈ پر [illegible] ساتھ [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] گئے اور اسی سلسلے میں ہمارا ایک وفد [illegible]
[illegible] سے ملا ہمارے خبر آئی کہ مسجد راجہ دھنی تشریف
[illegible] ایک بے جگہ کوئی افسر ایسا نہیں آیا جو ہمارے
[illegible] کو حل کرتا ۔ ۱۲ اپریل [illegible] بروز [illegible] کا واقعہ ہے اس
سے پہلے ہمارا ایک وفد راجیش شرما (و اسد یوم) کی سرکردگی میں
اپریل کے اول ہفتہ نائب وزیر تعمیرات سے ملا اور ان سے
[illegible] ملاقات بتلائے تو انہوں نے کہا کہ تمہارا [illegible]
[illegible] مکان نہیں توڑے جائیں گے لیکن ہماری ساری
کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ قریب ۱۰ بجے صبح جب نماز
کے لیے آدمی اٹھنے لگے تو پولیس نے انہیں اٹھنے نہیں دیا اور
زبردستی وہاں بٹھا دیا۔ اذان ہو گئی جو آدمی مسجد میں تھے وہ نماز
میں مشغول ہو گئے، تب علاقہ اے ڈی ایم بھنڈاری صاحب
نے کہا ان سب کو گھر بھیجو اور تین آدمی ہم سے بات کر لو تو ہم
نے عورتوں اور بچوں سے کہا کہ تم اپنے گھر جاؤ ہم بات کر لیتے ہیں
تو عورتیں اپنے گھر جانے لگیں تو اتنے میں جیل کی گاڑی مسجد کے
سامنے آ گئی اور عورتوں کو پکڑ پکڑ کر گاڑی میں ڈالنا شروع
کر دیا اور ادھر کشمیری گیٹ کی طرف سے ایک ٹرک آیا جس
میں ڈی ڈی اے کے مزدور تھے۔ انہوں نے ٹرک پر پتھر پھینکے
اور عوام سے کہا کہ جب ہم پُرامن طریقے سے ان کو گھر بھیج رہے
ہیں تو اب ان عورتوں کو کیوں گرفتار کیا جا رہا ہے لیکن انہوں
نے ایک نہ سنی اور پتھر بازی تیز کر دی، اور لاٹھی چارج کر دیا
اس کے بعد آنسو گیس چھوڑا اور ہم علاقے کے رہنے والے ہندو
مسلمان جو موجود تھے انہوں نے عورتوں کو گاڑی سے نکال دیا۔
اس کے بعد مسجد کے اندر آنسو گیس چھوڑا گیا اور مسجد کے اندر
گھس کر سارے نمازی مع امام گرفتار کر لیے گئے اور ان کو اس
بُری طرح مارا گیا کہ ادھ مرے ہو گئے۔ اور ان کو گاڑی میں
ڈال کر لے گئے۔ اور ہم پر آنسو گیس اور ربڑ گولیوں کی بوچھار

[illegible] اور ہم ان گولیوں کا مقابلہ کرتے [illegible] رہے اور
عورتوں کی عزت بچانے میں مصروف رہے اور آنسو گیس کا اثر
[illegible]
[illegible] ہو کر [illegible] ہسپتال پہنچایا گیا
اور پولیس نے اپنا ہم اور تیز کر دیا اور ہم بھی [illegible]
اس ظلم کا مقابلہ کرنے میں مصروف رہے اور ہمارے بہادر [illegible]
نے [illegible] دیا پتھر توڑ کر دینا بے ہوش
ہونے والوں کو پانی دینا اور ان کو جدا کر کے ہوش میں لانا
اور اس وقت انہوں نے اپنی بہادری کا ثبوت دیا بہنوں نے
بھائیوں سے کہا ہم نے تم کو خدا کے سپرد کر دیا تم ہماری عزت
بچاؤ خدا تمہاری مدد کرے گا اور ہم بھی خدا کے فضل سے
بزدل نہیں ہم بھی انشاءاللہ حضرت عائشہ صدیقہ اور خولہ
بنت الازور کی سنت ادا کریں گے اور سلطانہ رضیہ اور رانی
جھانسی کی یاد تازہ کر کے دکھائیں گے اور ماؤں نے اپنے بچوں
کو للکارا ہم نے تمہارا دودھ معاف کیا اور تم ظلم کا مقابلہ کرو
خدا تمہاری مدد کرے گا۔ اپنی بہنوں کی عزت بچانے میں اگر
تمہاری جان بھی جاتی ہے تو پرواہ نہ کرنا شہید ہو گئے ہم سب
لوگ مقابلہ کرتے رہے اور پولیس کو محلے میں گھسنے سے روکنے
کی کوشش کرتے رہے اور ہمارے گلی کے قریب ہی ایک
لڑکے عبدالمالک ملا جس کی عمر ۲۰۔۲۲ سال کی تھی سینے میں گولی
لگی اور جاں بحق ہو گیا۔ جب اس کے باپ کو خبر ملی کہ میرا بیٹا گولی
کا نشانہ ہو گیا ہے تو اس نے جوش میں کہا کہ ظلم کا مقابلہ کرتے
ہوئے گولی کھائی وہ شہید ہوا ہے خدا سب کو ہمیشہ ایسی ہمت
دے کہ ظلم کا مقابلہ کرے اور مظلوم کی حمایت کا سلسلہ جاری
رہے اتنے میں ایک لڑکے ظہور الدین جو پھاٹک رام کشن
داس مکان نمبر ۲۲۴۔ الف کا رہنے والا تھا اس کی دو بہنیں میرے
لڑکوں کو بیاہی ہیں اور اس کی دو پھوپھیاں بھی رہتی ہیں وہ
ان کو دیکھنے آیا تھا۔ اس کے بھی سینے میں گولی لگی اور اس
[illegible] دو لڑکے اور [illegible] لڑکے [illegible]
تھے اور اس کی لاش کو اس کے گھر [illegible] اس کی عمر تقریباً
۲۰ سال کی تھی اور اس کی شادی کو کل [illegible] ہوا تھا جو

کہ شہید ہونے کے آدھا گھنٹہ بعد لڑکی پیدا ہوئی [illegible]
سے ہوتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور دیکھا تو وہ فرش خون سے لت پت
تھی اور کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر شہید ہونے
والے شہید کے والد نے کہا کہ بھائی میں نے اپنے لڑکے کو
قربان کیا اور مجھے فخر ہے کہ میرا لڑکا ظالموں کے مقابلے
اور مظلوموں کی حمایت میں شہید ہوا، اور اس کی ماں نے
کہا میرے شہید بیٹے میں نے تیرا دودھ معاف کیا اور انہوں
نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپا جی ہمارے بھائی نے ہماری
عزت کی خاطر ظالم کا مقابلہ کرتے ہوئے سینے پر گولی کھائی
کہ ہم بہت خوش قسمت ہیں کہ ہمارا بھائی شہادت کی
موت مرا خدا سب کے بھائیوں کو شہادت کی موت نصیب
کرے اور اس کی بیوی عورتوں کے ہجوم میں تھی اور جس نے
بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ میں تیرے مہر کو معاف کرتی ہوں۔
اور اپنی ساس سے لپٹ کر کہا کہ میرا اور اس کا آج تک کا
ساتھ تھا ہم اور آپ بہت خوش نصیب ہیں کہ تم نے ایسے
بیٹے کو جنم دیا جو ظلم کا مقابلہ اور اپنی بہنوں کی عزت بچاتے
ہوئے شہید ہوا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا خاوند دیا
لیکن اس وقت کا منظر دیکھنے والوں میں ایک کہرام مچا ہوا
تھا جو دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ جب اس کی لاش کو اٹھایا جا رہا
تھا تو قریب چمن بلڈنگ کے دو لاشیں اور پڑی دیکھی
گئیں لیکن نہیں پتہ کہ کس کی تھیں۔ یہ گولی کا سلسلہ چار
گھنٹے تک جاری رہا۔ اور اس عرصہ میں ہم نے سب بچوں
اور عورتوں کو گھروں میں پہنچا دیا اور دونوں طرف گولی چلنے
میں نہ معلوم کتنے آدمی شہید ہوئے آخر پولیس نے قابو پا لیا
اور باقی ادھر ادھر چھپ گئے، اب سی آر پی پولیس گھروں
میں گھسنا شروع ہوئی اور لوٹ مار اور اندھا دھند گرفتاریاں
شروع ہوگئیں اور جو کوئی بھی گھر میں ملتا اس کو اتنا مارتے
تھے اور گھسیٹ کر باہر سڑک پر ڈال کر اتنا مارتے تھے کہ
وہ ادھ مرا ہو جاتا تھا اور پھر اس کے ہاتھ پیر پکڑ کر موٹر
میں جانوروں کی طرح ڈال دیتے تھے۔ اور جو کوئی جہاں
چھوڑا اور کسی [illegible] سب کو گرفتار کیا [illegible]

[illegible]
ہو گیا کیونکہ وہ [illegible] نہیں سکتا تھا [illegible]
جگہ پر مارا اس کے باپ کو پکڑ کر [illegible]
[illegible] اور دونوں باپ بیٹا
کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور موٹر میں ڈال دیا لیکن [illegible]
والوں نے لڑکے کو نکال دیا اسی طرح ایک لڑکا [illegible]
کا ہے وہ بھی اپاہج ہے اور وہ کھڑے ہو کر چل بھی نہیں سکتا
وہ چوتڑوں کے بل گھسیٹ کر چلتا ہے اس کو بھی [illegible]
جب وہ بے ہوش ہو گیا تو گلی میں پھینک [illegible]
نمبر ۱۱۷۹ میں گھس [illegible] ضعیف آدمی [illegible]
کی نماز ادا کر رہا تھا اس مکان کا دروازہ بند تھا پولیس نے
دروازہ کو توڑنے کی کوشش کی تو محمد علی نے تنگ آ کر [illegible]
ہو کر دروازہ کھولا اور پولیس نے اندر گھستے ہی محمد علی کو مارنا
شروع کیا وہ زمین پر گر پڑے اس کا لڑکا مدد کے لئے آیا
تو اس کو بھی مارا اور دونوں باپ بیٹوں کو اسی بے ہوشی کی
حالت میں گھسیٹ کر لے گئے اور موٹر میں ڈال کر لے گئے
اب اس گھر میں کوئی مرد نہ تھا صرف محمد علی کا پوتا جس کی عمر
آٹھ سال ہو گی۔ پولیس نے اندر گھس کر [illegible]
عورتوں نے کہا کہ یہاں اب کوئی مرد نہیں [illegible]
کے تو پولیس نے اس لڑکے کو [illegible]
ٹانگ ہاتھ میں پکڑ کر [illegible]
اسے ایسے کہا جیسے چیرنا چاہتے ہوں اور [illegible]
بتاؤ مرد کہاں ہیں ورنہ اس کو ہم چیر دیں گے [illegible]
بند کر دیا تھا اور پھر عورتوں پر [illegible]
ہو گئیں ان میں زیادہ پڑھنے والی دو عورتیں [illegible]
اور [illegible] تھا وہ سب ان عورتوں [illegible]
[illegible] ہے۔ اس مکان میں ایک [illegible]
[illegible]

[illegible] ہو کر ان پر ہو گیا اور لوگ [illegible] بھاگ کر دو منزلہ مکان میں اور کوٹھے پر [illegible] چھت [illegible] اوپر آ گئے یہ سب پر جا کر چھپ گئیں اور ان کے گھر میں ایک قسم کا بکھراؤ کیا گیا نقدی زیورات اور دیگر توڑ دیے گئے اور انہیں [illegible] خدا نے ان کی عزت بچائی۔ اسی طرح ایک [illegible] چوک تیلیا پل کے سامنے والے مکان میں جو اس میں للو نامی ایک شخص رہتا تھا جس کی بیوی کا نام اللہ رکھی ہے پولیس دروازہ کھول کر اندر گھس گئی جاتے ہی للو کو مارنا شروع کر دیا اور اسی کے سامنے اس کی بیوی اللہ رکھی کو مارا جس سے اللہ رکھی کی ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہو گیا اور بندوق کا کندا پیشانی پر مارا جس سے اس کی پیشانی پھٹ گئی۔ جس کا نشان اب بھی موجود ہے اور للو کو نیم بے ہوشی کی حالت میں لے گئے اور اب عورتوں پر ظلم کرتے اللہ رکھی کے لڑکے کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے مارتے رہے اور اس کو زبردستی ایک کمرے میں لے جانے لگے لیکن وہ بھاگ کر اپنی ساس کے آغوش میں آ گئی اور اسی طرح اس کا لڑکا [illegible] اتنا پیٹا کہ بے ہوش ہو گیا جہاں ہاتھ نہ لگتا تھا وہاں [illegible] بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئی اسی طرح [illegible] میاں کے ساتھ بھی اور اس کی بے عزتی کی اور مار پیٹ سے اور صدمے سے اللہ رکھی کی بینائی بھی جاتی رہی ہے۔ اور اسے اب بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ اور ان کے علاوہ کئی جگہوں سے بھاگنے والوں نے لڑکیوں کو پولیس کی گرفت سے چھڑوا لیا کہ وہ عزت لوٹنا چاہتے تھے اسی دوران ایک مکان سے آواز آئی۔ اے خدا مجھے اتنی مار پر بھی موت نہیں آئی میں اپنے سامنے [illegible] دیکھ رہا ہوں اور کچھ کر نہیں سکتا آواز سن کر لوگ گھر میں گھس گئے دیکھا کہ اس کی لڑکی کو چار پولیس والوں نے پکڑ رکھا ہے اور اس کے ساتھ زبردستی کر رہے ہیں باپ بے ہوشی کے عالم میں دیکھ رہا ہے۔ قریب تھا کہ اس کی عصمت لٹ جائے لیکن لوگوں کو دیکھ کر [illegible] میری عزت بچا لو کیونکہ اپنی جان کی [illegible] ہوئے اپنی بہن کی عزت بچائی اور اس کو

وہاں سے [illegible] میں کامیاب ہو گئے ایسے ہی ایک نابالغ لڑکی جس کی سن بلوغت ابھی شروع ہوئی تھی اور اس کی چھاتی ابھی ابھرنی شروع ہوئی تھی ظالموں نے اس کی چھاتی کو اس طرح مسوڑا کہ وہ زخمی ہو گئی اور خون نکلنے لگا اور ایسے واقعات اور بھی بہت ہوئے لیکن میں لکھ نہیں سکتا میرا دل بھر آتا ہے اور رونا آتا ہے اس لیے مختصر کرتا ہوں اب تقریباً ۸ بجے کا وقت ہے اور کرفیو لگا دیا گیا اس سے پہلے کہ میں دوران کرفیو کے حالات لکھوں دو اور واقعوں کی جانب ناظرین کو متوجہ کر دوں۔

۱۸ اپریل کو معلوم ہوا کہ سنجے گاندھی اور جگموہن رنجیت ہوٹل میں کوئی میٹنگ کر رہے ہیں تو چودھری قیام الدین کی سرکردگی میں ایک وفد رنجیت ہوٹل گیا تو ہوٹل کے ایک عالیشان کمرے میں جہاں سے ترکمان گیٹ نظر آتا تھا جہاں ڈی ڈی اے کے چیئرمین ظالم جگموہن اور کارپوریشن کے ممبر رمیش دتہ اور نہ معلوم عورتیں اور سنجے گاندھی بیٹھے ہوئے تھے سنجے سے خوشامدیوں اور کافی میل محبت کے بعد قیام الدین اور ان کے ساتھی کمرے میں داخل ہوئے اور درخواست کی کہ ہمارے گھر اس وقت تک نہ اٹھائے جائیں جب تک کہ کوئی دوسرا گھر نہیں مل جاتا۔ اس پر جگموہن ان لوگوں پر برس پڑا اور چیخ کر کہا گیٹ آؤٹ ہم وہ کریں گے جو ہماری مرضی ہوگی ہم یہاں دوسرے پاکستان کو برداشت نہیں کرتے۔ وہ وفد وہاں سے واپس آ گیا اور اسی تاریخ میں کانگریسیوں کی کسی دوسری جگہ پر میٹنگ ہوئی جس میں جھگڑا کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ جس کا علم سی، آئی، ڈی کو ضرور ہوگا۔ خیر اب میں دوران کرفیو کی طرف آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ اس وقت کیا ہوا بجلی کاٹ دی گئی بالکل اندھیرا کر دیا گیا اور بلڈوزروں نے مکان توڑنے شروع کر دیے اس وقت مکان میں کوئی [illegible] مرد موجود نہ تھا بہت سے گرفتار کر لیے گئے تھے اور بہت سے گرفتاری کے سبب فرار ہو گئے تھے اب صرف کچھ بوڑھے اور بچے اور عورتیں

گھروں [illegible] - پولیس بھی آگئی گلیوں میں گھس گئی اور گھروں میں گھس کر سامان لوٹنا شروع کیا اور عورتوں کی بے عزتی کی۔ اس وقت ایک کی چیخ پکار دوسرے گھر کے رہنے والے سنتے تھے لیکن کچھ نہیں کر سکتے تھے نہ جانے کتنی خوبصورت اور نیک اختر بیٹیوں کی عزت ان درندوں نے لوٹی کیونکہ ہر گھر سے شور و غل کی آواز آتی تھی کہ اے اللہ ہماری عزت کی حفاظت کر اور گھروں سے ننگے پیر اور ننگے سر بھاگ کر میدان میں جمع ہو جاتی تھیں کوئی کہتی تھیں کہ میری بہن کو پکڑ لیا ہے اور اس کی عزت لوٹ لی ہے بہت سی عورتوں کی شرمگاہوں پر ٹھوکریں مار مار کر زخمی کر دیا تھا یہ سب کارگزاری کرنے والے میرے ملک کے بہادر سپاہی ہیں۔ جنہوں نے اپنی ہی بہنوں کی عزت لوٹی۔ ایسا جلیان والے باغ میں بھی نہیں ہوا۔ جب کہ اس وقت غیر ملکی حکومت تھی ان کے سپاہیوں نے کسی کی بہو بیٹیوں کی بے عزتی نہیں کی القصہ بلڈوزر چلتے رہے مکان توڑتے رہے اور عورتیں اور بچے اور ضعیف آدمی اپنا سامان نکال کر جتنا نکال سکے آکر میدان میں بیٹھ گئے اور اپنی بربادی کا منظر دیکھتے رہے ہماری مدد کرنے والا سوائے خدا کے کوئی نہیں تھا کیونکہ بہت سے گرفتار ہو چکے تھے اور کچھ خوف سے فرار ہو چکے تھے ۱۹ اپریل کی رات ہمارے لیے مصیبت بھری اور بہت بے بسی کی رات تھی کوئی عورت کہتی میری بیٹی کہاں تو ہم کچھ بوڑھے اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے تو پولیس ہمیں جانے نہیں دیتی تھی کہ کرفیو لگا ہوا ہے ہم مجبور ہو کر میدان میں بیٹھ جاتے ہم نے دیکھا جو لڑکیاں نہیں بھاگی تھیں جب وہ میدان میں آئی ہیں تو ان کے سر پر دوپٹے نہیں تھے اور بعضوں کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ زبردستی نازیبا سلوک کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اکثر اپنی ماں بہنوں سے چمٹ جاتی تھیں جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ کہاں تھی اور کیا ہوا تو رو کر اور چیخ کر جواب دیتیں کہ خدا را ہم سے کچھ نہ پوچھو ہمارے ساتھ نا سب کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا تھا۔ اب ہمیں برادری کیا

کہے گی۔ ایک روتا پیٹتا ہو رہا تھا تب [illegible] تشریف لائے اور روتے ہوئے ان سب کو سمجھایا اور صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ تمہاری برادری میں اور عزت بڑھی ہے۔ اور زنان کربلا کا رتبہ اللہ نے عطا کیا ہے زبردستی سے عزت جاتی نہیں اور دوبالا ہوتی ہے۔ خیر وہ رات ختم ہوئی اور دن نکلا اور ہمیں حکم ملا یہ جگہ خالی کر دو تو ہم نے سامان اٹھا کر پھاٹک کے باہر سڑک پر رکھا اور بیٹھ گئے اور سوچ رہے تھے کہ الٰہی کیا کریں۔ صبح سے بوڑھے عورت مرد بچے بھوکے پیاسے تھے اور رات بھر کے جاگے مصیبت کے مارے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ الٰہی اب کیا کریں، تو ہماری مدد فرما تیرے سوا کون ہے تو خدا نے ہمارے لیے پہاڑی بھوجلہ والوں کو فرشتہ بنا کر بھیجا اور وہ ہمیں انجمن میں لے گئے اور ہمارا سارا سامان بھی اور ہمیں کوئی محنت نہ کرنے دی اور انجمن میں جاتے ہی ہمیں چائے ڈبل روٹی یعنی بہت اچھا ناشتہ کرایا اور تسلی دی اور کہا خدا ظلم برداشت نہیں کرتا ہے تمہاری قربانی رنگ لائے گی پھر تھوڑی دیر کے بعد کھانا کھلایا غرض یہ کہ پانچ چھ دن ہمیں اسی طرح ناشتہ کرایا ہر چیز ہمیں وقت پر ملتی رہی حد تو یہ کہ پان بیڑی سگریٹ یہ سب کچھ اندر ہی ملتا رہا اور پہاڑی والوں اور چلنے والوں سے کہہ دیا گیا تھا کہ پھاٹک [illegible] کا رہنے والا جو کچھ مانگے وہ دو اور کوئی پیسہ مت لو غرض جتنی مدد ہماری بھوجلہ پہاڑی والوں نے کی خدا ان کی مدد کرے اور ہم سب اس کے شکر گزار ہیں اور دعا گو ہیں کہ خدا ان کے عزم کو برقرار رکھے اور خدا ان کو دنیا میں عزت بخشے اور عقبیٰ میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے آمین۔ گرفتار شدگان میں ۲۰۲ مرد [illegible] اور کچھ عورتیں بھی تھیں [illegible] لیکن بچوں سے پوچھ گچھ کر کے دوسرے دن چھوڑ دیا گیا تھا لیکن [illegible] میں ان کے ساتھ [illegible] نہیں [illegible] کہا [illegible]

دو [illegible] کے [illegible] جنگل میں جانوروں
کی طرح پھینک دیا گیا جہاں پر سایہ نام کو بھی نہیں تھا۔
یہاں بھی ہمارا کوئی پرسان حال نہ تھا نہ کوئی کھانے پینے
کا سامان تھا۔ دوسرے روز شہر سے ہمارے بھائی چاول اور کچا
کھانے کا سامان ہمارے پاس لے کر آئے اور ہم نے دو دن
کے بعد کھانا کھایا اور دوسرے دن برتن اور کپڑے اور کھانے
کا سامان ملے اور ہم اس میدان میں آندھی، طوفان،
بارش کا مقابلہ کرتے رہے اور خدا سے اپنی خطا
کی معافی مانگتے رہے کیونکہ یہ ہمارا ایمان ہے کہ جب ہم خدا
اور رسول کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق زندگی نہیں
گزاریں گے تو خدا اپنے ارشاد کے مطابق ہمارے اوپر ظالم
بادشاہ مسلط کر دے گا تو اس نے ہم پر سنگھ اور جگ موہن
جیسے نااہل مسلط کر دیئے جن میں حکومت سے ذرا بھی لگاؤ
نہیں تھا۔ جیسے ہی اور رضاکار ہمارے پاس سنگھری میں
کوئی سرکاری سیاسی لیڈر نہیں آیا سوائے مولانا امداد صابری
کے اور وہ اپنے ساتھ کچھ کپڑے اور کھانے کا سامان بھی لائے
تھے اور ہمارے پاس دو تین گھنٹے گزارے اور ہمیں تسلی
اور قرآن و حدیث کا حوالہ دے کر سمجھاتے رہے اور یہ بتایا
کہ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہوتا ہے اس کے بعد
۲۴ اپریل ۱۹۷۶ء کو صدر جمہوریہ بیگم عابدہ احمد صاحبہ
تشریف لائیں جن کے ساتھ اور کئی مہیلائیں تھیں وہ اپنے
ہمراہ سامان اور کپڑے لے کر آئیں تھیں جن کو ہم نے لینے
سے انکار کر دیا کہ اس طرح ہماری عاقبت خراب ہو جائے گی
لیکن آپ نے فرمایا یہ سرکاری مدد نہیں ہے یہ مہیلا سوسائٹی
کی طرف سے ہے آپ قبول کر لیں وہ ہم نے لے لیا۔ پھر
انہوں نے ہمارے حالات معلوم کیے تو ہم نے جو واقعہ گزرا
تھا بتایا تب انہوں نے ہم سے کہا ان لڑکیوں کو دکھاؤ جن
کے چوٹ لگی ہے جب ہم ان لڑکیوں کو بیگم صاحبہ کے سامنے
ایک جھونپڑی میں پیش کیا۔ اور انہوں نے چوٹیں دیکھ کر
لڑکیوں سے معلوم کیا تو لڑکیوں نے اپنی بیتی ہوئی زبانی
سنائی۔ تو بیگم صاحبہ نے تسلی دی اور بھرائی ہوئی آواز میں

کہا کہ خدا کو یاد کرو اور آسمان سے [illegible]
میں [illegible] گئیں [illegible] یہ وہی [illegible]
اور [illegible] ہوں کسی کی [illegible] کسی کے
پھٹے ہوئے تھے اور [illegible] کیا [illegible] ہو گئے ہیں
تہذیب ختم کر دی ہے ہم پر مصیبت کا وقت گزر رہا تھا
کہ رمضان کے بعد ہم پر یہاں بھی ایک مصیبت آ گئی ایک
دن ایک جیپ کار میں بیٹھے چار پولیس کے آدمی آئے اور ہمیں
بلا کر کہا کہ عید ختم ہو گئی ہے اب ہمیں نسبندی کے کیس دو
ہم نے کہا کہ یہاں پر کوئی آدمی نہیں رہتے۔ صبح چلے جاتے
ہیں اور رات کو آتے ہیں وہ یہ کہہ کر چلے گئے کہ کل کیمپ آؤ
لیکن ہم نہیں گئے۔ تیسرے دن پھر آئے اور کہا کہ یا تو
نسبندی کرا لو اور راضی ہو ورنہ ترکمان گیٹ سے زیادہ حشر
خراب ہوگا کیونکہ یہاں کھلی جگہ ہے گلیاں نہیں ہیں۔ ہم نے
کہا کہ ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے اور نہ ہی کسی کا ظلم برداشت کرتے
ہیں ہم ظلم کا مقابلہ اپنی طاقت کے مطابق کرتے ہیں اگر آپ
کی یہی مرضی ہے تو بسم اللہ ہم قربانی کے لیے تیار ہیں اس کے
دوسرے روز گوکلپوری میں ان کا جھگڑا ہو گیا وہ پھر ہمارے
پاس نہیں آئے ہمیں دھونس دینے والے چرن سنگھ اور کنہیا
اور ڈی اے کے افسر نیر پانڈے تھے اور ہمیں ترکمان گیٹ
سے اجاڑنے میں جو لوگ ملوث تھے وہ حسب ذیل ہیں۔
سنجے گاندھی، رخسانہ، ایچ کے لال، ڈپٹی کمشنر مسٹر کھیرا
لعل تحصیلدار مسٹر بیر دار سنگھ نائب تحصیلدار [illegible]
نواب اسسٹنٹ کمشنر تلسی رام، سی سود ایگزیکٹو انجینئر ایم
ڈی اے رمیش اور اول نمبر جگ موہن جس نے ڈی ڈی اے
کے مزدوروں کو پتھر پھینکنے پر پچاس پچاس روپے انعام
دیئے گئے۔ اور سی آر پی کا عملہ اور اے ڈی ایم [illegible]
نے گولی چلوائی اور پولیس کی رہنمائی کی کارپوریشن کا [illegible]
جس نے پولیس کو لے کر گھر گھر سے گرفتار کرایا اور مال لوٹنے
والے ڈاکو جن کے دو نام ہم پیش کرتے ہیں مسٹر [illegible] ڈی ڈی اے
کا افسر ڈی جی گپتا اور ٹھیکیدار عبدالحمید خان ان سب
ہمارے پاس پورا ثبوت ہے۔ ہمیں خطرہ ہے کہ [illegible]

ڈی ڈی اے اور جن ملک بدر کرنے والا ہر چند ہمارا ملک
پھر کیسے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ووٹ منسوخ کرا دے
جبکہ [illegible] ایسا حکومت فرعون کا غرق
ہونے کا وقت آیا تو [illegible] مجاہد ملت شاہی امام عبد اللہ
صاحب بخاری کی کوشش سے ملک میں ہندو مسلم اتفاق
ہوا۔ اور جیل سے سب لیڈر جیل میں ایک جگہ اکٹھے ہوئے
اور جو اختلاف حکومت فرعون یعنی کانگریس نے پیدا کر رکھے
تھے وہ ایک دوسرے نے سمجھے اور جو جن سنگھ کو ہوّا
بنا کر مسلمانوں کو ہوا بنا رکھا تھا وہ سب وہاں ختم ہوا اور
غلط ثابت ہوا۔ اور کچھ ہمارا خون اور قربانی اور معصوم
بچوں کے صبر سے جنتا پارٹی بنی اور ظالم حکومت غرق ہوئی
کیونکہ خدا سب کچھ برداشت کرتا ہے لیکن ظلم برداشت
نہیں کرتا۔ مثال فرعون سے لیے موسیٰ ہرناکس کے لیے
جنتا پارٹی کو پیدا کیا اور وہ نیست و نابود ہو گئی۔ المختصر
ہم ترکمان گیٹ کے باشندے جو ظالم حکمراں اور ڈی ڈی
اے اور پولیس کے مظالم کا شکار ہوئے ہیں بستی [illegible] نند نگری
اور ہمت پوری ترلوک پوری میں جو مظلوم زندگی گزار رہے
ہیں ان کے جانی مالی نقصان سے آج ساری دنیا باخبر ہے۔
ہم اپنے ان نقصانات کا معاوضہ جنتا پارٹی حکومت سے نہیں
لینا چاہتے کیونکہ اس حکومت کے ذریعہ خدا نے سارے
ملک کو ظالم حکمرانوں سے نجات دلائی ہاں ان ظالموں کو
اپنے کیے ہوئے اعمالوں کی ایسی عبرتناک سزا ملنی چاہیے
جسے دیکھ کر پھر کسی ظالم کو مظلوموں پر ظلم کرنے کی جرات نہ ہو
یہی ہمارا معاوضہ ہے۔

آخر میں ان شہیدوں کی روحوں کو جنہوں نے ۱۹ اپریل
۱۹۷۶ء کے دن اپنے گھروں اور عزت آبرو کی
حفاظت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا ہم خراج
عقیدت پیش کرتے ہیں اور بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ
انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام ہو۔

دل جلا کے شہر [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

غزلیات

شمیم احمد شمیم بی، ایس، سی۔ شاہجہاں پوری

حادثے یوں بھی گزرتے ہیں تمہیں کیا معلوم
پھول تازہ بھی بکھرتے ہیں تمہیں کیا معلوم

لوٹ لیتی ہے خزاں فصل بہاراں کا سنگھار
دل بہاروں سے بھی ڈرتے ہیں تمہیں کیا معلوم

آنچ دیتی ہوئی جانسوز سی تنہائی میں
کیسے لمحات گزرتے ہیں تمہیں کیا معلوم

بستر گل پہ بھی خاروں کی چبھن ہوتی ہے
اشک آنکھوں سے بہتے ہیں تمہیں کیا معلوم

تم نے نغمات مسرت ہی بکھیرے ہیں شمیم
گیت ہونٹوں پہ بھی مرتے ہیں تمہیں کیا معلوم

نکہت شاہجہاں پوری

آہ ناکام ہوئی جاتی ہے
چاہ الزام ہوئی جاتی ہے
عشق کی آگ میں جلتے جلتے
حسن کی شام ہوئی جاتی ہے
تیری فرقت میں مری چاہت بھی
یونہی بدنام ہوئی جاتی ہے
تیرے جلوے سے سینات کی [illegible]
[illegible] شام ہوئی جاتی ہے
رسم الفت جو نبھائی نکہت
وہ [illegible] شام ہوئی جاتی ہے

مثنوی بہارِ مالوہ

ناز جی الہ آبادی

مالوے کے باشندے، اور اُن کی طرزِ معاشرت و اخلاق

بشر مالوی ہیں بڑے دردمند — سبھی عادتاً ہیں صفائی پسند
ہیں باسی یہاں کے قدامت پرست — خوش اخلاق مطلق شرافت پرست
یہاں پگڑیوں کا ہے اب تک رواج — مہذّب ہے یعنی یہاں کا سماج
زنِ مالوا کا ہے دلکش لباس — ہے لہنگا، دوپٹہ جوان کی اساس
شبک لہنگے چھینٹوں کے ہیں پھولدار — ہے جن پر دوپٹوں کی دلکش بہار
یہاں ہندو مسلم سمجھدار ہیں — وہ کوئی بھی ہوں مائل پیار ہیں
نظر ہی نظر میں سمجھ کر پکار — ہے کرتا پڑوسی پڑوسی سے پیار

نہ خامی ہے کچھ ان کے کردار میں
ہیں شیریں سخن طرزِ گفتار میں

اُجّین

ہے پیشِ نظر شہر اُجّین کا — جہاں مالوے کا ہے جوہر چھپا
برس اس کو گزرے ہیں ڈھائی ہزار — نگر تھا یہ دنیا کا اک نامدار
یہی شہر تھا مالوے کا صدر — زمانے کی تھی جس پہ پیاری نظر
یہیں راجہ بکرم کا دربار تھا — یہ اُجّین شہروں کا سردار تھا
حکومت نے رکھ کر یہیں نورتن — نکالا تھا پہلا جمہوری چلن
مہا نو رتن اُن میں تھے کالی داس — کہ اُجّین ہی میں تھا جن کا نواس
وہ سنسکرت زباں کے تھے عالمِ نفیس — وہی تو قدیمی ہیں ڈرامہ نویس
سکنتلا اس ڈرامے کا نام — جو ہے ساری دنیا میں مقبولِ عام
وہ شیکسپیر بھی تھے وہ ادب کے سپوت — اُنھیں کی ہے رچنا امر "میگھ دوت"
ادب کی جو اس میں ہے اونچی اُڑان — اسے دیکھ کر دنگ ہے آسمان

جہاں سے فسانے کی ہے ابتدا
سُنا تاہوں میں اُس کی تھوڑی کتھا

(باقی)

ٹیلیفون نمبر ۲۷۸۸۸۰ رجسٹرار آف نیوز پیپر آف انڈیا کا رجسٹریشن نمبر ۶۴۴/۵۷ رجسٹرڈ نمبر ڈی ۲۷۰ D

ایڈیٹر
سرور تونسوی

قیمت سالانہ
بارہ روپے

فی پرچہ
ایک روپیہ پچیس پیسے

ماہنامہ شانِ ہند

جلد نمبر ۳۸ ستمبر [illegible] شمارہ نمبر ۹

آپ کے نام

۱۔ خدا کے فضل و کرم سے اب میری صحت کافی حد تک ٹھیک ہے اور میں اب دفتر میں پورا وقت دے رہا ہوں۔ میری علالت کے باعث شانِ ہند وقت پر نہیں چھپ رہا تھا ویسے ہر ماہ کا شمارہ شائع ہوتا رہا اور شانِ ہند کی روایات کو برقرار رکھا گیا، اب بہت جلد شانِ ہند وقت پر چھپنے لگے گا۔ اردو رسائل کے لئے کتابت کا مسئلہ بہت اہم ہو گیا ہے ہر ایسا خوش نویس جو خوش نویسی کا منہ چڑاتا ہوا نظر آتا ہے اپنے آپ کو ”اعلیٰ رقم“ سمجھتا ہے اور آفسیٹ کی کتابت کرنا پسند کرتا ہے لیتھو لکھنے والے بہت کم کاتب دستیاب ہیں اور جو ہیں ان کی وعدہ خلافیاں، پیشگی رقوم لے کر صورت نہ دکھانا وغیرہ ”صفات“ دن دن بڑھتی جا رہی ہیں۔ اب محض کاتب حضرات کی عشوہ طرازیاں ہی شانِ ہند کو وقت پر شائع کرنے میں سدِ راہ ہیں۔ جبکہ منہ مانگے دام کتابت کی اجرت کے دیئے جاتے ہیں۔ تاہم کتابت کا خاطر خواہ انتظام کیا جا رہا ہے۔

۲۔ ”شانِ ہند“ کی گٹ اپ دیگر ادبی رسائل کے مقابلہ میں بہتر کر دی گئی ہے۔ اس ماہ سرورق کا بلاک نیا ہے ایک ڈیزائن اور بن کر آگیا ہے جسے جلد ہی بلاک بنوانے کے بعد شائع کیا جائے گا۔

۳۔ اس وقت اگر آپ شانِ ہند کا ایک ایک سالانہ خریدار دیکر علمی تعاون فرمائیں تو میرے لئے کافی سہولت ہوگی اور میں شانِ ہند کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے کی جو سعی کر رہا ہوں اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں آسانی رہے گی۔

۴۔ اپنے ہاں کے ایجنٹ اخبارات کو کہیے کہ وہ شانِ ہند کی ایجنسی بھی لیں۔

۵۔ اپنے ہاں کی لائبریری میں شانِ ہند کے اجراء کے لئے کوشش کیجیے۔

۶۔ آپکو یا آپ کے کسی ملنے جلنے والے کو جب بھی کسی کتاب کی ضرورت ہو تو شانِ ہند کو خدمت کا موقع دیجئے۔

آپکے علمی تعاون کا منتظر
سرور تونسوی

ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے لیتھو کے صفحات خواجہ پریس چتہ فتح منگل جامع مسجد دہلی اور سرورق پائلیٹ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر شانِ ہند کلیٹ انصاری دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع کیا۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کو

ادارہ "شانِ ہند" کا خراجِ عقیدت

جشنِ سحر نمبر

کنور صاحب کی شخصیت اور فن پر اہلِ قلم کے رشحات، یادگار تصاویر اور منتخب کلام سے مزین چار صد صفحات پر پھیلا ہوا یہ خاص نمبر دنیائے اُردو ادب میں ایک یادگار اضافہ ہوگا۔

قیمت : دس روپے

(مستقل خریداروں کے لئے چھ روپے علاوہ محصول ڈاک)

مرتبین:- سرورؔ تونسوی ، عزیزؔ اندوری

مشتہرین سے استدعا ہے کہ کنور صاحب کی مُلک گیر مقبولیت کے پیشِ نظر جشنِ سحر نمبر مُلک بھر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا اس لئے اس یادگار نمبر میں اشتہار دینا بھی کنور صاحب سے دلی عقیدت مندی کا مظہر ہے

نرخ اشتہار۔ عام پورا صفحہ ڈھائی صد روپیہ، نصف ۱۵۰ روپے، سرورق اندرونی صفحہ نمبر ۲ پانچ صد روپیہ، سرورق تیسرا صفحہ پانچ صد روپے اور سرورق کا آخری صفحہ دو رنگ میں ایک ہزار روپے۔

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے

ماہنامہ شانِ ہند فلیٹ ۸، انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

دیال سنگھ کالج

کرنال

مشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایت کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلباکو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی اور ملک کی ہر طرح سے حفاظت کرنے کی تلقین کیجاتی ہے اور انھیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اہل کرنال اور گرد و نواح کے طلباء کے لئے دیال سنگھ کالج ایک نعمت ہے اپنے بچوں کو اگر آپ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک اچھا شہری بنانا چاہتے ہیں تو دیال سنگھ کالج کرنال کی خدمت سے فائدہ اٹھائیے

دیال سنگھ کالج کرنال (ہریانہ)

اراکین منتظمہ کمیٹی

افکار و واقعات

اندرا گاندھی کے زوال میں انگریزی حرف جے "J" کا خطرناک کردار

جے پور (راجستھان) میں اُردو کے ایک مشہور شاعر جناب گاندھی صاحب (جو ایک اعلیٰ سرکاری افسر ہیں) نے ایڈیٹر شانِ ہند کو بتایا کہ مسرور صاحب دروغ بر گردنِ راوی کہتے ہیں محترمہ اندرا گاندھی جب برسرِ اقتدار تھیں تو اکثر و بیشتر جوتشیوں، تانترک ودیا کے ماہروں اور علمِ جفر کے جاننے والوں سے اپنے مستقبل کے بارے میں دریافت کرتی رہتی تھیں۔ ایک جوتشی نے اندرا گاندھی صاحبہ کو بتایا کہ بیٹی! انگریزی حرف "جے" "J" آپ کے لئے انتہائی منحوس ہے۔ ویسے جوتشی بھی انگریزی حرف جے سے ہی شروع ہوتا ہے اور یقیناً جوتشی بھی آپ کے لئے منحوس ثابت ہوں گے مگر اب چونکہ آپ نے ہاتھ دکھایا ہی ہے تو میرا فرض ہے کہ اس حقیقت سے آگاہ کر دوں تاکہ آئندہ آپ ہر اس چیز سے، جماعت سے یا مقام سے، شخصیت سے یہاں تک کہ کھانے پینے کی ان اشیا سے اپنے آپ کو بچائیے جو انگریزی حرف "جے" سے شروع ہوں۔ اس کے بعد گاندھی صاحب نے اندرا گاندھی کے زوال میں حرف "J" کے خطرناک کردار کی تفصیل بتاتے ہوئے ایڈیٹر شانِ ہند کو محوِ حیرت کر دیا۔ قارئینِ شانِ ہند بھی اس تفصیل سے واقف ہو سکیں اس لئے اس مرتبہ مرکزی اداریٰ نوٹ اس تفصیل کی نذر کیا جا رہا ہے۔

اس جوتشی کے کہنے کے مطابق اندرا جی نے سب سے پہلے "جن سنگھ" کو اپنا دشمن جانا اور ہر جگہ اس جماعت کے خلاف تقریریں کیں اور اکثر و بیشتر جن سنگھ کے خلاف ایسے ایسے الزامات لگائے جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔ اور یہاں تک کہ گاندھی جی کے قتل کا الزام بھی جن سنگھ پر لگا دیا حالانکہ اس وقت جن سنگھ وجود میں بھی نہ آیا تھا۔ ابھی اندرا جی جن سنگھ کو بدنام کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں کہ لوک نائیک شری جے پرکاش نارائن جی میدان میں کود پڑے حالانکہ وہ گزشتہ ستائیس سال سے میدانِ سیاست کو ترک کر چکے تھے اور وہ اس بانکپن سے میدانِ سیاست میں آئے کہ انہوں نے عوام کے دل اپنی مٹھی میں کر لئے اور انہوں نے جو اپنی پارٹی بنائی اس کا نام رکھا "جنتا فرنٹ" رکھا جس کے تحت جنتا کورٹ وغیرہ بھی بنائی گئی تھیں۔ جنتا فرنٹ نے پہلا ضمنی انتخاب جبل پور میں لڑا اور کانگریس کی پچاس سالہ گزشتہ سیٹ دھڑام سے نیچے آ رہی اور سیٹھ گووند داس کا لڑکا ہار گیا جنہیں ایک چھبیس سالہ گمنام نوجوان نے چاروں شانے چت گرا دیا۔

جن سنگھ، جے پرکاش نرائن، جنتا فرنٹ، جنتا کورٹ، جبل پور سب "جے" سے شروع ہوتے ہیں۔ ابھی اندرا گاندھی صاحبہ ان مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے تیاری کر رہی تھیں کہ شری راج نارائن جی نے جوڈیشری کی شرن لی اور اندرا جی کے خلاف الیکشن پٹیشن دائر کر دی اور یہ پٹیشن جس جج کے سامنے پیش ہوئی ان کا اسم گرامی بھی جسٹس جگ موہن لال سنہا تھا۔ یعنی جج، جسٹس، جگ موہن لال سنہا بھی سب "جے" سے ہی شروع ہوتے ہیں۔

ابھی انگریزی کا یہ حرف "ج" اپنی حرکات سے اندرا جی کو پریشان کر رہا تھا کہ شری مرار جی ڈیسائی نے گجرات میں انتخابات کرانے کی مانگ کی اور اس کے لئے انہوں نے مرن برت رکھا جس سے گھبرا کر اندرا جی نے گجرات میں انتخابات مون سون ختم ہونے کے بعد کرانے کا اعلان کیا مگر ڈیسائی صاحب کے عزم مستحکم کے سامنے انہیں یہ انتخابات مون سون ختم ہونے سے پہلے ماہ جون میں ہی کرانے پڑے۔ اور نتیجہ میں گجرات میں کانگریس بُری طرح ہار دی۔ جس دن گجرات کے انتخابات کے نتائج نے حتمی طور پر کانگریس کے ہارنے کی تصدیق کر دی اتفاق سے عین اسی دن جسٹس جگ موہن لال سنہا نے اندرا جی کے خلاف تاریخی ججمنٹ دی۔ جون اور ججمنٹ بھی حرف "ج" سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ "ج" کے اس فوری اور انتہائی خطرناک اثرات سے اندرا جی بہت زیادہ گھبرا گئیں اور انہوں نے انتہائی سنجیدگی سے "ج" کے بُرے اثرات سے محفوظ رہنے کے اپائے سوچنے شروع کئے۔ اور اپنے ارد گرد کے حواریوں سے بھی ان بُرے اثرات سے بچنے کے طریق دریافت کرنے لگیں۔

کہا جاتا ہے کہ اندرا جی تک رسائی رکھنے والوں میں ایک صاحب ہومیوپیتھی کے ڈاکٹر بھی تھے انہوں نے اندرا جی کی یہ بےچینی دُور کرنے کے لئے یہ اُپائے بتایا کہ ہومیوپیتھی سائنس کا یہ اصول ہے کہ جو بیماری جن جراثیم سے پیدا ہوتی ہے اس کا علاج بھی اسی بیماری کے جراثیم سے ہی کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ بھی اسی طبّی اصول پر کار فرما ہو کر "ج" کے اثرات بد کا علاج "ج" سے ہی کیجئے۔ اندرا جی نے اس کی وضاحت چاہی تو انہیں بتایا گیا کہ "جیل" ان سب بُرے اثرات کا شافی اُپائے ہے لہٰذا راتوں رات سارے ملک کے اپوزیشن لیڈروں، ورکروں اور اصلی یا مفروضہ سیاسی مخالفوں کو جیل میں بند کر دیا گیا۔ لہٰذا جیل کے حرف "ج" نے بظاہر بہت اچھا اثر دکھایا اور ظاہری طور پر ہر قسم کے سیاسی طوفان تھم گئے۔ اُنیس ماہ بخیر و عافیت نکل گئے۔ حالانکہ "جیل" کے "ج" نے ہی سب سے زیادہ خطرناک اثر دکھایا۔

جب کوئی جسمانی یا ذہنی مریض اُنیس ماہ تک اپنے آپ کو بظاہر ہر طرح سے ٹھیک سمجھ رہا ہو تو وہ کچھ نہ کچھ بدپرہیزی کی طرف مائل ہونا چاہتا ہے تاہم اندرا گاندھی صاحبہ نے پھر بھی احتیاطاً چیک اپ کرا لینا مناسب خیال کیا اور انہوں نے C.B.I والوں سے کہا کہ وہ ملک کے حالات سے انہیں صحیح طور پر باخبر کریں تاکہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو پرہیز ختم کر دیا جائے یعنی ایمرجنسی توڑ دی جائے کیونکہ اگر کوئی مریض مدتوں پرہیز جاری رکھے تو وہ پھر پرہیزی مریض بن کر رہ جاتا ہے۔ C.B.I والوں کا جو اندازہ تھا وہ اندرا جی کے لئے حوصلہ افزا نہیں تھا۔ مگر C.B.I والے جانتے تھے کہ اندرا جی اپنے آپ کو بالکل شفایاب سمجھتی ہیں اگر C.B.I والوں نے یہ کہہ دیا کہ ابھی مرض کے کچھ اثرات باقی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ بگڑ کر C.B.I والوں پر بھی ایمرجنسی کا نفاذ نہ فرما دیں۔ لہٰذا انہوں نے محترمہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یہ رپورٹ دی کہ یہ ایسا وقت ہے کہ اگر جنرل انتخابات کرا لئے جائیں تو کانگریس پارلیمنٹ میں ساڑھے تین صد نشستیں ضرور لے جائیگی مگر اندرا جی نے اس رپورٹ کے بارے میں مزید اطمینان کرنے کے لئے اپنے فرزند ارجمند کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ ملک کا دورہ کرے اور عوام کے جذبات، وفاداری اور عقیدت مندی کا اندازہ لگائے۔ مگر حرف "ج" اپنے اثرات کا فوری اثر دکھانے کے لئے بے تاب تھا لہٰذا سنجے جی اس مہم پر بذریعہ ہوائی جہاز پہلے جالندھر تشریف لے گئے وہاں سے جے پور اور جے پور سے جگدن پور اور وہاں سے نئی دہلی واپس لوٹ آئے اور اپنی ممی کو یہ نوید جانفزا سنائی کہ ملک کا بچہ بچہ ہمارے ساتھ ہے لہٰذا الیکشن کا یہ بہترین موقع ہے لہٰذا محترمہ اندرا گاندھی

نے بغیر کسی سے مشورہ کئے اچانک ہی ۱۵ جنوری کو یہ اعلان فرما دیا کہ ملک میں جنرل انتخابات ماہِ مارچ میں ہوں گے۔ اور جیلوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اندرا گاندھی جی نے ہومیوپیتھی کے علاج کا پرہیز توڑ دیا۔ مگر جالندھر، جے پور، جگدل پور اور جنوری سب "ج" سے ہی وجود میں آتے ہیں۔ الیکشن کا اعلان ہوا ہی تھا کہ ایک "ڈبل جے" شری جگ جیون رام نے کانگریس اور وزارت سے استعفےٰ دے دیا اور سب چھوٹی موٹی سیاسی پارٹیوں نے ملکر جنتا پارٹی کو جنم دیا۔ اور ایک ایسا جے جو عرصہ دراز سے گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا یعنی ۹۳ سالہ جے۔ بی کرپلانی بھی میدان میں آ گئے اور کانگریس کے کفن میں آخری کیل ٹھونکنے میں انہوں نے بھی قابلِ قدر رول ادا کیا۔ لہٰذا اس الیکشن میں کانگریس قریب قریب ختم ہو گئی یہاں تک کہ محترمہ اندرا گاندھی خود اور ان کے صاحبزادے سنجے بھی ہار گئے۔ پھر صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن کا دَور شروع ہوا تو "جے" نے رہی سہی کسر پوری یوں کر دی کہ یہ الیکشن باوجود کئی اڑچنوں کے ماہِ جون میں ہوئے اور کانگریس مجموعی طور پر ہار گئی۔

گاندھی جی نے فرمایا سرور صاحب ویسے بھی انگریزی حروف میں "آئی" (اندرا لفظ آئی سے شروع ہوتا ہے) کے بعد لفظ "جے" ہی آتا ہے۔ کہیئے لفظ "جے" کے اثرات بد کی مندرجہ بالا تفصیل آپ کو بھی محوِ حیرت بنا گئی یا نہیں۔

نسیمؔ رامپوری کی غزل کے سلسلے میں :۔ اس وقت تک جتنے جواب آئے ہیں ان میں سے کوئی بھی قابلِ انعام نہیں۔ جن حضرات کے جوابات آئے ہیں انہیں صحیح جواب بھیج دیئے ہیں اور شانِ ہند میں جواب شائع کرنے کے حق میں علامہ صاحب فرماتے ہیں۔ ع "جواہرات بے بہا کب یوں لٹانا چاہئیں"

بحر اور وزن بتانے کے بعد بھی ارکان مزاحفات صحیح نہ لکھ سکے یہ کھلا ثبوت فنِ عروض سے بیگانگی کا ہے اور یہ سارا قصور اُن مولفوں کا ہے جو خود عروض سے بے بہرہ ہیں لیکن عام شاعروں پر رُعب جمانے کے لئے ایک کتاب عروض کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ جو کسی دوسری غلط کتاب سے نقل کر لیتے اور جہاں اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں وہاں اور بھی زیادہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔

حضرت علامہ عشق آبادی مدّ اللہ ظلّ العالی صحیح فرماتے ہیں کہ "یہ تمام کتابیں نذرِ آتش کر دینا چاہئیں جو طالبانِ فن کو گمراہ کرتی ہیں" شانِ ہند میں ان کے وہ بیش قیمت مضامین شائع ہو گئے ہیں اور ہوتے رہیں گے جو اور کسی عروض کی کتاب میں نہیں۔ حضرت زندہ قلندر دست قلندر ہیں کتاب پر عروض میری درخواست پر بھی نہیں لکھتے۔ البتہ دو شیدیٔ فن پیدا کر دیئے ہیں۔ نسیمؔ کی غزل میں دو جگہ کتابت کی غلطی ہو گئی ہے اسے صحیح بنا لیجئے (اس غلطی سے وزن میں فرق پیدا نہیں ہوتا۔

پانچویں شعر میں "چیروں کا سینے کو بھی" بنا لیجے۔
آٹھویں شعر میں "دیکھوں گا ضد بھی تیری"

جشنِ وشوا ناتھ طاؤس :۔ جناب اوم پرکاش سوفی ایڈیٹر "نئی لہر" امرتسر کی تحریک پر اردو کے مخلص کارکن جناب وشوا ناتھ طاؤس کا جشن چنڈی گڑھ میں بہت جلد منایا جا رہا ہے۔ جس کے لئے سوفی صاحب نے ایک کمیٹی بنا دی ہے جو اس جشن کے سلسلے میں ملک بھر سے صحافیوں، شعرا اور ادیبوں کو مدعو کرے گی۔

جناب ثاقب رتلامی کو صدمہ :۔ جناب آئی، این، ملہوترہ ثاقب رتلامی کی والدہ محترمہ نے ۸۶ سال کی عمر میں ۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو رتلام میں انتقال فرمایا۔ ثاقب صاحب کو والدہ صاحبہ کے انتقال سے جو صدمہ پہنچا ہے مدیرِ شانِ ہند اس صدمہ میں برابر کا شریک ہے التجا ہے کہ خدا مرحومہ کی روح کو شانتی بخشے۔

عطیۂ جوشؔ ملیح آبادی

مختلف خاندان کی رُباعیاں

پلّو کو۔ وہ، ماتھے پہ، جو آڑا کرے
وہ خود پہ۔ جِن و مَلک کو، شیدا کرے
میرے دِل کے صَنَم کدے میں، اے جوشؔ
وہ بُت ہے۔ خدا کو بھی جو اغوا کرے

تا حشر۔ یونہیں، جشن کریں گے، اے جوشؔ
پیمانۂ سرخوشی بھریں گے، اے جوشؔ
کیا، موت کی ہستی ہے کہ دامن چھُو لے
اللہ مرا۔ تو، ہم مریں گے اے جوشؔ

کل۔ باغ پہ، چھا گیا۔ عجب سوز و گداز
جس طرح، کوئی پڑھے، جنازے کی نماز
پتّا۔ اک شخص نے، جو توڑا، جھٹ سے
پودے کے کراہنے کی آئی۔ آواز

(غیر مطبوعہ)

گوشۂ عقیل

مشاعرہ میلہ چھڑیاں کھتولی

کریمی الاحسانی

عالم فتحپوری، وسیم بریلوی، بلال سیوہاروی، ساغر اعظمی، ہوش نعمانی، حفیظ میرٹھی، مصور لکھنوی، سلیم کھتولوی، انور جلالپوری، انجم جمالی، گلریز رامپوری، تمنا جمالی، نظیر ایٹوی، تسنیم فیضی، نصرت کھتولوی۔

۲۴ ستمبر ۱۹۷۷ء رات کے دس پینتالیس ہوا چاہتے ہیں یہ میونسپل بورڈ کا وسیع اور دلکش میدان ہے جو فرش کرسیوں، صوفہ سیٹ سے مزین اور بجلی کے بلبوں ٹیوب لائٹوں سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ مشاعرہ کو سننے کے لئے قرب وجوار ہی سے نہیں بلکہ سہارنپور اور میرٹھ تک سے اردو پرست اور ادب نواز حضرات تشریف لائے ہیں۔ جناب رام سنگھ صاحب وزیر ہریجن ویلفیئر سمیتی اتر پردیش حکیم عبدالعلیم وغیرہ کے ہمراہ تشریف لاکر اسٹیج ہی پر رونق افروز ہو گئے ہیں ڈاکٹر محمد امیر اعظم صاحب نے افتتاح کے لئے وزیر صاحب کا اسم گرامی پیش کیا ہے جس پر تالیوں سے اظہارِ خوشنودی کیا جارہا ہے اور آپ کو زری کے ہاروں سے لادا جارہا ہے اس تقریب میں کچھ ایسے ابن الوقت پیش پیش نظر آرہے ہیں جو کل کانگریسی حکومت کے مداح تھے اسی لئے مجھے ایکبار کہنا پڑا تھا ؎

جی حضوری ہی پہ جو لوگ بہل جاتے ہیں
وہی جمہور کے سانچے میں بھی ڈھل جاتے ہیں

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ بڑے لوگ وقت کے ساتھ چلتے اور ہواؤں کے رُخ کو پہچانتے ہیں۔ تالیوں کے شور میں محترم رام سنگھ جی مائک پر تشریف لاکر فرما رہے ہیں مشاعرہ کے افتتاح کے لئے مجھے بلوایا گیا میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہر سال یہاں ایک مشاعرہ ہوتا ہے کھتولی سے میرا تعارف نیا نہیں ہے جب میں وزیر نہیں تھا اس وقت سے تعلق چلا آرہا ہے اور آپ میں اتنا ضرور صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لاکر اس مشاعرہ کو چلائیں ہماری سرکار اور میری طرف سے جو بھی کچھ ہوگا میں اس کے لئے پوری کوشش کرونگا ——— تالیاں ——— خدا کرے اب یہ وعدہ پورا ہی ہو جائے ورنہ پھر فنا نظامی کی زبان میں کہیں نہ کہنا پڑے ؏

ترے وعدوں پہ کہاں تک مرا دل فریب کھائے

یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ کچھ اردو کی ترقی رک گئی ہے میں اس کے لئے پوری کوشش کروں گا ——— ؏

تری آواز مکے اور مدینے

آپ بھی کوشش کر دیکھئے اس میں کونسی برائی کی بات ہے لیکن حضور والا تیس سال تک پہلی حکومت کوشش کرتی رہی اور سنہری وعدوں پہ ٹرخاتی رہی اب آپ وعدوں کے کھلونوں پہ اردو کو بہلا رہے ہیں بیچارے اردو والے تو ہر دور میں وعدوں پہ یقین کر لیتے ہیں ——— آپ تالیوں کی جھنکار میں اپنی جگہ آرہے ہیں اور دیکھا تو ایک نوجوان مشترع، بشرٹ اور پتلون زیب تن کئے۔ عینک سرمہ چشمہ مائک سنبھال کر فرما رہے ہیں۔

عزت مآب ادب نواز حضرات۔

علم و ادب کے اس دیار میں میری پہلی بار حاضری ہو رہی ہے جلال پور فیض آباد سے اس بزم میں اپنے حسنِ عقیدت کا پیام لایا ہوں ہمارا ملک ایک انقلاب کے بعد ایک عجیب موڑ پہ آکر ٹھہر گیا ہے اسے ہم بنانے

کے لیے نہ جانے کتنے سامعین اس حصہ لیتے ہیں اور صرف ایک شاعر تالیوں سے بلند اور اہم اشعار کہہ کر اسے لازوال بناتا ہے اور پھر مختصر تقریر کے بعد شعرائے کرام کا نہایت دلکش تعارف فرما رہے ہیں اس پہ ہر طرف سے واہ واہ بلند ہو رہا ہے اور میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ یقیناً آج کا مشاعرہ بے مثال ہو گا کیونکہ اس مشاعرہ کے اناؤنسر جناب انور جلالپوری نہایت ذہین اور طرار معلوم ہو رہے ہیں ذرا دیر پہلے ہی مجمع با جم غفیر تالیوں سے مشاعرہ شروع کرانے کے لئے ہوٹنگ اور تالیوں پر اترا ہوا تھا لیکن اب سب ہمہ تن گوش ہیں...... دوسرے وزیر مسٹر لچھمن سنگھ جی تشریف لا کر شعراء کی صف ہی میں بیٹھ گئے ہیں آپ کا بھی تالیوں اور ہاروں سے سواگت کیا جا رہا ہے وہ دیکھئے انور صاحب عبدالستار اثر کھتولوی کو یاد فرما رہے ہیں اثر صاحب فرما رہے ہیں ؎

جب فضا میں ظلم کی شمشیر لہرانے لگی
زندگی میری تن خاکی سے شرمانے لگی

اثر صاحب کے بعد انور صاحب اشتیاق شاہجہانپوری کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں اشتیاق صاحب فرما رہے ہیں ؎

کانٹے لپٹ نہ جائیں کہیں دستِ ناز سے
پھولوں سے کھیلنے کا ارادہ نہ کیجئے
کردار کو بنائیے معیارِ زندگی
ماحول سے حیات کا سودا نہ کیجئے

مناسب داد وصول کر کے چلتے بنے اور انور صاحب احترام الحق شرر کو محفل میں لا رہے ہیں شرر صاحب کے نام پر ایک جانب سے تالیوں کی آواز بلند ہوئی ہے غالباً یہ محلہ کے لڑکوں یا ان دوستوں کی کرم فرمائی ہے جو اس صلہ میں چارپائیں گے شرر صاحب ایک گیت سنا کر کامراں پلٹے ادھر انور صاحب تسنیم فیضی کو آتی دیکھ کر فرما رہے ہیں محترمہ تسنیم اسٹیج پر آئی ہیں کوئی قیامت تو نہیں آئی اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا ہے اور

پھر نوشاد نصیری سہارنپوری سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں نوشاد صاحب یوں شاد کام کر رہے ہیں ؎

نہ کوئی ریت کا ٹیلہ نہ سایہ دار درخت
راہِ وفا میں مسافر کہاں قیام کریں
قدم قدم پہ ملے بولتے ہوئے پتھر
تمہیں بتاؤ کہ اب کس سے ہم کلام کریں

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

ہماری راہ میں دیوار بن گئی دنیا
تمہارے شہر میں کس کس کو ہم سلام کریں

نوشاد صاحب داد پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور انور صاحب درخواستِ غزل کر رہے ہیں سلیم کھتولوی سے سلیم صاحب یوں غالب کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں ؎

تصور میں بھی کوئی مہرباں نامہرباں کیوں ہو
نگاہیں لاکھ ہوں نامعتبر دل بدگماں کیوں ہو
جو ننگِ عشق ہو وہ اشک آنکھوں سے رواں کیوں ہو
جسے کوئی نہیں سنتا وہ میری داستاں کیوں ہو

داد پر کسی ہنگامہ کا گماں ہو رہا ہے کئی بار مطلع دہرا کر ارشاد ہوا ہے ؎

بلا سے بجلیاں کوندا کریں دورِ بہاراں میں
گلستاں چھوڑنے والوں کو فکرِ آشیاں کیوں ہو
چمن کی پائمالی دیکھ کر بھی جو نہ گرمائے
معاذ اللہ وہ خوں میری رگ رگ میں رواں کیوں ہو
اگر ان رہنماؤں کا بھرم رکھنا ضروری ہے
تو میری لغزشِ پا کا مسلسل امتحاں کیوں ہو

اس شعر پر منسٹر صاحب بھی داد دے رہے ہیں اور سلیم صاحب فرما رہے ہیں ؎

گلستاں میں مرے جذبات کی تکمیل کیا ہو گی
نہ ہو دار و رسن جب تک تو میرا امتحاں کیوں ہو

سلیم صاحب تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور انور صاحب یاد فرما رہے ہیں شہزادہ گلریز رامپوری کو ۔ گلریز صاحب

یوں محفل کو جھنکار رہے ہیں ؎

نہ آندھیوں کا نہ طوفانوں کا نہ بارشوں کا تھا
ہمارے شہر میں موسم تو سازشوں کا تھا
کچھ اس ادا سے پلاتا تھا وہ خلوص کا زہر
شکار ہر کوئی اس کی نوازشوں کا تھا

گلریز صاحب کامران پلٹ رہے ہیں اور انور صاحب دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں تسنیم فیضی کو۔ تسنیم صاحبہ یوں محفل کو لوٹنے چلی ہیں ؎

زندگی سے تنگ آ کر موت کو پکارا ہے
ورنہ اے وفا دشمن تجھ سے کون پیارا ہے
ہم تو اس تغافل پر جاں نثار کر دیں گے
لوگ بیوفا سمجھیں یہ کسے گوارا ہے
زندگی زمانے کا ساتھ دے نہیں سکتی
اک شکستہ کشتی ہے ایک تیز دھارا ہے

داد کا ایک شور ہے ادھر آپ ایک اور ایک کے ہڑبونگ اور تالیوں کے شور میں کامران پلٹ رہی ہیں ادھر انور صاحب دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں مشہور مترنم شاعر تمنا جلالی کو۔ تمنا صاحب لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

درد حد سے گذر جائے گا۔ غم کا احساس مر جائے گا
اور کچھ دل کو انعام دے۔ زخم ہے زخم بھر جائے گا
تم نہ آشنا سمجھو مجھے۔ غم کا چہرہ اتر جائے گا

داد کا شور دار و گیر کم ہوا تو آپ ایک مشہور گیت زندہ باد اے وطن سنا کر رنجِ محفل بدل کر تالیوں کے ہڑبونگ میں جا رہے ہیں اور سوا بارہ بجے جناب رام سنگھ جی تشریف لے جا رہے ہیں انور صاحب فرما رہے ہیں رام چلے گئے آپ غم نہ کیجیے اپنی جگہ لچھمن کو چھوڑ گئے ہیں اب لچھمن جی کی صدارت میں یہ مشاعرہ چلے گا اور پھر دعوتِ نغمگی دے رہے ہیں سبحان خاں نصرت گھنتولوی کو۔ نصرت صاحب کا تالیوں سے خیر مقدم کیا جا رہا ہے نصرت صاحب یوں لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

میں تلخیٔ حیات کی تشہیر کیا کروں
تنگِ عمل ہوں شکوۂ تقدیر کیا کروں
پھر یاد ان کی آئی ہیں عشوہ طرازیاں
پھر سامنے ہے شوخیٔ تحریر کیا کروں
کھینچا تھا میں نے خاکۂ یک بار آستیں
اے دوست اب تری تصویر کیا کروں

داد نقطۂ عروج سے سوا ہے اور آپ اسی دلکشی سے محفل کو گرما رہے ہیں ؎

کشتی ہے ناخدا ہے کنارا بھی ہے قریب
پھر بھی اگر نہ ساتھ دے تقدیر کیا کروں

نصرت صاحب تالیوں کے شور میں جا رہے ہیں اور انور صاحب نظر ایٹوی کو دعوتِ غزل دے رہے ہیں نظر صاحب محفل کا جائزہ لے کر یوں نغمگی بکھیرنے چلے ہیں ؎

دنیا تو بھٹکتی ہے دن رات اندھیرے میں
رہنے دو ابھی میرے حالات اندھیرے میں
جگنو کی طرح آنسو دامن پہ چمکتے ہیں
ہوتی ہے جب آنکھوں سے برسات اندھیرے میں
افکار کے سورج پر بادل ہیں سیاست کے
ہیں آج بھی گلشن کے حالات اندھیرے میں
اظہارِ تمنا پر چپ کیوں ہو زباں کھولو
اچھی نہیں لگتی ہے ہر بات اندھیرے میں
رہ رہ کے یہ کہتی ہیں شرمائی ہوئی آنکھیں
وہ خواب نہ تھا تم تھے کل رات اندھیرے میں
برباد اچانک یوں امیدیں ہو گئیں اپنی
جیسے کوئی لٹ جائے بارات اندھیرے میں

نظر صاحب ہر شعر پر داد و تحسین پا کر تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہوا چاہتے ہیں کہ ایک غزل کی اور فرمائش نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ ایک پرانی غزل ؎

اس نے رخ پہ زلفوں کو اس طرح بکھیرا ہے
اک طرف اجالا ہے اک طرف اندھیرا ہے

سنا کر خوب خوب محفل کو گرما کر اور خوب داد پا کر کامراں

جا رہے ہیں ادھر انور صاحب درخواست کلام کر رہے ہیں ہلال سیوہاروی سے۔ ہلال صاحب نے ایک طویل نظم سُنا کر محفل کا رنگ بدل دیا ہے اور کتنے ہی ابن الوقتوں کے چہروں کا رنگ فق ہو گیا ہے کیونکہ ہلال صاحب کے کہنے کا ایک انداز ہے ایک مخصوص رنگ صداقت ہے وہ اس سے بے نیاز ہو کر کہتے ہیں کہ کس کی حکومت ہے کیسی حکومت ہے ہر حال میں حق و صداقت کے علم کو بلند کرتے ہیں اور کون نہیں جانتا کہ ہلال کبھی قصیدہ خواں رہے نہ بکے یہ ان کی حق پرستی قابل تعریف نہیں تو اور کیا ہے نظم تھی جنتا پارٹی سے خطاب۔ کسی نے یہ سوچا کہ حکومت وقت سے کون مخاطب ہوا کرتا ہے اور کون اتنی جرأت کر سکتا ہے بہرحال ہلال صاحب لائق صد مبارکباد ہیں کہ انھوں نے ایک تازہ نظم جو کہی ہے وہ رو اور سیلاب میں نہیں ہے بلکہ ایک چٹان کی طرح اپنے مقام پر کھڑے ہیں اور سر مو کسی طرح کا فرق نہیں آنے دیا کاش ہمارے شعراء کرام بھانڈ نہ بنیں اور جی حضوری سے دُور رہیں ہلال صاحب رنگ محفل بدلکر ایک ہڑ بونگ چھوڑ کر تالیوں کے شور میں کامراں پلٹ رہے ہیں اور انور صاحب فرما رہے ہیں ابھی ہلال صاحب نے ایک طویل نظم سنائی وقت کا شاعر کبھی قصیدہ خواں نہیں ہوتا وہ ہمیشہ حق گو اور حق پرست ہوتا ہے وغیرہ اور پھر صداقت دیوبندی کو یاد فرما رہے ہیں صداقت صاحب کا ایک مطلع سنیئے

میری آنکھوں میں جو سیال اجالا سا لگے ہے
سارا عالم ہی دہکتا ہوا شعلہ سا لگے ہے

صداقت صاحب ہلال کے بعد تشریف لے گئے اور اب انور صاحب عنایت کر رہے ہیں ؎

اس بت نے مراجب سے کہا مان لیا ہے
میں نے بھی اسے اپنا خدا مان لیا ہے
جب پیاس نہ بجھ پائی تو پھر تشنہ لبوں نے
زلفوں کو تری کالی گھٹا مان لیا ہے

داد کے شور میں ارشاد ہوا ہے ؎

سوچتا ہوں کہ ترے پیار کا تحفہ کیا ہے
ترے پتھر سے مرے زخم کا رشتہ کیا ہے
سنگ ان ہاتھوں میں دیکھا جنھیں سمجھا میں نے
یہ تو اپنے ہیں بھلا اپنوں سے خطرہ کیا ہے

داد کا شور کم ہوا تو فرما رہے ہیں ؎

دیکھئے لال کو ٹھکرا بھی گئی اُڑ بھی گئی
میں نہ کہتا تھا کہ تتلی کا بھروسہ کیا ہے

انور صاحب داد و تحسین پا کر اپنی جگہ آ کر نہایت موزوں اور مناسب الفاظ میں تعارف فرما کر مجسم نغمہ پیکر خلوص ڈاکٹر ساغر اعظمی کو دعوت نغمگی دے رہے ہیں ساغر صاحب کا نام سُن کر یار لوگ سنبھل بیٹھے ہیں اور آپ سلیجھے اور جان لیوا ترنم سے یوں محفل کو جھنکار رہے ہیں ؎

پھولوں سے بدن ان کے کانٹے ہیں زبانوں میں
شیشے کے ہیں دروازے پتھر کی دکانوں میں
کشمیر کی وادی میں بے پردہ جو نکلے ہو
کیا آگ لگاؤ گے برفیلی چٹانوں میں

داد کا سابقہ ریکارڈ بھی دیکھ رہا ہے کہ یہ کیسا بھونچال آیا ہے اور ایک طوفان ہاؤ ہو ہے میں سوچ رہا ہوں ساغر صاحب نہایت کامیاب اور ہر دلعزیز ڈاکٹر ہیں سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی پھر ایسے حسین اور منفرد شعر کیسے کہہ لیتے ہیں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کئی بار دہرا کر اسی جان لیوا ترنم سے محفل کو گرما رہے ہیں ؎

جو اشک محبت کی راہوں میں گرے یارو
شامل انہیں تم کر لو تسبیح کے دانوں میں
شہرت کی فضاؤں میں اتنے نہ اڑو ساغر
پرواز نہ کھو جائے ان اونچی اڑانوں میں

تالیوں کے بے ہنگم شور میں ساغر صاحب محفل کو بیخود

بنا کر شاداں و فرحاں پلٹ رہے ہیں اور انور صاحب کو داد دیجئے کہ اس رنگ کو قائم رکھنے کے لئے میرٹھ کے مشہور غزلگو شاعر ڈاکٹر انجم جمالی کو محفلِ یاراں میں لا رہے ہیں انجم صاحب باصرار تمام مائک پہ آکر عطا کر رہے ہیں ؎

میری محبوب نگاہوں کی قسم چھوڑ دیا
آج سے میں نے ہر اک شکوۂ غم چھوڑ دیا
مرے سوئے ہوئے جذبات نے کروٹ بدلی
اور گھبرا کے مؤرخ نے قلم چھوڑ دیا
عشق محتاجِ عنایات نہیں رہ سکتا
جائیے آپ کا دامانِ کرم چھوڑ دیا
کارواں اپنے ہی راہوں پہ چلے یا نہ چلے
میں نے ہر گام پہ اک نقشِ قدم چھوڑ دیا

یوں تو داد کے ڈونگرے برس رہے ہیں لیکن اس شعر پر داد کا کچھ اور ہی عالم ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں ؎

مجھ کو اپنوں سے شکایت ہے نہ غیروں سے گلہ
میں نے گذرے ہوئے حالات کا غم چھوڑ دیا

اکبر صاحب نہایت اچھی داد وصول کئے جا رہے ہیں اور [illegible] احمد میرٹھی کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں احمد صاحب [illegible] رہے ہیں ؎

ہائے وہ تنہائی کا عالم وہ ویرانے کی بات
یاد ہے دل کو ابھی تک تیرے آنے کی بات
صورت ارباب غم کی مسخ کرنے کے بعد
مژدہ ہو پھر رلائی ہے غم خانے کی بات

[illegible] صاحب مناسب داد وصول کئے جا رہے ہیں اور [illegible] صاحب فرما رہے ہیں بشرطیکہ شاعر بخشے [illegible] — بجا ارشاد ہوا۔ کاش آج کا شاعر [illegible] بنا انور صاحب اس عالم میں ایک صاحب ہوش شاعر ہوش نعمانی رامپوری کو دعوتِ نغمگی دے رہے [illegible] ہوش صاحب عالمِ ہوش میں یوں جان لیوا ترنم [illegible] اگر ان اشعار [illegible]

سے لہرا رہے ہیں ؎

جو تیرے ساتھ ترے غم میں رو رہا ہوگا
وہ تیرے بعد بہت دیر تک ہنسا ہوگا

داد کا عالم نہ پوچھئے اور آپ اسی نغمگی کا یوں مظاہرہ کر رہے ہیں ؎

مکان توڑ دیئے دل بھی توڑ دو لیکن
مرے قلم کو جو توڑا بہت برا ہوگا
میں اس کی گالیوں پر مسکرا کے لوٹ گیا تھا
وہ اب ضمیر سے اک جنگ لڑ رہا ہوگا

پھر داد کا ایک ہڑبونگ ہے اور آپ عطا کر رہے ہیں ؎

آڑی ترچھی لکیریں بنی ہوں روشنائی کی بوندیں بچی ہوں
ایسا خط کوئی آئے تو سمجھو پیار کی ابتدا ہو گئی ہے

داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے اور آپ یوں سحر کرتے چلے ہیں ؎

موتیوں سے چمکدار شانیں انبیہ زلفیں ہیں کالی گھٹائیں
الغرض تیرے پیکر میں ڈھل کر اک غزل فلسفہ ہو گئی ہے

ہوش صاحب داد پا کر اسی بانکپن سے لہرا رہے ہیں ؎

چہرہ جیسے سنہری سمندر آنکھیں دو کشتیوں کا ہے منظر
سرخ ہونٹوں کے پتوار پا کر آرزو ناخدا ہو گئی ہے

ہوش صاحب محفل کو گرما کر شاداں پلٹ رہے ہیں اور انور صاحب زحمتِ سخن دے رہے ہیں مصور لکھنوی کو۔ مصور صاحب مظفرنگر میں پہلی بار آئے ہیں اس لئے ان کو اب تک سنا بھی نہیں گیا ہے لہٰذا یار لوگ دو ایک شعر پر ذرا چہکے اور تفریح کے موڈ میں ہیں لیکن سنتے رہے آئیے آپ بھی سماعت فرمائیے ؎

غمِ روزگار کا ذکر کیا غمِ دلبراں بھی حسیں نہیں
مجھے الم کی تلاش ہے وہ جہانِ غم میں کہیں نہیں
جو کہے یہ منزلِ دوست ہے اسے ہو مجھے تو یقیں نہیں
یہاں نقش پا ہیں قدم قدم یہاں کوئی نقشِ جبیں نہیں

داد کا شور کم ہوا تو ارشاد ہوا ہے ؎

[illegible]

نہ ہوائے تیز کا ڈر اسے نہ طلوعِ صبح کا خوف ہے
جو چراغ سینے میں ہے مرے تری انجمن میں کہیں نہیں
وہ الم نوازی کیوں نہ ہو وہ جگر گدازی کیوں نہ ہو
جسے میں نے دل میں بسا لیا اسے بھول جاؤں نہیں نہیں

منصور صاحب خوب خوب داد لوٹتے اپنی جگہ آرہے ہیں اور پھر انور صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں مشہور مترنم و منفرد غزلگو شاعر حفیظ میرٹھی سے حفیظ صاحب اپنے مخصوص دلکش ترنم سے یوں سحر کرنے چلے ہیں ؎

اک بار زندگی جو ملی بے رخی کے ساتھ
دیکھا نہ پھر کسی نے ہمیں زندگی کے ساتھ
اے سنگدل نہ کھیل مری بے بسی کے ساتھ
تاریخ تجھکو یاد کرے گی بدی کے ساتھ
بادہ کشوں کے ظرف کا کھل جائے گا بھرم
ساقی کا التفات ہے دریا دلی کے ساتھ
یہ حاصلِ حیات ہے یہ فخرِ کائنات
اے زندگی مذاق نہ کر آدمی کے ساتھ

یوں تو داد و تحسین سے آپ کو نوازا جا رہا ہے لیکن اس شعر پر داد کا عالم نہ پوچھئے اور آپ اسی بانکپن سے لہک رہے ہیں ؎

گنوا رہے ہیں عیب ہمارے جناب شیخ
شعلوں سے کھیلتے ہیں پیرہن کاغذی کے ساتھ

حفیظ صاحب تالیوں کے شور میں کامراں اپنی جگہ آرہے ہیں اور انور صاحب پروفیسر وسیم بریلوی سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں وسیم صاحب یوں محفل کو چونکانے اور گرمانے کی ٹھان رہے ہیں ؎

سکوتِ گورِ غریباں کو توڑ جاتا ہے
دیا جلا کے یہ کون چھوڑ جاتا ہے

داد کا عالم نہ پوچھئے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

اسے کیسے بتاؤں ساتھ چھٹ جانا یقینی ہے
مسافر سے سفر کا حوصلہ چھینا نہیں جاتا

پھر داد شباب پر ہے اور آپ اسی دلکشی سے لہک رہے ہیں ؎

وہ چھین رہا تھا مری آنکھوں کا اُجالا
دنیا یہ سمجھتی رہی رخصت کی گھڑی ہے

داد کا وہی عالم ہے اور آپ ایک حسین مطلع عنایت کر رہے ہیں ؎

مجھ کو گنہگار کہے اور سزا نہ دے
اتنا بھی اختیار کسی کو خدا نہ دے

پھر ایک پرانی غزل سنا کر تالیوں کے شور میں مائک سے جدا ہو رہے ہیں ادھر انور صاحب درخواستِ کلام بلاغت نظام کر رہے ہیں عالم فتحپوری سے۔
عالم صاحب یوں گرج اور برس رہے ہیں ؎

بے وفا کی محفل میں دل کی بات کیا کہئے
خیریت اسی میں ہے خود کو بیوفا کہئے
رہنما نے بھی اکثر راہزن کو لوٹا ہے
کس کو راہزن کہئے کس کو رہنما کہئے

داد کے شور میں عطا کر رہے ہیں ؎

حسن سمجھتے ہو دشمن تم اس کا نام نہ لو
اگر ہو مرد تو عورت سے انتقام نہ لو

اس شعر نے محفل کا رنگ ہی بدل دیا ہے اب داد دینے والے کھڑے ہو کر داد دے رہے ہیں اور تالیوں پر اتر آئے ہیں محفل کا ایک عجیب عالم ہے کچھ بھی ہو عالم صاحب کو بھی داد دیجئے کہ انہوں نے ایک ایسا شعر پیش کیا جو صرف سینوں تک محدود رہنا چاہئے تھا مگر انہوں نے سرِ محفل اس شعر کو سنایا جس سے کسی قدر بدمزگی نے سر اٹھایا اور اس کا ثبوت جناب لچھمن سنگھ جی کی تقریر ہے انہوں نے پہلے تو ہلال صاحب کی نظم کے بارے میں خفگی کا مظاہرہ کیا پھر اردو کے بارے میں بے جان سی اور بے دلیل باتیں کہیں مثلاً "ہم اردو کے بارے میں جو کر رہے ہیں وہ آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے ـــــ جی ہاں آپ

ر دو کے بارے میں یہ کر رہے ہیں کہ اسے صوبے سے جلا وطن
کرنے کی ٹھان رہے ہیں اور آپ کیا کر سکتے ہیں اور
آپ کے ہاتھ میں ہے ہی کیا آپ تنہا کیا کر سکتے ہیں
جبکہ اوپر والے اردو کے بارے میں کچھ سننے کے لئے
تیار ہی نہیں ہیں ـــــــ اگر اس طرح سب
لوگ کرتے رہے اس طرح تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی
دوسری زبان والے بھی مطالبات تیز کریں گے ـــ
رف اردو کے نام ہی سے کیوں چڑ ہے اور کیوں
لڑ بڑ کریں گے بات صاف اور مختصر یہ ہے کہ اردو
والے کوئی بھیک نہیں مانگ رہے ہیں اگر قانو نا
سل کو زندہ رہنے کا حق ہے تو اسے اس کا حق
یوں نہیں دیتے ؟ دوسرے یہ کہ ہر صوبہ میں تین
بانوں کا فارمولا تسلیم کیا گیا ہے یعنی ہندی ،
نگریزی اور علاقائی زبان پھر اس صورت
ں گڑبڑ کا احتمال کیسے پیدا ہوتا ہے تسلیم کہ آپ
ردو کے ہمدرد ہی سہی لیکن جناب والا آپ اتنے
ے صوبہ میں کیسے اردو کو رائج کرا سکتے ہیں
کے ساتھی آپ کے اس مطالبہ کو اگر تسلیم
یں کرتے تو کیا اتنی جرأت ہے کہ آپ کرسی وزارت
چھوڑ سکتے ہیں ـــــ ؟ غالباً نہیں ـ بات تو
ہی بنتی ہے ورنہ آپ کی طرح نہ جانے کتنے ایسے نعرے
تے سرکار عالیجاہ ـــــــ حضرت عالم صاحب
ساتھ ہی پہلا دور ختم ہو رہا ہے اور دوسرا دور
تک چلتا رہا اس دور میں تمنا جمالی، ساغر اعظمی
شس نعمانی، انکر ایٹوی، وسیم بریلوی، تسنیم فیضی
خوب خوب سنا گیا اور پسند کیا گیا شعرا اکرام
ن تمام اسٹیج سے اٹھکر آئے کیونکہ آج کئی حضرات کو
ر کے مشاعرہ میں شرکت کرنی ہے اس مشاعرہ کے سلسلے میں
ن میونسپلیٹی ڈ، ڈاکٹر محمد امیر اعظم حکیم عبدالعلی، عبدالوحید
ری وغیرہ نے دلچسپی لی اور شعراء کی خاطر مدارات کی خدا حافظ
پھر ملیں گے یقین رکھیے گا

ناردن ریلوے

عزیز طلباء، زائرین اور سیاحو!

ہندوستان دیکھیے سہل طریقے سے

ملک کے گرد سرکلر ٹور کے لئے پہلے اور دوسرے درجے کے سرکلر ٹور ٹکٹ مقررہ ریلوے اسٹیشنوں سے خریدیئے۔ میل ایکسپریس کے کرایوں میں ۱۵ فیصد رعایت کے ساتھ یہ ٹکٹ ۳۰-۶۰ یا ۹۰ دن کی مدت کے اندر قابلِ استعمال ہوں گے۔ مدت کا انحصار طے کئے جانے والے سفر کے کل فاصلے پر ہے۔ سفر کے دوران آپ جب چاہیں، جتنی بار چاہیں اور جتنے عرصے کے لئے چاہیں گے آگے کا سفر ملتوی کر کے کہیں بھی قیام کر سکتے ہیں شرط یہ ہے کہ ٹکٹ کی کل مقررہ میعاد استعمال نہیں بڑھ سکے گی۔

آپ کی سہولت اور ضرورت کی مناسبت سے ہم نے ایسے تیس (۳۰) سرکلر ٹورز کا بندوبست کیا ہے۔ ان کے ذریعے اس سارے عظیم الشان نظارے کا احاطہ ہو سکے گا۔ جسے ہندوستان کہا جاتا ہے۔ ان ٹورز میں سے کسی کا بھی انتخاب کیجئے۔

اور اگر آپ کا کوئی ایسا پروگرام ہے جو آپ کی انفرادی ضرورت کے مطابق ہو تو اس کے لئے ہم سے خود ملیے یا ہمیں اپنا پروگرام لکھ کر بھیجئے ہم آپ ہی کے ٹور پروگرام کے لحاظ سے کرائے کا دمیان بھی رعایتی شرح پر لگا کر ..... آپ کو مطلع کر دیں گے۔

یہ ٹور سرکلر ہونا چاہیے اور اس کا فاصلہ ۲۴۰۰ کلو میٹر سے کم نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے ساتھ وہ فاصلہ جس کا کرایہ چارج کیا جا رہا ہے ٹور پروگرام کے آغاز کے اسٹیشن سے پروگرام کے آخر تک کے اسٹیشن تک ان اسٹیشنوں کے درمیان براہ راست مسافت کے فاصلے کے مقابلے میں کم از کم تین گنا سے زیادہ ہونا چاہیے۔

مزید معلومات کے لئے براہِ کرم اپنے قریب ترین ریلوے اسٹیشن ماسٹر یا متعلقہ ڈویژن کمرشیل سپرنٹنڈنٹ سے ملئے یا پھر ہم سے براہِ راست رابطہ قائم کیجئے۔

سورن سنگھ
چیف کمرشیل سپرنٹنڈنٹ
ناردن ریلوے نئی دہلی

ٹیلیفون
۲۸-۷۳۲۶
۲۸-۷۵۰۵

زوالِ آدمِ خاکی

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

حاجی کنور جمال دین کی پہلی بیوی کی ان سے علیحدگی کسی کو شاید ہی معلوم ہو سکتی اگر ان کی دوسری شادی اسے مشہور نہ کر دیتی۔

اب تو حاجی کنور جمال دین کا شمار بھارت کے بڑے بڑے رئیسوں میں ہوتا ہے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ چند ہی سال پیشتر تک وہ نہ حاجی تھے نہ کنور صاحب اور نہ ہی جمال دین۔ محض جمالا تھے۔

یوں کہئے کہ انہیں جمال کی نسبت سے جمالا کہا جاتا تو شاید زیادہ مناسب ہوتا مگر سب لوگ انہیں جمالا ہی کہتے تھے۔ اور یوں بھی عام لوگ جالا ہی کی مانند ہوتے ہیں جسے مکڑی بڑی تندہی اور جانفشانی سے بنتی ہے جیسے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے رہی ہو مگر وہ ہوا کے ایک ہی جھونکے سے ٹوٹ پھوٹ کر ہوا میں بکھر جاتا ہے۔

یہی کنور جمال دین جن کے نئے فیشن کے روایتی ہوٹل میں ملک کے بڑے بڑے لوگ آکر ٹھہرتے ہیں اور اپنے ہاں کے بڑے بڑے رئیس جن کے ہوٹل میں ٹھہرنا باعثِ افتخار سمجھتے ہیں۔ ان دنوں ریڑھی پر ہماں سے لٹھا، ململ، پاپلین بیچا کرتے تھے، کہنے والے تو کہتے ہیں کہ یہ بھی ان کی ترقی یافتہ شکل تھی ورنہ جنگ سے پہلے تو وہ اپنے کندھوں پر کپڑے لادے یا سر پہ گٹھڑی اٹھائے کپڑا بیچتے تھے پھر انہوں نے کچھ ترقی کی تو سامان مزدور کے سر پر ہوتا اور وہ خود ساتھ ساتھ گز اٹھائے آواز لگاتے تھے۔ ایک چارخانوں والی دھوتی اور ایک گاڑھے کی قمیض ہوتی اور سارا سارا دن شہر کا چکر۔ ان کے مداح کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بےمثال ترقی اپنی محنت کے بل بوتے پر کی ہے۔ مگر بہت سے محنت کرنے والوں کا جواب بھی برابر محنت کئے جا رہے ہیں خیال ہے کہ اس میں کوئی راز ہے اور جو راز جانتے ہیں وہ کہتے ہیں نیو، لوٹ، کے اس مال پہ رکھی گئی ہے جو انہیں ایک ایسے گھر سے ملی تھی جس پر انہوں نے غیر قانونی اور غیر اخلاقی قبضہ کیا تھا اور اسی کے بعد انہوں نے ریڑھی لگانی چھوڑ دی تھی اور شہر کی مشہور مارکیٹ میں ایک چھوٹی سی دکان کرائے پہ لے لی تھی، آدمی سمجھدار تھے اور شریف بھی انکو کوئی بری لت نہ تھی۔ اس لئے پیسہ جمع ہوتا گیا، اس زمانے میں مسلمان بزنس میں تھے ہی کب اس لئے جلد ہی تاجروں میں ان کا نام چمک اٹھا اور وہ مارکیٹ کے سرکردہ ممبر شمار ہونے لگے۔ پھر امپورٹ لائسنسوں کا چکر چلا تو وہاں بھی خوب انہوں نے اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھایا۔

رہن سہن مدتوں پرانے ہی انداز پہ رہا، کرائے کی کوٹھڑیاں اس مفت کے مکان کے بدلے میں چھوڑ چکے تھے مگر اپنے رہنے کو اس مکان میں بھی انہوں نے دو ہی کمرے رکھے تھے، باقی کرائے پر چڑھا دئیے تھے، کھانا پینا بھی اس طرح تھا، بیوی بچے صبح اٹھ کر رات کے بچے چاول کھا لیتے اور وہ خود حلوائی کی دکان سے حلوہ پوری یا قلمہ اور کبھی دہی کلچہ۔ اور پھر سارا دن وہ دکان ہی پر پیتل کے ٹفن کیس میں کھانا پہنچ جاتا اور رات گئے وہ گھر لوٹتے تھے۔

پیسے جمع ہونے لگے تو بیوی نے کہنا شروع کیا کہ اب کسی ستھری جگہ کسی اچھے گھر میں رہنا چاہئے۔ بچوں کے لئے ماحول زیادہ بہتر ہونا چاہئے۔ وہ انہیں اکثر اپنے ہمسایوں اپنے ان جاننے والوں کی مثالیں دیتی جو اب اچھی آبادیوں میں بس چکے تھے۔

کنور صاحب کی بیوی ان کے رشتہ داروں میں سے تھی، پڑھی لکھی تھی کنور صاحب کے مقابلے میں پڑھی لکھی ضرور تھی کنور صاحب تو پرائمری پاس بھی نہ تھے۔ اور وہ ماشاءاللہ مڈل پاس کر کے بھی سال بھر سکول میں حاضری دیتی رہی تھی کہ شادی کا سلسلہ چل نکلا، لڑکے والوں نے بہت زور دینا شروع کر دیا تھا، کچھ رشتہ داروں نے کہا کہ لڑکی پڑھی لکھی ہے، شکل صورت کی اچھی ہے میٹرک کر لے تو زیادہ اچھا رشتہ مل جائے گا۔ ان لوگوں کو میٹرک کرنے تک انتظار کے لئے کہا جائے۔ مگر اس کے والدین کو میٹرک کرانے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ "ہم نے کونسا نوکری کروانی ہے۔" کہنے والے لوگوں کی بیٹی تھی۔ اور اسے خود بہتر رشتے والی بات میں کوئی خاص کشش نہ تھی۔ وہ جالے کو اچھی طرح جانتی تھی اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے تیار تھی اور اس طرح ان کی شادی ہو گئی اور وہ دکھ سکھ کے دن کاٹنے لگے۔

کنور صاحب اس کو چاہتے تھے اور جو تکلیفیں اس نے ان کے ساتھ برداشت کی تھیں اس کے معترف بھی تھے اس لئے بیوی کو انکار نہ کر سکے، ہاں کچھ توقف کے لئے کہا۔

"نیک بخت!" انہوں نے کہا "میں اس بات سے غافل نہیں ہوں، دو ایک سال اور گزر جانے دو، ابھی ابھی تو میں نے بڑی دکان لی ہے اس کی پگڑی بھی کافی دینی پڑی ہے۔ اور پھر میں نے دو ایک جگہ تھوڑی تھوڑی زمین لے رکھی ہے، وہاں اپنے لئے خود بنائیں گے اپنی مرضی کا مکان۔ اور کیا خبر ہمیں اللہ اور زیادہ دے تو ہم اور زمین لے کر اپنے لئے ایک بڑی سی کوٹھی بنائیں۔

"بڑی ساری کوٹھی کی ہمیں کیا ضرورت ہے، ہمیں تو چھوٹا سا گھر ہی کافی ہے، چھوٹا سا تو ہمارا کنبہ ہے!"

"تو کیا یہ چھوٹا سا ہی رہے گا، بیوی ہم سے مایوس ہو یا اپنے سے یا اپنے اللہ سے، کنبہ بڑا بھی ہو سکتا ہے اور پھر اگر اللہ دے تو کوئی اپنے لئے آرام یا سہولت کیوں نہ ڈھونڈے!"

"خدا نہ کرے میں آپ سے مایوس ہوں اور کوئی کافر تھوڑی ہوں کہ خدا سے مایوس ہوں۔ میں نے تو ایسے ہی کہا تھا بڑے گھر کے بڑے جھمیلے، اور پھر جیسے آپ کی مرضی!"

"ہاں بیگم، اب مارکیٹ میں ہمارا نام ہے، لوگ مجھے سیٹھ جمال دین کہتے ہیں، مجھ سے ملنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، میری رائے لیتے ہیں، مجھ سے مشورہ کرتے ہیں، اب ہمیں اپنے مکان میں اپنے لئے ہی نہیں آنے جانے والوں کے لئے، بیٹھنے، بات کرنے کی جگہ لازمی ہے اور پھر کام کرنے والوں کی کوٹھڑیاں بھی ہوں۔ اب ہم کوئی چھوٹے آدمی تھوڑا ہی ہیں۔

— اور سب تمہاری برکت ہے"!

"اللہ کا احسان ہے، میں بیچاری کس قابل ہوں!"

"نہیں نہیں، اپنی اپنی قسمت بھی ہوتی ہے، اب تم سے تو کچھ چھپا نہیں ہے، جو میری حالت تھی تم اچھی طرح جانتی ہو اور میں کیسے بھول سکتا ہوں کہ جب میں کچھ بھی نہ تھا، لوگ میرے حق میں نہ تھے، تم نے میرے لئے ہاں کہہ دی۔"

"کیسے ہاں نہ کہتی، دل کی چاہت بھی کوئی بات ہوتی ہے، روپیہ ہی تو سب کچھ نہیں، روپے سے کوئی خوشی تو نہیں خرید سکتا، میں تب بھی آپ کے ساتھ خوش تھی آج بھی ہوں۔!"

اور کنور صاحب نے بیگم کی طرف پیار سے دیکھا۔

"اچھا اب یہ کام جلد ہی کریں گے، تمہاری خاطر معلوم ہوتا ہے تمہیں اپنے گھر کا بڑا چاؤ ہے۔!"

"ہو کیوں نہ، ہر عورت کو ہوتا ہے۔"

"اچھا بھلا یہ بتاؤ کہ ہر عورت کو یہ چاؤ کیوں ہوتا ہے۔"

"وہ عورت ہی کیا جس کو یہ چاؤ نہ ہو، گھر عورت کی

دنیا، اس کی سب سے اوّلین مصروفیت، اس کا سب کچھ اسی محور کے گرد ا"

"گھر چولہا ہوگیا!"

"یہ تم سمجھتی نہیں، یہ گھر کا مرکز ہوتا ہے، خود ہی سوچو کہ مرد باہر سے تھکا ہوا آتا ہے۔ گھر میں اسے بیوی کی خوشش آمدید کہتی ہے۔ وہ بے تکلفی سے جہاں جی چاہے۔ اسی چولہے کے قریب اپنے بچوں کے پاس بیٹھ کر گرم گرم روٹی کھا کر اس کی ساری تھکن، ساری کوفت دور نہیں ہو جاتی!"

"اجی تو اس بیگانے مکان میں بھی دور ہو جاتی ہے، صرف تمہیں دیکھ کر"

"ہٹائیے بھی، آپ تو مذاق پر اتر آئے۔"

"سچی بات کہوں تو مذاق سمجھتی ہو!"

اور اس دن سے واقعی انہوں نے مکان کے لیے کوشش شروع کر دی اور اپنے اثر و رسوخ اور واقفیت کی بنا پر جلد ہی وہ شہر کے پوش علاقے میں ایک پرانا بنگلہ خریدنے میں کامیاب ہو گئے۔

کنور صاحب کی بیوی کی خوشی کی اس دن انتہا نہ تھی جس دن انہوں نے یہ خبر سنی، اس نے اپنا سب سے خوبصورت جوڑا پہنا سنگار کیا اور کنور صاحب سے گھر دیکھنے کا تقاضہ کرنے لگی۔

"تم تو یوں بناؤ سنگار کر کے جا رہی ہو" کنور صاحب نے کہا "جیسے کوئی۔ !"

اور بیگم کے تیور دیکھ کر بات مکمل نہ کر سکے اور کہا مگر یہاں تو یہ پرانا سا بنگلہ ہے۔ !"

"اپنا تو ہے، یہی بڑی بات ہے، ہم خود اسے ٹھیک کر لیں گے۔ مرمت کروا لیں گے، سجائیں گے۔ جو جی چاہے گا کریں گے!"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں!"

— اور واقعی کچھ ہی دیر میں اس بنگلے کی حالت بدل گئی، برآمدے کی پرانی ڈاٹیں اتار کر نئے طرز میں تبدیل کر دی گئیں۔ نیا پورچ بن گیا، پلستر، ڈسٹمپر اور پھر فرنشنگ، قالین، صوفے، پردے۔

— اور بیگم صاحب گھر میں زیادہ سے زیادہ مصروف رہنے لگیں۔ باورچی خانے کی دیکھ بھال تو خیر تھی ہی، اب قالینوں کی صفائی، کمروں اور فرنیچر کی جھاڑ پونچھ، آرائش اور پھر بنگلے کے باہر گھاس کے قطعوں اور پھول دار پودوں کی دیکھ بھال، خود اپنے سامنے پانی دیا جا رہا ہے بیلوں اور پودوں کی دیکھ بھال بیلوں اور پودوں کی کانٹ چھانٹ ہو رہی ہے، نئے نئے پودے لگوائے جا رہے ہیں گلدستے سجائے جا رہے ہیں — اور خود ان کی اپنی صحت بھی ماشاء اللہ۔ بنگلے کے حسن کی طرح نکھر رہی تھی چہرے پہ پھولوں کی سی شگفتگی اور تازگی اور جسم میں زندگی اور توانائی کنور صاحب یہ تبدیلیاں دیکھ کر دل ہی دل میں خوش تھے۔

ویسے بھی ان کو کاروبار میں بہت زیادہ نفع کی صورت نظر آ رہی تھی اور پھر چونکہ وہ اپنے کاروبار میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھے اس لئے لائسنسوں کے علاوہ نئی مارکیٹ بنانے اور اس میں اپنے ہم پیشہ لوگوں کو بسانے کے کام کا سربراہ بھی انہیں کو بنایا گیا، انہیں اپنے اس نئے کام میں اس قدر فائدہ نظر آ رہا تھا کہ ابھی سے انہوں نے بیگم کو یہ مژدہ سنانا شروع کر دیا تھا کہ اس میں ہمیں لاکھوں کا فائدہ ہوگا۔ اور پھر ہم اپنے لئے ایک نہیں کئی بنگلے بنوا سکیں گے۔

"یہ ساتھ والی ساری زمین ہم خرید لیں گے اور ایک خوبصورت سا نئے ڈیزائن کا بنگلہ بنوائیں گے!"

"نئے بنگلے کی ہمیں کیا ضرورت ہے، یہی ہمارے لئے کافی ہے اور اب تو ہم نے محنت کر کے اس کی شکل بھی تبدیل کر لی ہے، اب یہ پہلے والا بنگلہ ہی نہیں لگتا۔"

"ہاں زمین آپ ضرور خرید لیں بچے بڑے ہوں گے تو ان کی مرضی سے ان کے لیے [illegible]!"

— اور پھر جیسا کنور صاحب نے سوچا تھا ویسا ہی ہوا:

نئی مارکیٹ بنوانے میں لاکھوں کا ہیر پھیر ہو گیا اور جب دکانیں دینے کی باری آئی تو کوئی دکان ایسی نہ تھی جس کی پگڑی نہ لی گئی ہو اور دیکھتے ہی دیکھتے کنور صاحب، حاجی کنور جمال دین شہر کی امیر ترین ہستیوں میں شامل ہو گئے، سرکار دربار میں بھی ان کا مرتبہ اونچا ہو گیا۔

نئی حاصل شدہ دولت سے سب سے پہلا کام تو انہوں نے یہی کیا کہ بنگلے کے ساتھ والی ساری خالی زمین خرید لی اور نیا زکی وہ تمنّا ئیں چڑھا ئیں!

مگر اس کے بعد شاید ان کا پروگرام بدل گیا، شاید ان کے نئے صلاح کاروں نے انہیں سمجھایا۔ اب دھیلا تعمیر کرنے کی بات کبھی نہ کرتے تھے، اب ان کے ذہن میں انڈسٹری لگانے کی دھن سمائی تھی، نیا کام شروع کرتے ہوئے ڈرتے بھی تھے مگر صلاح کار اور پھر لالچ انہیں برابر اکسا رہا تھا۔ پہلے تو سیدھی سادی زندگی تھی، سیدھا سادا کاروبار تھا۔ جو بات ہوتی بیوی سے صلاح مشورہ کر لیتے تھے مگر اب جو میدان ان کے سامنے تھا، اب جو ممکنات انہیں نظر آتی تھیں ان کے متعلق ان کا خیال تھا کہ بیوی کچھ نہ جان سکتی تھی، اس لیے اس سے صلاح مشورے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور انہیں باہر کے لوگوں کے مشورے ہی کا محتاج ہونا پڑتا تھا۔ ویسے بھی اب وہ شہر کی سربرآوردہ ہستیوں میں سے تھے، کئی انجمنوں کئی اداروں کے مربی تھے۔ دھوتی یا شلوار قمیص نہیں سوٹ بوٹ پہنتے تھے۔ اونچی محفلوں میں جاتے تھے بڑی بڑی ہستیوں سے ملتے تھے۔ اور اسی لئے وہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ اور متفکر سے نظر آتے تھے بیوی نے اس رویے کا جسے وہ بے رُخی سمجھتی تھی گلہ بھی کیا۔ شروع شروع میں تو انہوں نے ہنس کے بات ٹال دی۔ نہیں بھلی مانس کوئی بات نہیں بزنس کا معاملہ ہے۔

"پہلے بھی تو بزنس کرتے تھے!"

"تب اور بات تھی بیگم، اب بہت بڑا مسئلہ ہے!"

"ہم بھی تو سنیں، پہلے تو کوئی ایسی بات نہ تھی جو چھپاتے تھے اب۔!"

"چھپانے کی کوئی بات نہیں، تم اس میں کچھ مشورہ نہیں دے سکتیں!"

"اور کون مشورہ دے سکتی ہے!"

"اوہو، میرا یہ مطلب نہیں، تمہارا خیال کس طرف چلا گیا، سمجھو نا، کہ اب میرا مطلب ہے، میرے ایک دوست ہیں۔

ملے تو کہنے لگے کنور صاحب کوئی کارخانہ لگا لو، کوئی مل بنا لو، اب اس ملک میں ایک طرح سے مل مالکوں اور کارخانہ داروں ہی کو فائدہ ہوگا، آج کل تو میں یہاں ہوں، کچھ تمہاری خدمت کر سکتا ہوں۔ آخر آپ بھی تو ہماری اس قدر خدمت کرتے ہیں۔ اور یہ خدمت کی بات بھی سچی ہے، مدت سے ہم ان کی خدمت کر رہے ہیں، ان کی بات بھی توجہ طلب ہے مگر میں سوچتا ہوں اپنا تجربہ نہیں کوئی اس لائن میں۔۔ اب تم ہی بتاؤ تم اس سلسلے میں کیا مشورہ دے سکتی ہو۔"

"آپ پوچھتے تو شاید کچھ کہہ ہی دیتی، آپ نے تو کبھی ذکر ہی نہیں کیا"

"مجھے معلوم تھا یہ تمہارے بس کی بات نہ تھی!"

اور پھر کنور صاحب شب و روز انہی افکار میں غلطاں رہنے لگے۔ گھر میں ان کی دلچسپی کم ہوتی گئی، بیوی بچوں کا خیال بھی کم ہوتا گیا یا کم از کم ان پہ ذاتی توجہ ضرور کم ہو گئی۔ بیوی بچوں سے مل بیٹھ کر باتیں کئے مدتیں گزر جاتیں،

ایک دن ان کی بیوی نے کہا مجھے تو یہ خطرہ ہے کہ اگر آپ کی مصروفیت اور انہماک کا یہی حال رہا تو کسی دن آپ بچوں کے نام تک نہ بھول جائیں۔ اچھا سچ کہئے آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بچے کون کونسی جماعت میں پڑھ رہے ہیں پچھلی جماعت میں وہ کس پوزیشن میں پاس ہوئے تھے۔" اور کنور صاحب شرمندہ سے ہو کر

خاموش ہو گئے۔ کیونکہ انہیں واقعی یہ معلوم نہ تھا کہ نکہت کون سی جماعت میں تھی اور نوید کس پوزیشن میں پاس ہوا تھا،

"ارے بیگم، تم جو ان کی خبرداری کرتی ہو، یہ تم مجھ سے بہتر کر سکتی ہو، پھر میں ۔"

"آپ کسی کا بھی خیال نہ کیجئے، یہی نا ؟"

اور جلد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ کنور صاحب واقعی ل بنا چکے تھے اور اب اس کی آمدنی بھی شروع ہو گئی تھی۔

اور کچھ دیر بعد کنور صاحب نے ساتھ والی زمین لیکر ہ تعمیر شروع کر دی۔ ان کی بیوی سمجھی شاید اس کی دیرینہ رزو پوری ہو رہی تھی، کنور صاحب نیا بنگلہ تعمیر کر رہے تھے مگر آہستہ آہستہ جب اس کی کچھ صورت نکلنے لگی ہ وہ دیکھ کر حیران گئی کہ یہ گھر تو معلوم نہ ہوتا تھا، ارخانہ بھی نہ لگتا تھا۔ اور پھر شہر میں کارخانے کا مطلب ی نہ تھا،

"یہ آپ کیا بنا رہے ہیں" آخر ایک دن بیگم نے چھ ہی لیا "یہ کارخانہ بنے گا !"

"کارخانہ تو ہم بنا بھی چکے، جاتی ہم ہوٹل بنا رہے ں، شہر میں ماڈرن قسم کے ہوٹلوں کی بہت کمی ہے، ب تو ہمارے یہاں دوسرے ملکوں کے سیاح آتے رہتے ں۔ ان کے لئے مغربی طرز کا ہوٹل نہایت ضروری ہے را ہوٹل شہر میں بہترین ہوگا میں نے اس کا نقشہ ایک الوی ماہر تعمیرات سے بنوایا ہے، سات منزلہ ہوٹل یر کنڈیشنڈ، اس میں بار ہوگا، زیر زمین تیرنے کا لاب ہوگا، بہت بڑا ہال ہوگا، بہترین ڈانس فلور ۔ !"

"ڈانس ! یہ تو اچھی بات نہیں، ہم اس قسم کی بیہودہ رغیر اخلاقی چیزوں کو فروغ کیوں دیں ۔"

"ارے بھئی یہ تو غیر ملکی سیاحوں کے لئے ہوگا !"

"غیر ملکی ! چلو غیر ملکیوں کے لئے ہی سہی، غیر ملکیوں کے لئے بے حیائی کے موقعے فراہم کرنے والا اس کی اخلاقی ذمہ داری سے بھاگ سکے گا"

"رہنے دو، یہ زمانہ اب وہ نہیں رہا اور پھر ہمیں تو ہوٹل چلانا ہے، یہ بھی ایک نئی قسم کا کاروبار ہے۔"

"خدا جانے ابھی کون کونسی کاروبار کی اور قسم بھی نکل آئے، کل کو تم ۔"

کنور صاحب نے اسے بہت سمجھایا، ہوٹل کے نقشے دکھائے، اس کی خوبیاں سمجھائیں، اس کی سجاوٹ کی چیزیں دکھائیں۔ مگر وہ کبھی اپنے آپ کو اس ذمہ داری کے لئے تیار نہ کر سکی جو شراب اور ناچ اور ایسی دوسری تفریحوں کے فروغ میں ان کے حصے آ تی تھی، اس لئے اس نے کبھی اس عمارت کے متعلق اشتیاق ظاہر نہ کیا جو اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ابھرتی آ رہی تھی، بلکہ جب عمارت تین چار منزل سے اوپر بڑھی تو اسے تشویش لاحق ہوئی۔

"یہ تمہارے ہوٹل کی عمارت تو سر چڑھے آ رہی ہے، ہمارے گھر کی تو بڑی بے پردگی ہوگی اس سے، کل کو بچی بڑی ہوگی ۔"

"تم بھی کمال کرتی ہو بیگم، یہاں کون سا کوئی مستقل کرایہ دار ہوتا ہے، دو چار دن کے لئے کوئی آیا اور بس، کیسا پردہ اور کیسی بے پردگی !"

ہوٹل بنا سجا، اس کے رنگین افتتاح پہ ایک دنیا شریک ہوئی، بڑے بڑے رئیس، امیر کبیر، وزیر اور سفیر آئے، سب نے کنور صاحب کی ہمت اور ان کی وطن دوستی کی داد دی کہ انہوں نے غیر ملکی سیاحوں کے لئے اتنا اچھا ٹھکانہ بنا کر ٹورازم کو فروغ دے کر ملک کی بہت بڑی خدمت کی تھی۔ مگر ان کی بیگم اپنی پرانی کوٹھی میں سے اٹھ کر چار قدم پہ اس عمارت کے افتتاح کے موقعے پر بھی نہ گئی۔ !

کنور صاحب نے ملک کی خدمت کا تہیا نہ کی تھی مگر یہ عمارت جلد ہی کنور صاحب کی خدمت کرنے لگی، کمرے

ہر وقت بھرے رہتے بلکہ لوگوں کو اس میں جگہ نہ ملتی، غیر ملکی سیاح، ملکی زمیندار، رئیس اور کارخانہ دار اور ان کی اولاد، تاجر — ایک سے ایک رئیس ان کے گاہکوں میں سے تھا۔ بار روم بھی کھلا تھا، آخر غیر ملکی مہمانوں کی خاطر داری تھی۔ ڈانس بھی ہوتے تھے، کھیل تماشے بھی، کبھی کوئی غیر ملکی رقاصہ آتی، کبھی کوئی ملکی فنکارہ اپنے فن کا مظاہرہ کرتی۔ جب ان کی نیم عریاں تصویریں اخباروں میں چھپتیں تو کنور صاحب کی بیگم کو اس بات کا بہت دُکھ ہوتا، ایسا ہی کوئی اخبار کنور صاحب کو دکھاتے ہوئے وہ کہتی "اور کوئی کاروبار نہ سوجھتا تھا آپ کو۔"

مگر کنور صاحب سُنی اَن سُنی کر دیتے، اب وہ امیر آدمی تھے، شہر کے سربرآوردہ آدمیوں میں ان کا نام تھا۔ مگر ان کی بیگم اب اس طرح خوش نہ تھیں جیسے وہ ان دنوں ہوا کرتی تھیں جب وہ غریب تھے۔ ہوٹل کی بلند عمارت کی پرچھائیں سے وہ اپنی بچیوں اور بچوں کو یوں چھپائے پھرتیں جیسے مرغی کھلے آسمان کے نیچے اپنے بچوں کو پروں کے سائے میں رکھتی ہے، وہ چاہتیں کہ وہ سب ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے ہوں، کوئی ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوا اور انہیں ہوٹل کی عمارت، اس کی فضا اداس کر جاتی۔

اور انہیں یہ جان کر بہت دُکھ ہوا کہ بڑا لڑکا اکثر شامیں وہاں گزارنے لگا تھا۔

"تم اسے منع کیوں نہیں کرتے!"

"جوان لڑکا ہے، دوستوں کے ساتھ تفریح کے لئے آجاتا ہے تو کیا، اور پھر یہ اس کا اپنا ہوٹل ہے، واقفیت نہ ہوگی تو آخر یہ کاروبار کون چلائے گا۔ میرا ارادہ اس بار حج پر جانے کا ہے، بعد میں یہ خیال رکھے گا۔ درخواست تو میں نے تمہارے لئے بھی دے رکھی ہے، پوچھا میں نے اس لئے نہیں کہ وہاں جانے سے کون انکار کر سکتا ہے، چلو گی نا؟"

"ناں جی، میں تو یہاں ہی رہوں گی، بچوں کی ذمہ داریاں پوری ہو جائیں گی تو جاؤں گی۔ حکم بھی تو یہ ہے!"

"بڑی مولانا ہو گئی ہو، شرع کے مسئلے بتانے لگی ہے، ہم تو جائیں گے، بدنصیب ہے جو اللہ کا گھر دیکھنے میں۔"

"اور یہ جو شیطان کا گھر یہاں کھول رکھا ہے!"

"یہ بزنس ہے بیگم، تم نہیں سمجھتیں!"

"اور اس کے واسطے سے جو شراب پی جا رہی ہے، جو گناہ پروان چڑھ رہے ہیں، ان کا بوجھ! اس کا بھی تو کوئی ذمہ دار ہے!"

"اوہو تم کو تو وہم ہو گیا اس بات کا، دیکھتی نہیں ہو اس کی وجہ سے ہماری واقفیت میں بے حساب اضافہ ہوا ہے، ملک کا ہر تاجر، ہر رئیس اپنا ممنون ہے، ملک سے باہر ہماری واقفیت پھیل رہی ہے۔ یہاں تو کمرے کم ہونے کا گلہ ہے اور تم۔
میرا تو خیال ہے اس میں ایک اور منزل کا اضافہ کردوں"

"— اور اس سے بھی تسلی نہ ہو تو!"

"اس کو اِدھر اُدھر پھیلا دوں، تم نے خود ہی بات چلائی ہے تو میں کہہ ہی دوں۔ مجھ سے بہت لوگوں نے کہا بھی ہے، مجھے خدشہ تھا تم مانو گی نہیں، یہ اپنی کوٹھی — میرا مطلب ہے یہ بہت پرانی اور بیکار ہو چکی ہے، اگر اس کو —"

"ہاں اس کو گرا کر — اور ہم لوگ کہاں جائیں!"

"ارے اپنے رہنے کو دو تین کمرے ہی درکار ہیں، ہم تمہیں ہوٹل میں دو تین سب سے اچھے کمرے دلوا دیں گے!"

"میں تو کبھی ہوٹل میں کرایہ داروں کی طرح رہنا پسند نہ کروں اور پھر وہ بھی کوئی زندگی ہے۔"

"کیا برائی ہے اس میں، بلکہ آرام سے رہو گی، نہ چولہا نہ چونکا، نہ جھاڑو، نہ صفائی، پکی پکائی سامنے آجائے گی!"

"ہاتھ پیر ٹوٹے لوگوں کی طرح، ہاتھ ہلائے بغیر۔ اپنے ہاتھ کے پکے کا کسی سے کیا مقابلہ، کیا معلوم گندے ڈسٹروں سے تھوکیں لگا کے پلیٹیں صاف کی ہوں یا کتوں سے چٹائی ہوں، جو گلاس ہمارے لئے آئیں اُن میں اللہ جانے کس کس

نے شراب پی ہو!"

کنور صاحب کو بیوی کی مخالفت کا علم نہ تھا اس لئے س وقت تو خاموش ہو گئے۔ مگر جب بھی موقع دیکھتے ں مسئلے کو چھیڑ لیتے وہ جب بھی یہ بات چھیڑتے یہی تلخی ی۔ مگر کنور صاحب اپنے دل میں پکا فیصلہ کر چکے تھے . وہ اس کوٹھی کو اور اس سے ملحقہ زمین کو ہوٹل میں ا مل کر کے رہیں گے،

جوں جوں وقت گزرتا گیا اور ان کی آمدنی بڑھتی ئی تو ان کا یہ ارادہ بھی پختہ تر ہوتا گیا، ارادے کے تھ ہی ساتھ ان کا اصرار بھی شدت اختیار کرتا گیا۔ خدا نے یہ کس بات کا اثر تھا کہ اب ان کے مزاج میں ایک ح کی سختی، جذبات سے عاری، کاروباری پن زیادہ آگیا ا، وہ بغیر دوسروں کے جذبات کا خیال کئے کچھ اس از سے بات کرتے کہ یوں ہو کر رہے گا۔ کوئی مانے یا نے، مان لے تو بہتر ورنہ زبردستی اسے رضامند ہونا ے گا۔

اور آخر ایک دن ان کی بیگم نے ہتھیار ڈال دئے اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوٹھی زمین سے ملا دی ی، وہ ہوٹل کی کھڑکی سے دن بھر ایک ایک اینٹ رتا ہوا دیکھتی رہی۔ اس دن وہ بڑی دیر روتی رہی ے اس کا کوئی عزیز بچھڑ گیا ہو، اس کے سامنے اینٹوں ملبے کا ڈھیر نہیں، اس کی خوشیوں، اس کی مسرتوں اس کے سارے خوابوں کا مزار پڑا تھا۔ وہ دیکھتی ی، اس کی نظروں میں وہی جانے پہچانے کمرے تھے وہاں دیکھتے ہی دیکھتے منزلوں پر منزلیں اٹھتی ہیں۔

انہی دنوں کنور صاحب کی بیگم کو شہر کے مشہور کالج جہاں گھریلو کاموں کی تعلیم دی جاتی تھی اپنے جلسے ہر اسناد دینے بلایا، وہاں انہوں نے گھرداری کی اہمیت ہمیں غیر کتابی، ذاتی نقطۂ نظر اور انداز سے روشنی ا، سیدھے سادے لفظوں میں ایک خوش خلق گھرانے

ایک بہتر اور خوش اخلاق معاشرے کی تشکیل میں گھر کی اہمیت کچھ یوں واضح کی کہ سبھی لڑکیاں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئیں کہ ان کی اصل جگہ گھر ہی تھا۔ اور پھر گھر میں باورچی خانہ اس کا دل تھا، وہ اس کا مرکز اور محور تھا یہ گھر کی مالکن کی انفرادیت کا مظہر تھا، یہ گھر کی ساری زندگی اسی کے گرد گھومتی تھی، یہ نہ ہو تو گھر میں سے حرارت ختم ہو جائے، مل بیٹھنے کا بہانہ تک نہ رہے۔ جلسے کے بعد چائے پر لڑکیوں سے نہ رہا گیا، آخر انہوں نے چائے پر پوچھ ہی لیا کہ کیا یہ ان کے اپنے جذبات تھے وہ ان پر یقین رکھتی تھیں یا یہ رسمی تقریر تھی۔

"رسمی ہوتی تو اس میں جذبات کی یہ حرارت، آپ بیتی کی لگن، کیسے ہوتی۔ یہ میری ایماندارانہ رائے ہے!"

"تو آپ نے وہ ہوٹل کیوں بنا لیا!"

ابھی وہ اس کا جواب سوچ ہی رہی تھی کہ ایک شوخ سی لڑکی نے کہہ دیا،

"بتایا تو خیر تھا ہی۔ وہاں رہنا کیا ضروری تھا؟"

"نہیں" بیگم کنور نے جواب دیا۔ "نہ صرف یہ کہ ضروری نہ تھا بلکہ مناسب بھی نہ تھا" اور یہ کہہ کر وہ اداس سی ہو گئیں لڑکیوں نے دیکھا کہ ان کی آواز بھرا سی گئی "باقی میں تم سے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ ایسا کیوں ہے، زندگی میں انسان کو کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں۔"

اور یہ مجبوری لڑکیوں ہی کو نہیں شہر بھر کو جلد ہی معلوم ہو گئی جب اخباروں میں یہ چھپا کہ کنور جمال دین نے اپنے ہوٹل کی کاؤنٹر گرل سے شادی کر لی ہے۔

عوام کے اپنے نئے انتظامیہ کا پختہ عہد

باشندگانِ دلّی کی زندگی کے ہر پہلو کی ترقی۔

صاف ستھرا اور مستعد انتظامیہ کا بندوبست۔

کم لاگت والے پروجیکٹوں کے ذریعہ روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا کرنا۔

گندی وسلم، غیر مجاز بستیوں و نو آباد کالونیوں اور دیہی علاقوں کے باشندوں کو بہتر اور راحت والی سہولتیں۔

دوسرے خصوصی ترقیاتی پروگرام

ہر سال ۷۰،۱۰۰ ہزار رہائشی اکائیوں کی تعمیر۔

ہریجنوں کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کے لئے آسان شرحوں پر قرضے اور خام مال کا بندوبست۔

سماج بہبود پروگراموں پر خصوصی زور۔

عوام کی خواہشات اور ضروریات کے مطابق نظامِ تعلیم کی از سرِ نو تنظیم و تشکیل۔

بہتر اور باقاعدہ ٹرانسپورٹ سروس۔

سرکاری کام کاج میں ہندی کا زیادہ سے زیادہ استعمال۔

پالیسی طے کرنے میں عوام سے صلاح ومشورہ اور اشتراک۔

آیئے ہم سب ملکر دِلّی کو ہندوستان کا ایک آدرش شہر بنائیں

جاری کردہ: محکمۂ اطلاعات واشاعت، دِلّی انتظامیہ دِلّی۔

فنِ عروض

علامہ عشق آبادی

معبودِ قلندر کا لاکھ لاکھ کرم ہے کہ میں نے بسعیٔ بلیغ دو شیر (ایک نے ستائی دوسرا بیا بانی) تمام دُنیائے ادب کے لئے پیدا کر دیئے ہیں۔ ابھی تو دونوں متوازی آگے بڑھ رہے ہیں، کل کا حال معبودِ قلندر ہی جانے میری دلی آرزو یہ تھی کہ پانچ چیتے (TIGERS) اور پیدا کر دوں ببر (LION) اپنی حدوں میں رہیں اور چیتے کی رفتار فی گھنٹا نوّے میل ہو سکتی ہے اس طرح تمام دُنیائے شاعری پر چھا جائیں۔ فنِ عروض اور قافیے کو مولفان نے اس قدر الجھا کر رکھ دیا ہے کہ منتہی بھی سلجھاتے سلجھاتے خود الجھ کر رہ جاتا ہے۔ چند نمونے حاضر ہیں۔

خلیل بن احمد بصری فرہودی نے تمام دائروں کی بنیاد فی مصرع بیس اور اکیس حروف پر رکھی تھی یعنی ارکان خماسی (فعولن اور فاعلن) والی دو بحریں (متقارب اور متدارک) مثمن بنائی تھیں اور ارکان سباعی والی بحریں مسدس بنائی تھیں۔ یعنی فی مصرع اکیس حروف [illegible] بیس یا اکیس حروف ہیں۔ شاعر [illegible] [illegible] [illegible] سے ایک حرف زیادہ کر دیتا ہے تو وہ حرف دائرہ سے باہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً [illegible] ہو جائے گا [illegible] [illegible] دائرہ میں مدید [illegible] مصرع میں ہمیاؤ کا دال دائرہ سے باہر [illegible] [illegible] سالم ارکان سالم سے [illegible] [illegible] دائرہ [illegible] [illegible] کے تحت رکن سالم میں تسبیغ و اذالہ [illegible] [illegible] ایک وجہ اور بھی ہے جو میں کہیں آئندہ [illegible] کروں گا۔ یوسف نیشاپوری نے [illegible] کے اندر [illegible] [illegible] مسدس بحروں کو مثمن بنایا اور خلیل کے مجوزہ [illegible] سمجھا۔ پھر [illegible] مستطاب نے مثمن کو مربع

یا مسدس کو مجزو بنایا لیکن اس میں بھی خلیل کی آواز کا سہارا لے کر۔ کیوں کہ خلیل شعر کی تعریف میں کہتا ہے "شعر میں صدر و ابتدا اور عروض و ضرب ضرور ہوں" (حشو ہو یا نہو) یعنی از روے عروض شعر میں چار ارکان ہونا لازم ہیں۔

معیار الاشعار صفحہ ۲۱۰ پر بحرِ مجتث مسدس کے تحت صرف یہ شعر دیا ہے۔

دلم بر د ؤ اے یار بے بہا

بہا بیار و لبان را بمن سپار

اور اس کا [illegible] مفاعلن فعلاتن مفاعلن [illegible] بتایا ہے۔ دائرہ مشتبہہ میں خلیل نے بحرِ مجتث مسدس کا وزن مستفعلن فاعلاتن فاعلاتن بتایا ہے۔ تازیوں نے ایک جزء آخری (فاعلاتن) تخفیف کر کے مستفعلن فاعلاتن پر اشعار کہے ہیں۔ یعنی اصل بحر سے ایک جزء (یعنی رکن) کم کیا تو مجتث مجزو صحیح کہا۔

اہلِ پارس نے تازیوں کے ایک شعر کو ایک مصرع بنا کر بحرِ مجتث مثمن بنائی۔ (یعنی مستفعلن فاعلاتن مستفعلن فاعلاتن)۔

[illegible] کی مجوزہ وزن کو مربع سے تعبیر کیا لیکن نصیر الدین محمد حسن توسی علیہ الرحمہ نے بحرِ مجتث مسدس کا جو وزن لکھا ہے وہ کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ قدر بلگرامی نے اسے مجزو لکھا ہے یعنی مثمن سے مجزو [illegible] عروض کے سخت خلاف ہے کہ پہلے مسدس کو دائرہ مشتبہ میں [illegible] پھر اس میں سے ایک جزء (رکن) [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] و بحر [illegible] اور بحرِ مقتضب میں [illegible] ہو سکتے ہیں۔

بحر رجز: مفاعلن فعِلن فاعلن فعْل (فعول)
مخبون مرفوع مخبون مرفوع مخبون احذ مجبوب مطوی

بحر بسیط مفاعلن فعلن فاعلن فعْل (مفعول)
مخبون مخبون مرفوع مخلع (مخبون احذ)

بحر مقتضب فعولُ مفتعلن فاع لاتُ فع (فاع)
مرفوع مخبون مطوی مطوی احذ (فعول احذ مقصور)

اس طرح معیار الاشعار صفحہ ۲۱۹ پر ایک رکن شنا تی (مفاعلاتن) لکھ گئے اور اپنے سر سے بلا ٹالنے کے لئے کہا کہ پارسی زبان میں یہ رکن ملا ہے۔ بات یہ تھی کہ ایک شخص نے آکر محقق رح سے کہا کہ اس شعر کا کیا وزن ہے اور کس بحر میں ہے۔ محقق نہ جانے کس خیال میں تھے ایکدم بوکھلا گئے۔ وہ مطلع یہ تھا۔

زبانِ احمد کمالِ احمد ــــ علی خلیفہ نبی محتشر

انھیں بوکھلاہٹ میں یہ مطلع بھی یاد نہ رہا اور فرمایا کہ "عین آں شعر ہے یاد ندارم" لیکن کچھ اس طرح تھا۔
(یعنی جو شعر یاد ہے وہ بھی ہتر ہتراہٹ کا ثبوت ہے)

اگر بدال کرب تو چو نم — مرا ورین غم روا نداری

اور اس پر فضول تاویلیں فرمائیں (یعنی متفاعلن موقوص مرفل یا مستفعلن مخبون مرفل)

محقق سید اللہ مراد آبادی نے اسے فعول فعلن (مقبوض اثلم) لکھ کر اپنی بیخبری عروض کا ثبوت دیا۔ اور بحر متقارب سے تعبیر کیا۔

حضرت سید علی حیدر نظم طباطبائی (مغفور) فرماتے ہیں کہ "جو لوگ مفاعلاتن یا فعول فعلن کی تکرار سے اس کی تقطیع کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور صحیح عروض عرب سے بیگانہ ہیں۔ اس وزن کی تحقیق سات سو برس کے بعد اس ہیچمدان نے کی" یعنی بحر بسیط مفاعلن فاعلن فعولن یا بحر منسرح مفاعلن فاع لاتُ فعلن۔ پر تقطیع کرکے تمام جھگڑا مٹا دیا۔

اور اگر فعول فعلن ہی مرغوب ہے تو میں کہتا ہوں کہ بحر مقتضب سے بنالو مفعولاتُ سے مرفوع مخبون فعولُ بنالو ــــ اور مستفعلن سے مرفوع مخبون مسکن فعلن بنالو (اس رکن کو احذ ہرگز نہ کہو کیونکہ زحاف حذذ عروض و ضرب ہی کا حصہ ہے۔)

یہاں ایک نکتہ اور سمجھا دوں۔ زحاف رفع کے بعد زحاف خبن نہیں ہو سکتا کیونکہ مفعولاتُ سے مرفوع عولاتُ ہوا اور مس تفع علن سے مرفوع تفع علن بنا۔ ان دونوں ارکان میں واو اور فا حرف ساکن ہیں جو اس موجودہ رکن میں حرف دوم ہے۔ حرف دوم ساکن بسبب خفیف ساقط ہوگا زحاف خبن سے۔ اس لیئے فعولُ کو مرفوع مخبون لکھا جاتا ہے اور اسی طرح فعلن ہوگا۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جہاں تک بن پڑے ارکان حلال کئے جائیں ورنہ کہ حرام (یعنی اکثر ارکان عام زحافوں سے بنائے جائیں۔ مثلاً مستفعلن سے مفعولن (مطوی مسکن) اور فاعلاتن سے فعولن (مخبون مسکن) اہل عرب زحاف تسکین استعمال نہیں کرتے حالانکہ تسکین اوسط زحاف کی ایجاد ہے۔ محقق رح نے تو اسے بڑھاوا دیا ہے اور اس حد تک بڑھاوا دیا کہ تشعیث اور تخنیق کو کالعدم کر دیا۔ وہ فرماتے ہیں تشعیث کی طرح مستفعلن سے مفعولن بنانے کیلئے بھی کوئی نام تجویز کرنا لازم تھا۔ لیکن اس مقام پر بھی حضرت محقق رح کو سہو ہوا۔ عرب والے جس طرح رکن مشعث (مفعولن) کو ہمیشہ مصرع کا آخر رکن (یعنی عروض و ضرب) ہی مانتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں اسی طرح مس تفع علن سے مفعولن بھی عروض و ضرب ہی میں لاتے ہیں اور اسے مقطوع کہتے ہیں۔ عربی کوئی شعر ایسا نہیں جیسا ناسخ کا یہ مطلع ہے کہ مفعولن صدر میں واقع ہوا ہے۔

ناسخ قول ہے بجا حضرت میر درد کا
حسن بلائے چشم ہے نغمہ وبال گوش ہے
مفعولن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

اس شعر میں مفعولن فارسی عروض سے مطوی مسکن ہے۔ اور جائز ہے (ترنم جو جان شعر ہے وہ جاتے سمجھا رہیں)

دماغی ورزش

ادارہ

مندرجہ ذیل مجروح اشعار میں دس فیصد باصحت بے داغ بھی ہیں

آپ ذرا نگاہِ نقد سے جانچیں اور زخم پر نشتر رکھیں اندمال کے لئے کوئی مرہم

بھی تجویز فرمائیں تو اور اچھا ہو۔ اس ڈاکٹری معائنے کی فیس پچاس روپے نقد

نذر کی جائے گی لیکن خریدار شانِ ہند ہونا ضروری ہے

دامنِ گلچیں میں اے عنواں ــــ پھول تو کم ہیں خار زیادہ

۱۔	آیا وہ مرا جانِ بہاراں نظر آیا	ہر سمت نشاں ہی گلستاں نظر آیا	ساغر نظامی
۲۔	جلوۂ طور دیکھ ــــ سکتا ہوں	پھر ــــ ہیں کو دیکھا ہے	بہار برنی
۳۔	نیشِ غم سے سن کو ر... بنا سکتا ہوں میں	یعنی چپ رہ کر بھی افسانہ بنا سکتا ہوں میں	شعری سیمابی
۴۔	اک دل ہے اور ... ارادوں کا ہجوم	اب میرے ہاتھ لاج ہے اے سعی ناتمام	رفعت سروش
۵۔	ہنسے گی اور میرے اجڑے ہوئے گھر پہ دنیا	بجھا دو شمعیں مجھے روشنی قبول نہیں	خمار بارہ بنکوی
۶۔	خیر سے ہم کو بھی پھولوں کا مسلنا آگیا	جلنے لگا تھا جسے جب چمن سمجھے تھے ہم	ذکیہ سلطانہ نیر
۷۔	ریگِ صحرا پہ نقشِ ...	اب ــــ سے آپ مٹ رہا ہوں میں	علی جواد زیدی
۸	تنہا تنہا گھوم رہا ہوں ــــ ــــم	گلی گلی کوئی خود سا ڈھونڈ رہا ہوں	کمار پاشی
۹۔	شوق کعبہ کا کوئی حقانہ صنم خانوں کا	ہے بجس ... خیر سے انسانوں کا	گلزار زتشی
۱۰۔	میرے بھارت کی ترقی ہے مرا اپنا وقار	میرے بھارت کے سکوں میں ہے مرے دل کا قرار	عزیز وارثی
۱۱۔	یوں تو لب پہ ہزار شکوے تھے	روبرو اس کے کچھ گلہ نہ ہوا	مسعود حیات
۱۲۔	ماہ پاروں سے ہی وفا نہ ملی	کیا تو تیغ کریں ستاروں سے	احمد ہوشیارپوری
۱۳۔	تو عجب خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں	میری تنہائی کی رگ رگ میں سماتا کیوں ہے	منیر احمد صوفی
۱۴۔	تشنہ پیچیدہ موجوں کے گرداب میں	... لے رہے ہیں نغمے تصور وہ	شہریار پرواز
۱۵۔	وہ دن گزرے کہ عام تھا ملنا ... تو دور	اگلی سی آزمائش کام و دہن ...	ممتاز بیگم
۱۶۔	کوئی راہ زن تھا کوئی ہم سفر ہوتا	راستے کی تنہائی فاصلہ بڑھاتی ہے	شیر بھنجانوی
۱۷۔	تری یاد سے ... تری یاد کو ...	تری یاد سے تو سکون تھا کسی طور سے تو قرار تھا	جاوید وشسٹ
۱۸۔	تجھ سے قربان مجھے تڑپانے والے	کبھی اس سمت بھی نظرِ کرم کر	بہتہ درد

۱۹۔ ہوا ہوں مدتوں سے خود فراموش
مگر یہ دل تمہیں بھولا نہیں ہے — مظفر گونڈوی

۲۰۔ گریۂ شامِ ہجر پہ خندۂ طنز کس لئے
شمع اگر نصیب ہو پھر کوئی دل جلائے کیوں — شمیم کرہانی

۲۱۔ زندگی درد کے سائے میں سکوں پاتی ہے
ورنہ حالات تو وہ ہیں کہ جہنم بن جائے — غلام ربانی تاباں

۲۲۔ زیتون کی شاخ میں بھی شرارے مگر سلام
معصوم فاختوں کا یہ جوڑا حسین ہے — سلام مچھلی شہری

۲۳۔ ستم گری پہ تلے تو ہیں وقت کے راون
جبیں پہ رام کی بل آگیا تو کیا ہوگا — ہلال رضوی

۲۴۔ میرے الجھے ہوئے حالات غنیمت ہیں مجھے
دل کی باتوں میں نہ آ پرستشِ غم رہنے دے — قمر مراد آبادی

۲۵۔ پھر اس کو مشتہر کر دو سارے جہان میں
یہ آٹھواں عجوبہ ہے ہندوستان میں — ہلال سیوہاروی

۲۶۔ کہتے ہیں صبح کا تارا جسے ہم اہلِ زمیں
رات کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو تو نہیں — نذیر بنارسی

۲۷۔ اب اپنے نقشِ پا کو اپنی سجدہ گہ سمجھا ہے
کسی کا سنگِ در کیوں ہو کسی کا آستاں کیوں ہو — مینا قاضی صاحبہ

۲۸۔ تم تعصب کے اندھیرے کو بڑھاتے ہی رہے
اپنی پھونکوں سے چراغوں کو بجھاتے ہی رہے — عالم فتحپوری

۲۹۔ ہم سفر ہو کے مزاجِ سحر و شام چلے
اب اشاروں پہ مرے گردشِ ایام چلے — انور صابری

۳۰۔ لفظ ہی پھول بھی ہے لفظ ہی زنجیر بھی ہے
لفظ ہی زخم بھی ہے لفظ ہی شمشیر بھی ہے — نازش پرتاپگڈھی

۳۱۔ آدمی دہر میں آزاد ہے مجبور نہیں
صبح تو دور نہیں دور نہیں دور نہیں — روش صدیقی

۳۲۔ شاعری بھی پرانی چیز ہے لیکن مجھ کو
اپنی طرف بلایا تھا اس فن کے نئے امکانوں نے — فراق گورکھپوری

۳۳۔ غزل کا ساز اٹھاؤ بڑی اداس ہے رات
نوائے میر سناؤ بڑی اداس ہے رات — "

۳۴۔ وہ آرزوئیں جو وابستہ تم سے ہیں ان کو
چلے ہو چھوڑ کے کس پر ابھی یہاں سے نہ جا — "

۳۵۔ ہے ہوا بے چین دامن میں چھپانے کے لئے
بڑھ رہا ہے کرۂ گیتی کا شوقِ انتظار — سردار جعفری

۳۶۔ ہے آج ہر طرف صفِ ماتم بچھی ہوئی
سرشار آج اہلِ جہانِ غزل گیا — سرشار ہوشیارپوری

۳۷۔ نعمتِ ترکِ طلب ترکِ تمنا مانگے
دینے والے سے جو مانگے بھی تو کم کیا مانگے — بیدی سحر

۳۸۔ آسکے گا نہ یہ احساس کا جن قابو میں
لاکھ اسے لفظوں کے شیشے میں اتارا جائے — مخمور سعیدی

۳۹۔ جی چاہتا ہے لاکھ سیاست سے ہو گریز
حسن اور عشق میں بھی سیاست ہے کیا کروں — عرش ملسیانی

۴۰۔ ہے بے نیازِ سجدہ درِ کعبۂ جمال
لیکن میں اپنے ذوقِ ارادت کو کیا کروں — بسمل دہلوی

غزل

نبی احمد اطہر

بہار بن کے غمِ زندگی پہ چھائے ہیں
وہ جب کبھی آئے ہیں دل کا قرار لائے ہیں

اندھیری رات کی وادی میں آپ ہی نے مجھے
چراغ بن کے سبھی راستے دکھائے ہیں

تمہارے حسن کی سرمستیاں ارے توبہ
شراب خانہ بھی ہم جا کے لوٹ آئے ہیں

جلا ہے میرا نشیمن تو غم نہیں مجھ کو
چمن میں ہر سو اجالے تو مسکرائے ہیں

مجھے فلک کے ستاروں کی آرزو کیوں ہو؟
شبِ فراق میں غم کے دیئے جلائے ہیں

ذرا ہمارے جگر میں بھی جھانک کر دیکھو
تمہارے بخشے ہوئے داغ سب چھپائے ہیں

بفیضِ چشمِ سیہ مست آج اطہر نے
سرور و کیف کے دو چار خم لنڈھائے ہیں

مثنوی مالوہ

قسط ۱۲

نازکؔ الہ آبادی

غاز ہیگمہ ووت

بہار میں ''الکاپری'' ہے نگر
"کبیر" اس کے راجہ ہیں اک نامور

انھیں کا تھا سیوک تھا یکش اس کا نام
جو کرتا تھا پوجا کا بس اہتمام

نئی "یکش کی آئی گھر میں دُلھن
چمن کی کلی ہے جو غنچہ دہن

محبت میں بیوی کی ہو کر شکار
وہ خدمت سے غافل ہوا بار بار

خفا اس سے ہو کر کے راجا "کبیر"
نہ کی بھی سزا دینے میں کچھ بھی دیر

دیا حکم "الکاپری" چھوڑ کر
رہے گھر سے باہر کہیں سال بھر

کرے کیا وہ مجبور ہی تھا غریب
بنا سال بھر کو وہ ہجراں نصیب

ہوا بے وطن "یکش" تھا بے قرار
رُکا "رام گر" پر جو ہے کوہسار

وہی "رام گر" اس کو آیا پسند
جہاں رہ چکے تھے کبھی "رامچند"

ران قیام "رام گر" یا "چترکوٹ"

وہیں کر چکا مستقل وہ قیام
فقط دل میں جپتا ہوا رام رام

بیوی کی محبت کا مارا ہوا
یقیناً" تھا شدنی سے ہارا ہوا

غرض جبکہ گزرا اُسے نصف سال
ہوا اپنی بیوی کے غم میں نڈھال

گزرتے ہیں کب اس نے شام و سحر
وہ زندہ تھا خود سے مگر بے خبر

تھا گرمی کا موسم مہینہ تھا جون
ہوا خشک اس کے بدن کا بھی خون

غمِ ہجر میں ہو چکا وہ نحیف
ہوئی شکل و صورت بھی اس کی کثیف

مہاکوی تھے اُس "یکش" کے راز داں
جو دل سے تھے اس پر بڑے مہرباں

ہند سے اُٹھتے ہوئے مانسون کو دیکھ کر

اُٹھے ہند ساگر سے جو مانسون
ہمالہ کے چھونے چلے وہ ستون

بے انتخاب۔ سے چترکوٹ

گرجتے ہوئے اور لگاتے وہ باڑ — ملا "وندھیاچل" راستے میں پہاڑ
اُسے تر بتر جل سے کرتے ہوئے — بڑھے آگے منزل پہ اُڑتے ہوئے
بڑھے آگے اُن کو ملا "چترکوٹ" — کہ ہے "رام" سے جس کا ناتا اٹوٹ
وہ پہنچے وہاں سے جو ابرِ بہار — تر و تازہ ہوا "ست پڑا" پُر خمار
نہ راس آئی جب "یکش" کو عاشقی — تو پائی عوض اُس کے دیوانگی
نہ شہوانی پاگل کو تھی یہ خبر — کہ بادل ہے بادل نہیں ہے بشر
سراپا وہ تصویرِ غم ناصبور — ہوا یعنی ہوش و خرد سے بھی دُور
وہ پھر آنجلی صبر کے جنگل کے پھول — کہا ابر سے دوست من ہو قبول
اُسی کو غرض فردِ اک مان کر
بنایا اُسے "یکش" نے نامہ بر

بادل سے "الکا پُری" کا راستہ بتاتے ہوئے

جہاں ہو ہمالہ سے دھرتی ملن — وہاں سے بھی ہے دُور میرا وطن
زمیں پر نہیں "گنگ" اوتار ہے — "رشی کیش" ہے وہ "ہری دوار" ہے
وہاں بن کے "گنگا" کے خدمت گزار — چڑھانا انھیں ابرِ نیساں کے ہار
پھر آگے وہاں سے بھی دوُن "آئیگا" — ہمالہ کے درشن جہاں پائیگا
وہاں سے ہے آگے "مسوری" حسین — ہمالہ کی رانی جو ہے مہ جبین
اُسے تر بتر کر کے آگے بڑھو — ہمالہ کی پھر چوٹیوں پر چڑھو
مقدس وہیں چوٹی "کیلاش" ہے — "مہیشور" کا جہاں مستقل باس ہے
چڑھا کر انھیں ابرِ نیساں کے پھول — تھکاں ساری منزل کی جاؤگے بھول
وہیں بن کے مہمان کرنا قیام — مؤدّب ہمالہ کو کرنا سلام
وہیں پر ہے الکا پُری وہ نگر
اُگلتی ہے سونا جہاں کی سحر

غزل

قاسم رسا دودیشار

شمع و شراب و جام تجھے دیکھنے کے بعد — سب کچھ ہوا حرام تجھے دیکھنے کے بعد
پیمانِ اعتبار کو موت آگئی تو کیا — دل تو ہے شادکام تجھے دیکھنے کے بعد
پھولوں سے چاندنی سے صبا سے بہار سے — کرتے بھی کیا کلام تجھے دیکھنے کے بعد
دُنیا کی کیا مجال کہ آنکھیں ملا سکے — دُنیا ہے زیرِ دام تجھے دیکھنے کے بعد
تیری تجلیات نے گوتم بنا دیئے — پھرتے ہیں بن میں رام تجھے دیکھنے کے بعد

"مرا ریٹ کم ہے مجھے بھی بلالو"

کرگس سہسوانی

ملاقات کا سلسلہ کچھ نکالو
مری شاعری کو ذرا آزما لو
مرا نام بھی "پوسٹر" میں پڑھالو
گڑھے میں پڑا ہوں خدارا اٹھالو
"مرا ریٹ کم ہے مجھے بھی بلا لو"

نہیں ہے زرِ پیشگی کی ضرورت
مجھے ہے خلوص و محبت کی چاہت
بڑی چیز میرے لئے تو ہے دعوت
بس اک مرتبہ تم مجھے سر چڑھا لو
"مرا ریٹ کم ہے مجھے بھی بلا لو"

نئی طرز کے شعر چھینے لگا ہوں
ترنم کی آتش میں تپنے لگا ہوں
رسائل میں بھی خوب چھپنے لگا ہوں
غزل سے مری بھی ذرا حظ اٹھا لو
"مرا ریٹ کم ہے مجھے بھی بلا لو"

عروض و قواعد کا پابند ہو کر
گلے میں ترنم کا جادو سمو کر
لگاتا ہوں مطلع پہ مقطع کی ٹھوکر
مرے قول کو بھی ذرا آزما لو
"مرا ریٹ کم ہے مجھے بھی بلا لو"

اگر مجھ کو مل جائے گا کچھ سہارا
خوشی سے اٹھا لوں گا پھر ہر خسارا
کوئی دعوتی کارڈ بھیجو خدارا
مجھے بزم کا اپنی ممبر بنا لو
"مرا ریٹ کم ہے مجھے بھی بلا لو"

ہوا جب نہ کوئی نکامت بھی کی ہے
خود اپنے ہی گھر پر صدارت بھی کی ہے
کلام جگر کی حجامت بھی کی ہے
مجھے "نقش" دیکر نئے گل کھلا لو
"مرا ریٹ کم ہے مجھے بھی بلا لو"

بڑی آرزو ہے مسوری کو جاؤں
ترنم سے اشعار اپنے سناؤں
بڑا ہوں میں شاعر عدو کو دکھاؤں
وہ پرکھا ہوا ہے مجھے آزما لو
"مرا ریٹ کم ہے مجھے بھی بلا لو"

یہی مدعا ہے یہی آرزو ہے
یہی میری کوشش یہی جستجو ہے
یہی میرا کہنا فقط چار سو ہے
کہ اک رات کرگس کو مہماں بنالو
"مرا ریٹ کم ہے مجھے بھی بلالو"

غزل

ظہیر صمدنی

وہ عجب جرمِ محبت کی سزا دیتے ہیں
جامِ الفت کی جگہ زہر پلا دیتے ہیں

درد ملتا ہے، جفا ملتی ہے، غم ملتا ہے
کیا محبت کا یہی آپ صلا دیتے ہیں

آپ کے حسن کا گو اب بھی نہیں کوئی جواب
ہم اسے اور نکھرنے کی دعا دیتے ہیں

ہم بھی پی لیتے ہیں واعظ وہی گاہے گاہے
جب بھی وہ مست نگاہوں سے پلا دیتے ہیں

غم دیا، درد دیا، پھر شبِ تنہائی دی
دیکھنا یہ ہے کہ اب اور وہ کیا دیتے ہیں

ہم کو نفرت سے نہ دیکھو کہ گلستاں کیلئے
بازیاں جان کی ہم لوگ لگا دیتے ہیں

ہوش اڑ جاتے ہیں دیوانوں کے محفل میں ظہیر
جب وہ پردہ کبھی چہرے سے ہٹا دیتے ہیں

جانِ شادمانی

(از مقبول حسن، مقبول نصیر آبادی)

ہر ادا جانِ شادمانی ہے | ہر نظر روحِ زندگانی ہے
حُسن ہے، کیف ہے، جوانی ہے | زندگی ورنہ نوحہ خوانی ہے
موسمِ گل ہے نوجوانی ہے | ایک ہنگامِ ضو فشانی ہے
ساری دُنیا جوان ہے گویا | ہائے کیا چیز نوجوانی ہے
اُن کی نظروں سے مل گئی تھی نظر | عشق کی مختصر کہانی ہے
دل میں اک تیر بن گیا ہے درد | طفلِ معصوم کی نشانی ہے
چاند بڑھتا ہے، چاند گھٹتا ہے | دولتِ حسن آنی جانی ہے
وہ کنکھیوں سے دیکھ لیتے ہیں | یہ بھی اک خاص مہربانی ہے
درد پہلو میں جاگزیں ہے اب | دلِ مرحوم کی نشانی ہے
مرنے والے کے آنسوؤں سے کھلا | زندگی آج پانی پانی ہے
فرشِ گل پر یہ شبنمی بوندیں | آگ پانی کا وصل فانی ہے
سایہ سایہ ترے سراپا کا | فخرِ بہزاد و نازِ مانی ہے
مان رکھتے ہیں آپ کا ہم تو | آپ نے کب ہماری مانی ہے
بلبلے بنتے ہیں، بگڑتے ہیں | بس یہی شرحِ زندگانی ہے

عشق کرنے کے بعد اے مقبول
زندگانی ہی زندگانی ہے۔

... چراغوں کو بجھایا ہوگا —— شہزاد الیوبی جے پوری

دردِ غم سہنے کے قابل جسے پایا ہوگا | اُسکو رحمان نے انسان بنایا ہوگا
کوئی نعرہ تو اُٹھا ہوگا تشنہ دلی کے خلاف | پیڑ دریا پہ کسی نے تو لگایا ہوگا
موت اس سمت سے کترا کے ہی نکلی ہوگی | زیست کو سینہ سپر جس جگہ پایا ہوگا
درد جس شخص نے جینے کا دیا ہوگا ہمیں | اُس نے مرنے کا بھی انداز سکھایا ہوگا
دشت سے آ جاتی ہیں ٹھنڈی ہوائیں یہ بھی | کوئی دیوانہ یقیناً یہاں آیا ہوگا
کیسے ماضی کے فسانوں کو شہزاد تم بھولے | کس طرح جلتے چراغوں کو بجھایا ہوگا

—— غزل ——

نکہت شاہجہاں پوری۔

آپ کے آجانے سے دل کو تسکینِ جذبات ہوئی ہے
آپ کی دلکش آنکھوں سے کیوں اشکوں کی برسات ہوئی
رشتۂ الفت رسم وفا کی جب دُنیا میں بات ہوئی ہے
دیکھنے والوں نے دیکھا ہے وجہِ الزامات ہوئی
آپ اجازت دیں تو کہہ دوں دُنیا والے پوچھ رہے ہیں
دل ٹوٹا ہے گھر اُجڑا ہے معمولی سی بات ہوئی
کیا چرچا ہے آخر ہر سو کیوں ہنستے ہیں دُنیا والے
ان کا فسانہ میری کہانی حسبِ معمولات ہوئی
کانٹوں نے تھاما ہے دامن پھول بنے ہیں اُف انگارے
ٹکڑے ٹکڑے دن بیتا ہے دھجی دھجی رات ہوئی
شیشۂ دل تو توڑ چکے ہیں اب کیا ہے جو توڑیں گے وہ
مدت تک کاشانۂ دل میں تقریبِ آفات ہوئی
دورِ جنوں میں کون سی منزل کس کا گھر پھر کون ٹھکانا
دن بیتا ہے فٹ پاتھوں پر دروازوں پر رات ہوئی
اپنے پاس ہے کیا دینے کو اک دل ہے سو غم کا مارا
ارمانوں کے ٹکڑے ٹکڑے مل کر اک سوغات ہوئی
ان اپنوں نے اپنا کہکر لاکھوں فتنے ڈھائے ہیں خود
ہوتا ہی آیا ہے جگ میں کون انوکھی بات ہوئی
کیسا ساتھ ہے چولی دامن کیسے ہیں جنوں کے رشتے
ان کی عنایت سمجھا تو نکہت پابندِ حالات ہوئی ہے۔

نعرۂ جمہور
کیفی الاحسانی کا مجموعۂ کلام
قیمت۔ پانچ
دفتر شانِ ہند۔ نئی دہلی ۶

مَن کہ مکتوب الیہ

پچھلے چار ماہ میں ایسے خطوط کی تعداد بہت زیادہ رہی جس میں مدیر شانِ ہند کی بہت زیادہ تعریف کی گئی۔ ادارہ نے ان خطوط میں سے ۶۲ خطوط کو "من کہ مکتوب الیہ" کے تحت شائع کرنے کے لئے فائیل میں لگایا مگر حضرت عالم کے مشورہ سے صرف ۸ خطوط ہی شائع کئے جا رہے ہیں اور ان آٹھ میں سے بھی چند خطوط ایسے ہیں جن میں کانٹ چھانٹ کی گئی ہے۔ براہ کرم ایسے خطوط لکھئے جن کے پڑھنے سے کچھ حاصل ہو۔ تعریفی خطوط کی اشاعت اب قطعاً نہ ہو سکیگی۔

ایڈیٹر

. . . پر . . . بہت خوشی ہوئی۔ میں . . .
. . . فضل و کرم سے بیمار ہوں۔ دل بے حد کمزور
ہے۔ بھوک بھی نہیں لگتی، سانس بھی سنبھل کر
لیتی۔ ویزا کی درخواست دے چکا ہوں سیاست
بھلا کرے کہ آدمی وطن جانے کی اجازت
نہیں۔ اور اماں جان تک کو بھی دوسروں کے
بغیر سلام نہ کر سکے۔
. . . میاں منوّر لکھنوی کہاں ہیں اور کیا کر رہے
ہیں . . . دوستوں کا نام پوچھتے ڈر لگتا ہے کہ زندہ
ہیں یا خدا نہ خواستہ سدھار گئے۔ نظامِ اعصاب
. . . بوسیدہ ہو چکا ہے کہ زیادہ لکھا نہیں جاتا۔
. . . ہے کہ آپ تندرست اور بشاش رہیں۔
. . . تو کبھی گم ہو چکے ہیں، اشارے سے
. . . جنگل میں ہیں۔

شائق آبادی
معرفت دفتر شانِ ہند
. . .

فون: ۲۲۲۳۲
۲/۶/۴ الیف سٹریٹ نمبر ۶۰
اسلام آباد

نقد و نظر . . . ازاں سے

آپ نے جون ۱۹۷۷ء کے شمارے میں یہ کیا تحریر فرمایا ہے۔ کیا جنوری ۱۹۷۶ء کا شانِ ہند نظر سے نہیں گزرا۔ صفحہ ۱۹ کالم اوّل سطر ۲۷-۲۸ سے کالم دوم کی سطر ۲ تک ملاحظہ فرمائیں۔

اور آپ نے غضب تو یہ کیا ہے کہ قرآن کریم کے رسم الخط کی بھی پروانہ کرتے ہوئے آذر (بذال معجمہ) حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام لکھ دیا، اُن کے باپ کا نام تارخ عرف آزر (بزائے ہوز) تھا۔ بعض مفسروں نے آزر کو چچا اور تارخ کو باپ لکھا ہے لیکن یہ تحقیق سے بعید ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ آزر کو اَبِیہ (اپنے باپ) فرماتے ہیں اور ایسے جلیل القدر نبی کے الفاظ غلط نہیں ہو سکتے۔

ہیں تارخ و آزر اک بشر کے دو نام
باقی ہے مورخوں کا گورکھ دھندا

زبانِ عبری میں حرف ذال کا وجود ہے فارسی میں نہیں۔ غیاث اللغات کو نہ صرف خان غالب نے بلکہ ابوالکلام آزاد نے بھی سند نہیں مانا۔ خود غیاث نے لکھا ہے کہ آذر (ذال سے) معرب آدر کا ہے کہ معنی آگ کے ہیں
. . . بعض . . .

عاذر۔ عازر (عاذر کا مخفف) اس شخص کا نام ہے جسے مسیح نے زندہ کیا تھا منتخب میں ز سے لکھا ہے۔

راجندر کرشن

۱۱ سلور ارچ
نیپئین سی روڈ۔ بمبئی ۲۶

برادرم سرور صاحب، آداب
جواب میں تاخیر کے لئے معافی، صحت نرم گرم رہی اور کوئی خاص بات نہ تھی۔

جشنِ سحر نمبر کے لئے اشتہارات اور وہ بھی فلمی یہ صرف کنور صاحب کے بس کی بات ہے۔ فلمی اشتہارات تو سینکڑوں مل جائیں گے لیکن رقم آپ کے پوتوں کو وصول کرنا پڑے گی۔

اس شمع اچھی خاصی شاعری ہو گئی۔ کاش میرے پاس کچھ اور وقت ہوتا اور میں ان جلیل القدر بزرگوں کی صحبت سے مزید فیضیاب ہوتا۔ پنڈت سرشار، شری کرشن مراری، جناب سہگل، حضرت ضیا فتح آبادی۔ جناب کنول، جناب طالب چکوالی، حضرت بسمل اور صاحبِ خانہ اور دیگر حضرات کی خدمت میں میرا اسلام شوق۔

آپ کا
راجندر کرشن

ڈاکٹر ہیرالال چوپڑہ (ڈی لٹ تہران)

۲۔ رام لوچن ملک اسٹریٹ کلکتہ ۲۰

برادرم عزیز شری وِدیا ساگر کاشی جی۔ نمستے۔
کل ماہ اپریل کا شانِ ہند ملا تو اس میں آپ کی علالت کی خبر پڑھ کر تشویش ہوئی۔ یہ تکلیف کب سے ہے اور اس نے کب سے شدت اختیار کی ہے۔ ایشور آرام دیں بزرگوں کی تو یہی دعا ہے۔ میں خود ابھی بالکل معذور تو نہیں البتہ تقریباً معذور سا ہو رہا ہوں لیکن میری علالت تو کچھ نہیں فقط "یک پیری و صد بیماری" کا معاملہ ہے۔ گھٹنوں کے درد سے کچھ لاچار ہوں مگر ابھی سماجی ادبی اور ثقافتی ذمہ داریوں کو نبھا رہا ہوں۔ ہاں ہاتھ لکھتے وقت یا پاؤں چلتے وقت دماغ سوچتے وقت کچھ لغزش ضرور کھاتے ہیں۔ سوچتا ہوں آج تک جس کسی سے بھی کوئی رابطہ پیدا کیا ہے کیوں توڑا نہیں تو پھر ان دردوں نقاہتوں، کمزوریوں اور مجبوریوں نے کونسا گناہ کیا ہے کہ ان سے رشتہ محبت منقطع کر لوں۔ خواہش تھی کہ مرحوم پنجاب کی ادبی سرگرمیوں کی گزشتہ ساٹھ سالوں کی یادداشت کو مجتمع کر کے لکھ لیتا مگر اب اس مقصد کا حصول ناممکن سا دکھائی دیتا ہے یہ ضروری اس لئے خیال کرتا تھا کہ کئی نوخیز ادیبوں نے اس دور کے پنجاب کے بارے میں کئی غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں جن کا ازالہ ضروری تھا لاہور کی ادبی سرگرمیاں اور علامہ اقبال (۱۹۰۵ء سے پہلے) ان ادیبوں کا خاص نشانہ ہیں اگرچہ اس زمانے میں انکا کہیں وجود بھی نہ تھا اور وہ اس دور کے بارے میں اس وثوق سے لکھتے ہیں جیسے وہ عینی شاہد ہوں۔ خدا لاہور اور اقبال کو ان بے شعور تاریخ سے محفوظ رکھے۔ جنگِ اول کے دوران لاہور میں اردو کے لئے بہت کچھ ہوا اس سے وہ سب نابلد ہیں۔ سر عبدالقادر نے ملتان میں بندہ سے دو ایک مرتبہ ان نوخیزوں کے مبلغ علم اور تاریخی صلاحیت کے بارے میں اندوہناک لہجے میں کچھ کہا تھا اور بعد تقسیم خطوط میں بھی لکھا تھا جو کبھی موقع میسر آئے لکھوں گا آپ اپنی صحت کے بارے میں مطلع فرمائیں میں تو خود معذور ہوں سوائے دعا کے کیا خدمت کر سکوں گا۔

دعاگو ہیرالال چوپڑا
(۸۱ برس)

طرفہ قریشی

معرفت عظیم جنرل اسٹور
مومن پورہ ناگپور ۱۸

مکرمی آداب و نیاز!

شانِ ہند جون ۱۹۷۰ء کا شمارہ موصول ہوا۔ ٹائیٹل کا گیٹ اپ پسند آیا۔ وزیرِ اعظم کے نام کھلا خط آپ کی جراءت بیباکانہ کا قصیدہ خواں ہے۔ آج دو ٹوک باتیں کرنے اور کہنے کی ہمت دوسروں میں کم پائی گئی ہے۔ ہسپتال کے ڈاکٹروں کی نبضوں کو بھی اچھی طرح سے دبایا گیا ہے۔ ایک حق کانپوری ہی کیا اس قسم کے کئی گلا باز ہیں جو دوسروں کی حق تلفیاں کر رہے ہیں۔ بانیانِ مشاعرہ بھی اصل حقیقت سے واقف ہوتے ہیں لیکن انھیں تو بے ادب سر پسند ہے اپنے نفس کی پیاس بجھانے کے لئے چن چن کر ایسے لوگوں کو منہ مانگی قیمت پر مشاعروں میں بلایا جاتا ہے اور شراب و کباب سے خوب ضیافت بھی کی جاتی ہے۔ "نذرانے" کے تحت بھی اچھے کچھ دے دئے گئے ہیں۔ سارق بدایونی کا فعل عام ہو چکا ہے۔ اس کے نام میں بڑے مزے کا تصرف کیا ہے آپ نے۔ حصۂ نظم کافی صحت مند ہے۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

نیازمند
طرفہ قریشی

حکیم شبیر علی شبیر

صدر انجمن نگارِ ادب
کانپور

محترمی ایڈیٹر شانِ ہند۔ سلام مسنون
شانِ ہند کی کچھ اشاعتوں میں حق کانپوری کے بارے میں آنجناب نے جو لکھا ہے وہ قطعی حق بجانب ہے۔ کانپور کے معتبر بزرگ شاعروں کے پاس حق کانپوری جا جا کر اپنی اس نالائقی کی ریپیر کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ یہاں کے شاعر آپ سے ٹکرائیں مگر ایسا ناممکن ہے چاند پر خاک ڈالنے سے چاند میلا نہیں ہوا کرتا آپ نے صحیح لکھا ہے حق کے بارے میں آپ نے جس حق گوئی سے کام لیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ اس حق کا یہی عالم ہے وہ گوشہ نشین شعرا اور یا وہ شاعر جو مشاعروں میں نہیں جاتے ہیں ان کا ہی کلام پڑھتا ہے جہاں کہیں جگہ دو چار دفعہ ٹوکا بھی گیا اور رکاوٹ ڈالی گئی ہونے کے بعد بھی ابھی باز نہیں آسکا ہے آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا امید کرتا ہوں آپ نڈر اور بیباک ہو کر اسی طرح سے لکھیں گے جیسا کہ حق کانپوری کو ننگا کیا ہے خدا آپ کے کام میں برکت عطا فرمائے بے ادبی کی پھر ایک بار معافی چاہوں گا۔ والسلام

نیازمند
شبیر کانپوری

قیاضی گوالیاری

چمن منزل
لشکر گوالیار ۱

عزیز مکرم۔ دعائیں

خدا گواہ ہے کہ آپ کی بیماری کا حال معلوم کر کے مجھے دلی صدمہ ہوا۔ اور فکر لاحق ہو گئی۔ آپ اپنی جگہ ایک ستون ہیں۔ اردو کی بارہ دری کا حسن آپ جیسے محبانِ اردو کے دم قدم اور فکر و نظر سے قائم ہے۔ خدا آپ کو مکمل صحت عطا فرمائے۔ آپ انشاءاللہ نمازوں کے بعد میری دعاؤں میں شریک رہیں گے۔ اطمینان رکھئے خدا صحت کاملہ جلد عطا فرمائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ہوالعزیز۔

"ہوالعزیز" پر سے عزیز صاحب کی یاد آ گئی۔ وہ کے دیال سنگھ کالج میں اردو کے لیکچرار مقرر ہو۔ پر میری طرف سے دلی مبارکباد پیش کر دیجئے گا۔ ان کی

تنقیدی اور ادبی صلاحیتیں قابلِ قدر بلکہ باعثِ ناز ہیں۔

آپ نے اپنی والدہ صاحبہ محترمہ کے متعلق محض اتنا لکھ کر چھوڑ دیا کہ وہ اب گوڑگانواں میں ہیں۔ یہ تو بتایئے لوہے کی سلاخ ان کے کولہے سے نکالی گئی یا نہیں اور وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوئیں یا نہیں؟

یہاں سبھی احباب نے اور بالخصوص بھائی شادان صاحب نے آپ کی بیماری کے متعلق بہت فکر و پریشانی کا اظہار کیا۔ آپ ابھی ماشاءاللہ جوان ہیں۔ آپ بفضلِ خدا خواہ مخواہ کی تعریف میں کبھی نہیں آئے۔ مجھے حیرت ہے کہ ایسی تکالیف سے آپ کیونکر دوچار ہوئے۔ مجھے احساس ہے کہ آپ کو اس دور میں انتہائی تکلیف اور پریشانی رہی ہوگی۔ آپ میرے متعلق کوئی فکر نہ کریں۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ تھوڑا خیال رکھنے سے آپ انشاءاللہ جلد مکمل صحت حاصل کر لیں گے۔ مجھے آپ کی بیماری اور اتنی سخت بیماری کا علم ہوتا تو میں دلی ضرور آتا۔ وہ زمانے گئے جب دلی دور تھی۔ جو دل سے قریب ہوں ان کے لئے دلی کبھی بھی دور نہیں ہو سکتی آپ کی صحت کے لئے ہم لوگ دست بدعا ہیں۔

گاہے گاہے خیریتِ مزاج سے مطلع فرماتے رہیے۔ اور کوئی خاص بات ہوا کرے تو براہِ کرم ضرور مطلع کیا کیجئے۔

دعا گو

آپ کا فیاض

نازک الہ آبادی

۲۷۔ باغ چوبے۔ فیروز آباد۔ یوپی

گرامی قدر بھائی صاحب سلامت

کل مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۷۷ء کو دوبارہ ارسال کردہ شانِ ہند کا اپریل شمارہ موصول ہوا۔ ممنون ہوا۔ اس شمارہ میں جامعہ ملیہ کے مشاعرہ کا آنکھوں دیکھا حال عذرا سلطانہ کے نام سے جو شائع ہوا ہے بقول خود جو نظر برنی نے عذرا سلطانہ کی آڑ میں لکھ کر برائے اشاعت شانِ ہند کو بھیجی۔ مگر ہم نظر بازوں سے وہ چھپ نہ سکا جادو جہاں کے مصداق آنجناب نے اسے ایسی گرفت میں لے لیا کہ جس کی تردید کرنا اس کے لئے ناممکن ہے۔ مشاعرہ مذکورہ کے حالات جس انداز میں قلمبند کئے گئے اور ان حالات کے ہر موڑ پر آپ نے جو طنز کھینچے وہ تمام کے تمام دانشوران و واقعات کی روح بنکر دنیائے ادب کی لازوال یادگار بن کر رہ گئے ہیں۔ چونکہ مختلف مقامات پر مختلف پہلوسے جو طنز کشی کی گئی ہے وہ اس مشاعرے کی روداد کو اور بھی چار چاند لگا رہی ہے۔ بانیان مشاعرہ، اور قدردان مشاعرہ کی بھی اچھی خاصی خبر لی گئی ہے کاش تمام کے تمام شعرا اور ادیب بانیان مشاعرہ، منتظمین مشاعرہ آپ کی بیش قیمت صحافی نشتر زنی کے ذریعہ اپنے اپنے آئینوں میں اپنی صورت دیکھ سکتے ہاں جناب ڈاکٹر عنوان چشتی کے دو اشعار بھی

زندہ رہنا ہے تو پھر کیوں نہ خدا بن جاؤں
ہے یہ وہ شہر کہ کافر بھی پیمبر ہے یہاں
خون کے چھینٹوں سے اگتی ہیں سروں کی فصلیں
جانتا ہوں کہ ہر اک ہاتھ میں خنجر ہے یہاں

طنز نگاری کے بہترین نمونے ہیں۔

نرگس ہمہ واقی کی نظم "گونگا شاعر" عنوان سے شائع شدہ اچھی نظم ہے۔ مشاعر گویوں کی اچھی خاصی مزاج پرسی کی گئی ہے۔

مفتون کوٹوی صاحب کا مضمون مرحوم والدین کی یاد میں پڑھا جس کے لفظ لفظ کے اظہار میں اس کی شاعرانہ عظمت اور نثری طنز نگاری کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ "دیوار کے پیچھے" شوکت صدیقی کا افسانہ حقیقت نگاری کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ بہرکیف "شانِ ہند" پہلے کی بہ نسبت بہترین صورت میں نکل رہا ہے جس میں اس کی توسیع کا راز مضمر ہے۔

خیر اندیش نازک الہ آبادی

معیار کی کسوٹی

اردو شاعری میں جدیدیت کی روایت: مصنف ڈاکٹر عنوان چشتی۔ سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۳۲۰، مجلد، قیمت ۲۰ روپے۔ ناشر اردو سماج، نئی دہلی ۲۔ ملنے کا پتہ: شان ہند، ۸-۱ انصاری مارکیٹ، دریا گنج نئی دہلی ۲۔

اردو میں "جدیدیت" کا رجحان ۱۹۶۰ء کے آس پاس ابھرا۔ اس رجحان نے اردو شاعری (اور افسانوی ادب بھی) کے ٹھہرے ہوئے پانی میں تموج پیدا کیا۔ اردو ادب کے سمندر میں یہ تیسری بڑی لہر ہے جس نے ادب و شاعری کو انقلاب سے دوچار کیا۔ سر سید تحریک اور ترقی پسند تحریک کی طرح جدیدیت کا رجحان بھی افراط و تفریط کا شکار رہا۔ "جدیدیت" کی فضا کو محض "جدیدیت" کے مخالفوں نے ہی مکدر نہیں کیا بلکہ "جدیدیت" کے طرفداروں نے بھی خراب کیا۔ جس سے "جدیدیت" کا خواب منتشر اور بھیانک تعبیروں سے پریشان ہو گیا۔ اس صورت حال میں ڈاکٹر عنوان چشتی نے "جدیدیت" کا تنقیدی جائزہ اس خوش اسلوبی سے لیا ہے کہ ایک طرف جدیدیت کے نام پر "جعلی شاعری" کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ اور دوسری طرف اس دور کی سچی شاعری کی خصوصیت واضح ہو جاتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب شعری جمالیات کی روشنی میں "جدیدیت" کا بھرپور تنقیدی جائزہ ہے۔

ڈاکٹر عنوان چشتی کی کتاب اردو شاعری میں جدیدیت کی روایت آٹھ ابواب میں منقسم ہے جن میں "جدیدیت: روایت کا تخلیقی اظہار" "جدید شاعری" "جدید اردو گیت: تشکیل سے تکمیل تک" "جدید اردو نظم: رمزیت سے وضاحت تک" "جدید اردو غزل: عروضی پابندی سے آزادی تک" "جدید اردو غزل: تجربے سے تخلیقی حرکیت تک" "نثری نظم: شعریت سے نثریت تک" اور نہایت سنجیدہ بحث مختلف عنوانات کے تحت سپرد قلم کی گئی ہے۔ آخر میں کتابیات اور اشاریہ بھی شامل ہے۔

"اردو شاعری میں جدیدیت کی روایت" نہ صرف یہ کہ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے بلکہ یہ کتاب جدید تحقیقی اصولوں اور گہری تنقیدی بصیرت کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب سے ڈاکٹر عنوان چشتی کا سنجیدہ، متوازن انداز نظر، آفاقی طریقۂ کار دور تک ادیبوں اور شاعروں کی رہنمائی کرے گا۔ اس کتاب کا مطالعہ شاعروں اور تنقیدی رجحانات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔

انوار علی خاں سوز

ریاست ٹونک اور اردو شاعری: قدیم زمانے میں والیان ریاست کی سرپرستی نے مختلف فنون لطیفہ کے ارتقا اور بقا میں بھرپور شعور اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے۔ بطور خاص فن شعر و ادب نیز ریاستوں کی سرپرستی ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بعض صورتوں میں تاریخ ادب کے مؤرخین کے تحقیقی شعور نے بہت سے ایسے اہم پہلوؤں سے گریز کیا ہے جنھیں تاریخ ادب کا ایک ناگزیر پہلو کہا جا سکتا ہے۔

مختار شمیم نے ان اہم پہلوؤں کی جانب توجہ دے کر ریاست ٹونک کی ادبی حیثیت کے تعین کرنے نیز فن شعر و ادب کے ارتقا اور سرپرستی میں والیان ریاست کی دلچسپی، شعور اور بیدار مغزی کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ ہر چند ان کی اس توجہ کو "مکمل تحقیق" تو نہیں کہا جا سکتا لیکن اسے والیان ٹونک کے ادبی ذہن کو سمجھنے اور پرکھنے کا زینہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ان کا یہ مقالہ ٹونک کے مذہبی، علمی، ادبی اور شعری رجحانات کا اجمالی تجزیہ ہے۔ جسے مختار شمیم نے ٹونک کے تاریخی، سیاسی، تہذیبی،

علمی ادبی ... حقائق سے مزین کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ بعض صورتوں میں ان حقائق کا ذکر اجمالی ہے لیکن مقالہ نگار کے انداز بیان نے ان کی تہ تک پہنچنے اور انھیں سمجھنے کے لئے جذبہ تجسس کو بیدار کرنے کی کیفیت ضرور پیدا کر دی ہے۔ پانچ ابواب پر مشتمل یہ مقالہ ٹونک کے قدیم و جدید شعری و ادبی رجحانات کے ساتھ ساتھ تہذیبی، تاریخی، علمی اور سیاسی محرکات کی عکاسی کرتا ہے جسے ریاست ٹونک میں مختلف فنون لطیفہ کی تخلیق اور جستجو کی صرف ایک کوشش کہنا ہی مناسب نہیں بلکہ اسے تاریخ ادب کے اس خلا کو پر کرنے کی کامیاب کوشش کہنا زیادہ مناسب ہوگا جو تاریخ ادب کے بعض مرتبین کی عدم توجہی کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

۱۸۵ صفحات کی یہ کتاب جس کی قیمت ۵ روپے ہے نسیم بکڈپو، لاٹوش روڈ لکھنؤ اور دفتر شان ہند دہلی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ (عزیز اندوری)

سینک سماچار کا سالنامہ: کسی رسالے کے معیاری اور حسین ہونے کے لئے مواد کی فراہمی اس کا انتخاب اور اس کی ترتیب کا بہتر شعور انتہائی ضروری ہے بعض اوقات بہتر اور معیاری مواد بھی انتخاب کے سلسلے میں عدم توجہی اور بے ترتیبی کی نذر ہو جاتا ہے اور قاری اس رسالے کو ہاتھ لگانے سے بھی گریز کرتا ہے ہمیں اس کی بہت سی مثالیں ان رسائل میں دیکھنے کو مل جاتی ہیں جو ناتجربہ کار مدیر ان کے ذریعے شائع کئے جاتے ہیں۔ ایسے رسائل کو دیکھ کر غالب کا وہ لطیفہ یاد آ جاتا ہے جس میں اس نے ستاروں کی بے ترتیبی پر طنز کی تھی۔

اردو صحافت نے اس دور میں جس قدر ارتقائی منازل طے کی ہیں انہیں دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اس میدان میں اردو والوں نے بعض انتہائی شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں اور اردو رسائل کو مواد کے اعلیٰ معیار کے ساتھ ہی حسن و تزئین کے اعتبار سے بھی بلندیوں کو چھو لینے کے لائق

بنا دیا ہے۔

سینک سماچار کے سالنامے کو دیکھ کر مدیران کے اعلیٰ شعور کی داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ مواد کی فراہمی، اس کے انتخاب کے ساتھ ہی اس کی ترتیب میں بالغ نظری کا ثبوت دیا گیا ہے اس نے اس سالنامے کو انتہائی حسین اور دلکش بنا دیا ہے۔ بطور خاص تصاویر کی ترتیب اور انتخاب نے سالنامے کو جاذب نظر کر دیا ہے۔

۱۶۰ صفحات کے اس سالنامے میں سب کچھ ہے۔ فلمی، فوجی، تاریخی اور ادبی مضامین کافی معلومات فراہم کرتے ہیں شعری تخلیقات بھی خوبصورت ہیں۔ تصویری فیچر کافی دلکش اور حسین ہے البتہ بعض مضامین پر نظر ثانی ضروری تھی مثال کے طور پر مستند جوہر شاعر نظر برنی کا مضمون، پھر بھی مجموعی طور پر یہ سالنامہ بے حد خوبصورت اور معیاری ہے۔ قیمت بھی کوئی خاص نہیں یعنی صرف دو روپے جو کسی طرح گراں نہیں۔

رسالہ مندرجہ ذیل پتے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ایل ۱۱ بلاک چرچ روڈ نئی دہلی۔ یا دفتر شان ہند سے بھی منگایا جا سکتا ہے (عزیز اندوری)

اچھی چڑیا: بچوں کے شاعر محمد شفیع الدین نیر اپنا جواب نہیں رکھتے۔ دوسرے ممالک میں بچوں کے لئے لکھنے والے جس قدر قدر و منزلت پاتے ہیں ہمارے ملک میں اتنا ہی وہ بے یار و مددگار ہوتے ہیں۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ جو حضرات چار سطریں بھی ٹھیک طور پر نہیں لکھ سکتے وہ سرکاری طور پر انعام و اکرام سے نوازے جاتے ہیں اور ایک ہمارے جناب شفیع الدین نیر ہیں کہ گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور حکومت کے ذمہ داران کی نظروں نے کبھی انہیں تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اچھی چڑیا بھی نیر صاحب کی چھ نظموں کا مجموعہ ہے جو بچوں کے شعر و ادب کی جان ہیں۔ ۲۰×۳۰ سائز کے چالیس صفحات پر یہ کتابچہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی سے شائع کردہ بچوں کی کتابوں میں ایک بہترین اضافہ ہے۔ قیمت تین روپے۔ ناشر یا دفتر شان ہند نئی دہلی ۲ سے منگایئے۔

پیاز کے چھلکے

فکر تونسوی کی تازہ ترین تصنیف۔ قیمت دس روپیہ
دفتر شان ہند نئی دہلی ۲

فوری ضرورت ہے

ابوظہبی کے لئے سول انجینیرز، کارپینٹرز، میسن، ریگرز، کرین آپریٹرز مکینک اور ہیلپروں کی ضرورت ہے۔ جن درخواست دہندگان کے پاس ابوظہبی کا پاسپورٹ ہوگا ان کو ترجیح دی جائے گی۔ درخواست میں پاسپورٹ کا نمبر اور دیگر تفصیلات ضرور لکھیں۔

بہترین کارکردگی والے امیدواروں کے لئے پاسپورٹ بنوانے کی بھی سہولت مہیا کی جائے گی۔ اپنی درخواستیں جس میں پاسپورٹ کی تفصیلات اور سابقہ تجربات کا اندراج ہو اس اشتہار کی اشاعت کے سات دنوں کے اندر اندر بذریعہ ڈاک پتہ ذیل پر بھجوائیں۔

درخواست دہندہ کی عمر چالیس سال سے زائد نہیں ہونی چاہئے۔

انجینیرنگ کنسٹرکشن کارپوریشن لمیٹڈ

(لارسن اینڈ ٹوبرو لمیٹڈ)

22-شیواجی مارگ (نجف گڈھ روڈ) نئی دہلی ۱۱۰۰۱۵

نایاب اور مشہور اردو کتابیں منگائیے

کلیاتِ اقبال کا صدی ایڈیشن (آفسیٹ)		۱۸/-
اقبال، شاعر اور فلسفی	سید وقار عظیم	۱۴/-
بانگِ درا (فوٹو آفسیٹ)	اقبال	۱۰/-
ضربِ کلیم	"	۷/۵۰
بالِ جبریل	"	۷/۵۰
ارمغانِ حجاز	"	[illegible]/۵۰
شاعری اور شاعری کی تنقید	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۶/-
اردو شاعری کا مزاج	وزیر آغا	۳۰/-
نیا افسانہ	وقار عظیم	۹/-
اطرافِ غالب	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۵/-
غزل اور مطالعۂ غزل	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۲۰/-
جدید شاعری	" "	۲۵/-
ارمغانِ علی گڑھ	خلیق احمد نظامی	۲۰/-
اردو مثنوی کا ارتقاء	عبدالقادر سروری	۶/-
تصوراتِ اقبال	مولانا صلاح الدین احمد	۱۲/۲۵
اردو زبان اور ادب	ڈاکٹر مسعود حسین خاں	۷/۵۰
مطالعۂ سرسید احمد خاں	عبدالحق	۵/-
اردو ادب کی تاریخ	عبدالحق جنیدی	۷/۵۰
گلدستۂ مضامین و انشاء پردازی	ڈاکٹر محمد عارف سفیان	۵/۹۵
شائستہ مختصر افسانے	ڈاکٹر طاہر فاروقی	۳/۷۵
تنقیدی سرمایہ	عبدالشکور	۳/۵۰
اردو لسانیات	ڈاکٹر شوکت سبزواری	[illegible]
تخلیقی عمل	وزیر آغا	۱۴/-
فیروز اللغات (جیبی ایڈیشن)		۶/۵۰
انتخاب مضامین سرسید	آل احمد سرور	۳/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری	وحید قریشی	۴/۵۰
شرح جاوید نامہ (جلد اول، دوم مکمل)	محمد سلیم چشتی	۱۰۰/-
جدیدیت کی روایت	عنوان چشتی	۲۰/-

مقدمہ تاریخ زبان اردو	ڈاکٹر مسعود حسین	۱۰/-
اردو ادب آزادی کے بعد	خورشید الاسلام	۷/۵۰
یادوں کے سائے	ممتاز مرزا	۲۰/-
یادوں کی برات کا خصوصی مطالعہ	صابر کمال	۱۲/-
ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتون	۲۵/-
جذباتِ مشرق	" "	۲۰/-
یادوں کی برات	جوش ملیح آبادی	۲۵/-
فرہنگِ آصفیہ چار حصے مکمل		۱۵۰/-
اردو انگلش ڈکشنری	مولوی عبدالحق	۵۰/-
انگلش اردو ڈکشنری	"	[illegible]
بہشتِ نظر	رتن پنڈوری	[illegible]
اردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصہ	[illegible]	[illegible]
کیسے کاٹوں رین اندھیری	واجدہ تبسم	۱۰/-
اردو ہندی کا لسانیاتی رشتہ	ڈاکٹر رام آسرا	[illegible]
عکس آئینے کے	ہرچرن چاولہ	۹/-
نتھ کا بوجھ	واجدہ تبسم	[illegible]
اترن	" "	[illegible]
آیا بسنت سکھی	" "	[illegible]
کیسے سمجھاؤں	" "	۱۰/-
روزی کا سوال ہے	" "	۱۲/-
اقبال ایک تجزیاتی مطالعہ	سید معراج نیر	۱۵/-
سفرنامۂ اقبال	حق نواز	۲۵/-
خطوطِ اقبال	رفیع الدین ہاشمی	۳۰/-
اقبال شخصیت اور شاعری	رشید احمد صدیقی	۱۲/-
راز و نیاز	راز [illegible]	۵/-
انتخاب راز و نیاز		[illegible]
موجِ شمیم	دیا شنکر شمیم کربلوی	[illegible]
نگارِ حیات	ریاست علی تاج	۱۰/-

دفتر شانِ ہند فلیٹ ۸- انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲ ۱۱۰۰۰۲

دیوالی مبارک

ٹیلیفون نمبر ۲۷۸۸۸۵ | رجسٹرار آف نیوز پیپر آف انڈیا کا رجسٹریشن نمبر ۶۴۴/۵۷ | رجسٹرڈ نمبر ڈی D۳۰۰

ایڈیٹر سرور تونسوی | ماہنامہ | قیمت سالانہ بارہ روپیہ

شانِ ہند

فی پرچہ ایک روپیہ پچیس پیسے

شمارہ نمبر ۱۰		اکتوبر ۱۹۷۷ء		جلد نمبر ۳۸

دیپ مالا

لیکے بیٹھے ہوئے ہو چار چراغ، آؤ روشن کریں ہزار چراغ !
جب جلائیگا من کا پیار چراغ۔ جگمگائیں گے من کے چار چراغ !
آؤ یوں چھانٹ دیں اندھیروں کو، چاروں کونوں میں رکھ دیں چار چراغ !
تیرے من میں تو گھپ اندھیرا ہے، تیرے گھر میں جلیں ہزار چراغ !
پیار سے جیت لو اندھیروں کو، زندگی میں ہے اپنا پیار چراغ !
ہم نے چھیڑے ہیں روشنی کے راگ، ہم نے دیکھے ہیں نغمہ بار چراغ !
اپنی آنکھوں میں زندگی کی جوت، اپنی راہوں میں سو ہزار چراغ !
میرا کعبہ ہے میری خاکِ وطن، ذرّہ ذرّہ ہے جلوہ بار چراغ !

صرف غنچے ہی دیپ کیوں فیاض
میرے گلزار کے ہیں خار چراغ !

محمد فیاض الدین احمد خاں فیاض گوالیاری

افکار و واقعات

نوائے سگ

ماہ جولائی سنہ ۱۹۵۹ء کے شان ہند میں ضیغم رام پوری کی اصل غزل مع ترمیم علامہ عشق آبادی شائع کر کے دو سو روپے کا نقد انعام رکھا گیا تھا۔

اس سلسلے میں کئی حضرات کے جوابات موصول ہوئے مگر کوئی بھی صحیح جواب نہ دے سکا۔ یا دش بخیر۔ ذاکر عثمانی راویری نے بھی اس انعامی مقابلہ میں حصہ لیا اور جواب بھجوانے کے بعد بار بار ترمیمی جوابات بھجواتے۔ اول تو ایک بار جواب بھیجنے کے بعد یہ حق ختم ہو جاتا ہے کہ بار بار اس میں ترمیم کی جائے۔ لیکن جواب غلط تھا غلط ہی رہا۔

حضرت علامہ نے جواب بھجوانے والے حضرات کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کر دیا اور کیونکہ صحیح جواب شائع کرنے میں شان ہند کے تین چار صفحات نذر ہونے معمولی بات تھی لہذا اس خیال سے کہ حضرت کے لئے تین چار صفحات ضائع کیوں کئے جائیں لہذا یہی مناسب سمجھا کہ جوابات بھجوانے والوں کو ان کی اغلاط سے مطلع کر دیا جائے اور دوسرے یہ بھی خیال ہے کہ عروض سے متعلق حضرت علامہ کا جو جواب تھی سارقین فن اپنی مجوزہ تصانیف میں شامل کر کے اپنی عروض دانی کا سکہ بٹھاتے ہیں کیونکہ کتاب پڑھنے والے تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ عروضی باریکیاں صاحب تصنیف کی ہی عطا کردہ ہیں۔ انہیں کیا پتہ کہ صاحب کتاب خود سارق ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں یہ گزارش کر دینا ضروری ہے کہ جناب آثر سورتی اور ذاکر راویری خود عروضی کتابیں ترتیب دے رہے ہیں اور ان کتابوں میں ان کا اپنا کچھ بھی نہیں بلکہ جو کچھ انہوں نے مسکین بن کر بطور طالب علم حضرت تو احسنی یا قبلہ حضرت علامہ عشق آبادی سے سوالات کے ذریعہ جوابات کی صورت میں حاصل کیا اسے اپنی اپنی زیر ترتیب کتابوں میں جا دے دیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو عروضی مضامین شان ہند میں شائع ہوتے ہیں وہ حضرت علامہ کی اختراعات پر مبنی ہیں۔ یہ باتیں کسی بھی عروض کی کتاب میں نہیں پائی جاتیں۔

اب ذرا ذاکر عثمانی راویری کا وہ پوسٹ کارڈ پڑھئے انہوں نے اس تایا بزرگوار کو لکھا ہے جس سے انہوں نے عروض کے بارے میں بہت کچھ سیکھا ہے۔

AYER.

ذاکر عثمانی ۷۷-۱۰-۱۶

تایا بزرگوار!

تسلیمات: محقق۔ تھے یا مرحوم قبلہ آئے آج رات خواب آئے۔ فرمانے لگے "پیسا اچھے اچھوں کی نیت خراب کر دیتا ہے۔ حق دار تمہیں ہو۔ بس یوں سمجھو انعام تمہیں مل گیا۔ اب کتاب ضرور لکھو وہ سب سے بڑا انعام ہوگا۔"

میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ آنکھ کھل گئی اور اب پوچھ تاخیر بتا رہی ہے کہ آپ اور سرور صاحب جواب شائع نہیں کریں گے کاتب کے حوالے کیا ہوا جواب بھی واپس لے لیا ہے۔ ذرا یہ بھی بتایئے گا کہ دماغی ورزش کی طرح اس مرتبہ بھی کسی استاد نے اپنے شاگردوں کی معرفت جوابات روانہ کئے ہیں یا نہیں اور وہ عروض میں دس سال پیچھے ثابت ہوا ہے یا نہیں۔ آپ ہوں یا سرور صاحب لوگوں کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں اور بس۔ انعام تو آپ کسی کو بھی نہیں دیں گے۔ کیونکہ آپ کا دعویٰ آخری دعویٰ اور دیں گے بھی تو میں اسے اپنا ہی تصور کروں گا۔ یہ حال جواب شائع کیجئے۔ امید کہ بعافیت ہوں گے۔ والسلام"

ذاکر صاحب نے یہ خط اس تایا کو لکھا ہے جن سے مطلب براری کے لئے بعض عروض کے نکتے دریافت کرنے کے لئے وہ انہیں اپنے باپ سے زیادہ سمجھتے تھے۔ مگر یہ واہ خود غرضی کہ ایسے ناخلف شاگرد بھی نیری بدولت دیکھنے کو ملتے ہیں جو اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرت علامہ جیسے بزرگ اور ولی صفت

انسان پر بھی۔ کیچڑ اچھالنے میں بُرائی نہیں سمجھتے ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جس ٹب میں حضرت علام پیشاب کرتے ہیں ذاکر راویری اس ٹب میں پانی پینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے ۔ جن مرحوم قبلہ آبر کو ذاکر راویری خواب میں دیکھتے ہیں وہ بھی علام سے متعدد بار عروضی مشورے کرتے رہے اور اُن کے خطوط اب بھی موجود ہیں جن میں آبر صاحب مرحوم نے حضرت علام سے عروض کے بارے میں کئی باتیں دریافت کی ہیں ؎

مناسب ذکر کیا بیہودے منھا پینے پالنے کا
یہ نادانی تھی زاہد کی فرشتے کو بشر جانا

ہم حیران تھے کہ اللہ پاک نے سورۂ شعراء میں شاعروں کو اتنا بُرا کیوں کہا ہے مگر ذاکر راویری کا خط پڑھنے کے بعد یہ یقین اور بھی پختہ ہوگیا کہ قرآن کریم یقیناً خدا کا کلام ہے اور اسلام میں شاعری ناجائز قرار دے کر اللہ میاں نے واقعی احسان فرمایا ہے ۔ ذاکر راویری کی واقفیت کے لئے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ محقق کے بارے میں تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے ہاں اُن کے مرحوم قبلہ آبر کو ہم نے خوب خوب دیکھا اور پرکھا ہے وہ واقعی یہ یقین رکھتے تھے کہ "پیسا اچھے اچھوں کی نیت خراب کر دیتا ہے" اور انہوں نے اس کا ثبوت یوں دیا کہ محض اور محض پیسے کی خاطر نیت تو کیا اپنی عاقبت بھی خراب کر لی۔ اور آخر عمر میں طلب زر کی خاطر اسلام کو تلانجلی دیکر عیسائی مذہب اختیار کر لیا جو اسلامی رُو سے کفر ہے ۔ اس لئے خواب میں ذاکر صاحب کو یقیناً آبر صاحب ہی نظر آئے ہوں گے ۔ ذاکر صاحب خدا کا شکر کرو کہ تمہاری آنکھ کھل گئی ورنہ تمہارے مرحوم قبلہ آبر سے یہ بعید نہ ہوتا کہ وہ خواب میں بھی تمہیں نوازتے ۔ انعامی صحیح جواب شائع نہ کرنے کی وجہ ستمبر کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے اور اس ادارتی نوٹ میں بھی لکھ دی ہے ۔ رہا پرچہ کا تاخیر سے شائع ہونا تو اگست کا شمارہ تو وقت پر چھپ گیا تھا جولائی کے شمارے میں یہ انعامی مقابلہ تھا اس کی میعاد زیادہ سے زیادہ اگلی اشاعت تک ہی تھی مگر آپ نے ایک بار نہیں تین تین بار جھک ماری اور دو ماہ سے بھی زائد عرصہ تک آپ اپنے جوابات میں ترمیمات کرتے رہے اس پر بھی آپ شکایت ہے۔

دماغی ورزش کے جوابات جس اُستاد نے اپنے شاگردوں کی معرفت مختلف اور ایک سے ایک بڑھ کر غلط بھجوائے تھے اس استاد سے آپ ہم سے بہتر طور پر واقف ہیں۔

ذاکر صاحب قبلہ علام صاحب یا سرور تونسوی کی کیا مجال ہے کہ یہ کسی کو ذلیل کریں مگر جسے خدا ذلیل کرنا چاہے اُسے کوئی بھی ذلیل ہونے سے بچا نہیں سکتا اور جو خود اپنی ذلت کا [illegible] پہنا دھار کھا لے تو اُسے ذلت اٹھانے سے کون بچا سکتا ہے ۔

ذاکر صاحب آپ کو شاید معلوم نہیں کہ جناب ڈاکٹر گیان چند صاحب جین کو سو روپے کا انعام دیا گیا ۔ کوئی مائی کا لعل صحیح جواب دے ہی نہ سکے تو انعام کے خواب دیکھنے کے علاوہ کر ہی کیا سکتا ہے ۔

مشاعرہ جشن جمہوریت لال قلعہ ۱۹۷۸ء

(قابل توجہ شری کیدار ناتھ ساہنی)

محترم ساہنی صاحب آپ چونکہ عوامی لیڈر ہیں اور آپ سے یہ اُمید وابستہ کی جاسکتی ہے کہ آپ کسی بھی معقول بات پر مناسب دھیان دیں گے ۔ اس لئے براہ کرم ذیل کی سطور کو بغور ملاحظہ فرما کر مناسب کارروائی فرمایئے ۔ گذشتہ ۲۸ سال سے ہر سال جشن جمہوریت کے سلسلے میں ۲۴ جنوری کو لال قلعہ میں اُردو مشاعرہ منعقد کیا جاتا ہے ۔ مگر انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ یہ مشاعرہ اپنے مقصد سے ہمیشہ کوسوں دور رہا اور جو بھی مشاعرہ کمیٹی مقرر کی گئی اس کے ارکان میں اکثریت ایسے حضرات کی تھی جو [illegible] شاعری کو محض اچھا ترنم ہی سمجھتے ہیں ۔ لہٰذا اُن کی نظروں میں ہر گویا تک کا مشہور شاعر ہے خواہ وہ اپنی اُردو شاعری کو ہندی لپی میں لکھ کر عوام کو سناتا ہو کیونکہ وہ اُردو سے نابلد ہوتا ہے اور کمیٹی کے بعض ارکان اس سلسلے میں کچھ شدہ بدھ رکھتے ہیں [illegible] نوازی میں اپنی "کیرتن پارٹی" کو مدعو کر لیتے ہیں ۔ اس مشاعرے میں شرکت کے لئے بعض شعراء مرکزی وزراء سے سفارش کرا لیتے ہیں اور بعض شعراء کے لئے یہ مشاعرہ ایک مستقل امر بن کر رہ گیا ہے اور خصوصیت سے [illegible] شعراء کا ایک ایسا طائفہ ہے جو ہر سال اس مشاعرہ میں مدعو کیا جانا ضروری سمجھا جاتا ہے ۔

ساہنی صاحب یہ مشاعرہ [illegible]

ملک ہی میں ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی شوق سے سنا جاتا ہے۔ کیونکہ جشنِ جمہوریت سارے ملک کا مشترکہ قومی تہوار ہے۔ اس لئے یہ جمہوری تقاضا ہے کہ ملک کے ہر حصے سے اردو کے بہترین شعراء کو اس مشاعرہ میں مدعو کیا جائے اور ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مشاعرہ جشنِ جمہوریت لال قلعہ کی مشاعرہ کمیٹی نے اس جمہوری تقاضے کا کبھی بھی لحاظ نہیں رکھا اور ملک کے عوام اور ملک سے باہر اردو شاعری کو پسند کرنے والوں کو عوام کے اس قابلِ احترام اور بہترین شعرائے کرام کے کلام سننے کا موقع اس خالص قومی مشاعرہ کے ذریعہ میسر نہیں آنے دیا جو بیچارے جوڑ توڑ نہیں کر سکتے۔

اس سلسلے میں ہم چند مشورے آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اگر آپ انہیں مناسب سمجھتے ہیں تو انہیں اپنائیے ورنہ جو بہتر سمجھئے کیجئے۔ کیونکہ یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ کوئی بھی وزیر، سربراہ مملکت۔ اعلیٰ افسر یا کسی کمیٹی کے ارکان کسی دوسرے کا مشورہ تسلیم کرنے میں اپنی ہیٹی سمجھتے ہیں کیونکہ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی ذی روح انسان سے بہتر اور ارفع ہیں۔ تبھی تو قدرت نے انہیں یہ کرسی عطا کی ہے۔ مگر چونکہ آپ ہم میں سے ہی ایک عوامی شخصیت ہیں اور آپ کے دل میں قومی اجمہوری، حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے نیک جذبات اُسی قدر پائے جاتے ہیں جتنے کہ کسی بھی ہندوستانی میں ہونے چاہئیں۔ اس لئے یہ جسارت کی جا رہی ہے۔

۱۔ اس مشاعرے کی کمیٹی ایسے ارکان پر مشتمل ہو جو اس مشاعرے کی اہمیت کا احساس رکھتے ہوں اور جنہیں واقعی ملک کی جمہوریت حب الوطنی اور قومی یکجہتی سے عقیدہ کی حد تک انسیت ہو۔ اور یہ حضرات اردو شاعری۔ اردو کے بہترین اور مناسب شاعروں اور ملک کے ہر حصے کے موزوں اور مناسب شعراء سے واقفیت رکھتے ہوں۔ نیز اس کمیٹی کے جو سرکاری ارکان ہوں اُن کا تعلق نظم و نسق اخراجات اور دیگر غیر شاعرانہ امورات تک ہی محدود ہو۔

۲۔ اس مشاعرہ میں ملک کے ہر حصے سے ایسے اردو شاعروں کو مدعو کیا جائے جو واقعی شاعر ہوں اور وہ اس قومی مشاعرہ میں اپنا کلام پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جس میں ہمارے قومی کردار، ملک میں ہو رہے ترقیاتی اقدام، ملک میں ہوئی سیاسی تبدیلی کے وجوہ، نشہ بندی اور حب الوطنی کی عکاسی جھلکتی ہو۔ اور یہ سب باتیں غزل میں بھی جا سکتی ہیں۔

۳۔ کسی مشاعرہ کو خواہ وہ تاج محل کا سالانہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس مشاعرہ میں ہرگز ہرگز نہ ملایا جائے بلکہ اس بدعت کو دور کرنے کے لئے اس قومی مشاعرے سے ہی بسم اللہ کی جائے۔

۴۔ کسی ایسے شاعر کو اس مشاعرہ میں تشریف لانے کی تکلیف نہ دی جائے جس نے کسی وزیر یا ممبر پارلیمنٹ یا مشاعرہ کمیٹی کے اراکین میں سے کسی کو بھی سفارش پہنچائی ہو۔

۵۔ شاعروں کو ریوڑ بھر کر مدعو نہ کیا جائے بلکہ زیادہ سے زیادہ بیس شاعروں کو مدعو کیا جائے تاکہ ہر شاعر سے دو دو تخلیقات سنی جا سکیں۔

۶۔ ہر شاعر کے لئے یہ شرط ضروری [illegible] کہ وہ پہلے ایسا کلام سنائے گا جس کا تقاضا یہ مشاعرہ کرتا ہے۔ اس کے بعد عشقیہ غزل سنا سکتا ہے تاکہ عشقیہ کلام سننے والے سامعین بھی محظوظ ہو سکیں۔

۷۔ ایسے شعراء جو لگاتار دو دو مرتبہ اس قومی مشاعرہ میں کلام سنا چکے ہیں انہیں اب تکلیف نہ دی جائے۔ ہاں فراق گورکھپوری اور ایسے دیگر مشاہیر شعراء اس سے مستثنیٰ قرار دیے جائیں۔

۸۔ مدعو شعرائے کرام کو خاطر خواہ معاوضہ دیا جائے کیونکہ معاوضہ کا جو معیار اب تک رہا ہے وہ یقیناً ایسا نہیں ہے جسے معقول یا خاطر خواہ کہا جا سکے۔

۹۔ اس مشاعرہ کا صدر کوئی ایسا باذوق اور سخن فہم ہونا چاہئے جو مشاعرہ ختم ہونے تک صدارت کے فرائض انجام دے سکے وقت کے بعد صدر کا تشریف لے جانا اور کسی [illegible] منتقل کر دینا مشاعرہ میں بد نظمی پھیلانے کا موجب ہوتا ہے اس سلسلے میں جناب شیخاوت وزیر اعلیٰ راجستھان کی مثال سامنے رکھنی ضروری ہے کہ انہوں نے صبح کے تین بجے تک مشاعرے کے اختتام تک صدارت کے فرائض انجام دیئے اور محض ان کے آخر تک تشریف رکھنے کے باعث ہی مشاعرہ کامیابی کے لحاظ سے بے مثال رہا۔

۱۰۔ شعراء کو جو دعوت نامے بھیجے جائیں اُن میں اس

سرور تونسوی

مجھے آپ اچھی لگتی ہیں

قریباً ۲۵ سال قبل دہلی میں ایک خوش شکل، خوش عقل خوش آواز اور آفت جان شاعرہ کا بول بالا تھا۔ اکثر شعرا اس شاعرہ کے در دولت پہ اس اُمید میں سلام کے لئے حاضری دینے جاتے تھے کہ شاید اسی بہانے اس شہرۂ جمال ہستی کے چہرے کی ایک جھلک نظر آجائے۔ یہ شاعرہ قوم کی پٹھان تھی۔ ایک کثیر تعداد میں مداحوں پر جان دینے والی انتہائی خوبصورت تھی۔ البتہ مزاج کی صاف بھی تھی۔ متلون مزاجی حسن کا خاصہ ہے۔ خودستائی، خودنمائی ہمیشہ حسن کی کنیزیں رہی ہیں۔ خوشامد اور تعریف حسن اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔ اس شاعرہ کی مقوی حسن مسکراہٹ پر اکثر شعرا سر مشاعرہ کلام سناتے سناتے اپنی یادداشت کھو بیٹھتے تھے۔ مرحوم سر شنکر لال، جناب شنکر پرشاد آئی سی ایس ڈپٹی کمشنر سابق چیف کمشنر دہلی، جناب جوش، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، مرحوم ڈاکٹر [illegible] اس وقت کے ہوم منسٹر، شاعر ہوشیارپوری، بچا سیٹھ، پریم ناتھ اور دیگر کئی سخنور، سخن شناس اور سرکردہ حضرات اس شاعرہ کی قدر کرتے تھے۔ غرضیکہ یہ صاحبہ اس وقت دہلی کی ادبی محفلوں کی جان تھیں۔

حکیم خلیل الرحمن آزر دہلی کانگریس کی ناک تھے... الیکشن میں یہ محترمہ حکیم صاحب کے مقابلے میں کھڑی ہو گئیں۔ ظاہر تھا کہ کانگریس حکیم صاحب کی شکل میں پٹ جاتی۔ ہر ممکن ترکیبیں کی گئیں کہ کسی طرح اس شاعرہ کو حکیم صاحب کے حق میں بٹھا دیا جائے مگر بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ پولنگ سے صرف ایک روز پہلے دہلی کانگریس کے کارکنان کو ایک ترکیب سوجھی اور وہ رات کے ایک بجے کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی کوٹھی پر پہنچے اور ان سے درخواست کی اگر آپ اس شاعرہ سے کہیں گے تو وہ الیکشن سے کنارہ کش ہو جائیں گی۔ کنور صاحب اس وقت مجسٹریٹ تھے۔ لہٰذا انہوں نے کانگریس کے اس وفد کے زور دینے پر اپنے ڈرائیور کو گاڑی دے کر رات کے دو بجے ان صاحبہ کے ہاں بھجوایا کہ اُن سے کہئے ایک نہایت ضروری کام ہے اسی وقت تشریف لائیے۔ یہ خدا کی بندی رات کے ۲½ بجے کنور صاحب کی کوٹھی پر پہنچیں تو ڈرائنگ روم میں دہلی کے سکہ بند کانگریسیوں کو دیکھا اور انہیں میں سے اپنے الیکشن حریف کو بھی۔ ایک لمحے کو ان کا حسن اور بھی چمک اٹھا۔ کنور صاحب نے نہایت معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے اُن سے کہا کہ یہ میری خواہش ہے کہ آپ الیکشن نہ لڑیں۔ یہ صاحبہ اپنی روایتی مقوی حسن اور حکیم آزر کے لئے مقوی الیکشن مسکراہٹ کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔ کنور صاحب اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو میں الیکشن پر لعنت بھیجتی ہوں لائیے کاغذ تاکہ لکھ دوں کہ میں مقابلے سے دست بردار ہوتی ہوں۔ کانگریسی وفد کے ارکان کے لٹکے ہوئے چہروں کی یکدم کایا کلپ ہو گئی۔ اس وفد کے سربراہ نے کرنسی نوٹوں کی ایک گڈی ان صاحبہ کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے جو اخراجات وغیرہ ہوئے وہ قبول کر لیجئے۔ بس اتنا کہنا تھا کہ یہ پٹھانی جلال میں آگئیں اور کہنے لگیں اگر کرنسی نوٹوں نے سودا کرنا تھا تو پھر میرے محسن کنور صاحب کے ہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ رقم میری نہیں کنور صاحب کی توہین کرتے ہو اور نوٹوں کی گڈی وفد کے ارکان کے منہ پر مارتی ہوئی یہ جا وہ جا۔ اسی ایک واقعہ سے اس پٹھان نژاد شاعرہ کی بلند اخلاقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

شاعر جتنا زیرک اور بلند پرواز خیالات کا مالک ہوتا ہے عشق کے معاملے میں اتنا ہی غیر معاملہ فہم، جلد باز اور اناڑی ہوتا ہے مگر سمجھتا یہی ہے کہ دنیا کی ہر لڑکی اور عورت اس پر مرتی ہے۔ کچھ ایسے شعرائے کرام کے بہ لطف ذکر سے لطف اندوز ہوتے [illegible] اس شاعرہ سے ہوائی عشق فرماتے رہے۔

مرحوم بسمل سعیدی اس شاعرہ پر بری طرح عاشق ہو گئے حالانکہ ان دونوں کی عمر کا فرق ۲۵ سال سے زیادہ کا تھا۔ بسمل صاحب ان کا نام لے کر روتے تھے اور ہر وقت ان کے نام کو ورد کیا کرتے

ایسے ایسے بے پناہ شعر فرمانے لگے کہ بسمل واقعی بسمل ہوگئے۔
یہ ایک حقیقت ہے کہ ان وارداتِ قلبی کے دور میں بسمل صاحب نے جو غزلیں کہیں وہ اُن کے سارے کلام میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔
دہلی کالج میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں یہ تخصیص رکھی گئی تھی کہ ہر شاعر اپنا کلام سُنانے سے پہلے اپنے نظریہ شاعری پر بھی چند حرف کہے۔ چنانچہ جب بسمل سعیدی صاحب مائیک پر تشریف لائے تو گلزار دہلوی اپنی روایتی چرب زبانی سے مجبور ہوکر چلاّ کر کہنے لگے۔ بسمل صاحب آپ کا نظریہ شاعری تو فلاں صاحبہ ہیں اس پر ایک پُرزور کا قہقہہ تو لگا اور بسمل صاحب ہائے کہکر غزل کے دو چار اشعار سُناکر بیٹھ گئے مگر یار لوگوں نے ان محترمہ سے اس واقعہ کی تفصیل اور بھی نمک مرچ لگاکر بیان کی۔
مرحوم لالہ دیش بندھو گپتا مالک تیج کی کوٹھی پر جشن جمہوریت کا مشاعرہ تھا وہاں یہ شاعرہ بھی مدعو تھیں اور بدقسمتی سے گلزار دہلوی بھی۔ اپنے بھانجے سے مخاطب ہوکر فرمانے لگیں ..... اُتار دے پینٹ اس مسخری والے کی۔ اہلِ خانہ اور دوسرے اصحاب نے بیچ بچاؤ کرایا اور معاملہ رفع دفع کرادیا گیا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد اُردو بازار جامع مسجد مولوی سمیع اللہ مرحوم کی دوکان پر ایک مجمع دکھائی دیا دیکھا تو واقعی ان صاحبہ نے اپنے بھانجے سے گلزار صاحب کی پینٹ اُتروادی تھی۔ دیکھتے ہی کہنے لگیں۔ مسرور صاحب یہاں سے کہو! اس نے دہلی کالج کے مشاعرہ میں کیا کہا تھا۔ معاملہ کی نزاکت۔ ان صاحبہ سے نہایت قریبی تعلقات سچائی کی حمایت کرنا اپنا فرضِ منصبی غرضیکہ کئی مصیبتوں میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پاکر ان صاحبہ کو نہایت نرمی سے سمجھایا کہ اب اسے معاف کردیں۔
ایک مشہور شاعر یہ کہتے نہیں تھکتے تھے کہ یہ صاحبہ ان پر دل و جان سے مرتی ہیں۔ حالانکہ ان شاعر صاحب کی اپنی بیوی کو یہ شکایت رہی کہ یہ حضرت ازدواجی زندگی کو خوش اسلوبی سے نبھانے کے قابل نہیں ہیں مگر یہ ایک خاصا ہے کہ جنسی طور پر کمزور مرد اپنی مردانگی کے خود ساختہ افسانے سنانے میں کسی پیشہ ور قصہ گو سے کم نہیں ہوتا۔ یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ ان شاعر صاحب اور ان کی بیوی میں یہ معاہدہ قرار پایا ہے کہ جنسی طور پر دونوں آزاد ہیں۔
راقم الحروف نے اس شاعرہ سے جب ان شاعر صاحب کے اس دن وے ٹریجک قسم کے عشق کا ذکر کیا تو فرمانے لگیں۔ آج شام گھر آنا ان شاعر صاحب سے اپنے جوتے اُٹھواکر دکھاؤں گی۔
چنانچہ شام کو خلافِ معمول جب ایڈیٹر شان ہند ان محترمہ کے گھر گیا تو ڈرائنگ روم میں ان شاعر صاحب کو تشریف فرما پایا جو اپنے اس نیاز مند کو اچانک دیکھ کر چونکے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ محترمہ غسل فرما رہی ہیں۔ اس دوران شاعر صاحب سے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پون گھنٹہ کے بعد وہ صاحبہ نہاکر ایوننگ ان پیرس میں بسی ہوئی شفون ساڑھی میں ملبوس نکہت بادِ بہاری بنی غسل خانہ سے برآمد ہوئیں تو بناوٹی طور پر بڑی حیرت سے دریافت کرنے لگیں۔ مسرور صاحب کیسے تشریف لانا ہوا۔ عرض کیا آج کل آپ کے عاشقوں کی تعداد میں جتنی تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ سوچا ہم بھی قسمت آزمائی کرکے دیکھیں۔ یہ سنتے ہی ان صاحبہ نے جو مسلسل قہقہے لگائے ہیں۔ وہ غمازی کر رہے تھے کہ وہ ان ہوائی عاشقوں کی حماقتوں سے بخوبی واقف ہیں۔ ملازم کو چائے لانے کا حکم دے کر جوتوں کے اسٹینڈ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے ان شاعر صاحب سے نہایت التفات سے کہنے لگیں دیکھئے..... آج تو ہم آپ کی نظرِ انتخاب کا امتحان لیں گے لہٰذا فرمایئے اس لباس کے ساتھ ہم کونسا جوتا پہنیں۔ یہ اعزاز پانے پر شاعر صاحب نے اسٹینڈ پر رکھے پچاسوں مختلف قسم کے جوتوں پر یوں محققانہ نظر ڈالی جیسے ڈاکٹر اقبال پر ریسرچ کررہے ہوں۔ کم و بیش دس منٹ کی گہری دیکھ بھال کے بعد شاعر صاحب ایک سینڈل کی طرف انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ بیگم صاحبہ مجھے مشکل سے مشکل زمین میں بھی غزل کہتے ہوئے اتنی فکر کی ضرورت نہیں ہوئی جتنی آج آپ کے اس لباس سے میچ کرتے ہوئے جوتے کے انتخاب کے لئے۔ بیگم صاحبہ نے ان شاعر صاحب کے حسنِ انتخاب کی داد دیتے ہوئے زہر شکن انداز میں فرمایا۔ ذرا اسے اسٹینڈ سے اٹھا کر ہمیں دے دیجئے۔ عشق نے حسن کا یہ فرمان پاکر کشاں کشاں یہ سینڈل اٹھا حسن کے قدموں کے قریب لاکر رکھ دی اور حسن نے اپنی غزالی آنکھوں کو گھماتے ہوئے مجھے دیکھا اور میں ان شاعر صاحب کے اس سینڈل ریسرچ اور ہوائی عشق پر دل ہی دل میں ہنستا

ہو الیپٹن گرین لیبل چائے کی خوشگوار چسکیاں لینے لگا ۔ یہ صاحب ان صاحبہ کا عطا کردہ رومال ہروقت اپنے پاس رکھتے تھے اور فخر یہ رومال کو دکھایا کرتے تھے ۔

ایک اور شاعر جو خدا کے فضل سے ایک دو نہیں سینکڑوں قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا رہتے ہیں ان صاحبہ سے خاموش عشق کرنے لگے اور ہر روز وقت مقررہ پر ان کے ہاں حاضری دینا ان کا معمول بن گیا ۔ یہ صاحب تشریف لاتے اور گھنٹوں خاموش بیٹھے رہتے ۔ اگر بیگم صاحبہ کے فرمان پر ملازم نے چائے لادی تو انہوں نے شکریہ کے ساتھ پی لی ۔ اگر کسی دن چائے کے ساتھ مٹھائی یا بسکٹ مل گئے تو یہ شاعر صاحب دل ہی دل میں سمجھے کہ ان کی خاموش ون وے محبت اپنا اثر دکھا رہی ہے ۔ کچھ دنوں کے بعد بیگم صاحبہ کو شرارت سوجھی تو انہوں نے ملائمت سے پوچھا اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو بیر پیش کی جائے ۔ شاعر صاحب نے سمجھا حسن پر عشق کا جادو چل گیا ہے ۔ فرمانے لگے جو آپ کا دل چاہے پلا دیجئے ۔ شاعر صاحب بیر تو کیا جس زمانے میں جانی واکر پونے آٹھ روپے کی بوتل ملا کرتی تھی تب سے چینے پلانے کے آداب سے واقف تھے ۔ بیر کا گلاس جو سامنے آیا تو فرمانے لگے اگر اس میں تھوڑی سی وسکی بھی ڈال دی جائے تو بیر کاکٹیل کا مزہ دے جائے گی ۔

بیگم صاحبہ کی چھٹی حس سچ کی اور انہوں نے یکے بعد دیگرے چار پیگ وسکی کے ان شاعر صاحب کو پلا دیئے اور جب شراب کے نشے کے باعث شاعر صاحب کے کالے رنگ میں اور گہرا پن آنے لگا تو بیگم صاحبہ نے کسی قدر دلکش انداز میں دریافت فرمایا ... صاحب آپ ہر روز تشریف لاتے ہیں ۔ کوئی بات تک نہیں کرتے اگر کوئی ضرورت ہو اور میں آپ کے کام آسکوں تو حکم کیجئے میں حاضر ہوں ۔ شاعر صاحب نے موقع غنیمت جانا اور مینا کی نرم اور لطیف زبان میں گزارش کی مجھے آپ اچھی لگتی ہیں ۔ بیگم صاحبہ نے تو اپنے غصہ کو بڑی مشکل سے احاطۂ ضبط میں رکھتے ہوئے ملازم سے پولیس والوں کو باہر کا راستہ دکھا دو اور کہا وہ پھر یہاں بھولے سے بھی تشریف نہ لائیں ۔ (باقی پھر)

باقی صفحہ ۳

وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ مشاعرہ میں شراب پی کر کلام سنانے کی سخت ممانعت ہے اور نہ ہی شراب نوشی کے حق میں اشعار سنائے جائیں جو شاعر اس پابندی کا لحاظ نہ رکھے اسے سر مشاعرہ ٹوک دیا جائے ۔

۱۱ ۔ اناؤنسر ایسا ہو جو اپنے ذاتی پروپیگنڈے کی بجائے شعرا کا تعارف بہتر انداز میں کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اسے اتنا تجربہ ہو کہ کس شاعر کو کس وقت پڑھوانا چاہیئے ۔ تا کہ مشاعرہ کسی بھی مرحلہ پر کمزور دکھائی نہ دے اور اس سلسلے میں ہم اس یقین کے ساتھ وسیم بریلوی کا نام پیش کرتے ہیں کہ شاید ہی لال قلعہ کے گزشتہ مشاعروں نے ان سے بہتر اناؤنسر دیکھا ہو ۔

جناب ساہنی صاحب یہ یاد رکھئے کہ یہ مشورے پیش کرتے وقت اس سلسلے صرف اور صرف یہ قومی اور جمہوری تقاضا ہے کہ یہ مشاعرہ جشن جمہوریت کے صحیح معنوں میں ایسا مشاعرہ ہو جسے سن کر واقعی یہ کہا جا سکے کہ اس قومی تہوار پر قومی اور جمہوری قدروں کی نشاندہی کی گئی ہے ۔

مہاراشٹر اُردو اکاڈمی

جب بمبئی میں مہاراشٹر اُردو اکاڈمی کی بنیاد رکھی گئی تھی تو راجندر سنگھ بیدی تحر نے ازراہِ مذاق ہی کہا تھا مگر کہی پتے کی بات تھی کہ بھئی جب یہ سارا روپیہ ہمیں نے مختلف بہانوں سے ہتھیانا ہے تو پھر اِدھر اُدھر کی باتوں کا کیا فائدہ ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ اُردو اکاڈمیاں کانگریس حکومت نے صرف اور صرف مسلم دانشوروں کو نہایت ارزاں داموں میں خریدنے کے لئے بنائیں ۔ دکھاوے کے طور پر انگلیوں پر گنے جانے والے چند غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں کو بھی اُن کی تصانیف پر انعام دیے گئے مگر اول تو اُن غیر مسلم ادیبوں اور شعرا میں جگن ناتھ آزاد ۔ مالک رام ۔ ڈاکٹر گوپی چند ۔ ایسے حضرات کو محض نام کا ہی غیر مسلم سمجھا جاتا ہے ۔ کرشن چندر تو باقاعدہ اسلام قبول کر چکے تھے ۔ اور چند ایک کو بانچ پانچ سو روپے کے انعامات دینا محض سیکولر کہلانے کی خاطر تھا ۔ ورنہ الیکشن ...

اُن اُردو اکادمیوں کے تحت مختلف مداتِ میں تقسیم کیا جارہا ہے وہ کانگریس حکومت کی مسلم ووٹ حاصل کرنے کی ایک سازش تھی اور مسلم دانشوروں کو سرکاری خیرات کا عادی بنانا تھا۔ یہاں تک کہ ان اُردو اکادمیوں، انجمن ترقی اُردو ہند اور دیگر کئی اداروں میں جن پر اُردو کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ ان کے لئے حکومت کا یہ سیکولر حکم ہے کہ کسی غیر مسلم کو بھولے سے بھی ملازم نہ رکھا جائے۔ لہٰذا کسی بھی اُردو اکاڈمی اور انجمن ترقی اردو ہند کے دفاتر میں ایک چپراسی تک بھی غیر مسلم نہیں ہے۔

معاصر "گگن" بمبئی میں مہاراشٹر اُردو اکاڈمی کا جو پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے اس کے لئے شمس کنول صاحب کی خدمت میں موؤبانہ گزارش ہے کہ حکومتِ مہاراشٹر کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے ایک اردو کاتب کو اردو اکاڈمی کے ناظم کی گزیٹڈ یا گفلیٹڈ پوسٹ پر تقرر فرمایا جو سکریٹریٹ کے اُردو رسالہ "قومی راج" کے کاتب رہے۔ اگر ان کاتب کی جگہ کسی رمضانی دفتری کا تقرر کردیا جاتا تو مدیر گگن یا کوئی اور کیا کرلیتا۔

کیا غضب ہے کہ ۳۵/۰ روپیہ فی صفحہ پر کتابت کرائی گئی اسے کہتے ہیں چوروں کا مال لاٹھیوں کے گز۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ۳۵/۰ روپیہ فی صفحہ کے حساب سے کتابت کی ادائیگی ہوتی رہی تو اس لوٹ میں یقیناً کچھ اور لوگوں کا بھی حصہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ اچھے منتظم اور انصاف پسند ہیں۔ اگر حکومت کی کرسی کو محفوظ رکھنے کے لئے جوڑ توڑ کرنے سے انہیں فرصت ملے تو وہ "گگن" میں بیان کی گئی شکایات کی تحقیقات کرائیں اور کانگریس جو پہلے بدنام ہوچکی ہے اُسے مزید بدنام ہونے سے بچائیں۔

"گگن" میں یہ پڑھ کر دلی افسوس ہوا کہ بمبئی کے اردو صحافی اس قدر احساسِ کمتری کا شکار ہوچکے ہیں کہ وہ اس کاتب ناظم اکاڈمی کو اپنی صحافی زندگی کا ناخدا سمجھنے میں ہی عافیت سمجھ رہے ہیں۔ اگر ایسا معاملہ دلی میں ہوتا تو دلی کے اردو صحافی کو ایسے ناظم اردو اکاڈمی تو کیا اس کا تقرر کرنے والے کو بھی براہ راست پڑھنے کے لئے ایسے آئینی طریقے اختیار کرتے کہ یہ معاملہ ایک دو دن میں ہی طے ہوجاتا۔ جناب مدیر گگن کو چاہیے کہ وہ اپنے اس کھلے خط کو ہندی یا انگریزی میں ترجمہ کراکے حکومتِ مہاراشٹر کے ذمہ دار ارکان کے ہاں بھجوائیں۔

مہاراشٹر کے تمام اُردو صحافیوں کو چاہیے کہ وہ مدیر گگن کی اس آواز پر غیرت اور بصیرت کے صحیح زاویوں سے اپنی پوری توجہ مبذول کریں۔

جشنِ سحر نمبر

یہ طے کیا گیا ہے کہ جشن سحر نمبر جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کے آنے والی سالگرہ پر شائع کردیا جائے۔ لہٰذا اُن اصحاب میں اگر ندامت کے احساس کا شائبہ تک بھی موجود ہے جنہوں نے وعدہ کے باوجود اپنے مضامین ابھی تک نہیں بھجوائے تو وہ اپنے مضامین بھجوا کر ممنون فرمائیں ورنہ جس قدر مضامین موصول ہوچکے ہیں انہیں ہی شائع کرکے اس فرض کی ادائیگی سے سبکدوشی حاصل کی جائے گی۔

مُبارکباد

محترم حافظ محمد یوسف صاحب دہلوی آف شمع کے تمام بہی خواہوں کو یقیناً اس نوید جانفزا سے دلی خوشی ہوگی کہ اُن کے صاحبزادے جناب محمد یونس صاحب خدا کے فضل وکرم سے دادا بن گئے ہیں جناب حافظ محمد یوسف صاحب دہلوی اور اُن کے تینوں صاحبزادوں نے اُردو اور فلمی دنیا کے علاوہ عوام میں جو مقبولیت حاصل کی ہے وہ یقیناً فضلِ ربی ہے اور یہ سب کچھ اس اصلیت کی نشاندہی کا ثبوت ہے کہ دیانت داری، محنت ایمانداری اور خدمتِ عوام یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ افعال ہیں۔

دُعا ہے کہ یونس صاحب کے فرزندِ ارجمند اور پوتا بھی اپنے قابلِ تعظیم بزرگ قبلہ حافظ محمد یوسف دہلوی کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی خاندانی روایات کو زندۂ جاوید بنائیں۔ دعا ہے کہ نومولود عمرِ طویل پائے اور قبلہ حافظ صاحب نومولود کے فرزندِ ارجمند کی بھی خوشیاں دیکھیں۔

انجمن کاروان ادب جالوپور (جے پور)

کا

جشن عید ملن کُل ہند مشاعرہ

سرور تونسوی

مشاعروں کی رُوداد لکھنا میرا ایک دلچسپ مشغلہ رہا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ۱۹۴۹ء کے اولین جشن جمہوریت کے مشاعرہ لال قلعہ سے لے کر ۱۹۶۰ء تک ہونے والے درجۂ اول کے کل ہند مشاعروں اور ہند و پاک مشاعروں کا آنکھوں دیکھا اور کانوں سُنا حال جو ہفت روزہ "ریاست" اور "شان ہند" میں اس نیاز مند کے قلم سے شائع ہوا وہ اس کا بخوبی مظہر ہے کہ تقسیم ملک کے بعد اردو شاعری کا آغاز چڑھاؤ کیا رہا اور ان بیتے سالوں کی شعری تاریخ جس انداز میں قلم بند کی گئی ہے اس سے شعری ادب میں دلچسپی رکھنے والے حضرات جو کچھ بھی معلوم کرنا چاہیں بخوبی کر سکتے ہیں۔

اس وقت تک مشاعروں میں اُردو ناخواندہ شعرا اور شاعرات کا وجود قطعاً نہیں تھا اور معزز شعرائے کرام جو غزل کسی مشاعرے میں سُناتے تھے وہ دوسرے مشاعرہ میں نہیں پڑھتے تھے بلکہ ہر مشاعرہ کے لئے نئی غزل کہتے تھے۔ ہاں پیشہ ور قسم کے شاعر جو کسی کے عطا کردہ کلام اور اپنے گلے کی مہربانی سے مشاعروں میں بلائے جاتے تھے۔ وہ اکثر و بیشتر مشاعروں میں دو تین پیٹنٹ قسم کی غزلیں ہی سُناتے تھے۔ مگر ان میں بھی اتنا شرم کا مادہ ضرور تھا کہ وہ کم از کم ایک برس تک اس عطا شدہ کلام سے اچھا خاصا کما کر دو تین نئی غزلیں اپنے سرپرست اُستادوں سے لکھوا لیتے تھے اور نئے کیلنڈر کے ساتھ ہی ان کا مشاعروں میں نیا امپورٹڈ کلام سننے میں آ جاتا تھا۔

مگر یکایک مشاعروں میں کئی بدعتیں عود کر آئیں۔ مثلاً اچھے خاصے شاعروں کا کئی کئی سال تک مشاعروں میں پُرانا کلام سُنانا۔ ان شاعروں کو یہ بھی خیال نہیں آتا تھا کہ وہ جو کلام ایک شہر کے کسی مشاعرہ میں سُنا چکے ہیں۔ اگلے سال اور پھر اگلے سال بھی یہی کلام اسی شہر میں سُنا رہے ہیں۔ ہاں بعض شعراء یہ چال چل لینے میں کوئی بُرائی نہ سمجھتے تھے کہ وہ خود ہی یہ فرما دیتے۔ ان سے یہ فرمائش کی گئی ہے کہ وہی غزل سُنائی جائے جو وہ پچھلے سال پیش کر چکے ہیں۔ حالانکہ نہ کوئی فرمائش ہوتی تھی اور نہ ہی کوئی "بدذوق" یہ چاہتا تھا کہ کئی مرتبہ کی سُنی ہوئی غزل پھر سے سُنی جائے۔ دوسری بدعت "شاعرات" کے طائفہ کی صورت میں مشاعروں پر نازل ہوئی اور اس بدعت سے نازل ہوتے ہی مشاعروں کا رنگ روپ ہی بدل گیا۔ اکثر و بیشتر شاعرات کا نزول کوٹھوں سے ہوا اور مشاعروں میں قوالی، مجرے اور ٹھمری کا ملا جلا منظر نظر آنے لگا۔ "اکثر شاعرات" اُردو لکھنا پڑھنا نہیں جانتیں اور جو غزل وہ سُنا رہی ہوتیں وہ دیوناگری رسم الخط میں لکھی ہوتی اور ان شاعرات کا تلفظ بھی انتہائی مضحکہ خیز ہوتا اور تیسری بدعت گویے شاعروں کی صورت میں سامنے آئی جنہوں نے محض اور محض اپنے گانے کے بل بوتے پر بڑے بڑے اساتذہ کو کونوں میں بٹھا دیا۔ ان گویوں کے باعث مشاعروں میں خراب خوش گلوئی کی بدعت نے بھی فروغ پایا۔

چنانچہ اس زمانے میں جب کبھی کسی مشاعرے کی رُوداد لکھی گئی تو شعرائے کرام کو بہ اکلاس بار بار ریٹ کرکے تنقید [illegible] شاعروں کی رُوداد میں آ چکا تھا۔ چنانچہ ان بدعتوں سے دل اکتا [illegible] حضرات نے مشاعروں کو [illegible] [illegible] یہ نیاز مند نے مشاعروں کا آنکھوں دیکھا ... [illegible]

اور مشاعروں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا۔
جناب ہاشم علی خاں رازؔ جے پوری کے اصرار پر اس مشاعرہ کا آنکھوں دیکھا حال پیش کر رہا ہوں اور اس اعتراف کے ساتھ کہ اس وقت کے سرور تونسوی اور اس وقت کے سرور تونسوی میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ اگر وہ انداز تحریر۔ چھیڑ چھاڑ۔ چبھتی ہوئی چٹکیاں۔ بے ساختگی۔ بے باکی۔ راز ہائے دروں پردہ کا انکشاف، شعرائے کرام کی شعری استعداد کے حدود اربعہ کی پیمائش۔ کمزور اور فنی اسقام کے حامل مصارع کی بے ساختہ اصلاح وغیرہ اس مشاعرہ کی روداد میں نہ پائیں تو آتش کے اس مصرع کو تھوڑے سے تصرف کے ساتھ پڑھ لیجئے ع وہ جب کا ہے قصہ کہ سرور جواں تھا۔"

جناب موہن لال سکھاڈیا جب راجستھان کے وزیر اعلیٰ تھے تو انہوں نے غریب عوام خصوصاً مسلمانوں کو برائے نام قیمت پر پلاٹ دے کر بستی جالو پورہ بسائی تھی جو آج جے پور کی ایک گنجان اور کاروباری کالونی بن گئی ہے۔ اس بستی کے رہنے والوں میں کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو اردو شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں اور انہی اردو نواز حضرات نے "کاروانِ ادب" کے نام سے ایک انجمن بنائی ہے۔ لہٰذا اسی انجمن کے زیر اہتمام جشن عید ملن کے سلسلے میں یہ کل ہند مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے۔ جناب گل خلیقی سکریٹری انجمن کاروانِ ادب، جناب ہاشم علی خاں رازؔ جے پوری صدر انجمن ہذا جناب بنیاد علی بیکری والے اور محلہ کے معزز ترین فرد اور اس انجمن کے سرگرم رکن و سرپرست جناب نور محمد صاحب پروپرائٹر کمل ریسٹورنٹ کی مساعیٔ جمیلہ کے باعث ہی یہ لاثانی مشاعرہ جے پور کی ادبی و شعری تاریخ میں ایک یادگاری حیثیت کا حامل بن سکا۔ جناب راہی شہابی حکومتِ راجستھان کے محکمہ پبلک ریلیشنز کے ایک رکن ہیں مگر انہیں یہ روگ ہر وقت ستائے رکھتا ہے کہ وہ جے پور کی ادبی، شعری، غیر ادبی اور ثقافتی نقاریب میں نمایاں رہیں۔ تاکہ ارکانِ حکومت کی نظروں میں ان کی اہمیت کا احساس ہو سکے چنانچہ اپنے اس مقصد کے حصول کی خاطر یہ عام طور پر جے پور کے معزز شعرا اور ادیبوں کے ساتھ نامناسب سلوک بھی کر جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جے پور کے تمام شعراء نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جس مشاعرہ کی باگ ڈور یا نظامت راہی شہابی صاحب کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اس کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ اس مشاعرہ کی اناؤنسنگ کے لئے جناب وسیم بریلوی کا نام پہلے سے ہی تجویز کر لیا گیا تھا اور انہیں اس کی اطلاع بھی دے دی گئی تھی مگر راہی شہابی یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ان کی اس "موروثیت" پر بریلی کے وسیم صاحب شب خون ماریں۔ لہٰذا انہوں نے انجمن کاروانِ ادب کو ایسا تارپیڈو کیا کہ کچھ ممبران اس پر بضد ہو گئے کہ مشاعرے کی اناؤنسنگ راہی صاحب ہی کریں گے۔ چنانچہ اس سلسلے میں راقم الحروف کی رائے بھی منتظمین مشاعرہ نے چاہی تو ان سے یہی کہا گیا کہ اناؤنسر ایسا ہو جو اپنا ذاتی پروپیگنڈا کرنے کی بجائے مشاعرہ کو بہتر انداز سے چلا سکے۔ شام کے آٹھ بجے مشاعرہ کے پنڈال کے قریب راہی صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے اچھا سرور صاحب پھر ملاقات ہوگی۔ اب مجھے اسٹیج کے انتظامات دیکھنے ہیں جس کا مطلب یہی تھا کہ راہی شہابی صاحب ہی اناؤنسر کے فرائض انجام دیں گے۔

وقتِ مقررہ پر ایڈیٹر شانِ ہند مشاعرہ گاہ میں کچھ دوسرے شعرا کے ساتھ پہنچا تو دیکھا کہ اسٹیج ویران پڑا ہے ساڑھے نو بجے مجوزہ صدر جناب گردھاری لال بھارگو ایم ایل اے بھی تشریف لے آئے ہیں اور کچھ دیگر معززین بھی ان کے ہمراہ تشریف لائے ہیں۔ دس بجے راجستھان کے چیف منسٹر جناب بھیروں سنگھ شیخاوت شریمتی اجلا اروڑہ ایم ایل اے اور دیگر معززینِ شہر بھی اسٹیج پر تشریف لے آئے ہیں مگر بدقسمتی سے ... موجود ہیں اور نہ وسیم صاحب کیونکہ جب وسیم صاحب کو اس معاملہ کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ انہیں اناؤنسر بننے کا شوق نہیں لہٰذا راہی صاحب بخوشی یہ فرض انجام دیں۔ یہ کہکر وہ اپنے میزبان کے ہاں جا کر یہ کہکر سو گئے کہ رات کے گیارہ بجے انہیں جگا دیا جائے تاکہ وہ مشاعرہ میں آ کر کلام سنا دیں اور ادھر انجمن کے با اصول ممبران نے ہر حالت میں وسیم صاحب

مشاعرہ کی نظامت سونپنے کا فیصلہ کر لیا۔ لہٰذا راہی صاحب ناراض ہو کر مشاعرہ گاہ سے واک آؤٹ کر گئے اور بیچارے منتظمین مشاعرہ بھاگ دوڑ کر کے وسیم صاحب کو ان کے میزبان کے ہاں سے قریباً ۱۰ بجے بلا کر لائے۔ وسیم صاحب نیند کے خمار میں آنکھیں ملتے ہوئے مائیک کے سامنے بیٹھ گئے۔ اس دوران انجمن کاروانِ ادب کی طرف سے نیز دیگر حضرات کی طرف سے جناب بھیروں سنگھ شیخاوت کو پھولوں کے ہاروں سے لاد دیا گیا۔ صاحبِ صدر بھارگو صاحب نے وزیر اعلیٰ کی گل پوشی کی ابتدا کی اور پھر ایسا تانتا بندھا کہ وزیر اعلیٰ کو کئی بار سیکڑوں ہار اپنے گلے سے اتارنے پڑے۔

جناب ڈاکٹر آچاریہ دھریندر ناتھ صاحب اروڑہ بھی تشریف لے آئے ہیں۔ اروڑہ صاحب وزیر اعلیٰ کے دستِ راست سمجھے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اروڑہ صاحب فارسی کے عالم ہیں اور انہوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ حکومتِ ایران کی دعوت پر ایران بھی تشریف لے جا چکے ہیں۔ آپ کی رفیقۂ حیات محترمہ اجلا اروڑہ ایم ایل۔ اے بھی ادب سے گہرا لگاؤ رکھتی ہیں اور ہندی کی کویتری بھی ہیں۔ ڈاکٹر اروڑہ جے پور میں وہ مقام رکھتے ہیں جو کبھی دلی میں مسٹر آصف علی کو حاصل تھا۔ جناب پروفیسر کیدار شرما صاحب ہوم منسٹر راجستھان بھی تشریف لے آئے ہیں۔ جناب گردھاری لال صاحب بھارگو صدر مشاعرہ نے ہوم منسٹر کا شایانِ شان استقبال کیا ہے اور انہیں پھول مالاؤں سے سنمانت کیا گیا ہے۔ شعرائے کرام اسٹیج پر تشریف لے آئے ہیں۔ سامعین کا وہ جمِ غفیر ہے کہ اہلِ جے پور کے سخن فہم ہونے کا ثبوت۔ شاید ہی کہیں ایسا دیکھنے میں آیا ہو۔ سامعین کی بے تابی کا اب کافی امتحان ہو چکا ہے۔ لہٰذا جناب پارس رومانی نے جناب وسیم بریلوی کا مختصر سا تعارف کراتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ آج کا مشاعرہ جناب وسیم بریلوی چلائیں گے۔ وسیم صاحب ابھی تک نیند کے خمار میں ہیں اور ابھی باعثِ نازِ راجستھان اور راجستھان کے چیف منسٹر اور ہوم منسٹر کی تعریف کرتے ہوئے بھیروں صاحب کو ہوم منسٹر اور گردھاری لال صاحب کو چیف منسٹر کہہ گئے ہیں جس پر مسلسل قہقہہ لگا ہے اور انہیں پاس بیٹھے غالباً شکیب صاحب نے اس فروگزاشت کی طرف دھیان دلایا ہے اور وسیم صاحب نے

اظہارِ ندامت کرتے ہوئے اس کی تصحیح فرمائی ہے اور اس کے ساتھ ہی اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کے نامور شاعر نجمی بریلوی کلام عطا فرما رہے ہیں۔ آواز آتی ہے۔ بریلی کے نامور دراصل جے پور میں آ کر نامور شاعر بن جاتے ہیں۔ اس پر اسٹیج پر بیٹھے ہوئے حضرات نے ان صاحب کو ٹوکا ہے کہ وہ اس قسم کی فقرہ کشی نہ کریں۔ شاعری کسی کی میراث نہیں۔ سنئے نجمی صاحب پہلی بار سرزمینِ راجستھان پر نغمہ ریز ہو رہے ہیں ؎

بزمِ خیال میں تری صورت لئے ہوئے — بیٹھا ہوں میں تصور پہ [illegible] ہوئے
دردِ فراق پیار کی لذت لئے ہوئے — اشکِ الم ہیں کیسی مسرت لئے ہوئے
افسانہ لکھ کے عشق کا پروانہ جل گیا — اب شمع جل رہی ہے حکایت لئے ہوئے
بربادیوں کا میری زمانے کے ساتھ ساتھ — وہ بھی ہنسے ہیں طرزِ ملامت لئے ہوئے

شہرہ ہے کہ چشمِ ناز کی نجمی ہو شراب
رندی بھی ہو تو رنگِ عبادت لئے ہوئے

نجمی صاحب کے اشعار یقیناً اچھے ہیں مگر انہیں کسی نامور شاعر کا کلام نہیں کہا جا سکتا۔ ترنم کی مہارت نے اچھے شعراء کو بھی قوال بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ اگر یہی اشعار نجمی صاحب تحت میں سناتے تو یقیناً انہیں داد ملتی مگر برا ہو طبلے اور بے سُرے ترنم کا کہ اچھے بھلے اشعار مناسب داد نہ پا سکے۔

ہاں ایک لطیفہ تو سنانا رہ ہی گیا۔ جب ایڈیٹر شانِ ہند محترمہ مسعودہ حیات صاحبہ اور ہلال رامپوری اسٹیشن پر پنک سٹی ایکسپریس سے اُترے تو توکل خلیقی اور راز صاحب نے مجھے الگ لے جا کر سرگوشی کے لہجہ میں پوچھا کہ ہلال صاحب کو آپ اپنے ہمراہ لائے ہیں کیونکہ انہیں تو ہم نے مدعو نہیں کیا۔ میں نے ان حضرات سے کہا کہ مجھ سے ایسی حماقت کی توقع آپ نے کیسے فرمائی۔ خیر قیام گاہ پہنچ کر میں نے ہلال صاحب پر اصلیت بیان کی تو فرمانے لگے کہ انہیں راہی شہابی صاحب کا تار گیا ہے کہ مشاعرہ میں آئیے آپ کو دو سو روپیہ معاوضہ دیا جائے گا۔ اب اسٹیج پر دیکھا تو جمیل [illegible] بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ وہ [illegible] اور دیگر حضرات بھی تشریف لائے ہیں ان سب کے پاس بھی راہی شہابی صاحب کی طرف سے دیئے گئے [illegible] موجود ہیں اور [illegible] مشاعرہ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے آپ کو بلایا ہی نہیں تو کیسا [illegible] کیسا معاوضہ۔

تاہم ایک ایسی صاحب کا ذکر رہ گیا ہے جو شعرا کی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے مگر [illegible] سے معذرت کرنی ہوگی۔

ہندوستان کے [illegible] ادب میں نام پیدا کیا ہے ان میں بعض ہماری شان کا ایم [illegible] صفِ اول کے شعرا میں آتا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ بھی [illegible] کے اس قابل ذکر مشاعرہ میں اپنی وہی پرانی غزل سنا رہے ہیں جو کم از کم شانِ ہند میں ہی بیس [illegible] مشاعروں کی روداد میں آچکی ہے مثلاً اس غزل سے پہلے غزل کی تعریف میں ایک شعر سن لیجئے۔

میں تو غزل سنا کے اکیلا کھڑا رہا
سب اپنے اپنے چاہنے والوں میں کھو گئے

اس کے بعد غزل سنانی شروع کی ہے۔ کئی بار اس پڑھی ہوئی غزل کو پھر سے ایک بار پڑھ لیجئے کیونکہ اسے جب بھی پڑھا ہے لطف دوبالا ہی ہو گیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

جس کا کوئی نہیں ہے اس کا خدا ہے یارو
میں نے تو پڑھا کتابوں میں لکھا ہے یارو

شب ہے اس وقت کہاں [illegible] گے
آؤ میخانے کا دروازہ کھلا ہے یارو

داد کا شور ہے کہ کلکتہ تک سنا جا سکتا ہے۔ داد و ستائش، آہ اور واہ کے اس شور [illegible] ماحول میں نور صاحب نے یہ پیشین گوئی کی ہے وہ آئیں تو یہ علم جاتا ہے

میرا [illegible] کسی منزل کا دیا ہے یارو
اس سزا سے [illegible] بھرتی ہے
زندگی [illegible] کی سزا ہے یارو

ان چند اشعار پر ہی اکتفا کیجئے تاکہ آپ کو اس غزل کو پھر سے پڑھنے کے لئے تشنگی رہے اور یہ لازمی ہے کہ نور صاحب اس غزل کو ابھی ایک سال تک مشاعروں میں سنائیں گے لہٰذا شانِ ہند میں آئندہ مشاعروں کی کارروائی شائع ہوتے وقت یہ غزل آپ کے مطالعہ میں کئی بار پھر آسکے گی۔ لہٰذا اس وقت اس تشنگی کی سیری اور بھی لطف دے گی۔

جناب [illegible] نے وسیم بریلوی صاحب کا تعارف کرانے ہوئے فرمایا کہ فانی بدایونی کے بعد وسیم صاحب کا مقام ہے۔ تعارفی کلمات میں تعریف اگر اصلیت اور مناسبت کی حدوں کو پار کر جاتے تو وہ ہجو ملیح ہو جاتی ہے یا ہجو تو ہے ہی تاکہ وسیم صاحب اس تعارف کے بعد یہ فرماتے کہ فانی بدایونی اور ان کا مقابلہ ہر طرح سے نامناسب ہے مگر یہ کمی تو اس دور میں اب ہر شخص میں دکھائی دیتی ہے کہ اپنی تعریف سن کر دل کو خوشی ہوتی ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ نئے ادب میں جن اردو شاعروں کا نام لیا جا سکتا ہے ان میں وسیم صاحب بھی ایک ہیں اور ان کا خاص رنگ ہے۔ لیجئے وسیم صاحب اپنی مخصوص اداؤں کے ساتھ کلام عطا فرما رہے ہیں پہلے چار مصرعے ملک کے نوجوانوں کی نذر کئے ہیں۔ اگر وسیم صاحب ایسے شاعر بھی قطعہ یا رباعی کو چار مصرعے کہہ کر ان شعرا کی صف میں آنا چاہتے ہیں جو رباعی اور قطعہ کی پہچان نہیں رکھتے تو کسی حد تک افسوس کا مقام ہے۔ چار مصرعے کی آڑ عام طور پر جاہل شعرا ہی لیا کرتے ہیں حالانکہ وسیم صاحب لازمی طور پر قطعہ اور رباعی کے اوزان سے واقف ہیں۔ چار مصرعوں کے بعد وسیم صاحب کچھ مختلف اشعار سنائے ہیں تو یہ اشعار کئی بھی الاحسانی صاحب نے اکثر مشاعروں میں آپ کو سنا چکے ہیں مگر وہ اشعار تو آپ پھر سن ہی لیجئے۔

پانی پہ تیرتی ہوئی یہ لاش دیکھیے
اور سوچئے کہ ڈوبنا کتنا محال ہے

داد ہے کہ ایک شور ہے۔ اگر سامعین کسی مہمل شعر پر داد دینا ہی چاہیں تو تعریفات ہند بھی اس میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ارشاد ہوا ہے ؎

نظر میں آئیں گے چہرے نہ جانے کس کس کے
دعائیں مانگئے محفل میں روشنی کم ہے

اس کے بعد ایک گیت "برہن کا ساون" سنایا ہے یہ گیت بھی شانِ ہند میں کئی مشاعروں کی روداد میں آچکا ہے۔ ہاں یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ وسیم کا ترنم اب نکھر گیا ہے۔ اب وسیم صاحب نے ملک کے مشہور نابینا شاعر جناب سلیم صاحب کھاتولوی سے کلام سنانے کی درخواست کی ہے سلیم صاحب کو مائیک پر لایا گیا [illegible] انجم خاں صاحب [illegible] فرمانے لگے سلیم صاحب کی آواز سے [illegible] سمجھا [illegible] آواز [illegible] بلند ہے۔ [illegible]

ندوری کا فرمانہ گئے اُن کی آواز میں ہے سے لیجی ہے اس لئے کیسی لبنات ہے۔ سُنا تو وسیم صاحب فرما رہے تھے ؎

غلاموں کو بہا رہی جگر دیکر رہتا ہوں
حقیقت کے اندھیروں میں اُجالوں کا اُٹھا پیغام

صاحب مناسب وادیاں کر بیٹھے ہوئے رہتے ہیں اور وسیم صاحب جستھان کے ایک واقعی نامور شاعر جناب حکیم یوسف جھنوی سے مدام سنانے کی گزارش کی ہے حکیم یوسف نے ب کے کلام کا راجستھانی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے جو ایک ادبی کارنامہ ہے مگر افسوس کہ انہوں نے شاعرہ غزل اور ایک نظم "جواب غزل" سنائی ہے غزل کا ایک شعر بھی سن لیجئے ؎

وطن کی ریت مجھے ایڑیاں رگڑنے دے
مجھے یقین ہے پانی یہیں سے نکلے گا

صاحب نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ عورت اور غزل پر کامل تبصرہ کرنے کے بعد ملک کی مشہور اور معزز خاتون مسعودہ حیات سے کلام عطا فرمانے کی درخواست کی مسعودہ حیات صاحبہ نے بھی ایک بظاہر تازہ مگر مطبوعہ سنائی ہے ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔

گھر سے جو شخص بھی نکلے وہ سنبھل کر نکلے
جانے کس موڑ پہ کس ہاتھ میں خنجر نکلے

مسعودہ حیات صاحبہ یہ حیات افروز غزل سنا کر مائیک سے ہٹیں تو ایک اور ایک اور کی بے ہنگام آوازیں شروع ہیں۔ وسیم فرمانے لگے بھائی جنتا کا زمانہ ہے جسے چاہے ردے جسے چاہے بٹھا دے۔ اس پر سامعین اور وزرا ہنس رہے ہیں۔ ایک آواز آئی ہے ہاں صاحب ع

ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ۔ وسیم صاحب نے اب آرزو جے پوری سے کلام سنانے کی آرزو فرمائی جو مطلع ارشاد ہے ؎

مرحلے زیست کے آسان بنا کر دیکھے
آگ ہو آگ ہے [illegible] کیسے

صاحب نے یہ مطلع کہہ [illegible] اور وسہر باریش رنگی

ہیں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ کیلی گلوری بھی میلا کو اپنی حلوہ میں پناہ نہ دے سکی۔ آرزو صاحب نے کوئی بارہ منٹ کسی پانچ غزل کے ہر شعر کو موسیقارانہ انداز میں مختلف راگنیوں میں سنا کر اپنا اور سامعین کا وقت برباد کیا ہے۔

آج کا مشاعرہ بھی خوشگوار اور بہترین ماحول میں چل رہا ہے اس کا کریڈٹ تمام تر ناظم جناب وسیم صاحب کو ہی جاتا ہے۔

اب وسیم صاحب نے محترمہ ڈاکٹر اُجلا ارورہ صاحبہ ایم۔ اے سے گزارش کی ہے کہ وہ مائیک پر تشریف لا کر اپنا ہندی کلام عنایت فرمائیں۔ محترمہ اُجلا ارورہ صاحبہ بڑی خوش اسلوبی اور بڑے وقار کے ساتھ مائیک پر تشریف لائی ہیں اور فرما رہی ہیں میں اردو زبان بول نہیں سکتی چونکہ جیون ساتھی بھگوان نے ایسا دیا ہے جو فارسی میں بھی ایک مقام رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کے طفیل اردو کا ایک شعر سناتی ہوں۔ اُردو کا شعر عنایت فرمانے کے بعد ہندی کویتا "اپنا جیون درشن" سنا کر خوب داد پائی ہے وسیم صاحب کی سوجھ بوجھ کی داد نہ دینا اُن کے ساتھ ناانصافی ہوگی کہ کس اچھے انداز میں انہوں نے جناب ڈاکٹر دھرمیندر صاحب ایسے عالم اور علم دوست ہستی کا تعارف کرایا ہے۔ ڈاکٹر دھرمیندر صاحب اپنی شریک حیات محترمہ ڈاکٹر اُجلا ارورہ کی طرح مقبول خاص و عام ہیں اور طبی طور پر دونوں میاں بیوی عوام کی جو خدمت کر رہے ہیں وہ اہل جے پور کے لئے ایک رحمت سے کم نہیں ڈاکٹر صاحب فارسی کے عالم ہیں انہوں نے فارسی کا ایک شعر سنایا ہے جو اُن کے بچپن کے زمانہ کا کہا ہوا ہے اور فرمایا کہ یہ شعر سُن کر اُن کے والد صاحب نے اُنہیں فارسی میں شاعری کی اجازت دے دی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے سعدی شیرازی کے اشعار سنائے ہیں سب واہ واہ ایسا ہے جس سے ایرانی تو کیا بھی حیرت زدہ ہو جائیں آپ نے فارسی میں اور سنسکرت میں جو کام کیا ہے وہ انہیں زندہ جاوید رکھے گا۔

اب وسیم صاحب نے جناب [illegible] آپ سے کلام سنانے کی خواہش فرمائی ہے۔ [illegible] صاحب فرما رہے ہیں ؎

آرائش گلشن کا انداز کرتے
احوال چمن [illegible]

کیا تعجب تشنہ لب کے سامنے دیں گے
گھر [illegible] انساں تسکین اگر مانگے

راہی صاحب بہت [illegible] مار رہتے ہوئے نغمہ سرا ہیں ؎

اُس دور کی بے کیفی کس طرح بیاں ہوگی
جس دور کا ہر لمحہ پھولوں سے شرمانگے

کسی صاحب نے پُر زور آواز بلند کی تو راہی صاحب فرمانے لگے انسانوں کی محفل میں بیٹھے ہو انسانوں کی سی بات کیجئے۔ غزل کے بہترین اشعار سنانے کے بعد مقطع ارشاد ہوا ہے ؎

پھولا نگ حسرت ہی پرواز نہیں راہی
پرواز تو جلوہ ہے پرواز تو پر مانگے

راہی صاحب اپنی جگہ پر تشریف لائے تو نسیم صاحب فرمانے لگے کہ اب جو شاعر آ رہے ہیں، اگر آپ کو ان کا کلام پسند آگیا تو آپ کی عاقبت خراب ہو جائے گی اور اگر آپ کی سمجھ میں نہ آیا تو ان کی عاقبت خراب ہو جائے گی۔ دیکھا تو ہلال رامپوری اپنے بلند و بالا قد کے ساتھ بہترین کلام سنا رہے ہیں۔ گو یہ کلام کبھی کئی مرتبہ کا سُنا ہوا ہے مگر اسے جب کبھی سنئے لطف دے جاتا ہے فرماتے ہیں :

بُلہوس بڈھے نے اک بے گھر حسینہ سے کہا
آئیے گھر میں مرے غُل ہے نہ کوئی شور ہے
وہ حسینہ بوبلا مُنہ دیکھ کر کہنے لگی
اس [illegible] گر چکی ہیں یہ مکاں کمزور ہے

ہنسی کا ایک طوفان ہے کہ جس میں سامعین بہے جا رہے ہیں اور ہلال صاحب ارشاد فرما رہے ہیں ؎

صبح سے بچہ خفا ہے دودھ پیتا ہی نہیں
مجھ سے بیگم بولیں کوشش کیجئے کچھ آپ بھی
ہنس کے بیوی سے کہا میں نے پریشاں ہو نہ تم
دودھ تو یہ پئے گا اور اس کا باپ بھی

ایک قیامت کا شور ہے یوں معلوم ہو رہا ہے کہ دودھ بچہ اور اس کا باپ ہی نہیں بلکہ ہر سامع پی رہا ہے۔ اس کے بعد ہلال صاحب نے پانچ مزید قطعات سنائے ہیں جو سب چٹخے اور چبھتے ہوئے ہیں مگر کسی قدر وقت بھی مشاعرہ کو جھکانے والے اور اس کا اعتراف کرنا ہی ہوگا کہ ہلال رامپوری نے مشاعرہ کو چمکا دیا ہے۔ اس وقت رات کے پونے بارہ بجے ہیں اور نسیم صاحب کی ستم ظریفی دیکھئے کہ سردار جیت سنگھ ساگر کو کلام سنانے کی دعوت دے رہے ہیں سردار جیت سنگھ ساگر مائیک پر آتے تو فرمانے لگے کہ یار رو کیا مذاق ہے کہ رات کے بارہ بجے ہیں اور مجھ سردار کو بلا لیا گیا ہے قہقہوں کا ایک سیلاب ہے کہ تھمنے میں نہیں آ رہا ہے۔ شیخاوٹ صاحب ہوم منسٹر صاحب۔ صاحب صدر۔ ڈاکٹر دھرمیندر اور اُن کی اہلیہ محترمہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں ابھی ہنسی کا یہ خوشگوار طوفان کچھ تھما تو کسی نے شوشہ چھوڑا سردار جی دن کے بارہ بجے کا معاملہ ہوتا ہے اس پر سردار صاحب فرمانے لگے آپاں نوں کی پاویں دن دے بارہ وجے ہوون تے پاویں رات دے ساڈے تے جنتا پارٹی نے اُنجوں ای بارہ وجا دتے نے۔ اس پر تو قہقہوں کا ایسا تانتا بندھا ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ سردار صاحب وکیل ہیں اور میونسپل کمشنر رہ چکے ہیں۔ جنتا پارٹی میں شریک ہو گئے تھے مگر الیکشن میں جنتا پارٹی کا ٹکٹ نہ ملنے پر ناراض ہو گئے اور آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن میں کھڑے ہو گئے اور ہار گئے۔ سردار صاحب نے پنجابی کو تار سنائی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ترجمہ بھی خود ہی فرما رہے ہیں۔ سردار صاحب نے مائیک چھوڑا تو نسیم صاحب نے ؎

گھر سے نکلے ہیں آنسوؤں کی طرح
واپسی کا کوئی سوال نہیں

شعر سُنا کر جدید غزل کے علمبردار جناب ممتاز شکیب سے کلام سنانے کی درخواست کی ہے۔ ممتاز شکیب صاحب آل انڈیا ریڈیو پونہ پر ملازم ہیں فرما رہے ہیں کہ جوہری بازار میں مشاعرہ عید پر جو کلام میں نے سنایا تھا۔ نائٹس منسٹر کے فرمان پر وہی عرض کر رہا ہوں، فرماتے ہیں ؎

عید کہتی ہے کہ زندہ رہو زندہ رکھو
تاکہ ہر پھول کو جینے کا قرینہ آجائے
اس طرح اُبھرو کہ کچھ گرم حقیقت کی طرح
غربت شام کے ماتھے پہ پسینہ آجائے
عید تلقین ہے زخموں کو ہنسانے کے لئے
نکہت گُل ہے محبت کو لٹانے کے لئے

ہنگر لگ جاتے ہیں رشتے جانے کی کہیں
زمیں کا ایک یہ جھونکا ہے چونکانے کے لئے

ابھی داد پاتے ہوئے غزل ترنم سے شروع کی ہے ؎

بڑا سہارا ہے اس کا کہ کوئی آس نہیں
عجیب شہر وفا ہے کوئی اداس نہیں
فصیل شوق میں ہیں کھڑکیاں بہت لیکن
کھلا دریچہ کوئی دل کے آس پاس نہیں
تمام اونچے درختوں سے بچ کے چلتا ہوں
مجھے خبر ہے کہ سایہ کسی کے پاس نہیں
میں اپنے ذہن سے تنہا خیال سے تنہا
مرا علاج ترے فیصلوں کے پاس نہیں
کس اعتبار پہ عمر سفر گزاری ہے
یہی جواب ابھی زندگی کے پاس نہیں

ممتاز شکیب کو خوب خوب داد ملی ہے اور مشاعرہ اپنے نصف النہار ہے۔ وسیم صاحب نے پے در پے فرمائشوں سے تنگ آکر جناب ہلال امیوری کو دوبارہ تکلیف دی ہے اور انہوں نے ایک نظم سنا کر حسب سابق داد پائی ہے

اب جناب اظہار مسرت اعجازی بڑے طمطراق کے ساتھ مائک پر آئے ہیں۔ ایک قطعہ سنانے کے بعد فرما رہے ہیں ؎

کیف ہے درد ہے سوز ہے احساس جواں ہے اردو
ساز ہے نغمہ ہے موج ہے اک سحر رواں ہے اردو
اس کی شادابی و نکہت کو زمانے نے سراہا لیکن
ہائے افسوس وطن میں نہیں دِکھتی ہے کہاں ہے اردو

ظاہر ہے کہ بعد ان کا کلام نقل کرنا اپنی حماقت کا ثبوت دینا ہے۔ اب وسیم صاحب نے بڑی تعریف اور لمبے چوڑے تعارف کے بعد جناب نسیم قادری وسوہاروی کو پکارا ہے۔ انہوں نے بھی مائک پر آتے ہی چار مصرعے نذر کر رہا ہوں ملاحظہ کریں گے فرمایا اور میرا ماتھا ٹھنکا کہ انہیں بھی قطعہ اور رباعی کے اوزان معلوم نہیں ہیں نسیم قادری صاحب سے معافی کے ساتھ یہ کہوں گا کہ اگر فراق، جوش یا کوئی اور بڑا شاعر یہ قطعہ یا رباعی کے چار مصرعے کہہ کر سناتے گا تو وہ آداب مشاعرہ کی خلاف ورزی کرے گا۔ چار مصرعے کے بعد نسیم صاحب سے جو بات جیت ہوئی اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک اچھے شاعر ہیں مگر چار مصرعے کہہ کر انہوں نے ذوق سلیم رکھنے والوں پر کچھ اثر نہیں کیا۔ خیر ان کے چار مصرعوں کے بعد غزل ملاحظہ فرمائیے ؎

آتش عشق ذرا سینے میں جلنے دیجیے
زندگی شمع کی صورت ہے پگھلنے دیجیے
آشیاں میرا اگر جلتا ہے جلنے دیجیے
حوصلے برق تپاں کے بھی نکلنے دیجیے
اب نہ بیگانہ ہر اک شخص نظر آئے گا
ہے ابھی شام چراغوں کو بھی جلنے دیجیے

غزل بھی معمولی قسم کی ہے۔ شعر کے پہلے مصرعے میں ہر اک کی جگہ کوئی کر دیا جائے تو مصرع چل سکتا ہے

وسیم صاحب نے سامعین کے دلوں کی آواز کو سن لیا ہے اور جناب ہلال سیوہاروی سے گزارش کی ہے کہ وہ مائک پر آئیں اور اپنی روایات کو قائم رکھیں۔ ہلال سیوہاروی مائک پر آکر صاحب صدر، ہوم منسٹر، چیف منسٹر اور دوسرے معززین پر نظر خاص اور سامعین پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالنے کے بعد فرما رہے ہیں کہ آج میں آپ کے دلوں کی دھڑکنوں کو اشعار میں پیش کر رہا ہوں۔ میں نے ہلال صاحب کو کم و بیش ایک صد سے زائد مشاعروں میں کلام سناتے سنا ہے مگر جس والہانہ انداز میں انہوں نے آج پڑھا ہے اس طرح پڑھتے ہوئے میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا اور نظم بھی کیا ہے۔ بس کچھ نہ پوچھئے واقعی عوام کے دلوں کی دھڑکنیں ایک ایک مصرعے میں صاف سنائی دے رہی ہیں۔ جنتا پارٹی نے برسر اقتدار آنے سے پہلے جو وعدے عوام سے کئے تھے ان کے پورے ہونے میں تساہلی، نظم و نسق میں ڈھیل، مہنگائی، سرکاری ملازمین کا عدم تعاون اور حکومت کا ان سب باتوں پر قابو نہ پا سکنا عوام کے لئے جس قدر خوف و ہراس کا موجب بن رہا ہے ان سب باتوں کا ذکر اس نظم میں ہے اور ہلال صاحب نے بانگ دہل کہا ہے کہ اگر اب اور جنتا پارٹی کے حکمرانوں میں [illegible] ورنہ عوام

آنسو ٹپک رہے ہیں۔ جس قدر داد اس نظم پر آج ہلال صاحب کو ملی ہے۔ شاید انھیں ساری عمر اب ایسی داد نہ مل سکے۔ راقم الحروف نے سیکڑوں مشاعروں میں کسی بھی بڑے سے بڑے شاعر کو اتنی زیادہ مسلسل داد ملتے نہیں دیکھی تھا اور خود سٹیج پر بیٹھے معززین اٹھ اٹھ کر ہلال صاحب کی پیٹھ پر تھپکی دے دے کر داد دے رہے تھے۔ داد کا ایک ایسا شور ہے کہ شاید ہی کبھی ایسا نہ ہوا۔ آئیے آپ بھی اس نظم کے دو چار بند سن لیجئے۔ پوری نظم تو میں نقل نہ کر سکا کیونکہ ایک تو نظم اتنی موثر اور دلچسپ تھی کہ اسے سننا مقدم سمجھا گیا اور سمیر سامعین کا شور کہ نقل کرنا ناممکن سا ہو گیا تاہم جو کچھ بھی لکھ سکا وہ حاضر خدمت ہے۔ ہلال صاحب نے نظم شروع کرنے سے پہلے کبیر صاحب کا یہ دوہا پڑھا ہے

کبیرے کو ڈھونڈھن میں چلا بُرا ملا نہ کوئے
مکھ جو دیکھا آپنا مو سے بُرا نہ کوئے

نظم کا عنوان ہے "مکھ کیا دیکھے درپن میں"

کھلنے کو تو اب کھل گئے سب پھول کنول کے
ملنے کو تو اب مل گئے بچھڑے ہوئے کل کے
مٹنے کو تو اب مٹ گئے ماضی کے دھندلکے
جو لوگ پریشان تھے محفل سے نکل کے
وہ بھی تو چلے آئے ہیں چولوں کو بدل کے
لیکن یہ سیاست ہے مرے دوست سنبھل کے

پہلے بھی کوئی تو عمل ساتھ نہیں تھا
جو آج ہے ہمراہ وہ کل ساتھ نہیں تھا
کوئی بھی ارادوں کا اٹل ساتھ نہیں تھا
جب بیلوں کی جوڑی تھی تو ہل ساتھ نہیں تھا
اب ہل ہے تو پھر بیل نہیں ساتھ میں کل کے
لیکن یہ سیاست ہے مرے دوست سنبھل کے

خود غار بنے تھے تمہیں پھل چھوڑ گئے تھے
قربانی بیم کا بدل چھوڑ گئے تھے
جو نہ تمہیں چھوڑنا تھا کہ ہل چھوڑ گئے تھے
گاندھی تو کبھی راہِ عمل چھوڑ گئے تھے
کیا جانئے تم آئے کہاں ملہ پہ چل کے
لیکن یہ سیاست ہے مرے دوست سنبھل کے

پنڈت دیا شنکر کو رہی جان سے پیاری
چکبست نے جس کی کبھی تصویر نکھاری
شعلہ نے بھی نوک اور پلک جس کی سنواری
نہرو نے کہا جس کو زباں ہے یہ ہماری
تم ہو کے سمجھتے ہی نہیں شعر غزل کے
لیکن یہ سیاست ہے مرے دوست سنبھل کے

اس کامیاب نظم اور بے مثال پسندیدگی اور داد کے شورِ قیامت کے بعد وسیم صاحب نے شاد عارفی کا شعر

انگلیاں اُن کی مرے ہاتھ میں ہیں جام کے ساتھ
ہاتھ کھینچے نہ بنے جام گرائے نہ بنے

پڑھ کر جناب نور اندوری کو مائیک پر آنے کی دعوت دی ہے تالیوں سے نور صاحب کا استقبال کیا گیا ہے۔ مگر فضا ابھی تک ہلال صاحب کے نظم کے تاثر سے بہت بُری طرح متاثر ہے اور ادھر نور صاحب نے بدقسمتی سے اپنی ایک کمزور غزل جس کا مطلع ہے

دیجئے بن کے پلکوں پہ لہرائیں آنسو
ہنسو اس قدر کہ نکل آئیں آنسو

سنانی شروع کی ہے۔ پُرانی غزل۔ رات کے ڈیڑھ بجے نور صاحب شراب کا نشہ اترنے سے ویسے ہی بے نور ہو چکے تھے۔ اس پر ہلال صاحب کی نظم کا دیرپا اثر ان سب نے مل کر نور صاحب کو بجھا دیا اور وہ کسی نہ کسی طرح غزل سنا کر اپنی جگہ چلے گئے ہیں اور وسیم نے پروفیسر سری واستو امجاز جے پوری سے کلام سنانے کی درخواست کی ہے ان کے بھی چار مصرعے سن لیجئے

ہماری بات ہی سب لوگ کہہ رہے ہوں گے
یہ اور بات ہے الفاظ دوسرے ہوں گے
رہِ حیات میں کچھ نقش چھوڑنے والو
نقوش ہم نے بھی چھوڑے [illegible] ہوں گے

عزیز اندوری

اقبال صدی دِلّی کا انڈوپاک مشاعرہ

میں اپنی بیٹی ساجدہ عزیز کے ساتھ ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۷ء کی شب میں رات ۹ بجے جب وگیان بھون کے خوب صورت ہال میں پہنچا تو اس وقت تک جلسے کی کارروائی شروع نہیں ہوئی تھی۔ چند احباب سے وہاں تھوڑی دیر خوش گپیاں کیں۔ اسٹیج کے قریب ہی بہت سے شعرا اور منتظمین مجلس آل انڈیا ہند صد سالہ جشنِ اقبال کمیٹی بھی موجود تھے ان میں سے بیشتر حضرات سے سلام علیک ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ بیرونی ممالک سے آئے ہوئے بہت سے دانشور، ناقد، مفکر اور شعرا بھی وہاں موجود تھے۔ پہلی صف میں ہندوستان کے وزیر خارجہ سری اٹل بہاری باجپائی اور چند ممالک کے سفیر بھی تشریف فرما ہیں۔ جن میں پاکستان اور ایران کے سفیر فدا حسین صاحب اور غلام رضا صاحب بھی نظر آ رہے ہیں۔

اسٹیج بڑا وسیع اور خوب صورت ہے۔ مدعو شعرا اسٹیج پر پہنچ رہے ہیں۔ اعجاز صدیقی، غلام ربانی تاباں، رفعت سروش، اختر سعید، ملک زادہ منظور ایک طرف بیٹھے ہیں اور اسٹیج کی دوسری طرف بشیر بدر، جمیلہ بانو، کلیم عاجز، ممتاز مرزا۔ اور پاکستان سے آئے ہوئے شاعر دلاور فگار موجود ہیں۔ پیچھے کرسیوں پر بیرونی ممالک کے وفد کے ممبران بیٹھے ہیں

یہ جب اس وقت رات کے ۹½ بجے ہیں اور مائیک پر ملک زادہ منظور آ چکے ہیں۔ آپ فرما رہے ہیں کہ اس جلسے اور مشاعرے کا آغاز اقبال کے مشہور ترانے سے کیا جائے گا جسے گائیں گے انڈین پیوپلز تھیٹر کے گلوکار مسٹر مہدی اور ان کے ہم نوا۔ ترانہ شروع ہو چکا ہے۔ بڑی پیاری دھن میں مہدی صاحب اور ان کے ہم نوا اس ترانے کو گا رہے ہیں اور ادھر ہال میں بھی سامعین برابر جھوم رہے ہیں۔

اور اب مشاعرے کی صدارت کے لئے سرپرست اردو جناب وی شنکر کا نام پیش کیا جا رہا ہے۔ شنکر صاحب مسند صدارت پر پہنچ چکے ہیں۔ ان کے قریب تقریبات کے سکریٹری علی سردار جعفری بھی تھوڑی دیر کے لیے آکر بیٹھ گئے ہیں۔

ملک زادہ منظور، چیف جسٹس جناب حمید اللہ بیگ صاحب سے مشاعرے کے افتتاح کے لئے درخواست کر رہے ہیں موصوف مائیک پر تشریف لے آئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اس وقت بیرونی ممالک کے ایسے معزز حضرات بھی موجود ہیں جو اردو سے واقف نہیں ہیں اس لئے وہ اقبال سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی کریں گے۔ آپ فرما رہے ہیں کہ اقبال نہ صرف ایک عظیم شاعر ہی تھے بلکہ ایک عظیم مفکر، سچے محبِ وطن اور انسانیت کے پرستار تھے۔ اسی لئے انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ نہ صرف اپنے وطن کی عظمت کے گیت گائے بلکہ انسانیت کو زندہ رکھنے پر زور دیتے رہے۔ انہوں نے انسان کی عظمت کو اپنے فلسفۂ خودی کے ذریعہ جس طرح آشکار کیا دوسرے اس طرح کامیاب نہ ہو سکے۔

چیف جسٹس بیگ صاحب واپس تشریف لے جا رہے ہیں اور اب اعلان ہو رہا ہے کہ علی سردار جعفری بیرونی ممالک کے نمائندوں کا تعارف کرائیں گے۔ جعفری صاحب فرما رہے ہیں ہمیں مسرت اور فخر ہے کہ جشنِ اقبال کا افتتاح بین الاقوامی شکل میں ہو رہا ہے۔ اقبال ہمارا اور ساری دنیا کا شاعر ہے۔ جس کی نگاہیں عظمتِ انسان کو آشکار کرتی ہیں۔ آپ مزید فرما رہے ہیں کہ اس تقریب میں ۸ ممالک سے تقریباً ۳۰ نمائندے شرکت کر رہے ہیں جن میں سوویت روس، ایران، مصر، جرمنی اور پاکستان کے نمائندے یہاں موجود ہیں جو آئندہ جلسوں میں اقبال پر اپنے مقالے پیش کریں گے۔

جعفری صاحب اس جلسے میں موجود مہمانوں کا تفصیلی تعارف کرا کے مائیک سے جا چکے ہیں اور اب ملک زادہ منظور پاکستانی سفیر جناب فدا حسین صاحب سے اقبال کی عظمت پر اظہارِ خیال کرنے کی درخواست کر رہے ہیں۔ فدا حسین صاحب مائیک پر پہنچ چکے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس تقریب میں شرکت کا موقع دیا۔ وہ حضرات جنھوں نے اقبال کے کلام کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے وہ ان تقاریب میں تفاصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ میں چیف جسٹس بیگ صاحب کے اس خیال کی تائید کروں گا کہ اقبال نہ صرف برصغیر ہند کے بلکہ ساری دنیا کے شاعر تھے۔ یوں تو گزشتہ صدی میں کئی شاعر پیدا ہوئے لیکن اقبال نے جس مخصوص طرز اور فلسفے کو اختیار کیا اس نے انہیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز کر دیا۔

فدا حسین صاحب علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کر کے اپنی جگہ پر تشریف لے جا چکے ہیں۔ آپ کے بعد سفیر مملکت ایران نے علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جس کا ترجمہ انگریزی میں جناب خطرت نے مائیک پر سنایا ہے۔

اور اب ایک بار پھر ملک زادہ منظور مائیک پر ہیں۔ اس وقت ساڑھے دس بج رہے ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ مشاعرے کے آغاز میں اب بہت کم وقت رہ گیا ہے۔ اس پر ہال میں ایک زور دار قہقہہ لگا ہے۔ جسے سن کر موصوف فرما رہے ہیں کہ میں آپ کے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ اب صرف صدارتی تقریر باقی رہ گئی ہے۔ اس کے بعد مشاعرے کا آغاز کیا جائے گا۔

چونکہ آج کے مشاعرے کی صدارت اردو کے سچے سرپرست گوپی ناتھ شنکر صاحب فرما رہے ہیں۔ اس لئے ملک زادہ منظور کی بات پر کسی قسم کا احتجاج نہیں کیا ہے بلکہ شنکر صاحب کا خیر مقدم تالیاں بجا کر کیا جا رہا ہے۔ سنئے صاحب صدر فرما رہے ہیں۔

معزز حضرات۔ اس وقت مجھے یہ احساس ہے کہ آپ کے صبر کا پیالہ لبریز ہو چکا ہے۔ اس جملے پر ہنسی کا ایک فوارہ سارے ہال میں چھوٹ گیا ہے۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد صاحبِ صدر مزید فرما رہے ہیں کہ میں چند لمحے آپ حضرات کی سمع خراشی کروں گا جس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ آج کل پیالوں کی کمی ہو گئی ہے اور چونکہ اب عام پیالے نہ تو لبریز ہو سکتے ہیں اور نہ چھلک سکتے ہیں اس لئے کیوں نہ صبر کے پیالوں ہی کو لبریز کیا جائے اور انہیں چھلکایا جائے۔ غالب نے کہا تھا۔

ع ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا

مگر اب سوال یہ ہے کہ دلی میں رہیں مگر پیئیں گے کیا۔

صدر موصوف کے اس جملے پر بڑی دیر تک لوگ ہنستے رہے ہیں۔ جب ہنسی کم ہوئی تو شری شنکر نے فرمایا کہ آج کی محفل کئی معنوں میں بڑی اہم محفل ہے اول تو یہ کہ دلی کی ادبی تاریخ میں شاید یہ پہلا موقع ہے کہ کسی ادبی اجتماع میں غیر ممالک کے اتنے دانشور اور اہلِ قلم شریک ہو رہے ہیں۔ دوسرے ہم اس شاعر کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں جس نے کو چار چاند لگا دیئے۔ جب میں طالب علم تھا۔ اس زمانے میں میں علامہ اقبال کے اس کلام سے بے حد متاثر ہوا تھا جس میں انہوں نے حب الوطنی کے جذبہ کو سمو دیا تھا، علامہ نے جس انداز سے اپنے وطن سے محبت کا اظہار کیا ہے وہ دوسرے ادب میں کم ہی ملے گا۔ ان کے قومی ترانے اور وطنیت کے سلسلے میں ان کی دوسری نظمیں لائق داد ہیں اگر ان کی حب الوطنی سے انکار کیا جائے تو میں کہوں گا ہم اچھی شاعری کی قدر کرنا نہیں جانتے۔ علامہ اقبال کی نظر اس منزل تک پہنچ چکی تھی جس سے آگے کوئی دوسری منزل نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ شاعری کے میدان میں سب سے سبقت لے گئے اگر میں انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتا ہوں تو صرف اس لئے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو شاعری کی دنیا میں ایک بڑا خلا رہ جاتا۔

صاحب صدر اقبال کو انتہائی دلی خراجِ عقیدت پیش کر کے واپس مسندِ صدارت پر تشریف لے جا چکے ہیں۔

لوگ اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت رات کے پونے گیارہ بج چکے ہیں۔ مائیک پر ملک زادہ منظور نے اعلان کیا ہے۔ حضرات اب مشاعرے کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اس پر زوردار تالیاں بجی ہیں۔ سنئے منظور صاحب فرما رہے ہیں۔ میرا المیہ یہ ہے کہ میں اکثر مشاعروں میں شعرا کا تعارف کراتا ہوں۔ میرا تعارف کرانے والا ان مشاعروں میں کوئی نہیں ہوتا اس لئے میرا

تعارف اکثر خود کراتا ہوں۔ شاید منظور صاحب کی یہ شکایت بجا نظر آتی ہے۔ اس مشاعرے میں بھی ان کا تعارف کسی نے نہیں کرایا اس لئے وہ خود ہی فرما رہے ہیں۔ مجھے ملک زادہ منظور کہتے ہیں اور میں لکھنؤ کا رہنے والا ہوں۔ دلی کی روایت میں سب سے پہلے اپنا کلام سناتا ہوں۔ یہ اس لئے نہیں کہ میرا کلام خراب ہے بلکہ اس لئے کہ میرے کئی ساتھیوں کو تقدیم و تاخیر کے سلسلے میں شکایت رہی ہے۔

سنئے موصوف ... میں اپنی غزل کا مطلع پڑھ رہے ہیں

نہ خوف برق نہ خوفِ شرر لگے ہے مجھے
خود اپنے باپ کے پھولوں سے ڈر لگے ہے مجھے

مطلع پر کوئی خاص داد نہیں مل سکی ہے۔
منظور صاحب اپنا دوسرا شعر پڑھ رہے ہیں

عجب درد کا رشتہ ہے ساری دنیا میں
کہیں ہو جلتا مکاں اپنا گھر لگے ہے مجھے

اس شعر پر انہیں داد ملی ہے
سنئے ملک زادہ منظور ایک اچھا شعر سنا رہے ہیں جس پر خاصی داد مل رہی ہے۔

میں ایک جام ہوں کس کس کے ہونٹ تک پہنچوں
غضب کی پیاس لئے ہر اک بشر لگے ہے مجھے

اور اب آواز دی جا رہی ہے رفعت سروش کو۔ رفعت صاحب فرما رہے ہیں کہ
ابھی ابھی جناب وی۔ش۔نکر نے پیالوں کا ذکر کیا میں نے بھی اپنے ایک قطعے میں پیالوں کی بات کہی ہے۔ سنئے۔

کتنے نظر فریب ہیں ان بوتلوں کے رنگ
جن بوتلوں میں فلسفۂ مغربی ہے بند
ہم تشنہ کام ہند ہیں اے پیرِ میکدہ
ہم کو تو جام غالب و اقبال ہے پسند

اس قطعہ پر مناسب داد پانے کے بعد رفعت سروش نے غزل کے چند اشعار سنائے ہیں جن پر اچھی داد ملی ہے۔ چند اشعار آپ بھی سنئے۔

اچھا یہ کرم ہم پہ تو صیاد کرے ہے
پر نوچ کے اب قید سے آزاد کرے ہے

اے بادِ صبا ان سے یہ کہیو ذرا جا کر
پردیس میں اک شخص تمہیں یاد کرے ہے
آوے ہے ترا نام تو ہنس دے ہے اکثر
دیوانہ ترا یوں بھی تجھے یاد کرے ہے

سچ تو یہ ہے کہ اب تک مشاعرے میں "گرمی" پیدا نہیں ہو سکی ہے اور اسی خیال کے پیش نظر شاید منظور صاحب نے مشاعرہ مار شاعر ڈاکٹر بشیر بدر کو آواز دی ہے۔ بشیر بدر نے آج کے ماحول کے پیش نظر پہلے چند اشعار تحت میں سنائے ہیں۔ سنئے

سوئے کہاں تھے آنکھوں نے تکئے بھگوئے تھے
ہم بھی کبھی کسی کے لئے خوب روئے تھے

مطلع پر مناسب داد پانے کے بعد بشیر بدر اپنا اگلا شعر جمیل جالبی کی نذر کر رہے ہیں جن کا تعلق میرٹھ سے ہے اور اب جہاں بشیر بدر ایک کالج میں استاد ہیں

انگنائی میں کھڑے ہوئے بیری کے پیڑ سے
وہ لوگ چلتے وقت گلے مل کے روئے تھے

اس شعر پر بھی داد ملی ہے۔ دو اشعار اور بھی سنائے گئے ہیں اور اب بشیر بدر مشاعرے کا حق" ادا کرتے ہوئے ترنم سے ایک ہلکی پھلکی غزل سنا رہے ہیں۔ اس غزل کے اشعار عام مشاعرے میں تو اُن کے ترنم کی وجہ سے چھتیں پھاڑ دینے والی داد حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن اس مشاعرے میں ہال کو گونجا دینے والی داد بھی نہیں ملی شاید اسی وجہ سے سامعین کو یہ کہہ متوجہ کرنا پڑا کہ آپ حضرات جب، خاموش رہتے ہیں یعنی شاعر کو داد نہیں دیتے تو ہم شاعر سمجھتے ہیں کہ ہمیں پسند نہیں کیا جا رہا ہے اور شاید یہ بات صحیح بھی ہو۔ اسی لئے بشیر بدر اپنی جگہ واپس جا رہے ہیں۔

ملک زادہ منظور فرما رہے ہیں۔ حضرات میں بغیر کسی تمہید کے اب ہیکل انساہی کو آواز دے رہا ہوں۔ ہیکل کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے مائیک پر آکر فرما رہے ہیں۔ حضرات میں بھی بغیر کسی تمہید کے ایک شعر سنا رہا ہوں

الجھنوں کے جمگھٹ میں زندگی اکیلی ہے
ان گنت لکیریں ہیں اور اک ہتھیلی ہے

اس شعر کے بعد دو شعر اور بھی تحت میں سنائے ہیں سامعین

کی خاموشی کو دیکھ کر انھیں بھی شاید یہ احساس ہو رہا ہے کہ مشاعرے کا "حق" ادا کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے علامہ اقبال کے چند قوافی اخذ کر کے کہی گئی غزل ربقول ان کے ترنم سے سنانی شروع کی ہے۔

مطلع سنئے، نہ کمالِ ملک دنیا نہ جلال بادشاہی
مرے واسطے ہے کافی تری دی ہوئی گدائی

اور واقعی بیکل کا ترنم اور اس غزل کے بعض اشعار اپنا کام کر گئے ہیں اور انہیں مناسب داد مل گئی ہے۔ بیکل غزل سنا کر واپس جانا چاہتے تھے کہ سامعین کے اصرار پر انہیں دوبارہ مائیک پر آنا پڑا ہے اور ایک گیت بیکل جی گاؤں کو لوٹ چلو اس شہر کے لوگ ہٹیلے ہیں ۔ سنایا ہے۔ یہ گیت بھی پسند کیا گیا ہے۔

اور اب سنئے بیکل اتساہی کو بغیر تمہید کے بلانے والے اناؤنسر صاحب علی گڑھ یونیورسٹی کے استاد شہریار کا تعارف کراتے ہوئے فرما رہے ہیں۔ کہ اس مشاعرے میں ہر مکتبۂ فکر کے شاعر کو مدعو کیا گیا ہے حسن و عشق کے تذکرے کے ساتھ ساتھ افکار قلم سے بکھرے موتی بھی اس محفل کو جگمگا رہے ہیں۔ غزل دورِ حاضر کے تقاضوں کو اس وقت تک پورا نہیں کر سکتی جب تک اس میں دل کے ساتھ ہی دماغ سے نکلی ہوئی باتیں شامل نہ ہوں۔ اس سلسلے کی نمائندگی کرنے والے شاعر جناب شہریار آپ کے سامنے آ رہے ہیں اور واقعی شہریار نے ملک زادہ منظور کے تعارف کا حق ادا کر دیا۔ چند اچھے اشعار آپ بھی سنئے۔

سماں تھا حشر کا ان بے چراغ گلیوں میں
دیارِ خواب پہ جس رات سنگ باری ہوئی
ہمیشہ رہنا ہے بے فصل ان زمینوں کو
بلا سبب بھی ندی آنسوؤں کی جاری ہے
وہ ... کی سلطنت
فوج ہاری ہوئی

اور اب ایک ! ... ملک زادہ منظور تعارفی تمہید سے گریز کرتے ہوئے فرما رہے ہیں۔

حضرات ! میں اس اعتماد کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا جو آپ کے اور میرے درمیان قائم ہے۔ اس لئے میں متعارف شخصیتوں کا تعارف کرانا نہیں چاہتا۔ آخری جملہ پر ایک صاحب کہہ رہے ہیں۔ ادبی حیثیت سے متعارف شخصیتیں یا صرف مشاعروں میں دھوم دھام مچا دینے والی شخصیتیں۔

بہر حال اب آواز دی گئی ہے جمیلہ بانو دہلوی کو۔ جمیلہ مائیک پر پہنچ گئی ہیں اور بڑے اعتماد سے غزل کا مطلع پڑھا ہے۔

صحرا سا لگے ہے نہ بیاباں سا لگے ہے
یہ دل تری یادوں کا گلستاں سا لگے ہے

لیکن اسی اعتماد سے عام سامع اور شعرا کی طرف سے خاموشی کا اظہار کیا گیا ہے۔ مطلع کے بعد ارشاد ہوا ہے۔

شیرازۂ ہستی کے بکھرنے کے ہیں آثار
ہر تارِ نفس آج پریشاں سا لگے ہے

اس شعر پر ہال میں سے کسی صاحب نے بہت زوردار انداز میں داد دی ہے۔ اتنی زوردار کہ ہال کی مکمل خاموشی میں ان کی زوردار آواز گونج اٹھی ہے۔ اس پر جمیلہ بانو نے بے ساختہ کہا ہے "شاید اُدھر کسی کا تارِ نفس کچھ پریشان ہو رہا ہے۔" اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا ہے اور اسی کے ساتھ سامعین کا کچھ اور ہی موڈ ہو گیا ہے۔ اس لئے جب جمیلہ بانو نے اپنا اگلا شعر پڑھا ہے تو اس پر بھی کسی طرف سے کچھ آوازیں آئی ہیں جنہیں سن کر جمیلہ کچھ خفا سی ہو گئی ہیں۔ اور فرما رہی ہیں حضرات اگر آپ اتنی دور تک نہیں پہنچ سکتے جہاں میں نے پہنچ کر یہ شعر کہا ہے تو میں واپس جا سکتی ہوں۔ اور میں نے دیکھا کہ جمیلہ واقعی واپس جا رہی ہیں۔ نہ صرف مائیک سے بلکہ اسٹیج سے بھی۔

لیجئے۔ اب کنور مہیندر سنگھ بیدی سحر کو آواز دی جا رہی ہے۔ کنور صاحب نے اس مشاعرے کے ایک نفسیاتی لیکن بڑی حد تک صداقت پر مبنی پہلو کو ابھار کر مجمع کو بڑا جذباتی بنا دیا ہے۔ آپ فرما رہے ہیں۔ حضرات! انسان کے دل میں بعض حالات کو دیکھ خواہشات جنم لیتی ہیں۔ میرے دل میں بھی یہاں بعض حضرات کو دیکھ کر ایک ہی خواہش ابھری ہے۔ کہ میں جس طرح آج ہمارے ملک کے وزیر خارجہ شری باجپائی اور پاکستان کے سفیر جناب فدا حسین کو ایک ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ یہ منظر میری آنکھیں اسی طرح دیکھتی رہیں۔ اس منظر کے علاوہ اس

سلسلے میں جو کچھ کہا، اسے دیکھنے سے قبل میری آنکھیں بے نور ہو جائیں
اس کے ساتھ بیدی صاحب نے وزیر خارجہ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا کہ اب ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ ہماری محبوب زبان اردو یقیناً زندہ رہے گی۔ اس کے بعد بیدی صاحب خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلے میں کہی گئی نظم کا ایک بند اور اقبال پر کہی گئی تازہ نظم کا بھی ایک ہی بند پڑھ کر واپس تشریف لے جا رہے ہیں۔ حالانکہ سامعین یہ نظم پوری سنانے کی فرمائش بھی کر رہے ہیں لیکن شاید بیدی صاحب کو کوتاہی وقت کا خیال ہے۔

بیدی صاحب کے بعد پاکستان سے آئے ہوئے مہمان شاعر دلاور فگار کو آواز دی جا رہی ہے۔ دلاور فگار مائیک پر آ چکے ہیں پاکستان جانے کے بعد نہ صرف ان کی شاعری کا حلیہ ہی تبدیل ہوا ہے بلکہ ان کا خود کا حلیہ بھی کافی بدلا ہوا نظر آ رہا ہے ورنہ بیچارے بدایوں کے سکول میں جب تک مدرس رہے مچھروں کا شکوہ ہی لکھتے رہے۔ بہرحال ان سے فرمائشیں کی جا رہی ہیں لیکن وہ پہلے اپنی تازہ نظم جو اقبال پر کہی ہے سنا رہے ہیں۔ نظم کے بعد انہوں نے چند اشعار غزل کے بھی سنائے ہیں۔ سنیئے۔

یارب مرے نصیب میں اکل حلال ہو
کھانے کو قورمہ ہو کھلانے کو دال ہو

مطلع میں طنز کا جو نشتر ہے اس نے بہت سے لوگوں کے چہرے زرد کر دیئے ہیں۔

اور سنئے دلاور فگار کیا سنا رہے ہیں۔

عورت کو چاہیئے کہ عدالت کا رخ کرے
جب آدمی صرف ضد کا خیال ہو
جلدی میں مونہہ سے میرے جمالو نکل گیا
کہنا یہ چاہتا تھا کہ تم ماہ جمال ہو
اک بار ہم بھی راہ نما بن کے دیکھ لیں
پھر اس کے بعد قوم کا جو کچھ بھی حال ہو

ان اشعار پر کافی داد پانے کے بعد دلاور فگار نے آخر مچھرس کا شکوہ بھی سنا ہی دیا۔ اور اس کے بعد ایک غزل کے چند اشعار اور بھی سنائے۔ ایک اچھا شعر آپ بھی سن لیجئے۔

میں جب غزل میں گلستاں کا ذکر کرتا ہوں
وہ پوچھتے ہیں گلستاں کی فارسی کیا ہے

اور اب بھوپال میں ترقی پسند غزل کی نمائندگی کرنے والے شاعر اختر سعید مائیک پر تشریف لائے ہیں۔ اختر صاحب کی غزل میں ترقی پسندی کا لہجہ اور غزل کا حسن دونوں شامل ہیں۔ اسی لئے ان کی غزل کو توجہ سے سنا جا رہا ہے اور اس پر داد بھی مل رہی ہے ملاحظہ کیجئے۔ اختر صاحب فرما رہے ہیں

اک نہ اک عنوان شرح آرزو کرتے رہو
کچھ زمانے کی کچھ اپنی گفتگو کرتے رہو
سرزمین دل سے گزرو یا ستاروں پر چلو
ہر قدم پر زندگی کی جستجو کرتے رہو
شوخیٔ دست جنوں کے ہم بھی قائل ہیں مگر
جب ذرا فرصت ملے دامن رفو کرتے رہو
اپنی آشفتہ بیانی کون سنتا ہے یہاں
شہر ناپرساں میں شور ہاؤ ہو کرتے رہو

اختر سعید مناسب داد پا کر اپنی جگہ تشریف لے جا چکے ہیں اور اب ملک زادہ منظور فرما رہے ہیں کہ اس مشاعرے کے پہلے دور کے اختتام میں اب صرف اہم شعرا کے نام باقی بچے ہیں۔ میں ان میں سے ایک ایسی شاعرہ کو آواز دے رہا ہوں جو اردو شعر و ادب کی دنیا میں ممیز و ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ میری مراد بیگم ممتاز مرزا سے ہے۔

بیگم ممتاز مرزا اقبال کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک مسلسل نظم ہلکے پھلکے ترنم کے ساتھ سنائی ہے جس پر داد بھی ملی ہے۔ نظم کے بعد بیگم صاحبہ ایک غزل کے چند اشعار سنانا چاہتی تھیں لیکن کسی نے کہا کہ اتنے عظیم شاعر کو اس قدر خوبصورت انداز میں خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد غزل کا پیش کیا جانا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ موصوفہ نے اس تجویز کو تسلیم کر لیا اور اپنی جگہ واپس چلی گئیں۔

اور اب ایک ایسے شاعر کو آواز دی جا رہی ہے جس نے اس عہد میں اقبال پر نہ صرف بے شمار نظمیں ہی کہی ہیں بلکہ اقبال کی شاعرانہ عظمت کے سلسلے میں بعض نئے گوشوں کی تلاش بھی کی ہے

اور وہ ہیں پروفیسر جگن ناتھ آزاد۔ آزاد صاحب مائیک پر تشریف لے آئے ہیں اور تحت اللفظ میں ایک نظم سنانی شروع کی ہے نظم اقبال سے متعلق ہی ہے اس لئے توجہ سے سنی جا رہی ہے۔

لیجئے۔ ڈاکٹر کلیم عاجز مائیک پر آ رہے ہیں ان کا تعارف جس انداز سے کرایا گیا تھا اس کا حق ادا کرنے کے لئے ہی انہوں نے اقبال پر ایک طویل نظم سنانی شروع کی ہے لیکن بات نہیں بن سکی ہے اور نظم کی طوالت نے سامعین کو ضرورت سے زیادہ "مضطرب" (یا "عاجز") کر دیا ہے۔ شاید یہ کلام کرنے والے کے "عجز" کا صلہ تھا۔

خیر ڈاکٹر کلیم عاجز نے نظم کے بعد ایک غزل سنانی شروع کر دی ہے۔ موصوف بھی مشاعرے کا "حق" ادا کر رہے ہیں یعنی ہلکی پھلکی غزل کے اشعار کو ترنم سے سنا رہے ہیں تاکہ نظم کے انجام کو خوشگواری میں تبدیل کیا جا سکے۔ لیکن بات ذرا صاف ضرور ہے۔ جم نہیں پا رہے ہیں۔ چند اشعار آپ بھی سن لیجئے اور داد کا اندازہ خوب ہی لگایئے۔

شاعری کام ہے پیارے بڑی مشکل والا
درد والا وہی بنتا ہے جو ہے دل والا
لائقِ زخمِ محبت ہے وہی دل والا
رقص کرنا جسے منظور ہو بسمل والا
شمع گل والا، صبا والا، عنادل والا
مجھ کو ہر کام ملا ہے بڑی مشکل والا
شمع کو دیکھ کے پروانہ سا ہو جاتا ہوں
میں ہوں شاعر کسی اُجڑی ہوئی محفل والا

کلیم عاجز واپس جا چکے ہیں اور اب ملک زادہ منظور سامعین سے اس گزارش کے ساتھ غلام ربانی تاباں صاحب کو آواز دے رہے ہیں کہ وہ مشاعرے کو کامیاب بنانے میں ان کا ساتھ دیں۔ لیکن محترم مشاعرہ تو کامیاب ہوتا ہے شاعر کے کلام سے۔ خیر تاباں صاحب، منظور صاحب کی گزارش کو پُر اثر بنانے میں کامیاب نظر آتے ہیں اور انہیں مطلع ہی سے داد ملنی شروع ہو گئی ہے۔ آپ بھی سُنئے:

دل کو کیا کہیے کہ ہر رنگ وہ بیکل سا لگے
کوئی موسم ہو مگر دور سے بادل سا لگے

اس مطلع کے بعد بھی تاباں صاحب نے چند اشعار سنائے ہیں اور مشاعرے کو کافی گرما دیا ہے۔ سنئے:

برق و خرمن کی سیاست کا یہاں کس کو دماغ
دور سے اُٹھتا دھواں پیاسوں کو بادل سا لگے
یہ بھی اک شعبدۂ گردِ سفر ہے کہ نہیں
کارواں ساتھ ہے اور آنکھ سے اوجھل سا لگے
اک دھندلکے میں نہاں وقت کی تحریر بھی ہے
یوں تو لہراتا ہوا شام کا آنچل سا لگے

تاباں صاحب نے مشاعرے کے موڈ کو بڑی حد تک بدل دیا ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک زادہ نے یہ کہہ کر ڈاکٹر وحید اختر کو آواز دی ہے کہ جو لوگ مطالعہ کرتے ہیں اور ہمارے ادب سے واقف ہیں ان کے لئے ڈاکٹر وحید اختر کا نیا نہیں ہوگا۔

ڈاکٹر وحید اختر مشاعرے پر چھا جانے والی غزل پڑھ رہے ہیں اور بے پناہ داد حاصل کر رہے ہیں۔ ان کی غزل کے چند اشعار آپ بھی سُنئے

جس کو مانا تھا خدا خاک کا پیکر نکلا
ہاتھ آیا جو یقیں وہم سراسر نکلا
کل جہاں ظلم نے کاٹی تھیں سروں کی فصلیں
نم ہوئی ہے تو اسی خاک سے لشکر نکلا
کفِ تہی دست ہر اک شاخ خزاں تھی جب تک
فصلِ گُل آئی تو ہر شاخ سے خنجر نکلا
غمِ انساں کی رسالت پہ ہوئے ہم فائز
اپنی ہی شاخِ سخن پر یہ گُلِ تر نکلا
عرش پر آج اُترتی ہے زمینوں کی وحی
کرۂ خاک ستاروں سے منور نکلا
ہر پیمبر سے صحیفے کا تقاضا نہ ہوا
حق کا یہ قرض بھی نکلا تو ہمیں پر نکلا

ڈاکٹر وحید اختر کامیاب غزل سنا کر واپس جانا چاہتے تھے کہ سامعین کے بے حد اصرار پر آپ مائیک پر دوبارہ تشریف لائے ہیں اور ایک نظم "غبار روز تماشہ" سنا

ہے۔ اس نظم پر بھی آپ کو کافی داد ملی ہے۔

ڈاکٹر وحید اختر نے کامیابی کی جس منزل کو چھو کر اپنی غزل سنائی ہے اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ شاید آپ کے بعد دوسرا کوئی شاعر اس قدر کامیاب نہ ہو لیکن اعجاز صدیقی (مدیر شاعر) نے جس اعتماد سے اپنی تازہ غزل کے اشعار سنائے اس نے اس مشاعرے کو اور بھی جگمگا دیا چند اشعار آپ بھی سنئے جن پر موصوف کو خاصی داد ملی ہے۔

جو گھر بھی ہے ہم صورتِ مقتل ہے ذرا چل
کھڑکھائیں شہیدوں کے دریچوں کو ہوا چل
اس دور میں ہر منظرِ ہستی ہے چلا چل
چلنے کی سکت بھی ہے اس سے بھی سوا چل
ہو مصلحت آمیز کہ نا مصلحت آمیز
جیسا بھی ہو ہر رنگ تعلق کو نبھا چل
رکنا ہے تو اک بھیڑ کو ہمراہ لگا لے
چلنا ہے تو یا ہم سفر و راہ نما چل
تعزیرِ تعلق میں بھی ہے لطف تعلق
کچھ اور نہیں ہے تو مرا دل ہی دکھا چل

ترشی ہوئی دھرتی کی طرف دیکھ نہ مڑ کر
تو اپنے ہی ساحل پہ برسنے کو گھٹا چل
نکلی ہے اگر دھوپ تو کجلائی ہوئی ہوگی
بدلی ہی میں سوکھے ہوئے دامن کو سکھا چل

اور اب آخر میں سردار جعفری کو زحمتِ کلام دی جا رہی ہے جعفری صاحب ایک نظم "سرِ طور" سنا رہے ہیں جس میں انسان کی قوتِ تسخیر کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس نظم کو کافی پسند کیا جا رہا ہے۔

سردار جعفری کی اس نظم کے ساتھ مشاعرے کا پہلا دور ختم ہوا۔ اس وقت سوا بارہ بجے ہیں۔ دوسرے دور میں سب سے پہلے دلاور فگار کو آواز دی گئی۔ لیکن اسٹیج سے تقریباً تمام شعرا اُتر چکے ہیں۔ سامعین بھی کوئی خاص دلچسپی کا اظہار نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ بیشتر سامعین ہال سے باہر جا رہے ہیں دلاور فگار بھی اس بات کو محسوس کر چکے ہیں اور صرف ایک نظم سنا کر مائیک سے ہٹ گئے ہیں اور اسٹیج پر اکیلے بیٹھے ہوئے اناؤنسر بھی اسٹیج سے اُتر رہے ہیں۔ میں بھی آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔　　خدا حافظ

بقیہ معیار کی کسوٹی پر

کیفِ تمام

مجموعۂ کلام جناب خان جلیل نعمانی رامپوری
حجم ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۱۲۸ صفحات۔

کاغذ کتابت اور طباعت بہترین، جلد بہترین قیمت دس روپے

جلیل نعمانی صاحب، اصغر گونڈوی، فانی بدایونی، یگانہ چنگیزی، حسرت موہانی، جگر مرادآبادی، حفیظ جالندھری اور فراق گورکھپوری ایسے شعرا کے ہم عصر ہیں اور جناب عرشی رامپوری کا یہ فرمان حق بجانب ہے کہ جلیل صاحب کی شاعری کو اگر کوئی نام دیا جا سکتا ہے تو وہ ہے "رنگِ رامپور"۔ دبستان رامپور کا رنگِ شاعری، دہلی اسکول کی سلاست، فصاحت روزمرہ محاورہ اور لکھنؤ اسکول کی نفاست پاکی اور سادگی و بے ساختگی سے عبارت ہے دبستان رامپور کے اس قابلِ قدر شاعر کا کلام پڑھنے کے بعد آپ بقول عرشی صاحب اس کی تصدیق فرمائیں گے کہ جلیل صاحب نے اپنی آواز نہ تو پہلے طبقے کے شعرا کی آواز میں گم کی اور نہ دوسرے طبقے کے شعرا کی آواز میں ملائی۔ ان کی کوئی غزل ایسی نہیں ملے گی جسے یا تو ان اساتذہ متاخرین کی آواز بازگشت کہا جا سکے یا ترقی پسندی کی دین۔

اگر آپ واقعی غزل کا لطف لینا چاہتے ہیں تو کیفِ تمام پڑھیے آپ یقیناً اپنی ذاتی لائبریری میں ایک قابلِ قدر مجموعہ کا اضافہ کریں گے۔

بات ادھوری رہ جائے گی اگر جناب محمد ایاز خان صاحب کے (ایاز یا عیاض کیونکہ مجموعہ میں یہ اسم گرامی دونوں طرح سے چھپا ہے) ذوقِ سلیم اور اردو پرستی کی داد نہ دی جائے جن کے طفیل یہ بہترین مجموعہ کلام وجود میں آیا ہے۔ یہ مجموعہ مکتبہ بزمِ شعرا رامپور (یوپی)، یا دفتر نشانِ ہند دہلی ۶ سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

معیار کی کسوٹی پر

ماہنامہ شاعر: ہم عصر اردو ادب ۷۷ء

اعجاز صدیقی صاحب کا شمار ہند و پاک کے ان ذہین صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی ادبی ذہانت اور اپنے صحافی شعور کو بروئے کار لاکر ماہنامہ شاعر کے انتہائی اہم، موقر اور وزنی "خاص نمبر" شائع کئے ہیں۔

ادبی رسائل کا اجرا یوں تو بڑا آسان ہے۔ ادھر ہر سال اردو کے کئی ماہنامے بڑی اشتہار بازی کے ساتھ جاری کئے جاتے ہیں۔ ان کے اجراء کے وقت کافی خوبصورت ہال میں جلسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان ماہناموں کو ایک "مخصوص ادبی حلقے" کا علمبردار بتایا جاتا ہے۔ کسی ایسے معروف وزیر کے ہاتھوں ان کی "رسم اجرا" عمل میں لائی جاتی ہے جو نہ تو اس ادب سے تعلق ہی رکھتا ہے اور نہ اس زبان کے معاملے میں مخلص ہی ہوتا ہے جس میں ان رسائل کی اشاعت کی جاتی ہے اور پھر سب سے بڑا غیر سنجیدہ پہلو یہ بھی ہے کہ ان رسائل سے متعلق اکثر حضرات اس زبان اور اس ادب کے لئے خود بھی غیر مخلص ہوتے ہیں۔ نہ ان میں جدوجہد کا جذبہ ہوتا ہے اور نہ وہ شعور جو ادبی رسائل کے "مقاصد" کو زندہ رکھنے کے لئے ناگزیر ہے اور جیسے آج بھی دنیائے شعر و ادب کا ایک بڑا طبقہ پورے طور پر سنجیدگی کے ساتھ برتنے اور اختیار کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دو شماروں کی اشاعت پر ہزاروں روپیہ ضائع کرنے کے بعد ایسے حضرات دنیائے صحافت و ادب سے غائب ہو جاتے ہیں۔

عام طور پر رسائل کا اجراء جس قدر آسان ہے اسے نباہنا اسی قدر مشکل ہے اور پھر کسی رسالہ کا کوئی خاص نمبر شائع کرنا یقینی طور پر جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس دور میں جب کہ اردو کے سنجیدہ پہلو کو زندہ اور تازہ رکھنا تو الگ عام حالات بھی کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ اگر کوئی اس جانب سنجیدگی کے ساتھ قدم اٹھاتا ہے تو واقعی یہ بات حیرت انگیز ہے۔ اعجاز صدیقی صاحب اس ہمت کا مظاہرہ ایک بار نہیں بار بار کر چکے ہیں۔ "شاعر" کے وہ خاص نمبر جو تقسیم وطن کے بعد شائع ہوئے ادبی تاریخ کے ایسے زریں اوراق ہیں جن کی چمک اس وقت تک باقی رہے گی جب تک سنجیدہ ادب کو سمجھنے پرکھنے اور اختیار کرنے والا ایک شخص بھی موجود ہوگا۔

"ہم عصر ادب نمبر" میں اعجاز صاحب کی اولوالعزمی اور جانفشانی، ادبی نیز شعری شعور پوری طرح نمایاں ہے۔ موصوف نے نہ صرف شعر و ادب سے متعلق اہم موضوعات پر باشعور اور سنجیدہ اہل قلم سے بہترین مضامین ہی لکھوائے بلکہ ان کی ترتیب میں بھی انتہائی اعلیٰ شعور اور وسیع النظری کا ثبوت دیا ہے۔ ان مضامین میں نہ صرف جدید نظریات (عصر نو کی حد تک) کا بھرپور جائزہ ہی لیا گیا ہے بلکہ اکثر اہل قلم نے ایک معتدل رویّے کو اختیار کر کے ادبی اقدار سے متعلق چند بحث طلب مسائل پر گہرے شعور کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ خود مدیر محترم کا وہ ذہنی اعتدال ہے جسے انہوں نے اپنے اداریے (جرعات) میں ظاہر کیا ہے اور ادب و شعر سے متعلق احساسات، خیالات اور نظریات کی انتہاپسندی کو ادبی حلقوں کا مسخرا پن قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہ تو ایسے "مسخرے قلم کاروں" کو "دعوت فکر و نگاہ" دی ہے اور نہ ایسے گوشوں کو ابھارنے والے پہلوؤں کو اس نمبر میں شامل ہی کیا ہے۔ اعجاز صدیقی صاحب کا یہ قدم واقعی سنبھلے ہوئے معتدل اور غیر جانب دار رویّے کا پتہ دیتا ہے۔

۳۰۴ صفحات کے اس نمبر کی قیمت ۱۲ روپے ۵۰ پیسے ہے جو اس کی نفیس کتابت، خوبصورت سرورق، اعلیٰ طباعت اور اہم مواد کے پیش نظر کسی طرح گراں نہیں۔ ملنے کا پتہ۔ ماہنامہ شاعر بمبئی ۴ نیز مکتبہ شان ہند دہلی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ایس۔ ایم عابد نقوی۔ لندن

پیرس کی آخری شام

اپنے والدین کو شش و پنج میں مبتلا کر، اداس اور رنجیدہ خاطر چھوڑ یورپ کی سرزمین پر واپس آگیا۔ اس کا چین و سکون چھن چکا تھا۔ رات کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ محبت اس کیلئے خواب و خیال بن کر رہ گئی۔ برتھا (Bertha) سے کئے گئے وعدے اس کے دل کی کسک کو بڑھا رہے تھے۔ برتھا اس کا انتظار کر رہی ہوگی ..... برتھا اسے بے وفا سمجھے گی ... اس کربناک احساس سے اس کا دل پھٹ رہا تھا۔ کبھی جی میں آتا کہ والدین کی مرضی کے خلاف برتھا کو اپنا لے۔ لیکن اتنی جرأت کہاں سے لائے؟ اسے اپنی اور اپنے خاندان کی عزت بھی تو عزیز ہے۔ اپنے والدین سے کئے ہوئے وعدے کا بھی تو پاس و لحاظ ہے۔ وہ اپنی ماں کا دل کیسے توڑ سکتا ہے؟ اپنی مجبوری و بے بسی پر اسے غصہ آ رہا تھا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ آنکھیں بوجھل تھیں لیکن نیند کا کوسوں پتہ نہ تھا وہ تنہا ہی یادوں کے صحرا میں بھٹک رہا تھا۔

اسے یاد آیا وہ دن جبکہ خاندان کے تمام افراد نے اشکبار آنکھوں سے اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن روانہ کیا۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو اور زبان پر دعائیں تھیں۔ باپ نے مشفقانہ انداز میں نصیحت کی رنگینیوں میں ڈوب نہ جانا۔ باجی نے ہنستے ہوئے کہا کہ بھیا! ڈگری کے ساتھ ساتھ کسی فرنگی بندریا کو دم چھلا بنا کر نہ لانا۔ اس طرح وہ بیرسٹر بننے کی تمنا لے کر لندن آگیا۔ [illegible]ب اور سعادت مند بیٹے کی طرح وہ حصول تعلیم کے دوران بہت [illegible] رہا۔ لیکن تنہائیوں کے صحرا میں بھٹکتے ہوئے اچانک ایک دن اسے برتھا ملی اور برتھا کی نیلی آنکھوں میں کھو کر وہ سب کچھ بھول گیا صرف برتھا کو پا لینے کا احساس شدت سے جاگ اٹھا تھا۔

برتھا سے اس کی ملاقات دو سال قبل پیرس جانے والے بلین میں ہوئی ... سیاحت جمشید کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ یورپ کے تقریباً سبھی اہم مقامات کی سیر کر چکا تھا۔ اس سال پیرس جانے کا ارادہ ہوا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ پیرس کی رنگین شاموں میں وہ اس قدر ڈوب جائے گا کہ خود کو بھی گنوا بیٹھے گا۔ سپید رنگت، گلابی عارض، سنہرے بال، سمندر کی طرح چمکتی ہوئی نیلی آنکھیں۔ ایوننگ ان پیرس سے مہکتا جسم برتھا کے سراپا میں سمٹ کر اسے یوں بے بس کر دے گا۔ دونوں ایک دوسرے سے بیحد متاثر ہوئے اور بہت جلد ہی اچھے دوست بن گئے۔ برتھا نے اسے اپنے گھر مدعو کیا۔

دوسرے دن ہی جمشید اس کے گھر پہنچا۔ برتھا نے اپنے والدین سے اس کا تعارف کرایا۔ وہ لوگ بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ اس طرح برتھا اس کے دل کی دھڑکنوں میں سما گئی۔ پیرس میں اس کی شامیں برتھا کے قرب سے مہکتی رہیں۔ شروع شروع میں برتھا کی بے باکی اس کی نگاہوں میں کھٹکتی تھی۔ وہ اکثر اس کی بے حجابیوں پر گھبرا جاتا کیونکہ وہ اپنے ماحول کا عادی تھا جہاں چھوئی موئی کی طرح نازک اندام لڑکیاں اپنی شرمیلی اداؤں سے دلوں کو موہ لیتی ہیں۔ لیکن بلوریں جام میں چھلکتے شراب کی طرح اس کے حسن و شباب نے جمشید کو مدہوش کر دیا۔ اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پیرس کے سارے نظارے ان کے پیار پر رشک کرنے لگے۔ کتنا بلند ہے یہ پیار کا جذبہ! ایفل ٹاور سے بھی بلند عظیم!!

اس کی نظروں میں ایفل ٹاور گھومنے لگا ——— اور خوبصورت و دلکش تھیں۔ آہنی پنجرے کی شکل میں ——— طرح کھڑا ہے۔ نیچے سے دو لفٹ اوپر کی طرف جاتی ہوئی نظر آتی ہیں چوتھی منزل پر کچھ کانٹے اور ہوٹل وغیرہ ہیں لیکن شام حسین تھی ساتھی خوبصورت تھا۔ شاد و بشاشہ چلتے ہوئے وہ ٹاور کی [illegible]

پہنچ گئے۔ یہاں چاروں طرف جالیاں لگی ہوئی ہیں تاکہ زندگی کے شکست خوردہ انسان موت کو شکست نہ دے دیں۔ انہوں نے کھلی کھلی جالیوں سے پورے شہر کا نظارہ کیا۔ برتھا اسے ٹاور سے لگے ہوئے اسٹینڈ پر لے گئی جہاں کئی آٹومیٹک دُوربین نصب تھے جن کی وجہ سے پیرس شہر کی ساری دلکشی و رعنائی سمٹ کر قریب آ گئی تھی اور جب شام گہرآلود رات کے سائے میں ڈھلنے لگی تو دونوں واپس لوٹ رہے تھے۔ ایک عہد کے ساتھ ان کا پیار بھی ایفل کی طرح لافانی بلند اور عظیم رہے گا۔

اس کے بعد پیرس میں کوئی دن برتھا کے بغیر نہ گزرا۔ حسین گائیڈ نے سیر کا لطف دوبالا کر دیا۔ کبھی وہ دونوں گھومتی ہوئی سیڑھیوں کو طے کر کے نپولین کے مجسمہ تک پہنچ جاتے۔ برتھا سر جھکا کر جنگ آزادی کے ہیرو کو خراج عقیدت پیش کرتی۔ اکثر وہ "پیگالے" کی طرف نکل جاتے جہاں کی راتیں حسین و جوان ہوتی ہیں۔ وہاں سے صدر فرانس کی رہائش گاہ ایلیسی پیلس (Champs Elysee) کی طرف جس کی پشت پر سڑک کے عین وسط میں چار فوارے ہوا میں پانی اُچھالتے ہوئے اس کی دل کشی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اکثر وسیع و عریض سڑک سازلیشران (St. Lahane) کے کنارے کنارے دونوں طرف لگے ہوئے درختوں کی چھاؤں میں دُور تک چلے جاتے یہاں جگمگاتی دوکانیں، ہوٹل اور بڑے بڑے شوروم ہیں۔ ان جگمگاتے ہوٹلوں میں انہوں نے کتنی شامیں گزاری تھیں۔ برتھا کے ساتھ وہ (Arc de Triumph) بھی گیا جس نے ان نامعلوم سپاہیوں کی یاد تازہ کر دی جنہوں نے صدیوں پہلے شمع آزادی کو سلگانے کے لئے اپنے چراغِ زندگی کو پھونک ڈالا تھا۔ برتھا کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی عقیدت سے جھک گیا۔ پھر وہ مقبرہ کے اوپر گئے جہاں سے پیرس روشنی میں ڈوبا ہوا شہر معلوم ہوتا تھا۔

نہ جانے ایسی کتنی شامیں اس نے برتھا کے ساتھ گزاریں۔ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ جمشید کے خواب و خیال میں بس گئی۔ اس نے سوچا کاش وقت رُک جائے۔ کاش برتھا کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات ختم نہ ہوں۔ لیکن وقت رُکا ہے

وہ تو محبت کے لمحات کی جھولیاں یادوں کے سکّوں کا تیزی سے [illegible] کھسک جاتا ہے۔ چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں۔ محبت پر جنون طاری تھی۔ برتھا بھی اسے بے پناہ چاہنے لگی تھی۔ عہد و پیماں ہوئے اور ساتھ ہمیشہ ساتھ رہنے کی قسم کھائی۔ جمشید نے اپنے ہاتھوں سے انگوٹھی پہنائی۔

چھٹیاں ختم ہوتے ہی وہ لندن واپس آگیا۔ اپنی مصروفیت کے باوجود وہ پابندی سے خط لکھتا تھے تحائف بھیجتا رہا۔ برتھا بھی محبت کا جواب محبت سے دیتی رہی۔ اب تنہائی بوجھ بنتی جا رہی تھی۔ والدین کو اس بارے میں خط لکھا لیکن مایوسی کے سوا کچھ نہ ملا لہٰذا وہ خود ان کی اجازت حاصل کرنے کے لئے وطن آیا۔ ماحول کی سازگاری دیکھ کر ایک دن اس نے برتھا کا تذکرہ چھیڑا۔ پھر کیا تھا ہواؤں کے رُخ بدل گئے اور گھر میں ایک طوفان بپا ہو گیا۔ والد نے گھر چھوڑ دینے کی دھمکی دی اور والدہ نے دودھ نہ بخشنے کی۔ وہ اس طوفان پر حقیر تنکے کی طرح بہہ گیا۔ آج اس کی آنکھوں میں چہرے گھوم رہے ہیں۔ برتھا کا پُرکشش چہرہ اور چمکتی ہوئی دو نیلگوں آنکھیں، ماں کا ممتا بھرا نورانی چہرہ اور اشکبار آنکھیں... چچا اور والد کے غیض و غضب میں ڈوبے چہرے... باجی کا محبت بھرا چہرہ۔ ان کا جذباتی لیکن مدلل اندازِ گفتگو..... وہ کہہ رہی تھیں "جمشید سبز آنکھیں ہمیشہ بے وفا اور بے مروت ہوتی ہیں۔ خلوص، وفا، شوہر پرستی ان فرنگی میموں میں کہاں! یہ محفل کی روشنی ہوتی ہیں لیکن ان کے گھروں میں اندھیرا ہوتا ہے۔ آج پروفیسر بھٹ بستر علالت پر سسک رہا ہے اور اس کی چہیتی فرنچ بیوی اسے اس حالت میں چھوڑ کر بھاگ گئی۔ ہوش سنبھالو جمشید!"

"باجی! پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہیں۔" جمشید نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ارے کیا تم تاریخ سے نابلد ہو۔ ان فرنگیوں نے ہندوستان پر کتنے ظلم ڈھائے ہیں۔"

"لیکن باجی وہ تو انگریز تھے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] اس کا کیا قصور؟"

جاہ طلبی میں جلتے [illegible] انگریز ہو یا فرنگی۔ سب کو یورپ کا خون۔ اس قوم نے کسی کے ساتھ وفا نہ کی۔ یہ وہی لوگ تھے جو ہندوستان میں انگریزوں کے آنے سے پہلے تجارت کرتے تھے۔ پھر انگریزوں سے ساز باز کر کے انہیں یہاں بلا لیا۔ لیکن دونوں کے مفاد ٹکرائے تو لڑائیاں شروع ہو گئیں جب فرانسیسی فوج کو برٹش نے مار بھگایا تو انہوں نے ماریشس جزیرے میں پناہ لی اور وہاں سے چھپ چھپ کر حملے کرتے رہے ارے میاں! ان نامرادوں نے تو ہمارا چین اور سکون چھین لیا تھا۔"

اس کو روہانسا ہوتا دیکھ کر امی نے سمجھایا "بیٹا! یہ لڑکیاں بڑی آزاد ہوتی ہیں۔ ہماری لڑکیوں کی طرح باوفا، سلیقہ شعار اور شوہر پرست نہیں ہوتی ہیں۔ میں آج ہی خان صاحب سے اس سلسلے میں بات کرتی ہوں۔ ان کی لڑکی کی نند جہاں آرا "چندے آفتاب چندے ماہتاب" ہے۔"

"امی جان اگر آپ کی مرضی نہیں ہے تو میں برتھا سے شادی نہیں کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے لیکن مجھے کسی دوسری لڑکی سے شادی پر مجبور نہ کیا جائے۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

اپنے والدین سے یہ وعدہ کر کے وہ لندن واپس چلا آیا۔ اب اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور منزل کا یقین نہیں کر سکتا۔ فرض اور محبت کی کشمکش نے اس کا ذہنی و قلبی سکون چھین لیا۔ جتنا وہ برتھا کو بھولنے کی کوشش کرتا اتنا ہی وہ قریب آتی جا رہی تھی۔ اس کے کیے ہوئے وعدے پھانس کی طرح دل میں چبھ رہے تھے۔ اس کے دل کا کرب آنسو بن کر بہہ رہا تھا۔

"ارے جمشید! تمہیں کیا ہوا؟ رونی صورت کیوں بن گئے ہو؟" اس کے خاص دوست عامر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا بتاؤں عامر [illegible] تم حقیقت جانتے ہو۔" اس کی آنکھوں میں اداسی چھلک گئی

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

عامر یہ کہہ کر ہنسنے لگا۔ لیکن جمشید بدستور سنجیدہ رہا۔

"تو پھر تم برتھا سے انکار کر دو۔" عامر نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا

"یہ کیسے ہو سکتا ہے عامر! برتھا انتظار کر رہی ہو گی۔ میں نے اسے انگوٹھی پہنائی ہے۔"

"ہاہاہا... ہاہاہا... برتھا تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔ خوب بہت خوب!" — عامر نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا — "اماں یار! یورپ کی حسینائیں کب کسی کا انتظار کرتی ہیں۔ یہ بڑی فراخدل اور آزاد خیال ہوتی ہیں اس لیے ان کی محبت کا دائرہ بھی بہت وسیع ہوتا ہے۔ کسی ایک حد تک محدود نہیں ہوتا۔ یہ فرنگی دوشیزائیں ہماری ہندوستانی لڑکیوں کی طرح نہیں ہوتی ہیں جن کا حصارِ محبت صرف ایک حد تک محدود رہتا ہے... جو اپنے محبوب یا شوہر کے انتظار میں تمام عمر تنہائی کی آگ میں اپنے احساسات و جذبات کو سینے میں دبائے چپکے چپکے سلگتی رہتی... جن کے لیے پیار و محبت زندگی ہے۔ شوہر یا محبوب حاصلِ حیات لیکن ان یورپی حسیناؤں کے لئے پیار ایک محبوب مشغلہ ہے، وقت گزاری کا ایک ذریعہ دل بہلاوے کا ایک سامان...!"

جمشید نے بات کاٹتے ہوئے کہا "عامر! تم برتھا کو غلط سمجھ رہے ہو۔ وہ سراپا محبت ہے۔ مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔"

"کاش ایسا ہی ہو! لیکن جمشید کیا تم اپنے والدین کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤ گے؟"

"نہیں میں ایسا بھی نہیں کر سکتا۔" جمشید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر جمشید نے پوچھا "تم ہی بتاؤ عامر! کیا کروں؟"

عامر سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگا "تم برتھا سے کہو کہ شادی کے بعد اسے ہندوستان میں خالص مشرقی ماحول میں مشرقی طرز پر رہنا ہوگا۔ ہندوستانی تہذیب و تمدن کو اپنانا ہوگا۔ اس بات پر تم اپنے والدین کو رضامند کر لو

میں ... وہ راضی ہو جائیں گے اور برتھا کو اپنی بہو بنانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ کل ہی ایک خط ابا کے نام لکھ دو اور برتھا کو بھی خوشخبری سنا دو۔"

"گڈ... گڈ!" وہ اچھل پڑا۔

جمشید نے بڑی بے چینی سے ایک ہفتہ گزارا۔ خط کا جواب پا کر وہ خوشی میں ناچ اٹھا۔ اس کا رواں رواں خوشی سے جھوم اٹھا کہ اس کی محبت کی جیت ہوئی۔ اسے کیا پتہ تھا کہ اس کی جیت اس کی ہار ہے، اس کے احساسات کی زبردست شکست ہے۔ اس کے جذبات کو مجروح کرنے والا عظیم حادثہ ہے۔

ہجوم آرزو میں گھرا وہ تصور کی دنیا میں پہنچ گیا۔ حسین و جمیل برتھا سرخ غرارہ سلمی ستاروں سے جھلملاتی سرخ بلاوز میں ملبوس، پھولوں سے لدی ہوئی سرخ گھونگھٹ کے اندر جھکی جا رہی ہے۔ اس کے سپید ماتھے پر سرخ و سفید موتیوں کی جڑاؤ بندیا اور جھومر اسے کس قدر جاذب نظر بنا رہے ہیں...... برتھا کا یہ مشرقی روپ اسے بہت بھایا۔ خواب سے چونکا تو شام ہو چکی تھی۔ جلدی جلدی تیاری شروع کی۔ رات کے جہاز کے لئے سیٹ بک کروائی اور دوسرے دن صبح وہ پیرس میں 126 Ave Nue Jean Jauzes. کے دروازے پر کھڑا تھا۔ برتھا کے باپ نے بتایا کہ وہ شاپنگ کے لئے گئی ہے شاید شام کو مل سکے گی۔

جمشید بجھے دل سے اپنے ہوٹل واپس آیا۔ شام کو ملنے کے انتظار میں نئے نئے پروگرام بنانے لگا۔ وقت بے چینی سے کٹ رہا تھا۔ شام ہوتے ہی وہ تیزی سے اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی خیالات کے ہجوم میں گھرا ہوا وہ برتھا کے گھر پہنچا۔ وفور شوق سے گھنٹی بجائی۔ دروازہ کھلا۔ ایک دراز قد فرنچ شخص نے فرنچ میں پوچھا "آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"مادام برتھا سے،" جمشید نے آہستگی سے جواب دیا۔

اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے Sitting Room میں بیٹھنے کو کہا اور وہیں سے برتھا کو آواز دی کہ "تم سے کوئی کالا آدمی ملنے آیا ہے۔" گو اس کے لہجے میں تحقیر

نہیں تھی۔ تاہم جمشید کو ناگوار لگا لیکن محبوب کے دیدار کی تمنا نے تضحیک و تحقیر کے احساس کو کچل ڈالا۔ صوفے میں دھنستے ہوئے وہ خیالات کے تانے بانے بنتا رہا کہ برتھا اسے دیکھتے ہی دوڑ کر لپٹ جائے گی۔ شکوے شکایت کے دفتر کھول لے گی...... تم بے وفا ہو!...... جب سے گئے دوبارہ ملنے نہیں آئے۔ میں نے تمہارا کتنا انتظار کیا...... اتنے عرصہ کہاں رہے؟... کیسے رہے؟ اتنے مصروف رہے کہ میری یاد بھی نہ آئی...... وغیرہ وغیرہ۔ لمحہ بھر کو وہ یہ بھول گیا کہ یورپ میں ہے اور محبوبیت کا یہ اچھوتا انداز یورپ میں عنقا ہے۔

اس کی نگاہیں دروازے پر مرکوز تھیں۔ دروازے کے شیشے کے پار اسے برتھا نظر آئی۔ گلابی رنگ کے Poloneck-Top اور اسی رنگ کے mini skirt میں ملبوس وہ بہت حسین نظر آ رہی تھی۔ اس کی لمبی گلابی گردن کے گرد گلابی موتیوں کی مالا (Rosezz) اس کے حسن میں اضافہ کر رہی تھی۔ گویا پیرس کی کلوپطرا تھی۔ سارے پیرس کا حسن اس میں سما گیا تھا۔ ایوننگ ان پیرس کی خوشبو سے فضا کو معطر کرتی ہوئی وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کو آتا ہوا دیکھ وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا کہ اسے اپنی باہوں میں لے لے۔

"ہیلو! مائی سویٹ ہارٹ برتھا!" وفور مسرت سے اس نے ہاتھ آگے بڑھائے لیکن برتھا کا چہرہ سپاٹ تھا، کوئی تاثر نہ تھا جیسے نہ اس کی آمد کی کوئی خوشی ہوئی اور نہ عدم موجودگی کا کوئی غم تھا۔

"ہیلو مسٹر جمشید!" اس نے بے دلی سے کہا اور مصافحہ کے لئے رسماً ہاتھ بڑھایا۔

"میں میں......" برتھا کے رویہ نے اسے چونکا دیا۔ آواز اس کے حلق میں اٹکنے لگی۔ بمشکل کہا۔

"برتھا میں تمہارے لئے خوشی کا پیغام لایا ہوں...... تمہارے لئے تحفہ لایا ہوں...... لیکن...... لیکن میری انگوٹھی کہاں ہے؟ تم مجھ سے شادی کرنے والی تھیں نا!

تمہاری انگلی میں یہ کس کی انگوٹھی ہے ؟ اس نے بے چینی سے کئی سوالات پوچھ ڈالے

"ہاں یہ میری (engagement ring) ہے ۔ اس کرسمس پر میری شادی مسٹر جون سے ہونے والی ہے ۔" وہ اپنے اوسان کھو بیٹھا ۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ کیا کہتی رہی جیسے کہیں بہت دور سے برتھا کی آواز آرہی تھی ۔

" میرے والدین کہتے ہیں کہ کالے آدمی سے شادی نہ کرنا ۔ اس سے دوستی چھوڑ دو ۔ تم اپنا کوئی وہائٹ بوائے فرینڈ تلاش کرو . . . ." اس کی آواز میں سختی تھی ۔

جمشید میں مزید سننے کی تاب نہ تھی ۔ وہ تھکے ہوئے مسافر کی طرح باہر نکلا جیسے ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کر آیا ہو ۔ سورج غروب ہو رہا تھا ۔ پیرس کی شام اندھیرے میں لپٹتی جا رہی تھی ۔ اس کی دنیا بھی تاریک ہو چکی تھی ۔ پیرس کی رنگینیاں اس کی آنکھوں میں ماند پڑنے لگیں ۔ ایوننگ ان پیرس کی خوشبو سے دماغ پھٹ رہا تھا ۔ دماغ کے کھنڈر میں بیک وقت کئی آوازیں گونجنے لگیں . . . . تم کالے آدمی سے شادی نہ کرنا . . . خوبصورت سبز آنکھیں بے وفا ہوتی ہیں . . . . . ہا ہا ہا ! برتھا تمہارا انتظار کر رہی ہوگی . . ." آواز کی بازگشت سے گھبرا کر اس نے کان بند کر لئے ۔ شکست کے احساس نے اس کی رفتار تیز کر دی ۔ فرنگی بے وفا سبز آنکھوں والی !

اور پیرس کی شام تاریکی میں ڈوبتی جا رہی تھی ۔

ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے لیتھو کے صفحات خواجہ پریس چھتہ شیخ منگلو جامع مسجد دہلی اور سرور پاکٹ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر شان ہند فلیٹ ۸ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع کیا ۔

رازونیاز

جگدیش سرن سکسینہ راز کرہلوی

ہنس کر کہا خزاں سے دلِ دغدار نے
دیکھو یہ گل کھلائے ہیں فصل بہار نے

ترکش میں تیر روک لئے اک ادا کے ساتھ
گھائل بھی کر دیا نگہِ شرمسار نے

اُکر کہا سکون نہیں یوں بھی اور نہ یوں
پہلو بدل بدل کے دلِ بے قرار نے

یاس و امید کی نہ کوئی صبح ہے نہ شام
کیا کر دیا ہے گردشِ لیل و نہار نے

یا بات ہے کہ فرض پہ رہتی نہیں نگاہ
اگل بنا دیا ہے ہمیں اختیار نے

خود کو بھی دیکھ لیتے ہیں تو لگتا ہے کوئی اور
ایسا بنا دیا ہے غمِ روزگار نے

ذوقِ تلاشِ یار کو ناکام کر دیا
اے راز فکرِ ہستیِ ناپائیدار نے

غزل

نظیر صفی پوری

خارزاروں میں گل کھلاتے ہوئے
آرہے ہیں وہ مسکراتے ہوئے

نم ہیں پلکیں اداس اداس ہے دل
جی رہا ہوں میں مسکراتے ہوئے

مانگ افشاں سے بھر رہا ہے کوئی
کہکشاں کی طرح سجاتے ہوئے

اُن کے غم پی رہا ہوں ہنس ہنس کر
مسکراتا ہوں چوٹ کھاتے ہوئے

کبھی بھٹکے ہیں ہم بھی صحرا میں
خاک ویرانوں کی اڑاتے ہوئے

ہم نے پائے ہیں اُن کی راہوں میں
کچھ نئے نقش جگمگاتے ہوئے

وہ مرے پاس سے گئے ہیں نظیر
میرے ہی شعر گنگناتے ہوئے

مثنویِ مالوہ

قسط ۵ نازک الہ آبادی

جہاں کھلکھلاتا ہے دن کا شباب
اُگلتا ہے چاندی جہاں آفتاب

سرِ شام ہی چاند تاروں کے دیپ
سُناتے ہیں خود راگِ دیپک کے گیت

جہاں شام کے بعد چھڑتے ہیں گان
جہاں رات گاتی ہے ایمن کی تان

غرض نیم شب ہوتے ہوتے جہاں
مزا دیتی ہے محفلِ عاشقاں

جہاں لوگ مِل مِل کے محبوب سے
نظر آتے ہیں مست و مرغوب سے

وہ ہے عیش و عشرت کی بستی تمام
جہاں پر نہیں ہے کسی غم کا نام

تعیّش جہاں سب کو یزداں ہے
محبّت وہاں سب کا ایماں ہے

وہاں ہر فضا ہے بدوشِ شباب
برستا نگر پہ ہے عطرِ گلاب

کھلے ہیں وہاں موگرے یاسمن
وہاں شاہرا ہیں ہیں مشکِ ختن

گلستاں وہاں کے ہیں سب لاجواب
کہ جن میں ہیں خنداں ہزاروں گلاب

وہاں مرمریں ہیں سَرُوور بڑے
ہزاروں کمل جن میں ہوں گے کھلے

سَرُوور میں ہوں گے وہاں راج ہنس
نہیں ہیں کہیں جن کے دنیا میں بنس

وہاں مور ہیں چاند سے بھی حسیں
عموماً جو دھرتی پہ ملتے نہیں

پرندے وہاں اُڑتے ہیں بے شمار
چہکتے ہیں باہم جو بے اختیار

سفید ہاتھیوں کے وہاں ہیں غول
نہ دے پائیں اہلِ زمیں جن کے مول

وہاں کے شجر، شاخِ گل، خار و خس
ہیں چت چور ایسے نہ پوچھو کہ بس

وہاں سبز پریوں کی ہے دھوم دھام
ہے آنکا پری، جنتی وہ مقام

ہیں گندھرب کنیّائیں رقصاں وہاں
وہ اِندر کی پریوں کا ہے آستاں

وہی ہے وہی دوست میرا وطن
وہی تو ہے محبوب میرا چمن

مُربّع نما ہے وہ پختہ مکان
پڑا جس کی چھت پر ہے اک سائبان

میں کہتا ہوں جو کچھ وہ ایمان ہے
بتا دوں جو بیوی کی پہچان ہے

جبیں اس کی ہے مخرجِ ماہتاب
نگاہوں میں روشن ہیں دو آفتاب

ہے کچھ اُس کی آنکھوں میں ایسا جلال
لجائیں جنہیں دیکھتے ہی غزال

گھری ہوں گی پلکوں پہ ساون گھٹا
گمکتی ہے جن سے سلونی فضا

ہیں زلفیں کھلیں زلفِ بنگال تک
ہوائیں جنہیں چھو کے جائیں بہک

(باقی آئندہ)

گلہائے رنگ رنگ

غزل
جیمنی سرشار (سونی پت)

اے شیخ حرم تیرا الہ اور ہی کچھ ہے
میخانۂ عالم کی فضا اور ہی کچھ ہے

ہے یوں تو [illegible] جینا بھی بڑی بات
اس راہ میں مرنے کا مزا اور ہی کچھ ہے

واعظ تری باتوں کا یقین آئے کا کس کو
جب تو نے کہا اور کیا اور ہی کچھ ہے

بیمارِ محبت کو شفا ہو نہیں سکتی!
ہے اس کا مرض اور دوا اور ہی کچھ ہے

ہم اہلِ گریزاں ہوں تری بزمِ طرب سے
کیا کیجئے قسمت کا لکھا اور ہی کچھ ہے

ہاں بخش ہی جاوے [illegible] نجم
تیرے رخِ انور کی ضیا اور ہی کچھ ہے

قربان [illegible] سے تھی شانِ وفا کی!
اس دور میں معیارِ وفا اور ہی کچھ ہے

کیوں منزلِ مقصود کی راہیں نہیں ملتیں
نیت تری اے راہ نما اور ہی کچھ ہے

لیاؤ منتظر [illegible] اس میں تفوق [illegible] گلوں کو
اب رنگِ چمن بادِ صبا اور ہی کچھ ہے

اللہ کے احکام کا انداز ہے کچھ اور
اللہ کے بندوں کی صدا اور ہی کچھ ہے

[illegible] تسنیم پہ زاہد
لطفِ مئے اندوہ رُبا اور ہی کچھ ہے

[illegible] ہے زمانے میں زمانے پہ نظر رکھ
سرشار زمانے کی ہوا اور ہی کچھ ہے

غزل
زخمی بہاری

[illegible] بات ہے تم جانتے نہیں
یہ قسمتوں کی بات ہے تم جانتے نہیں

[illegible]
یہ حاصلِ حیات ہے تم جانتے نہیں

[illegible] میں کوئی آتا ہے [illegible]
[illegible] ہوات ہے تم جانتے نہیں

[illegible] نثار کر کے جان و دل کو
ہستی تو بے ثبات ہے تم جانتے نہیں

[illegible] ہر آدمی یہاں
یہ وہ ملاقات ہے تم جانتے نہیں

[illegible] طلب [illegible]
ہم رنگِ التفات ہے تم جانتے نہیں

[illegible] زمانہ
ہر بات پر بات ہے تم جانتے نہیں

مقام پر [illegible]
[illegible] ہے تم جانتے نہیں

[illegible] سے بات ہے تم جانتے نہیں

[illegible] کے جا بیٹھا ہے
[illegible] ہے تم جانتے نہیں

غزل[1]
اخلاق سہسوانی

نظر میں کھینچ کر تصویر ان کے روئے زیبا کی
یہ جا میں ہے کہ ہر اک بات [illegible]

اگر بجلی کی زد سے بچ گیا آندھی نے آ گھیرا
مشیت یوں [illegible]

چھلکتی ہیں کناروں سے سر لیا آج تک [illegible]
[illegible]

تو آج انسانیت کی راہ سے بھی دور [illegible]
دشمنوں سے بھی افضل تھا [illegible]

خوشی بھی نامکمل اور غم بھی نامکمل ہے
[illegible] کس کے ہاتھوں [illegible]

[illegible] بے تعین ہے
مجسم جلوہ بن جاتی ہے ہر چیز دنیا کی

سفینہ غرقِ دریا یوں کیا اخلاق خود میں نے
کہیں مایوس ہو جائے نہ حسرت جوشِ دریا کی

غزل
عقیت اعظمی

[illegible] کہیں آنا پسند آیا
مجھے ہر حال مشکل سے بھی مشکل پسند آیا

تمہیں [illegible] بھلا کیونکر [illegible]
کشاکش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

[illegible]
اسی حال میں جب ہم کو [illegible] پسند آیا

[illegible] مجھ سے کہتے ہیں
[illegible] پسند آیا

[illegible]
[illegible] پسند آیا

[illegible]
[illegible] پسند آیا

[illegible] کس طرح کشتی عقیت اپنی
جنونِ [illegible] کو اگر ساحل پسند آیا

غزل
[illegible]

[illegible] باتیں
[illegible] باتیں

[illegible]
[illegible] باتیں

[illegible]
[illegible] باتیں

[illegible]
[illegible] باتیں

[illegible]
[illegible] باتیں

تم چاہو [illegible]
[illegible] باتیں

[illegible]
[illegible] باتیں

پھر دل کو [illegible]
[illegible] باتیں

[1] غزل خوب ہے۔ مدیر

کس سے تو نہیں کیا ہم کو دنیا سے غرض ہے
ہم سے تو کرے کوئی غم یار کی باتیں

غزل — نجمہ پرباسوردی

دل بیتاب کی صورت نکالی گئی
ان کی تصویر [illegible] نکالی گئی

[illegible] کا یہ عالم خدا کی پناہ
[illegible]

ان سے عرض تمنا تو مشکل نہیں
کیا کروں گا اگر بات خالی گئی

ہم نے ان کے [illegible] اور نہ اپنے ہوئے
زندگی اک تماشا بنا لی گئی

[illegible]
آگ سینے میں رکھ کر جلا لی گئی

اپنا افسانۂ غم سنا کر انہیں
خود ہی جو تہر قیامت بلا لی گئی

غزل — ایس کے کوکب

اب نہ تھی مجھ کو تحفظ میں نہ تدبیر میں ہے
صاف آتا ہے نظر جو مری تقدیر میں ہے

[illegible] نادان یہ نہ جانا کہ یہ نادان [illegible]
عشق کی شرح میں ہے حسن کی تفسیر میں ہے

زلف محبوب نے کچھ ایسا فسوں پھونک دیا
میں تو میں سارا جہاں حلقۂ زنجیر میں ہے

کس کو کہاں کس کو ہوا دیدہ شرف دید نصیب
اس تجلی کا جو صد پردۂ تنویر میں ہے

خواہ مزدور سے ایوان بنا لے ڈالوا
نقش مسماری تعمیر بھی تعمیر میں ہے

[illegible] غم عشق میں مٹ جانے سے
وہ کمی عشق کی توقیر نہ تحقیر میں ہے

کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے صاف کوکب
رب کا فرمان مکمل مری تحریر میں ہے

غزل — [illegible]

دیدۂ [illegible] کا یہ ہے عالم
ایک سے ہے قطرۂ اک ہے شبنم

پوچھ نہ اب بھنوروں کا عالم
سوکھ گئے گل اڑ گئی شبنم

یہ ہے کہاں کو [illegible] تبسم
اٹھ گئی دھرتی گر گیا آدم

پیار کے دو نور تھے ہیں عالم
گل کا تبسم قطرۂ شبنم

ذروں کا تو راگ نہ پوچھیے
تاروں کا گفتہ میں سرگم

بچھڑ کے تو دن ہوتے ہیں
موت کا بھی ہوتا ہے موسم

تیری یاد لیے بیٹھا ہوں
دیکھ رہا ہوں [illegible] اک

دل ہو جاتا ہے عجب دریا
پیار سے تیرے ہوتا ہے سنگم

غزل — راز لائلپوری

عشق کی زندہ حقیقت جو سامنے آ جائے
آدمی جب خود ہی کھو جائے [illegible]

میری صورت میرے افسانے کو دہرا جائے
[illegible] آستاں جب نظر آ جائے

بے قراروں کو قرار آتا نہیں تیرے بغیر
پھول سا دل ہو [illegible] فرقت سے مرجھا جائے

کس لئے نادم ہو تم اپنے کیے پر بے سبب
تم پشیماں ہو یہ کس کافر سے دیکھا جائے

دیکھیے پھر دیکھئے رو رو کے مجھ کو دیکھیے
مجھ کو انداز تکلم کا مزا آ جائے

کون دیتا ہے کسی کا ساتھ آڑے وقت میں
ہمت مرداں ہے جو ایسے میں کام آ جائے

راز ناداں یہ تیرا سینہ اور یہ عشق بتاں
خیر ہو چادر سے باہر پاؤں پھیلا جائے ہے

غزل — ہادی رائے پوری

آئینے میں نہیں ہم دیکھتے صورت اپنی
سچ جو پوچھو تو بڑھا کرتے ہیں قیمت

دل میں بیٹھا ہے کچھ وہ خزاں کا ایسا
پتہ کھڑکے تو بدل جاتی ہے رنگت

ذکر محبوب بھی کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے
کہیں بدنام نہ ہو جائے محبت

خستہ حالی نے رکھا ہی نہیں محتاج بیاں
صاف چہرے سے جھلکتی ہے غربت

بعد مدت تو ہوئے قید سے آزاد مگر
اجڑا گھر دیکھ کے [illegible] ہو گئی [illegible]

آج اغیار پہ آمادہ ہیں اپنے احباب
آج خطرے میں نظر آتی ہے ملت

آئینہ دیکھ کے رونے کو بہت جی چاہا
دیکھتے دیکھتے کیا ہو گئی حالت

نہ کوئی لوح ہے پھولوں کی چادر چڑھائی
نام ہادی کا مرقع ہوئی تربت

اپنا دکھ ہم کو سناتا ہے جو کوئی ہادی
پھر وہ رہتی نہیں قابو میں طبیعت اپنی

غزل

عاجزؔ ہنگنگھاٹی

سورج افق کی گود سے یوں رونما ہوا ‏— نکلا ہو جیسے گھر سے لہو تھوکتا ہوا

کل رات سر پہ نیند کی دیوار گر پڑی ‏— حیران ہوں کہ خواب میں کیا حادثہ ہوا

کچھ کام آ سکی نہ سلاخوں کی تیرگی ‏— کھڑکی کھلی تو گھر کا دھواں پھیلتا ہوا

آنکھیں ملیں کہ گلیوں سے لفظوں کا بوجھ سا ‏— کتاب دل جو کہیں دیکھتا ہوا

کل رات جس مکاں سے لڑکی ہوئی فرار

عاجزؔ اسی گلی میں بہت معرکہ ہوا

غزل

بیدلؔ سرحدی بی۔ اے ادیب کامل

یقین و فراز احساس فرزِ منیم بخشو ‏— اگر فنکار ہو مجھ مردہ دلوں کو زندگی بخشو

میں اپنے آنسوؤں سے اپنا غم خانہ سجا لوں گا ‏— چراغوں سے تم اپنی بزم کو تابندگی بخشو

یہ کیا انداز ہے ساقی یہ کیا دستور میخانہ ‏— کسی کو ہوش گم کر دو کسی کو تشنگی بخشو

فضا میں گھول دو مستیاں نغمہ سرا ہو کر ‏— غزل چھیڑو فضائے غمزدہ کو نغمگی بخشو

نوازش ہو عنایت ہو کرم ہو مہربانی ہو ‏— یہ سب کچھ ہے اگر تم مجھ کو اپنی دوستی بخشو

بھلا دو چاندنی کا صورت ستارے بلا کے تم ‏— مری تاریک راتوں کو تم آ کر روشنی بخشو

نہیں کچھ مانگتی وہ زندگی آرزو کوئی ‏— مجھے عقلِ درخواست وہ شعور آگہی بخشو

اجیرن ہو گئی ہے زندگی اب رحم فرما دو ‏— قرارِ جاں، نشاطِ روح، تسکینِ دلی بخشو

خیالِ بندگی کا بوجھ بس توفیق دو آتی ‏— مجھے یہ غم اگر مجھ کو ارادے بھی قوی بخشو

تکلف میں غزل سننے کی فرمائش تو کر بیٹھا ‏— بالآخر حسب عادت کہہ اٹھے ابھی بخشو

زمانے بھر کے غم بیدلؔ چھپا کر اپنے سینے میں

جہاں تک ہو سکے تم غم کے ماروں کو خوشی بخشو

غزل

مشتاق اخترؔ سیالکوٹی

بعد سے ہر شانۂ تدبیر کو ناداں ابھی ‏— زلفِ دوراں کا سنورتا نہیں آساں ابھی

اپنے حالات کو معمول پہ لانے کیلئے ‏— اور ہوتا ہے زمانے کو پریشاں ابھی

اک ٹوٹی ہوئی کشتی کو سنبھالے رکھنا ‏— غم کے دریا میں بہت آئیں گے طوفاں ابھی

اب چراغوں کے اجالوں کو ہی منزل سمجھ ‏— تیری منزل تو بہت دور ہے ناداں ابھی

دل بنا فکر کو دور اور نکھار و لو گو ‏— شیشہ و سنگ میں ہو جائے گی پہچاں ابھی

دیکھو دیے خدا گردشِ حالات تھم ‏— منتظر ہے مرا مجموعۂ اوسان ابھی

میری نظروں میں ہے انساں کی حقیقت اخترؔ

اپنے مرکز سے بہت دور ہے انساں ابھی

ہم قافیہ و ردیف کا عیب تمیز ہوگیا ہے۔ مدیر

غزل

اشتیاق حسین اشتیاقؔ

بہار چمن خستہ جاں چھوڑ دیں گے ‏— گلوں کو اسیرِ خزاں چھوڑ دیں گے

جو ایسے ہی ہوتا رہا سرقہ و گل ‏— کہیں خار ہی گلستاں چھوڑ دیں گے

کروں کا ہر اس کا رِ مشکل کو پورا ‏— جسے تشنۂ ہم جہاں چھوڑ دیں گے

ترے سنگ ملالوں سے دل کا اپنا ‏— شکستہ ہوا جائے کب اسکا تو گیا

اگر تم ہمیں مہرباں ہم کو دے ‏— تو ہم بلبلے ارغواں چھوڑ دیں گے

اگر ہم نے داد تحسین نہ پائی ‏— جہاں جو نہاں ہے نہاں چھوڑ دیں گے

ابھی چند دن اور کہہ لیں گے اشتیاقؔ

مدار اس آئی جو یہ دکاں چھوڑ دیں گے

غزل

فیض الرحمٰن فیضؔ

ڈھائے ہیں تم نے کتنے ستم جانتے ہیں ہم

کیا ہوں گے آگے اور کرم جانتے ہیں ہم

حزن و ملال سے تھا رہا زندگی تمام

مرنے کے بعد بھی ہیں الم جانتے ہیں ہم

شاید تمھاری کی یہ پیش رفت ہے

کیوں ہو رہے ہیں ظلم و ستم جانتے ہیں ہم

تجھ سے ہوا ملاپ تو عقدہ یہی کھلا

جتنا بھی جانتے ہیں وہ کم جانتے ہیں ہم

کیا کچھ نہ کھایا دیکھئے انساں نے آج تک

بحر عمیق ہے یہ شکم جانتے ہیں ہم

آتش فشاں یہ زلزلے ناسور ورشہ ہیں

کیا رہ گیا زمیں کا بھرم جانتے ہیں ہم

جامہ قرآن کا بھی جو پہنے یقیں نہ آئے

بھٹکا تیرا شیخ حرم جانتے ہیں ہم

میدانِ شاعری میں بھی ہو جائے گر کوئی

کتنے ہیں آپ کے دم و خم جانتے ہیں ہم

شاعر سے جا کے آپ تو قوال بن گئے

محسن کس کا آپ پر ہے کرم جانتے ہیں ہم

اپنی لیاقتوں کا جتا نا فضول ہے

حق ہے تیرا اور قلم جانتے ہیں ہم

کتنوں کا ہے رہینِ کرم آپ کا کلام
دیتے ہیں کس کس کو تحفے درد جانتے ہیں ہم
دامِ فریب ہمیں [illegible] تم
بے مصلحت سے رحم و کرم جانتے ہیں ہم

غزل

ندیم [illegible]

کیوں دیدۂ تر میرا فروزاں ہے ابھی سے | کیوں یاد تری دل میں فروزاں ہے ابھی سے
میں نے تو ابھی جی بھر کے نہیں دیکھا | کیوں برق [illegible] نگہباں ہے ابھی سے
ہے دور ابھی منزلِ جاناں محبت | اس محفلِ ہستی میں چراغاں ہے ابھی سے
دیکھا نہیں الفت کا نظارہ کبھی اس نے | ہاتھوں میں تمنا کا گریباں ہے ابھی سے
میں سے [illegible] ضبط کا دامن نہیں چھوٹا | کیوں آپ کی یہ زلف پریشاں ہے ابھی سے
بیاباں سے [illegible] تو دیں باشامِ محبت | کیوں دل کی [illegible] پریشاں ہے ابھی
ہے دور ابھی شعلہ دل کی قیامت | [illegible] فطرتِ انساں ہے ابھی
جینے کا ابھی [illegible] نہیں [illegible] | کیوں نخشِ نظر ان کا پشیماں ہے ابھی

[illegible] ندیم آپ ہیں کیوں اتنے پریشاں
ہر گام محبت میں گریزاں ہے ابھی سے

غزل

(قبول)
محمد الیاس ملک تنویر مجید روانی

فلک [illegible] خورشید و قمر سے | زمیں تابندہ ارباب نظر سے
رہے ہوں [illegible] سے جب ہم بے خبر سے | ملے گی داد کیا اہلِ ہنر سے
رواں ہیں اشک [illegible] چشمِ تر سے | نہ ابرِ کرم رہ رہ کے برسے
کوئی دیکھے تو یہ رنگِ زمانہ | بشر ہی پھر اس کو نفرت ہے بشر سے
وہ چشمِ فتنہ [illegible] تو بہ توبہ | وہ عالم ہو گئے زیر و زبر سے
یہ عالم اب دلِ وحشت زدہ کا | کسی کی یاد بھی آئی نہ کدھر سے
نہ تھا پہلو میں دل [illegible] | ادائے ناز سے ترچھی نظر سے
سبھی نے چاک کر ڈالے ہیں دامن | صبا کیا کہہ گئی گلہائے تر سے
جواب [illegible] | گذر کس کا ہوا [illegible] گزرے
[illegible] | [illegible] ملے کیا ہے ہم نے مر کے

[illegible] تنویر [illegible]
[illegible] ہے دل عزم سفر سے

غزل

شوکت [illegible]

کیا کرو گے زمانے میں [illegible] نہیں ہوتا | ہو سکے گر آپ کا ہمسر [illegible] ہوتا
مسنون کا دل [illegible] | [illegible] میں گر [illegible] ہوتا

بچھڑ [illegible] شہر میں [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] عشق [illegible]
جس [illegible] نہیں ہوتا

غزل

تجر خیر آبادی

تیری ان کی نظر کے جو چلتے نہیں | پھر بھی آنکھوں سے آنسو کی نکلتے نہیں
دل تڑپتا تو آنکھیں نہ رو تیں کبھی | اک سمندر سے چشمے ابلتے نہیں
کہہ چکا عشق ہے سب مریضِ وفا | رات دن کی طرح ہم بدلتے نہیں
وہ بہ عرضِ تمنا یہ فرما گئے | دل کے ارماں کبھی تو نکلتے نہیں
چاہیے جتنے ہوں ساقی بدلتے رہے | جام تو میکدے کے بدلتے نہیں
اس نے دل میں لگائی تو اچھا کیا | گھر میں آگیں لگاؤ تو جلتے نہیں

آج ڈستے نہیں کیوں نہ تجر اگر
آستینوں میں یہ سانپ پلتے نہیں

غزل

ندیم گوہر [illegible]

نظر ہم اٹھا کر جدھر دیکھتے ہیں | اندھیرے میں ڈوبا نگر دیکھتے ہیں
خدا جانے کیا حادثہ ہو گیا ہے | لہو میں جو سورج کو تر دیکھتے ہیں
ہر طرف اندھیرا رہے گا [illegible] | عبث لوگ خوابِ سحر دیکھتے ہیں
سلامت رہے میرا ارمانِ فرحت | تم کو بھی گردِ سفر دیکھتے ہیں
بشر میں درندے کی خو آ گئی ہے | درندوں میں خوئے بشر دیکھتے ہیں

ندیم اب مجھے شہرِ شعر و سخن میں
محبت سے اہلِ نظر دیکھتے ہیں

غزل

محمد بشیر الدین شاکر

میری ہستی ہے جو گندن کو جلا دیتی ہے | جتنی تپتی ہے یہ اتنی ہی ضیا دیتی ہے
آن وہ آن جو تریاق پلا دیتی ہے | ورنہ عزت کے لیے زہر کھلا دیتی ہے
بھوک کو کچھ نہ سمجھ پائے یہ دنیا والے | یہ تو احساس کے خرمن کو جلا دیتی ہے
بے دلی اک [illegible] نفرت [illegible] | اگر [illegible] ادر [illegible] دیتی ہے
جس نے [illegible] کو سنبھالا [illegible] | [illegible]
ہم نے دیکھا [illegible] | [illegible] دیتی ہے

[illegible] شاکر
[illegible] دیتی ہے

غزل — [illegible] (ملتان)

ہر وقت ذکر شامِ بیکسی کے لئے | ہے اور کام بھی دنیا میں آدمی کے لئے
نہیں شعور جو فکرِ زندگی نہیں ہوتا | وہ زندگی تو ہے [illegible] کے لئے
اچھال تو سب کے دلوں کو [illegible] | ترا اچھال ہے تسکین کل کسی کے لئے
نثار کرو عارضی اُجالوں پر | جلاؤ خون کے قندیل روشنی کے لئے
تلاش میں اس موڑ تک تو آ پہنچا | جو بیخودی کے لئے ہے نہ آگہی کے لئے
[illegible] | دعائیں مانگئے دنیا میں زندگی کے لئے
[illegible] پہ لہو کے جو اشک گرتے ہیں | نقوش بن گئے راہوں میں رہبری کے لئے

اگر [illegible] حقیقت شناس ہو صہبا
[illegible] کے ترانے ہیں آدمی کے لئے

غزل — ساجد فتحپوری ([illegible])

عشق کا دل میں دیپ جل رہا ہے | کہیں سامنے نہ آتا میرا وہ [illegible]
ظلم بھی گوارا تیرا الفت میں گوارا | [illegible] وہ بھی ہے دل میں [illegible]
[illegible] تیرا [illegible] کے جا | اسی یاد کے سہارے مرا دل بہل رہا ہے
[illegible] تو دیکھا [illegible] | کہ جو وقت ٹل رہا ہے وہی وقت ٹل رہا ہے

شبِ وعدہ وہ نہ آئے اسی کشمکش میں [illegible]
میری زیست کا فسانہ شبِ غم میں ڈھل رہا ہے

غزل — [illegible]

[illegible] تھے جو چمن میں گل وہ مرجھائے ترے غم سے
چمن میں زندگی تھی اور خوشیاں تھیں ترے دم سے
[illegible] یاد میں ہم کیا کریں تھمتے نہیں آنسو
سمجھ جاتے نہیں اب غم جدائی کے ترے ہم سے
چراغِ زندگی سے ہائے میرا گھر نہیں روشن
اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا اک ترے غم سے

غزل — ڈاکٹر [illegible] سکینہ [illegible]

[illegible] کو [illegible] کرتے جائیے
[illegible] نہ مجھ کو [illegible] یہ ڈھنگ نہ مجھ کو تڑپائیے
[illegible] کو خدا [illegible] دل پہ برسائیے
[illegible] مستی چھا جائے
[illegible]
[illegible]

رخسار و لب [illegible] تیرے شرمندہ ہیں کلیاں [illegible]
زلفوں سے جھٹک دے تو پانی ساون کو پسینہ آ جائے
[illegible] ہے تری [illegible] انگڑائی جو لے تو کمان بنے
[illegible] چہرہ تو بل کھا کے [illegible] کا سینہ [illegible]
میں موہنی صورت کے صدقے چندا بھی نہیں ایسا
[illegible] تاب نظارہ سے قاصر سورج بھی چھپا [illegible] جائے
اے میرے صنم تو پوچھ ذرا آئینے سے وہ کیا کہتا ہے
میں [illegible] ہوں تو میری [illegible]

غزل — شیخ شفیع دستگیر (دربھنگہ)

دل ہے متوالا حسن سے تیرا | تیرا جلوہ ارے ترا جلوا
وہ [illegible] میں لاکھ [illegible] | [illegible] نہیں ہیں مگر یہ اہل دنیا
جس کو [illegible] | پھر دکھا پھر دکھا وہ جلوہ ذرا
جن کے دم سے اُجالے آئے تھے | ان کو تاریکیوں میں رہنا پڑا
فصلِ گل میں [illegible] گئے پر اپنے | آ رہی ہے یہ کیسی آج صدا

بد نصیبی ہے اپنی اے دل گیر
مونسِ غم تھا ایک دل تنہا

غزل — فرحت [illegible] (پٹنہ)

زندگی کے مرحلوں میں جب [illegible] ہوا ہوں میں
ایسے میں سائے کو اپنے پُر خطر پاتا ہوں میں
آرزوئیں جو [illegible] حسرتوں کے [illegible]
سلسلے ہیں زیست کے [illegible] کچھ کسر پاتی ہوں میں
گردشیں [illegible] انجام [illegible] زندگی
صفحۂ ہستی کو اکثر مختصر پاتی ہوں میں
دوست [illegible] دشمن جلوہ گر پاتی ہوں میں
زندگی کو [illegible] بانداز دگر پاتی ہوں میں
آج پھر [illegible] گیا [illegible] کسی کا آشیاں
[illegible] گلشن میں کسی کے [illegible] پاتی ہوں میں

ناردرن ریلوے

عزیز طلبا، زائرین اور سیاحو!

ہندوستان دیکھئے سہل طریقے سے

ملک کے گرد سرکلر ٹور کے لئے پہلے اور دوسرے درجے کے سرکلر ٹور ٹکٹ مقررہ ریلوے اسٹیشنوں سے خریدیئے۔ میل ایکسپریس کے کرایوں میں ۱۵ فیصد رعایت کے ساتھ یہ ٹکٹ ۳۰، ۶۰ یا ۹۰ دن کی مدت کے اندر قابلِ استعمال ہوں گے۔ مدت کا انحصار طے کئے جانے والے سفر کے کل فاصلے پر ہے۔ سفر کے دوران آپ جب چاہیں، جتنی بار چاہیں اور جتنے عرصے کے لئے چاہیں آگے کا سفر ملتوی کر کے کہیں بھی قیام کر سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ٹکٹ کی کل مقررہ معیادِ استعمال نہیں بڑھ سکے گی۔

آپ کی سہولت اور ضرورت کی مناسبت سے ہم نے ایسے تیس (۳۰) سرکلر ٹورز کا بندوبست کیا ہے ان کے ذریعے اس سارے عظیم الشان نظارے کا احاطہ ہو سکے گا جسے ہندوستان کہا جاتا ہے ان ٹورز میں سے کسی کا بھی انتخاب کر لیجئے۔

اور اگر آپ کا کوئی ایسا پروگرام ہے جو آپ کی انفرادی ضرورت کے مطابق ہو تو اس کے لئے ہم سے خود ملئے یا ہمیں اپنا پروگرام لکھ کر بھیجئے ہم آپ ہی کے ٹور پروگرام کے لحاظ سے کرائے کا دھیان بھی رعایتی شرح پر حساب لگا کر آپ کو مطلع کر دیں گے۔

یہ ٹور سرکلر ہونا چاہئے اور اس کا فاصلہ ۲۴۰۰ کلومیٹر سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ وہ فاصلہ جس کا کرایہ چارج کیا جا رہا ہے ٹور پروگرام کے آغاز کے اسٹیشن سے پروگرام کے آخر تک کے اسٹیشن تک ان اسٹیشنوں کے درمیان براہ راست مسافت کے فاصلے کے مقابلے میں کم از کم تین گنا سے زیادہ ہونا چاہئے۔

مزید معلومات کے لئے براہ کرم اپنے قریب ترین ریلوے اسٹیشن ماسٹر یا متعلقہ ڈویژنل کمرشیل سپرنٹنڈنٹ سے ملئے یا پھر ہم سے براہ راست رابطہ قائم کیجئے۔

سوہن سنگھ
چیف کمرشیل سپرنٹنڈنٹ
ناردرن ریلوے نئی دہلی

ٹیلی فون نمبر ۳۸۔۷۲۲۶
۳۸۔۷۵۰۵

عوام سے نئے انتظامیہ کا پختہ عہد

باشندگانِ دلی کی زندگی کے ہر پہلو کی ترقی۔

صاف ستھرا اور مستعد انتظامیہ کا بندوبست

کم لاگت والے پروجیکٹوں کے ذریعہ روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا کرنا۔

گندی بستیوں، غیر مجاز بستیوں، نو آباد کالونیوں اور دیہی علاقوں کے باشندوں کو بہتر اور راحت والی سہولتیں

دوسرے خصوصی ترقیاتی پروگرام

ہر سال ۳۰-۴۰ ہزار رہائشی اِکائیوں کی تعمیر۔

ہریجنوں کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کے لئے آسان شرحوں پر قرضے اور خام مال کا بندوبست۔

سماج بہبود پروگراموں پر خصوصی زور۔

عوام کی خواہشات اور ضروریات کے مطابق نظام تعلیم کی از سر نو تنظیم و تشکیل۔

بہتر اور باقاعدہ ٹرانسپورٹ سروس۔

سرکاری کام کاج میں ہندی کا زیادہ سے زیادہ استعمال۔

پالیسی طے کرنے میں عوام سے صلاح و مشورہ اور اشتراک۔

آیئے ہم سب ملکر دلی کو ہندوستان کا ایک آدرش شہر بنائیں

جاری کردہ: محکمۂ اطلاعات و اشاعت، دلی انتظامیہ دِلی۔

ٹیلیفون نمبر ۲۷۸۸۸ — رجسٹرار آف نیوز پیپرز آف انڈیا کا رجسٹریشن نمبر ۶۴۴/۵۷ — رجسٹرڈ نمبر ڈی ۵۴۷

ماھنامہ

شانِ ہند

ایڈیٹر سرور تونسوی

قیمت سالانہ بارہ روپے
فی پرچہ ایک روپیہ پچیس پیسے

جلد نمبر ۳۸ | نومبر ۱۹۷۷ء | شمارہ نمبر ۱۱

آپ کے نام

نومبر اور دسمبر ۱۹۷۷ء کے شمارے یکے بعد دیگرے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۷ء تک حوالۂ ڈاک کئے جا رہے ہیں اس طرح شانِ ہند کی اشاعت میں جو بے قاعدگی چل رہی تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔ اب جنوری ۱۹۷۸ء سے شانِ ھند ہر ماہ وقت مقررہ پر شائع ہوگا۔ ہاں ۲۶ جنوری ۱۹۷۸ء، تقریب سعید کے باعث جنوری کا شمارہ محض اشتہارات کی اور ۲۶ جنوری سے متعلق مضامین نظم و نثر کی فراہمی کے باعث ۲۵ جنوری کو شائع ہوگا۔ مگر فروری ۱۹۷۸ء کا شمارہ یکم فروری کو حوالہ ڈاک کر دیا جائے گا۔

جنتا پارٹی کے محکمہ ڈی۔اے۔وی۔پی نے سرکاری اشتہارات بند کر کے شانِ ہند کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ جبکہ شانِ ہند اُن تمام شرائط کو پورا کر رہا ہے جو کسی ماہنامہ کو سرکاری اشتہارات کے حصول کے لئے پورا کرنا ضروری ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ حکومت اپنے فرائض سے دیانت دارانہ طور پر نپٹنا نہیں چاہتی۔ اور رجسٹری خطوط لکھنے پر بھی اس کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اس لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ شانِ ہند اسی چمک دمک کے ساتھ خدمتِ اُردو کرتا رہے تو اپنے اپنے حلقۂ احباب میں سے صرف ایک ایک مستقل خریدار دے کر شانِ ہند کو سرکاری اشتہارات سے بے نیاز کر دیجئے۔

جشن سحر نمبر کے لئے اپنے مضامین جلد بھجوائیے تاکہ یہ جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی آمدہ سالگرہ کے مبارک موقع پر شائع ہو سکے اور ہم اس فریضہ سے سبکدوش ہو سکیں۔

(ادارہ)

افکار و واقعات

مرارجی ڈیسائی پر اُردو دشمنی کی بہتان تراشی

"اُردو گھر" نئی دہلی کے افتتاح پر وزیر اعظم جناب مرارجی ڈیسائی نے اُردو سے متعلق جو کچھ فرمایا اُس پر اخبارات میں مسلم حضرات کی طرف سے جو لے دے ہو رہی ہے اُسے صاف الفاظ میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ مرارجی ڈیسائی پر اُردو دشمنی کا بہتان لگا کر اصل حقائق کی طرف سے دھیان ہٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں یہ اور بھی ستم ظریفی ہے کہ اس متنازعہ امر پر زیادہ سے زیادہ بہتان تراشی خود انجمن ترقیٔ اُردو ہند کے ہفت روزہ آرگن "ہماری زبان" [illegible] کی جا رہی ہے۔ وہ حضرات جو اس افتتاحی تقریب سے ہزاروں [illegible] بیٹھے تھے وہ لکھ رہے ہیں۔ کہ وزیر اعظم نے اس موقع پر [illegible] کہ اُردو زبان کا رسم الخط دیوناگری کر دیا جائے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وزیر اعظم نے ایسا قطعاً نہیں فرمایا۔

اصل واقعات یہ ہیں۔ کہ انجمن ترقیٔ اردو ہند کا ایک وفد وزیر اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ وفد یقیناً اور یقیناً اپنا مقدمہ وزیر اعظم کے حضور بہتر انداز میں پیش نہیں کر سکا۔ حالانکہ اس وفد میں جناب آنند نرائن ملا ایسے مشہور اُردو مقدمہ کے خصوصی وکیل بھی شریک تھے۔ اس وفد کی معروضات سننے کے بعد وزیر اعظم نے اپنے جواب میں جو انہیں مشکلات بتلائیں وہی باتیں اُنہوں نے اُردو گھر کی افتتاحی رسم میں ذرا تفصیل سے بیان کیں۔ ہاں یہ معاملہ ضرور تھا کہ جس بات سے اُس نے شکایت ضرور کی

انجمن والوں نے یہ بہت بڑی حماقت کی کہ اس تقریب کے لئے اُنہوں نے وزیر اعظم کو مدعو کیا۔ کون نہیں جانتا کہ مرارجی ڈیسائی محض اپنی واہ واہ چاہنے کے لئے چکنے دار الفاظ میں تقریر کر کے کسی کو خوش نہیں کر سکتے اور یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جو وزیر اعظم ہر ماہ دو کروڑ روپے بچانے کے لئے اپنی مرکزی کیبنٹ میں ضرورت کے باوجود وزراء کا اضافہ نہیں کر رہا وہ انجمن کے اُردو گھر کے لئے سرکاری خزانے سے کس طرح لاکھوں روپے عطیہ کا اعلان کرے گا۔

اُردو کے بناوٹی جھوٹے اور مفاد پرست محافظوں کے دماغ میں یہ بات کیونکر نہیں آتی کہ اگر اُردو کو کسی بھی صوبہ کی دوسری علاقائی زبان سرکاری طور پر مرکز کی طرف سے تسلیم کر لیا جائے تو ہر صوبہ میں افراتفری مچ جائے گی۔ مثال کے طور پر آسام میں بنگالیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہاں آسامی کے ساتھ بنگالی زبان کا استعمال کثرت سے کیا جاتا ہے۔ وہاں اگر بنگالیوں نے یہ مطالبہ کر دیا کہ آسام میں بنگالی کو دوسری علاقائی زبان قرار دیا جائے اور ایسا ہو جائے تو ایک ہی دن میں آسام میں بسنے والے بنگالیوں کو ملیامیٹ کر دیا جائے اسی طرح کئی اور مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ اس لیے اگر وزیر اعظم نے یہ فرمایا کہ یہ کام مرکز کا نہیں صوبائی حکومتوں کا ہے تو فرمایئے اُنہوں نے کیا غلط کہا اور اس پر ہمارے مرحوم راشٹرپتی کی ہمشیرہ محترمہ بیگم حمیدہ سلطان فرما رہی ہیں کہ وزیر اعظم نے یہ کہہ کر اپنے سر سے بلا ٹالی ہے۔

جناب آنند نرائن صاحب ملا نے جو سپاسنامہ وزیر اعظم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا وہ اُردو انشا پردازی کا ایک اعلیٰ شہ پارہ تھا۔ اُردو، ادیبوں، شعراء اور اُردو نواز حضرات کے لئے اس سپاسنامہ کا حرف حرف اُردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ سمجھا جائے گا مگر آپ اس حقیقت سے انکار کیوں کرتے ہیں کہ یہ سپاسنامہ اُردو کے ادیبوں، شاعروں اور ادب نواز حضرات سے اعلیٰ انشاپردازی کی داد لینے کے لئے نہیں لکھا گیا تھا بلکہ ایک وزیر اعظم کے سامنے اپنی معروضات پیش کرنے کے لئے لکھا گیا تھا اور وزیر اعظم بھی وہ جو گجراتی نژاد ہے اور جو یقیناً اس قسم کی اعلیٰ

.ردو انشا پردازی سے ناآشنا ہیں ۔ اس لئے یہ سپاس نامہ
.اقعی ایسی زبان میں یعنی آسان اور سلیس اور عام فہم
ردو زبان میں لکھا جاتا جسے وزیر اعظم کے علاوہ وہ لوگ بھی
وری طرح سمجھ سکتے جو اُردو زبان کو محترم آنند نرائن ملا کی طرح
ہیں سمجھ سکتے ۔ اگر وزیر اعظم نے یہ کہہ دیا کہ میں اسس
سپاسنامہ کی زبان کو سمجھنے سے قاصر ہوں اُسے ایسی زبان
یں ہونا چاہیئے تھا جسے عوام سمجھ سکیں۔ اُردو کو عربی
ر فارسی آلودہ نہ بنایا جائے کیونکہ جس طرح ہندی میں
سنسکرت کی آمیزش نے ہندی کے مقبول ہونے میں روڑے
.... اٹکائے ہیں ۔ اسی طرح اگر اُردو کو آپ عربی اور
رسی کا رہین منت کر کے رکھ دیں گے تو پھر آپ کی اُردو
قی نہیں کر سکتی ۔ اگر اردو نواز حضرات نے اپنے دماغ
ریر اعظم کی ناجائز مخالفت کے لئے کہیں گروی نہیں رکھے
یئے تو ایمانداری سے کہیئے کہ انہوں نے اس سلسلے میں
با غلط بیانی کی ۔

وزیر اعظم نے فرمایا کہ مہاتما گاندھی نے جو فارمولا
ندوستانی" زبان کا پیش کیا تھا اُسے مسلم لیگ نے نامنظور
دیا ۔ مسلم لیگ کے ذکر سے اکثر و بیشتر مسلمانوں کے دلوں
ایک ہوک سی اٹھتی ہوئی دکھائی دی کیونکہ مسلم لیگ کے
یں ان کے دل و دماغ اب بھی صاف نہیں یعنی مسلمانوں
اکثریت اب بھی یہ چاہتی ہے کہ ملک میں مسلم لیگ
شر پسند جماعت پھر سر اُبھارے ۔ اور اگر ہمیں معاف
جا سکے تو کیا مسلم پرسنل لا میں تبدیلی نہیں ہوگی مسلم
رستی کے سدھار کے لئے حکومت کو کوئی اختیار نہیں مسلمانو
لئے سرکاری ملازمتوں کی تعداد محفوظ رکھی جائے ،
مطالبات مسلم لیگ کے بنیادی اصولوں کی پیروی
تو اور کیا ہیں ۔ مسلم اکابر مسلم عوام میں یہ جذبہ
رنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کہ وہ بھی دوسرے
ستانیوں کی طرح پورے ملک کے ویسے ہی مالک ہیں
کہ دوسرے غیر مسلم ۔ مسلم نوجوان اعلیٰ سے اعلیٰ امتحانات
متیازی مقابلوں میں شریک ہونے کے لئے محنت سے

کیوں کتراتے ہیں ۔ اگر غیر مناسب وجوہات کے باعث
ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی ممانعت کر دی جائے تو
مسلم پرسنل لا میں کونسی ایسی آفت آجائے گی جس سے اسلام
خطرے میں پڑ جائے گا ۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلم اکابر اپنے
حلوے مانڈے کے لئے مسلم عوام کو مذہب کا ہوا دکھاتے
ہوئے اقلیت کا خطرناک احساس دلاتے ہوئے ، اور سرکاری
ملازمتوں میں مخصوص نشستوں کے تحفظ کے خوشنما جال میں
پھنسائے رکھنا چاہتے ہیں ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان
میں ایسے مسلم نوجوانوں کی کمی نہیں ہے جو اعلیٰ امتحانات اور
مقابلوں میں غیر مسلموں سے ہر طور بہتر رہ سکتے ہیں ۔ اب
ہندوستان کے غیر مسلموں کے دلوں سے یہ رجحان جا رہا
ہے کہ کسی غیر مسلم کو ہی کارخانوں فرموں یا دفاتر میں ملازم
رکھا جائے ۔ سرمایہ دار کو کام پیارا ہے چام نہیں ۔ لہذا
ہر وہ مسلمان نوجوان جو کسی بھی طور غیر مسلموں کے لئے کاروباری
طور پر مفید ثابت ہو سکتا ہے ۔ اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے
اور اگر مسلمان نوجوان خود ہی ہریجنوں کی طرح حکومت سے
مراعات چاہیں اور اپنے آپ کو احساسِ کمتری میں مبتلا
کر کے چند ناکارہ پست ذہنیت عیار اور مفاد پرست
مسلمانوں کو اپنی جیبیں بھرنے کا موقع دیں تو اس میں حکومت
یا غیر مسلموں کا کیا قصور ۔

ہاں تو اسی مسلم لیگ نے اس وقت مہاتما گاندھی ۔
مولانا عبدالحق (بابائے اردو) ڈاکٹر ذاکر حسین اور دیگر اکابرین
کی اس "ہندوستانی" تحریک کو تارپیڈو کیا اور زبان کے ایک
ایسے فارمولے کو موت کی نیند سلا دیا جو کہ اُس وقت قبول
کر لیا جاتا تو آج اُردو "ہندوستانی" روپ میں زندۂ
جاوید ہوتی ۔ یہ کہنا محض بکواس ہے کہ "ہندوستانی" کے لئے
صرف دیوناگری لپی قرار دی جا رہی تھی ۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو
والے اسے فارسی رسم الخط میں لکھتے اور ہندی والے اسے
دیوناگری لپی میں ۔ ہاں یہ زبان جناب آنند نرائن ملا والے
سپاسنامہ کی زبان نہیں ہوتی بلکہ وہ زبان ہوتی جو ہم اور
آپ ہر روز بولتے ہیں ۔ اگر مگر [illegible]

اظہار افسوس کیا کہ اُس وقت " ہندوستانی " فارمولا تسلیم نہ کیا گیا تو اُنہوں نے اُردو دوستوں کے زخموں پہ نمک کیوں کر چھڑکا۔

جناب ملا صاحب نے سپاسنامہ میں اُن شکایات پارینہ کی تفصیل بیان فرمائی جو گزشتہ تیس سال میں اُردو کے سلسلے میں اردو نواز حلقہ میں سرکار سے پیدا ہوئیں۔

ان شکایات پہ وزیر اعظم نے نہایت صفائی سے فرمایا کہ اگر انہیں اس کا علم ہوتا کہ یہاں انہیں وہ شکایات سننا پڑیں گی جو اُن سے سرزد نہیں ہوئی ہیں تو وہ یہاں آنے سے انکار کر دیتے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ اُردو کے متوالوں نے سفارتی اور وزارتی عہدوں پدم شری۔ پدم بھوشن اور دوسرے سرکاری اعزازات، اُردو اکاڈمیوں اور انجمن ترقی اردو ہند کو محض مسلمانوں کے لئے محفوظ کرانے۔ ادبی اور شعری اسقام سے پُر تصانیف پر انعام پانے۔ غالب صدی، انیس کا ڈمی۔ ایوانِ غالب کی تعمیر اور تحفظ اُردو کے محض دکھاوے کے اداروں کے لئے سرکاری طور پر گرانقدر گرانٹوں کے حصول گنتی کے چند مسلمانوں کو غیر سرکاری چیرمین کے طور پر معقول معاوضوں کو ہی ترقی اردو، تحفظ اُردو اور ہندوستان میں اردو کا بول بالا نہیں سمجھ لیا تھا۔ کیا آپ وہ دن بھول گئے ہیں جب جناب یشپال کپور نے محض مسلمانوں کے ووٹ کانگریس بلکہ اندرا گاندھی صاحبہ کے لئے وقف کرانے کے لئے اُردو دانشوروں کو بیوقوف ہی نہیں اُلو بنایا۔ اُردو کی ترقی کے لئے کیا کیا ڈھونگ رچائے گئے۔ اسی ایوانِ غالب میں جناب جگ جیون رام صاحب کے ہاتھوں شاعروں کو گرم شال دلائے گئے۔ گلزار دہلوی اور دوسرے کئی حضرات یہ کہتے نہیں تھکتے تھے کہ جناب یشپال کپور اور محترمہ اندرا گاندھی اُردو کے محافظ ہیں اور اندرا جی کی کوٹھی پہ اردو مشاعرے میں محترمہ نے اُردو کے لئے کیا کیا خوشنما الفاظ استعمال کئے تھے۔ راقم الحروف نے شری بہوگنا کو یو۔پی کے وزیر اعلیٰ کے روپ میں یو۔پی کا شہنشاہ اعظم بھی دیکھا اور ان کی زبان مبارک سے اُردو کے لئے کیا کیا نہیں سُنا۔

مگر انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ گزشتہ تیس سال کے ان تمام وعدوں کی خلاف ورزیوں کا جواب وہ مرارجی ڈیسائی کو قرار دیا جائے؟ اُنہوں نے بالکل صحیح فرمایا کہ یہ شکایت اُن سے کیجئے جنہوں نے آپ سے وعدے کئے۔ میں نے آپ سے کوئی وعدہ نہیں کیا اور نہ ہی کوئی وعدہ کروں گا۔ اس سوال پر ماہنامہ "تحریک" نے بڑی معقولیت سے وزیر اعظم کی تردید فرمائی ہے۔ اُردو والوں کو تو وزیر اعظم کا ممنونِ احسان ہونا چاہیئے کہ اُنہوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے اُردو والوں کو اصل حقیقت سے روشناس کرایا کہ اُردو والو تم ہواؤں میں اُڑ رہے ہو۔ محض ہوائیں اُڑنے سے ہی معاملہ حل نہیں ہو سکتا۔ پہلے اپنے قدم زمین پر ٹکائیے اور پھر وہ حل سوچئے جس سے اُردو کے لئے کچھ ہو سکے۔ وزیر اعظم نے کھلے بندوں کہا کہ آپ لوگ آئین کی دہائی دیتے ہیں کہ آئین میں اُردو کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ کی انجمن کے صدر جناب ملا صاحب ایک قابلِ قدر جج رہے ہیں اور اب قابلِ قدر وکیل ہیں یہ مجھ سے آئین کو بہتر سمجھتے ہیں مجھے دکھائیے کہ آئین میں اُردو کے لئے کیا حقوق درج ہیں۔ اگر ان حقوق کے دلانے میں مرکز یعنی وزیر اعظم کچھ کر سکتا ہے تو میں وہ ضرور کروں گا

اب آپ ہی بتائیے (اگر آپ نے اپنے ضمیر کو اپنے ذاتی مفاد کے پاس گروی نہیں رکھ دیا) کہ وزیر اعظم نے کون سی غلط بات کہی اور آپ یا کوئی اور اُن پر اُردو دشمنی کی بہتان تراشی کرنے کا کیا حق رکھتا ہے؟

بقیہ　مشاعرہ جشن عید ملن جے پور　-　قسط دوم

قابلِ تعریف ہے۔ ایک دوسرے آرٹسٹ نے ہوم منسٹر کی تصویر چند منٹوں میں بنا کر پیش کی ہے جو اُس بھی فن کا ایک بہترین مظاہرہ ہے۔ اب جناب فیض احمد صاحب مائیک پر تشریف لائے ہیں اور مشاعرہ کی کامیابی کے لئے منتظمین مشاعرہ اور سٹیم کا خاص طور پر شکریہ ادا کر رہے ہیں جنہوں نے اس مشاعرہ کو بہت ہی اچھے انداز میں چلایا۔ وزیر اعلیٰ نے مزاحیہ انداز میں فرمایا کہ آرٹسٹ نے میری جو تصویر بنا کر پیش کی ہے اُس کے لئے میں اُس کا ممنون ہوں مگر اصل تصویر جو ہلال سیو ہاروی صاحب نے پیش کی ہے اس سے ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری حکومت میں جنتا کے کسی فردِ واحد کو بھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میرا دروازہ ہر کسی کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ اب پونے تین بجے

پاکستان میں اُردو کی حالتِ زار

(وشوا ناتھ طاؤس)

اب آپ اپنے پڑوسی ملک میں اُردو کی حالتِ زار پر ذیل کی سطور پڑھیے جسے جناب وشوا ناتھ طاؤس نے لکھا ہے۔ وشوا ناتھ طاؤس کے اس مضمون سے اُردو دوستوں کے حوصلے پست کرنے مقصود نہیں بلکہ انھیں حقائق سے آگاہ کرنا ہے۔ (ادارہ)

پارسال قبل پارلیمانی اُردو کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے ممبر پارلیمنٹ جناب شمیم احمد شمیم نے کہا تھا کہ اُردو کا ن ہندوستان ہے۔ پاکستان سے تو اُردو کو نکالنے کی کوشش جارہی ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے انھوں نے بتایا تھا کہ چند ماہ پہلے لاہور میں اُردو کی مخالفت میں ایک بہت بڑا جلوس نکلا تھا۔ اس جلوس میں اُردو کے مشہور شاعر ن احمد فیض بھی شامل تھے۔ اہل جلوس کا مطالبہ تھا کہ بی پنجاب میں اُردو کی بجائے پنجابی کو سرکاری زبان کا درجہ جائے۔ یہ اُردو شکن تحریک وہاں اب بھی جاری ہے۔ ب کے باشندے اُردو کی سربلندی کو پنجابی تمدن کے لئے یے کا باعث قرار دے رہے ہیں۔ سارے پنجاب میں بی زبان سے عشق کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے اور اُردو کے محبت کے جذبات کم ہوتے جا رہے ہیں۔ سندھ، سرحد بلوچستان کے لوگ اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم اُردو کی علاقائی زبان میں دلانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ پنجاب کے مسلمان سمجھنے لگے ہیں کہ اگر انھوں نے اُردو کو سینے سے لگائے رکھا یشنلسٹ بنے رہے تو وہ اپنی انفرادیت کھو بیٹھیں گے۔ لیگ کے مشہور رہنما راجہ غضنفر علی خاں مرحوم نے بہت یہ بات بھانپ لی تھی اور وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے الفاظ میں پنجابی زبان کے تحفظ کا مطالبہ پیش کیا تھا۔

فیض احمد فیض نے کچھ سال پہلے اپنی اُردو نظموں زلوں میں پنجابی الفاظ کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ ان کی دیکھی کئی ایک پاکستانی شعرا نے یہی روش اختیار کرلی بعد میں یہ شعرا حضرات پنجابی میں بھی لکھنے لگے۔ احمد ندیم قاسمی اور فیض کے پنجابی کی نظموں کے مجموعے حال ہی میں شائع ہوئے ہیں۔ امرتا پریتم، شو کمار بٹالوی اور دوسرے ہندوستانی پنجاب کے مصنفوں کی پنجابی کتابیں لاہور میں چھپ رہی ہیں اور کثیر تعداد میں فروخت ہو رہی ہیں۔ اُردو سے بیزاری کا یہ عالم ہے کہ پنجاب یونیورسٹی نے ایم اے پنجابی کا امتحان پاس کرنے کے لئے گورمکھی رسم الخط کا استعمال لازمی قرار دیا ہے حالانکہ پہلے وہاں پنجابی ہمیشہ فارسی رسم الخط میں رائج رہی ہے۔

پاکستان کی نئی پود اُردو کو ایک درآمد شدہ زبان خیال کرتی ہے۔ نوجوانوں کا کہنا ہے کہ اُردو صرف ہندوستان سے پاکستان سے آنے والے مہاجرین کی زبان ہے اور پاکستان کے کسی بھی خطے میں یہ زبان بولی نہیں جاتی ہے۔ پنجابی، سندھی پٹھان، بلوچی سبھی روزمرہ میں علاقائی زبانوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے اسے پاکستان کی قومی زبان کہنا حقیقت سے گریز کے مترادف ہے۔ مسلم لیگی رہنماؤں نے محض مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ کرنے کے لئے اُردو کے سوال کو پاکستان کے ساتھ نتھی کر دیا تھا۔ ورنہ اس کا کوئی جواز نہ تھا۔ محمد علی جناح اس زبان کو پاکستان کے اتحاد کی ضامن سمجھتے تھے حالانکہ وہ خود اُردو کا ایک فقرہ بھی صحیح نہیں بول سکتے تھے۔ اُن کا اُردو کا تلفظ بالکل انگریزوں سے ملتا جلتا تھا۔ ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان کے موقع پر مسٹر جناح نے ریڈیو پاکستان سے انگریزی میں تقریر کرنے کے بعد اُردو میں جو چند الفاظ کہے انھیں سن کر یہ صاف پتہ چلتا تھا

کہ انہیں اُردو بولنے میں کس قدر تکلیف ہو رہی ہے۔

اُردو پاکستان کی یکجہتی کی علامت نہیں بن سکی۔ زبان کے سوال کو لے کر مشرقی پاکستان میں خود مختاری کی تحریک چلی کتنے ہی نوجوانوں نے وہاں بنگالی کی حمایت اور اُردو کی مخالفت میں مظاہرے کر کے سینے پر گولیاں کھائیں۔ وہاں مسلم لیگ کا فاتحہ اسی روز پڑھ دیا گیا تھا جب الیکشن میں ڈھاکہ یونیورسٹی کا ایک طالب علم وہاں کے مسلم لیگی وزیر اعلیٰ نورالامین کو زبان کے مسئلے پر ہرا کر اسمبلی کا ممبر بن گیا تھا۔ لسانی جھگڑوں نے وہاں اینٹی پاکستان جذبے کو ہوا دی اور آخر بنگلہ دیش کا قیام دو قوموں کی تھیوری کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔ اس کے ساتھ ہی وہاں سے اُردو کا جنازہ بھی نکل گیا۔ بنگلہ دیش کے رہنماؤں نے صاف صاف کہا وہاں اُردو کی وہی پوزیشن ہو گی جو جرمن اور فرانسیسی زبانوں کی ہے گویا یہ وہاں ایک بیرونی زبان سمجھی جائے گی۔

مغربی پنجاب سے پنجابی زبان کے کئی اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ملتان سے شائع ہونے والے پنجابی رسالے "وارث شاہ" میں جناب احمد سلیم کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اُردو کو پاکستان کی مقدس زبان قرار دینا غلط ہے۔ اگر یہ مقدس زبان ہے تو اسے عالم عرب میں کیوں رائج نہیں کیا جاتا۔ اُردو کو اپنانا غلامی کو اپنانا ہے۔ یہ پنجاب کی زبان نہیں ہے۔ یہ گنگا اور جمنا کی وادی کی زبان ہے۔ جسے فرنگیوں نے پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد زبردستی پنجابی عوام پر ٹھونسا تھا۔ اگر صوبہ سرحد میں پشتو اور سندھ میں سندھی زبان کی تعلیم سے پاکستان کا وجود خطرہ میں نہیں پڑتا تو پنجاب میں پنجابی کو سرکاری زبان بنانے سے پاکستان کا وجود کیونکر خطرے میں پڑ جائے گا۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد تعصب اور جنون کے جذبے کے تحت ایک مسلم تاریخ، مسلم تہذیب اور مسلم تمدن کا نعرہ بھی بلند کیا گیا تھا۔ حسن عسکری جیسے تنگ نظر ادیب نے ایک خالص اسلامی ادب کی تخلیق کا بھی دعویٰ کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ وہ سر سید احمد خاں، علامہ اقبال، مولانا حالی، مولانا شبلی، علامہ راشد الخیری، مولانا عبدالحلیم شرر، علامہ سلیمان ندوی، منشی فیاض احمد، میاں ایم ایم اسلم اور محترمہ لے آرغاتون کی تخلیقات کو لے کر خالص اسلامی ادب کی تاریخ مرتب کریں گے اور یہی تاریخ پاکستان کے نئے ادیبوں کے لیے راہِ عمل متعین کرے گی لیکن حسن عسکری کی یہ مجنونانہ تحریک جلد ہی اپنی موت آپ مر گئی۔ کسی بھی فنکار اور ادیب کا مذہبی عقیدہ کچھ بھی ہو اس کا ذہن ساری دنیا کے لئے، ساری کائنات کے لئے سوچتا ہے اور اس کا دل ہر بنی نوع انسان کے لئے دھڑکتا ہے۔ وہ اپنے من کو، اپنی تخلیقی قوت کو مذہبی اور جغرافیائی حدود میں مقید نہیں کر سکتا۔

ایک نیا جذبہ ایک نیا تصور جو پاکستان کے دانشوروں کے ذہن میں اُبھر رہا ہے۔ یہ ہے کہ پاکستان بن گیا سو بن گیا لیکن جس طرح کا پاکستان بنا ہے کاش ویسا نہ بنتا۔ کاش وہ یہاں بسنے والی سبھی قوموں کا مشترکہ وطن ہوتا۔ اقلیتوں کو یہاں سے بے گھر نہ کیا جاتا اور اس ملک کا کیرکٹر بھی سیکولر ہوتا۔ وہاں کا دانشور طبقہ یہ محسوس کر رہا ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی وہاں ہوتے تو آج پاکستان کتنا مضبوط، کتنا خوبصورت اور کتنا شاندار ہوتا۔

آج پاکستان ٹیکسلا اور ہڑپہ کی تہذیب کو اپنا ورثہ کہنے پر مجبور ہے وہ اپنی تاریخ کو اسلامی دور سے پہلے کی ہندوستان کی تاریخ سے بھی الگ نہیں کر پایا ہے۔ آج وہاں پورن بھگت پر ریسرچ ہو رہی ہے اور راجہ رسالو پر بھی اور دامودر کی پنجابی شاعری پر بھی۔ خالص اسلامی ادب کی تحریک مر چکی ہے اور قومی ادب کی لہر جنم لے رہی ہے۔ وہاں پریم چند رتن ناتھ سرشار اور کرشن چندر کے ادب کو اپنا ورثہ ماننے والے ادیب بھی موجود ہیں اور فراق گورکھپوری جوش ملسیانی، تلوک چند محروم کی تقلید کرنے والے شاعر بھی۔ وہاں جگن ناتھ آزاد، گوپال متل، پریم وار برٹنی اور بلراج کومل کے ہزاروں پرستار موجود ہیں۔ آج وہاں کا اُردو شاعر ہندی میں بھی گیت لکھتا ہے۔

وِدیا پرکاش سرور ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر نے لیتھو کے صفحات خواجہ پریس، چھتہ شیخ منگلو جامع مسجد دہلی اور سرورق پائلٹ پریس دہلی میں چھپوا کر اور فلیٹ ۸۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۲ سے شائع کیا۔

مشاعرہ جشن عید ملن جے پور (قسط دوم)

(سرور تونسوی)

اب جناب رازؔ جودھپوری مائیک پر آئے ہیں۔ مطلع ارشاد ہے ؎

صحرا سے رغبت ہے ان کو وحشت ہے گلزاروں سے
شاید دامن الجھا اُن کا گلزاروں کے خاروں سے

اس اچھی غزل کا مقطع بھی سن لیجئے ؎

سونا پیتل سے تلتا ہے اور پیتل لوہے سے رازؔ
فنکاروں کی قسمت تلتا دیکھو ردّی اخباروں سے

ردّی - یہ لفظ غلط ہے ردی پر تشدید غلط ہے عربی میں ردیّ کی ی پر تشدید ہے - جو فارسی میں نہیں آتی - رازؔ صاحب کے بعد وسیم صاحب نے جناب سحرؔ جے پوری کو کلام سنانے کی تکلیف دی ہے - سحرؔ صاحب اب بوڑھے ہو چکے ہیں دانت نکلوانے کے باعث آواز بھی صاف سنائی نہیں دیتی۔ ان کی غزل کے دو کامیاب مطلعے سنئے ؎

کہیں شکوۂ غم زندگی کہیں بزمِ عیشِ دوام ہے
تری کائنات کا اے خدا یہ عجیب حسنِ نظام ہے

نہ وہ بادہ ہے نہ وہ شیشہ ہے نہ وہ رقصِ بادہ و جام ہے
نہ وہ میکشوں میں خلوص ہے نہ وہ میکدے کا نظام ہے

جناب ممتازؔ شکیب اعلان فرما رہے ہیں کہ جناب وسیمؔ بریلوی کلام ارشاد فرمائیں گے۔ کچھ اشعار آپ بھی سُنئے۔ ترنم تو میں قلم بند کرنے سے رہا۔ فرماتے ہیں ؎

غم کا احساس زمانے کو دلا آیا ہوں
پھول کی بو دکو کانٹوں میں لگا آیا ہوں
کیوں یہ آوازیں مرا پیچھا کیا کرتی ہیں
میں تو بستی سے بہت دُور چلا آیا ہوں

آؤ ان کھنڈروں کے ماضی پہ کوئی نظم لکھیں
جانے کس کس نے یہاں خواب سجائے ہونگے

پالنے والے بھی یہاں کیا نہ گنوائے ہونگے
جسم مل جائیں تو احساس پرائے ہونگے

دل میں مندر کا سا ماحول بنا دیتا ہے
کوئی شمع سی سرِ شام جلا دیتا ہے
زندگی دی ہے تو یہ شرط عبادت نہ لگا
پیڑ کا سایہ بھلا پیڑ کو کیا دیتا ہے

بے انتہا داد پانے کے بعد وسیم صاحب نے پارس رومانی جودھپوری سے کلام سنانے کو کہا ہے۔ پارس صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ایک طویل نظم سنائی ہے جو شان ہند کی کسی آئندہ اشاعت میں شائع کی جائے گی کیونکہ ایسی اچھی نظم کا مختصر ذکر کرنے سے نظم کی اہمیت جاتی رہے گی۔ پارس صاحب کو خوب داد ملی ہے۔ اب جناب فرید ایوبی مائیک پر تشریف لائے ہیں اور اپنی ایک پرانی غزل ؎

کانٹوں میں رہ کے گل کی طرح مسکرایئے
لوگوں کو زندگی کا قرینہ سکھایئے

سنائی ہے۔ نہ معلوم مترنم شاعروں کو پرانی غزلیں سنانے میں کیا لطف آتا ہے۔ اب وسیم صاحب نے ہلالؔ سیوہاردی سے گزارش کی ہے کہ عوام کی پُرزور فرمائش پر گنتوں کی کانفرنس" سنائیں ہلالؔ صاحب کی یہ نظم ان کی کامیاب نظموں میں ہے بلکہ فیملی پلاننگ کے موثر پرچار کے لئے یہ نظم حکومت کو ہر زبان میں چھپوا کر عوام میں تقسیم کرانی چاہیئے - اب جناب ڈاکٹر اروڑہ صاحب ممتاز خود مائیک پر تشریف لاکر یہ درخواست کر رہے ہیں کہ وسیم صاحب ایک گیت سنائیں دو بجکر دس منٹ سے لے کر ڈھائی بجے تک وسیم صاحب دل کی گہرائیوں سے گیت سناتے رہے اور داد بھی اتنی ہی جھولیاں بھر کر پائی ہے سامعین میں سے ایک صاحب نے بیٹھے بیٹھے وزیر اعلیٰ جناب شیخاوت کی تصویر بنائی جسے اسٹیج پر اس شخص نے پیش کیا ہے۔ تصویر واقعی

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

چراغِ زندگی

توصیف احمد علوی عاصی بی اے کیرالوی

جگمگا دو قلبِ انساں میں نئی تابندگی
بزم ہستی میں کرو روشن چراغِ زندگی

زندگی کے نور سے سارا جہاں معمور ہو
تیرگی انسان کے قلب و نظر سے دور ہو
نشۂ انسانیت سے ہر بشر مخمور ہو
آدمی سے آدمی کو ہو دلی وابستگی
بزم ہستی میں کرو روشن چراغِ زندگی

ہوں مرتب روحِ آزادی کے افسانے نئے
"غم کدوں" میں عیش کے چھلکاؤ پیمانے نئے
زندگی کی شمع پر رقصاں ہوں پروانے نئے
صحنِ عالم میں نظر آئے نئی تابندگی
بزم ہستی میں کرو روشن چراغِ زندگی

ہو بہارِ سرمدی وقفِ گلستانِ حیات
زندگی کی راہ میں ابھریں نئے نقشِ ثبات
آج کے انساں کو سمجھاؤ رموزِ کائنات
ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہو جوہرِ تابندگی
بزم ہستی میں کرو روشن چراغِ زندگی

چھیڑ دو بزمِ جہاں میں "ربطِ باہم" کا رباب
مطلعِ انسانیت پر جگمگائے ماہتاب
چشمۂ حیواں بنا دو زندگی کا ہر سراب
قلبِ انساں میں جگا دو جذبۂ وارفتگی
بزم ہستی میں کرو روشن چراغِ زندگی

گوشہ گوشہ میں گونجاؤ امن عالم کا پیام
ہو "بقاءِ باہمی" پر زندگانی کا نظام
عدل کے ہاتھوں میں ہو تقدیرِ انساں کی زمام
عام ہو دنیا میں انساں کے لئے آسودگی
بزم ہستی میں کرو روشن چراغِ زندگی

اہلِ عالم کو بتا دو ہم وجودیت کا راز
زندگی کا "ربطِ باہم" سے بجا کرتا ہے ساز
دو زمانے کو محبت کا پیامِ دلنواز
دور کر دو قلب سے انسان کے بیگانگی
بزم ہستی میں کرو روشن چراغِ زندگی

عظمتِ انسانیت کا جھک نہ جائے اب علم
زندگی کی راہ میں بڑھتا رہے آگے قدم
حل کرو با عزم تو خود عقدۂ "سیف و قلم"
آج کی دنیا کو دو پیغامِ "امن و آشتی"
بزم ہستی میں کرو روشن چراغِ زندگی

گوشۂ عقیل

مشاعرۂ شیخپورہ قدیم

(کرمی الاحسانی)

یہ مشاعرۂ شیخپورہ قدیم ضلع سہارنپور میں بہ تقریب دستار بندی جناب سلیم کھتولوی اور واصف نظامی طاہر پوری منعقد ہو رہا ہے۔ یہاں ایک خاص بات جو خوش کن نظر آئی ہے وہ یہ ہے کہ پورے گاؤں کی آبادی کاشتکاروں پر مشتمل ہے اور ان دنوں دھان وغیرہ کی کٹائی چل رہی ہے مگر پھر بھی گاؤں کے سادہ اور ادب نواز حضرات شام ہی سے حاجی راؤ رفیق احمد صاحب کے دولتکدہ پر جمع ہو گئے ہیں۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ اس مشاعرہ کا پہلا دور ہی فجر کی اذان تک جاری رہا۔ دوسرے دور کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ اس مشاعرہ میں زمکمل سکوت کا منظر تھا اور نہ ہی بڑے شہروں اور بڑے مشاعروں کی طرح ہلڑ بازی۔ بستی کے ذمہ دار حضرات اس مشاعرہ کو کامیاب کرانے میں اس درجہ منہمک تھے کہ ان کو یہ تک پتہ نہیں رہا کہ جو کھانا مہمانوں کے لئے تیار ہو رہا ہے وہ کسی بارات کے لئے نہیں ہے۔ لہٰذا کھانا صبح کے وقت تقسیم کیا گیا۔ کسی مشاعرہ میں سب نے چاء دیگ میں پکتی دیکھی یا سنی ہے۔ یہاں کے پُرخلوص اور شعرا نواز حضرات کچھ ایسے بچھے جا رہے تھے کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور یہ سب کچھ مرحوم الحاج مولانا حکیم قاضی سید نثار احمد کلیم مظاہری صاحب کی بے لوث ہستی کی خاطر ہو رہا تھا۔ یہ مشاعرہ انہی کی تعزیت میں منعقد ہو رہا ہے سہارنپور سے سامعین کی ایک بڑی کھیپ آئی ہے اور یہ مرحوم کلیم صاحب کی عظمت اور بے ریا دوستی ہی تو ہے جو مسٹر منگل کرن جین سابق چیئرمین میونسپل بورڈ سہارنپور بھی تشریف لے آئے۔

کلیم صاحب نہایت قادر الکلام، زود گو، بے مثال مگر خاموش شاعر تھے۔ زندگی بھر کلام تقسیم کرتے رہے ن کبھی زبان پر نہیں لاتے اور نہایت خاموشی سے پڑھنے والے شاعر کی فرمائش پوری کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوا اور اس بات کو سبھی نے بُری طرح محسوس کیا کہ شہزادہ ترنم غالب رسول دانش ایڈوکیٹ سہارنپوری نے اس مشاعرہ میں شرکت فرمانے کی زحمت نہیں کی۔ غالباً یہ مشاعرہ ان کے شایانِ شان نہیں تھا یا پھر اب وہ اتنے بڑے شاعر اور ملک گیر شہرت کے مالک بن گئے ہیں کہ مرحوم کلیم صاحب کو بھی کچھ نہیں سمجھتے ہیں ورنہ کوئی نہیں جانتا کہ اس بستی اس نگری اس در اس آستانہ سے ان کا کتنا تعلق رہا ہے اور اس گاؤں اور اس مجموعے نے ہی ان کو مشہور و منظم شاعر اہل ادب کے سامنے پیش کیا اور آج وہ اس مشاعرہ میں شریک ہونا اپنی توہین سمجھ رہے ہیں۔ یہ تو مشاعرہ ہی ہے انہوں نے مرحوم کے جنازے کو کاندھا تک بھی نہیں دیا۔ ان کی اس نیک بختی، خوش اخلاقی اور برخورداری کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔

سلیم کھتولوی اور واصف نظامی کی سعادت مندی اور استاد نوازی مبارکباد کی مستحق ہیں کہ اہل بستی نے ان کی دستار بندی کی اور ان کو اس قابل سمجھا۔!

حاجی راؤ رفیق احمد صاحب کے مکان کے سامنے نہایت سلیقہ سے شامیانہ قناتیں فرش اور روشنی کا انتظام کیا ہوا ہے۔ آج ۲۴ر اکتوبر کی شب ہے۔ پونے گیارہ ہوا چاہتے ہیں کوثر تسنیمی سہارنپوری مائک پر آکر فرما رہے ہیں۔

مرحوم مولانا کلیم شیخپورہ یا سہارنپور ہی کے شاعر نہیں تھے بلکہ یہ کہیے کہ وہ پاکستان اور پورے بھارت کے شاعر تھے اور عظیم شاعر تھے۔ ان کے شاگردوں میں جہاں سلیم کھتولوی مشہور شاعر ہیں وہاں واصف نظامی اور غالب رسول دانش بھی کچھ مشہور نہیں ہیں۔ ادھر پاکستان میں بھی سلطان صاحب وغیرہ کئی شاگرد موجود ہیں۔ مختصر سی تقریر کر کے ڈاکٹر صدیق احمد

صدیقی رائے بریلوی سے درخواستِ صدارت فرما رہے ہیں۔ قبلہ صدیقی صاحب نہایت خاموشی سے شعرا کی صف میں آ بیٹھے ہیں پھر اس مشاعرہ کے افتتاح کے لئے مشکل کرن جبین صاحب سے درخواست کر رہے ہیں۔ جبین صاحب مائک پر آکر فرما رہے ہیں۔

دوستو۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم لوگ مشاعرہ میں شریک ہو رہے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے اور ہم سب ڈاکٹر صدیقی صاحب کے مشکور ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست پر یہاں آنے کی زحمت فرمائی وغیرہ۔ آپ تالیوں کے شور میں اپنی جگہ آ رہے ہیں اور ڈاکٹر صدیقی صاحب فرما رہے ہیں۔

جب اچھے کھانے کا ذکر ہوتا ہے تو منہ میں پانی آ ہی جاتا ہے۔ لہذا میں نے یہاں آنے کے لئے تیاری کر لی۔ آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری ہمت افزائی فرمائی اور اب حمد کے شعر ملاحظہ فرمائیے۔

ہر رگ [illegible] میں ہے اک دردِ نہاں تیرے لئے
تا ابد تڑپا کریں گے انس و جاں تیرے لئے
عشق تیرا جادۂ منزل ہے اور منزل ہے تو
ہر نفس بیتابیٔ عمرِ رواں تیرے لئے
برگ و خار و غنچہ و گل میں نشانی ہے تری
دیدہ ور بیتاب سیرِ گلستاں تیرے لئے
بزمِ مہر و ماہ انجم کو ملا تجھ سے فروغ
سر بسجدہ ہیں زمیں و آسماں تیرے لئے
وہ لبِ صدیق پر ہر دم تری حمد و ثنا
وقف ہو جائے الٰہی یہ زباں تیرے لئے

ڈاکٹر صاحب مشاعرہ کی بسم اللہ فرما کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور سلیم کھتولوی مرحوم مولانا کلیم صاحب کی غزل کے اشعار پیش کر رہے ہیں ؎

ہم ایسے ڈرتے ہوئے کوئے یار سے گزرے
کہ جیسے کوئی کسی خار زار سے گزرے
غمِ خزاں کو انہوں نے دکھا دیا نیچا
دلِ حزیں پہ جو صدمے بہار میں گزرے
بہت حسیں ہیں وہ لمحاتِ زندگی اے دوست
جو تیری یاد ترے انتظار میں گزرے
تمام عمر تو گزری غم و الم میں کلیم
اب آگے دیکھئے کیا کچھ مزار میں گزرے

سلیم صاحب محفل کو سوگوار کر کے جا رہے ہیں۔ مرحوم کلیم صاحب زندگی بھر مشاعروں سے دور ہی رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اُن کے شاگردوں نے ملک گیر شہرت حاصل کی وہ ہمیشہ ہی نمائش اور تصنع سے دور رہے۔ انور تاباں صاحب سہارنپوری محفل کا رنگ بدلنے کے لئے صادق منظر سہارنپوری کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں۔ منظر صاحب فرما رہے ہیں ؎

جہاں جہاں بھی قدم آپ رکھ کے چلتے ہیں
وہیں وہیں پہ مرادوں کے دیپ جلتے ہیں
وہ بے حجاب جو آئے ہیں صحنِ گلشن میں
حسین کلیوں کے گھونگھٹ سروں سے ڈھلتے ہیں
سفر طویل ہے پگڈنڈیوں پہ سوچ جاؤ
یہ دیکھو رات کے منظر بھی آنکھیں ملتے ہیں

منظر صاحب داد وصول کئے جا رہے ہیں اور تاباں صاحب یاد فرما رہے ہیں سہارنپور ہی کے کاوش صاحب کو۔ کاوش یوں نوازش فرما رہے ہیں ؎

ترے خیال سے روشن ہے رہگزارِ حیات
ترا خیال ہی کافی ہے عمر بھر کے لئے
یہاں سکون ملے گا نہ جینے جی کاوش
چلو یہاں سے چلیں اور عمر بھر کے لئے

کاوش صاحب بھی جا رہے ہیں اور تاباں صاحب سجاد حیرت سہارنپوری کو لا رہے ہیں۔ حیرت صاحب فرما رہے ہیں ؎

آپ نے زمانے میں چین ہی نہیں پایا
بات یہ نہ بھولیں گے آپ کے زمانے کی
ان کی مست آنکھوں نے کیا پلا دیا حیرت
یاد بھی نہیں آتی اب شراب خانے کی

حیرت صاحب داد پا کر چلتے بنے۔ ادھر تاباں صاحب افتخار جوہر شنچوری کو جوہر دکھلانے کے لئے یاد فرما رہے ہیں۔ جوہر صاحب یوں کلیم صاحب کی یاد میں اشکباری کر رہے ہیں۔

جگر میں درد ہے آنکھوں میں اشک دل پہ داغ
خموش رنج و الم سے ہیں داستانِ کلیم
رہے گا اپنے ہمیشہ کلام سے زندہ
نہ مٹ سکے گا مٹانے سے یہ نشانِ کلیم

جوہر صاحب داد وصول کئے جا رہے ہیں اور تاباں صاحب سید ثروت کو دعوتِ غزل دے رہے ہیں۔ ثروت صاحب چہک رہے ہیں ؎

یہ موسمِ رندانہ اور خالی ہے پیمانہ
تاخیر کی صورت میں موسم نہ بدل جائے
اک جام ہی کافی ہے نظروں کا مرے ساقی
کچھ پیاس بھی بجھ جائے کچھ دل بھی بہل جائے
وہ حوصلہ رکھتا ہے اس عزم سے چلتا ہے
طوفانِ حوادث بھی خاموش نکل جائے

ثروت صاحب خوب داد لوٹتے مائک سے جدا ہو رہے ہیں اور تاباں صاحب محمد یامین فرقت شیخپوری کو اذنِ کلام دے رہے ہیں۔ فرقت صاحب نہایت متانت سے فرما رہے ہیں ؎

کوئی پوچھے دلِ اربابِ فن سے
گیا ہے کون اُٹھ کر انجمن سے
اُداسی چھا گئی بزمِ سخن میں
سخنور اُٹھ گیا بزمِ سخن سے
خبر سن کر تری رحلت کی ناگاہ
اُڑے طوطے گلستاں میں سخن سے

فرقت صاحب بھی مناسب داد پا کر اپنی جگہ پلٹ رہے ہیں اور تاباں صاحب وزیر قمر سہارنپوری کو محفل میں لا رہے ہیں۔ قمر صاحب عنایت کر رہے ہیں ؎

غم کے سورج کو کسی طرح تو ڈھلنا ہوگا
اور کب تک مجھے اس دھوپ میں جلنا ہوگا

داد اس مطلع کا حق ہے۔ لہٰذا داد کے ہڑبونگ میں ارشاد ہوا ہے ؎

یوں سرِ راہ رہِ یار میں رو رو کے کہا
اور دو چار قدم بس تجھے چلنا ہوگا

چھین کر جامِ محبت وہ مجھے کہتے ہیں
زہرِ غم پی کے تجھے آج سنبھلنا ہوگا

قمر صاحب بھی داد لوٹے جا رہے ہیں اور تاباں صاحب اشتیاق ساغر کو محفل میں لا کر تشنگی کا علاج کرا رہے ہیں۔ ساغر صاحب یوں سرشار کرنے چلے ہیں ؎

یوں بادہ پرستی کے رندوں کو پیام آئے
کونین بھی محبوم کے جب رقص میں جام آئے
ہم اہلِ محبت نے معراجِ طلب پائی
اربابِ ہوس لیکن بے نیل و مرام آئے

دوسرے مصرعہ پر شاعرانہ داد دی جا رہی ہے اور آپ فرما رہے ہیں ؎

اس صبح کے طالب ہیں افسوس چمن والے
جس صبح کے صدقے میں نذرانۂ شام آئے

ساغر صاحب واہ واہ کرا کے چلتے بنے اور اب تاباں صاحب برکت اللہ خاں شاد کو یاد فرما رہے ہیں۔ شاد صاحب رواں دواں سنا کر یہ جا اور وہ جا ارشاد ہوا ہے ؎

جہاں آج ہوں کب وہاں کل رہا ہوں
کہاں راستہ ہے کہاں چل رہا ہوں
فرشتو یہاں چین لینے دو مجھ کو
میں تا عمر دُنیا میں ہیکل رہا ہوں

شاد صاحب جا رہے ہیں اور تاباں صاحب دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں پرہلاد کمار آتش ایڈوکیٹ سہارنپوری کو۔ بے وزن اشعار سُنا کر . . . . ہاں موسیقی کے جوہر دکھا کر آتش صاحب ترنم کی داد وصول کئے پلٹ رہے ہیں اور تاباں صاحب دعوتِ ہاؤ ہو اور تفریح کے لئے بلا رہے ہیں جرار چھینا جرار کو۔ جرار صاحب فرما رہے ہیں ؎

دھجیاں کر کے دکھانا ہے اسے لوگوں کو
مجھ سے مجنوں کوئی بنیاں پھٹا مانگے ہے
گھوڑے بیچارے گئے راج گدھوں کا آیا
چھچھوندر بھی میاں عطرِ حنا مانگے ہے

جرار صاحب محفل کو قہقہوں پہ اُتار کر جا رہے ہیں اور تاباں صاحب پھر سامعین کو غزل سنانے کے لئے ذی شان عمر سحر

سہارنپوری کو محفل میں اُتار رہے ہیں۔ سحر صاحب یوں دلکشی سے سحر کرنے چلے ہیں ؎

کیا کھیل بالآخر یہ لے کاتبِ دوراں ہے
تقدیر کے ہاتھوں میں کیوں میرا گریباں ہے

مطلع نے دھماکہ کو جنم دیا ہے۔ کئی بار دہرا کر یوں محفل کو گرما رہے ہیں ؎

آج آئینے کا پھر حالِ پریشاں ہے
وہ آئے ہیں بے پردہ کیا حشر کا ساماں ہے
کفناؤ نہ لفظوں سے تم قصۂ ماضی کو
ان مُردہ فسانوں سے دل میرا گریزاں ہے
اب سونپ کے طوفاں کے ہاتھوں میں سحر مجھ کو
سہمی ہوئی موجیں ہیں ساحل بھی پشیماں ہے

سحر صاحب محفل پر سحر کر کے شاداں پلٹ رہے ہیں اور تاباں صاحب ثروت شیخپوری کو دعوتِ سخن دے رہے ہیں ثروت صاحب مرحوم کلیم صاحب کو یوں خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں ؎

دل مضطرب ہے یاد ہے ثروت کلیم کی
نظریں تلاش کرتی ہیں صورت کلیم کی
دلکش بیاں شیریں زباں۔ شوخیٔ کلام
اپنا جواب خود ہے فصاحت کلیم کی
ثابت یہ آج چاہنے والوں نے کر دیا
یہ محفلِ ادب ہے محبت کلیم کی
یادوں کے گلستاں میں کھلے ہیں وفا کے پھول
ثروت ہمارا دل ہے یہ جنت کلیم کی

ثروت صاحب داد پا کر اپنی جگہ آ رہے ہیں اور ساحل سہارنپوری نے مائک سنبھال کر دعوتِ نغمگی دی ہے مضطر دیوبندی کو۔ مضطر صاحب یوں دلکشی سے لہک رہے ہیں ؎

کاوش سے نہ کچھ باعثِ تدبیر ملے ہے
جو کچھ بھی ملے ہے رہے تقدیر سے ملے ہے

زہے تقدیر ملے ہے پر شاعرانہ داد دی جا رہی ہے اور ساحل صاحب فرما رہے ہیں۔ اس سے بھی اچھا شعر سنئے۔ اس پر یار لوگ ساحل صاحب کو معنی خیز انداز سے دیکھ رہے ہیں۔ مضطر صاحب فرما رہے ہیں ؎

وہ میرے حسین خوابوں کی تعبیر ملے ہے
جو پرچۂ پارینہ تحریر ملے ہے

پھر داد ہے کہ کچھ نہ پوچھئے اور آپ جم کر عنایت کر رہے ہیں ؎

محرومی کسی کے لکھی آسودگی تو نے
کیا اس میں تجھے کاتبِ تقدیر ملے ہے

داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا اور آپ محفل کو یوں گرما چلے ہیں ؎

دیوانے کدھر جائیں کہ اب حدِ نظر تک
ہر گام پہ لٹکی ہوئی زنجیر ملے ہے
اِس دور کا فنکار ہو یا صاحبِ کردار
افلاس سے بے چارہ بغلگیر ملے ہے

مضطر صاحب محفل کو نغمگی میں ڈبو کر کامراں جا رہے ہیں اور ساحل صاحب عبدالصمد اکمل سہارنپوری کو زحمت دے رہے ہیں۔ اکمل صاحب فرما رہے ہیں

محبت میں اگر دل واقفِ رازِ وفا ہوتا
جہانِ شوق کی رنگینیوں کا آئینہ ہوتا
یہ شیخ و برہمن کا فرق شاید مٹ گیا ہوتا
اگر دیر و حرم کے درمیاں اک میکدہ ہوتا
وہ خود ہی پوچھتے تھے جب ترا حالِ زبوں اکمل
تجھے جو کچھ بھی کہنا تھا وہ اُن سے کہہ دیا ہوتا

اکمل صاحب داد وصول کئے چلتے بنے اور ساحل صاحب دعوتِ موسیقی دے رہے ہیں۔ ایک خوش گلو شاعر سکندر حیات کیلاشپوری کو۔ حیات صاحب یوں لحنِ طلعت میں غزل سرا ہیں

چیخ اٹھے سناٹے ربیت کی چٹانوں میں
لوگ چھوڑ کر صحرا آ گئے مکانوں میں
شہر یار کے انساں اس قدر اکیلے تھے
اپنی اپنی کہتے تھے اپنی ہی زبانوں میں
میرے قتل کا الزام ان پہ کس طرح آتا
تیر شاخِ گل کے تھے موم کی کمانوں میں

مُردہ رُوح تصویریں جیسے بول اٹھیں گی
جسم ایسے سجتے تھے شہر کی دُکانوں میں
نقرئی اُجالوں کا کون پاسباں ہوگا
دم حیات گھٹتا ہے کالے شامیانوں میں

حیاتؔ صاحب پنڈال میں جان ڈال کر داد کی جھولی بھرے شاداں جارہے ہیں اور ساحل صاحب رنگِ محفل بدلنے کے لئے عظیم بیگ فتنہ سہارنپوری کو دعوتِ تفریح دے رہے ہیں۔ مگر فتنہ صاحب طنز و مزاح کا منہ چڑا کر بے نیل و مرام اپنی جگہ واپس آگئے ہیں۔ اب نسیمؔ عثمانی سہارنپوری سے یہ غزل سنیئے:

زندگی ایسے گزرتی ہے خطا ہو جیسے
ہائے اس دور میں جینا بھی سزا ہو جیسے
آج بیساختہ یوں دل میں تری یاد آئی
تپتے صحرا میں کوئی پھول کھلا ہو جیسے
رخِ تاباں پہ وہ بکھری ہوئی زلفیں توبہ
چاند ساون کی گھٹاؤں میں چھپا ہو جیسے

نسیم صاحب محفل کو خوب گرما کر داد وصول کئے کامراں پلٹ رہے ہیں اور ساحل صاحب مضطر ظہیر سہارنپوری کو یاد فرمارہے ہیں۔ مضطر صاحب فرمارہے ہیں ؎

رُوح کی پیاس نہ مسجد نہ شوالا مانگے
آنچ دیتے ہوئے جسموں کا اُجالا مانگے
راہ تاریک سہی اپنا لہو روشن ہے
کون پھر چاند سے مانگے کا اُجالا مانگے
پیٹ سوکھے ہوئے ٹکڑوں سے بھی بھر جاتا ہے
ذہن بھوکا ہو تو سونے کا نوالا مانگے

مضطر صاحب بھی داد پاکر اپنی جگہ پلٹ رہے ہیں اور ساحل صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں۔ آخر تاباں سہارنپوری سے تاباں صاحب متانت سے عطا کر رہے ہیں ؎

غمِ زمانہ ہے یوں زندگی سے وابستہ
کہ جیسے خار چمن میں کلی سے وابستہ
خدا کسی کو بھی مجبورِ زندگی نہ کرے
ہزار عیب ہیں اِس مفلسی سے وابستہ

داد شباب پر ہے۔ آئیے اس مرحلہ پر میرا ایک شعر بھی سُنتے چلئے ؎

ہزاروں جُرم ہزاروں گناہ لاکھوں عیب
چھپائے پھرتی ہے دامن میں مفلسی تنہا

اور اب یہ لاجواب شعر سُنئے ؎

یہ سوچتا ہوں کہ اب تجھ سے دشمنی ہی سہی
ہزار غم ہیں تری دوستی سے وابستہ
وہ میرے ہو کے بھی میرے نہ ہو سکے تاباں
اندھیرے ہو نہ سکے روشنی سے وابستہ

تاباں صاحب دادِ تحسین پاکر اپنی جگہ آرہے ہیں اور ساحل صاحب عامر زیدی جلال آبادی کو یاد فرمارہے ہیں۔ عامر صاحب فرمارہے ہیں ؎

آج اربابِ علم و دانش کی
زندگی تیرگی بدوش ہوئی
بزمِ شعر و سخن ہوئی تاریک
شمعِ اُردو زباں خموش ہوئی

عامر صاحب جارہے ہیں اور ساحل صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں ظفر زبیری سہارنپوری سے۔ ظفر صاحب حسبِ عادت رواں دواں سنا رہے ہیں ؎

عقلمند و فہیم کہتے ہیں — بُرد بار و حلیم کہتے ہیں
طالبِ صحت و شفا جنکو — ایک حاذق حکیم کہتے ہیں
اہلِ علم و ادب کے حلقوں میں — لوگ جن کو کلیم کہتے ہیں
جنکے ثنا کرد واصف و دانش — اور جنکو سلیم کہتے ہیں

دے ظفرؔ اُن کو وہ مقامِ خدا
جس کو خلدِ عظیم کہتے ہیں

ظفرؔ صاحب مناسب داد وصول کئے جارہے ہیں ساحل صاحب سہارنپور کے ایک اُبھرتے اور سنجیدہ شاعر ریاضؔ حیدر کو زحمتِ سخن دے رہے ہیں

آئینے کو کبھی نہیں ہوگا — عکسِ آئینہ گر کا اندازہ

خدا جانے کہ اب پلٹوں نہ پلٹوں — بہت لمبے سفر پہ جارہا ہوں

داد کا شور کم ہوا تو نہایت متانت سے عطا کر رہے ہیں

وہ جو بانی تھا انجمن آرائی کا
آج اُس شخص پہ ادبار ہے تنہائی کا

داد نے ہنگامہ کا روپ دھار لیا ہے۔ کئی بار دہرا کر فرما رہے ہیں ؎

مٹ گیا سارا تقدس مری رسوائی کا
ان پہ بھی آ گیا الزام تماشائی کا
لیجئے ٹوٹ گیا بند شکیبائی کا
شکریہ آپ کی اس حوصلہ افزائی کا
ایک ڈوبتا ہوا زخم اُفق تا بہ اُفق
ایک سرچشمہ زمانے میں توانائی کا
دارِ حق گوئی کہ انعام کا باعث نہ بنے
ورنہ مفہوم بدل جائے گا سچائی کا

پھر داد نے پنڈال میں ہلڑ بازی کو جنم دیا ہے۔ ہر شعر کو کئی کئی بار دہرا کر کامراں پلٹ رہے ہیں اور ساحل صاحب ہارون صابر سہارنپوری کو یاد فرما رہے ہیں۔ صابر صاحب عنایت کر رہے ہیں

میخانہ گلشن میں کیا تشنہ دہانی ہے
پھولوں کے کٹوروں میں شبنم ہے نہ پانی ہے

اور کیا ہے —— ایک آواز —— شراب —— دوسری آواز ——
اور داد دینے والے داد دے رہے ہیں۔ داد کا شور کم ہوا تو ارشاد ہوا ہے

یہ تیرا سراپا ہے آئینۂ فطرت میں
یا چاندنی کی ڈولی ہے فردوس کی رانی ہے
ہر سوزش کے ہر غم کو سینے سے لگایا ہے
یہ اُن کی امانت ہے یہ اُن کی نشانی ہے

صابر صاحب داد میں ڈوبے شاداں جا رہے ہیں ادھر ساحل صاحب کسی غفران انز کو تفریحِ طبع کے لئے محفل میں لا رہے ہیں۔ آثر صاحب فرما رہے ہیں ؎

یوں غم کی چھاپ ہے دلِ خانہ خراب پر
جس طرح کوئی جلد چڑھا دے کتاب پر

آثر صاحب نہ جانے کیا کیا سرپٹ سنا کر بیچا اور وہ جا دکھا تو صوفی منش مقطع صورت، زلف بردوش مائک پر آ گئے: اور آپ ہیں نواب دلبر شیخپوری۔ مشاعرہ لوٹ ترنم سے غزل سرا

اپنے مرنے کی کوئی دل سے دُعا مانگے ہے
ہو کے ناکام محبت کی سزا مانگے ہے
درد ہی درد ہے اب دل نہیں سینے میں مرے
کیوں سکوں مجھ سے مرے دل کا پتا مانگے ہے

داد کے شور میں یوں محفل کو گرما رہے ہیں ؎

کوئی میاش ترا اس تنگیٔ میخانے سے
میکشی اپنے زمانے سے جُدا مانگے ہے
کوئی ایسا ہے مٹا دے جو مقدر کا لکھا
ناصحا تو مری تقدیر سے کیا مانگے ہے

پھر آہ اور واہ نے دھماکے کو جنم دیا ہے اور آپ اسی عالم میں مائک چھوڑ رہے ہیں۔ ساحل صاحب رنگین شیخپوری کو دعوتِ کلام دے رہے ہیں۔ رنگین صاحب رواں دواں سنا کر چلے بنے۔ آیئے اب ایک لہجہ ایک انداز ایک حسین غزل مجرا ساحل سہارنپوری ہے چپ چاپ سن لیجئے گا۔ ترنم کا لطف تو میں لوٹ چکا ہوں ارشاد ہوا ہے ؎

سایۂ گردشِ غم کے اس قدر گھنیرے ہیں
زندگی کی راہوں میں دُور تک اندھیرے ہیں
یہ نوازشِ پیہم کوئی مصلحت ہوگی
ورنہ یہ جہاں والے تیرے ہیں نہ میرے ہیں
چراغ کی لَو، ترا شنے والے
کیا میرے مقدر میں آج بھی اندھیرے ہیں
سرسراہٹیں دل میں وسوسے جگاتی ہیں
راہرو سنبھل کر گھات میں لٹیرے ہیں
تم کو تو زمانے سے رازِ دل چھپانا تھا
کاغذات پہ تم نے لفظ کیوں بکھیرے ہیں

ساحل صاحب محفل کو چونکا کر داد سمیٹے اپنی جگہ آ کر سردار لکھنوی سے درخواستِ کلام کر رہے ہیں۔ سردار صاحب کا شعر ملاحظہ فرمایئے ؎

قدموں پہ جھکا دیتے ہیں سر اس کے سلاطین
جب اپنی آ جاتی ہے سر شہ زور جوانی

سردار صاحب بھی داد لوٹتے جا رہے ہیں۔ اور اب آ رہے ہیں حافظ سلیم شیخوپوری۔ ارشاد ہوا ہے ؎

میں کل شب کو جو بیٹھا اندھیرے میں
تو روٹی سامنے سے لے گیا کتا اندھیرے میں

سلیم صاحب دو چار اشعار اسی قبیل کے سنا کر چلتے بنے اور ساحل صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں واصف نظامی طاہر پلوری سے۔ واصف صاحب فرما رہے ہیں ؎

رنگ یوں دکھلا گئی یادِ کلیم — قلب کو تڑپا گئی یادِ کلیم
اک شبیہِ خاص آنکھوں میں پھری — جس گھڑی بھی آ گئی یادِ کلیم

آہ اور شور کم ہوا تو ارشاد ہوا ہے ؎

ترے غم سے کیا آشنا ہو گئے ہم
غمِ دو جہاں سے رہا ہو گئے ہم
زمانہ بناوٹ پہ مرتا ہے لیکن
تری سادگی پر فدا ہو گئے ہم
وہیں آ گئی خود بخود کھنچ کے منزل
جہاں کارواں سے جدا ہو گئے ہم

واصف صاحب کامراں پلٹ رہے ہیں اور ساحل صاحب درخواستِ کلام کر رہے ہیں سلیم کھتولوی سے۔ سلیم صاحب کن اداؤں میں غزل سرا ہیں ؎

ہزار پردوں میں حسنِ فطرت چھپا ہے لیکن چھپا نہیں ہے
نگاہ سے ماورائی سہی وہ شعور سے ماورا نہیں ہے
ہماری آہ و فغاں کو سن کر یہ اہلِ محفل برا نہ مانیں
ہم اپنی قسمت کو رو رہے ہیں کسی سے شکوہ گلا نہیں ہے
یہ مرثیۂ بہار کیسا سنا دو اربابِ گلستاں کو
اگر ہے دستِ طلب میں جنبش خزاں کے دامن میں کیا نہیں ہے

سلیم صاحب محفل کو گرما کر داد سمیٹے جا رہے ہیں اور اس عالمِ تشنگی میں ب اپنے کریمی الاحسانی سے بھی سن کر کرم فرمائیے گا۔

مجھ سے مری حیات کی رعنائی لے گیا
احساسِ دل بھی اپنا وہ ہرجائی لے گیا
اب کیا دھرا ہے دوستو اس اجتماع میں
محفل کو لوٹ کر تو تماشائی لے گیا
جس سے ملو گے جابر و قاتل سے کم نہیں
چنگیز اپنے ساتھ تو رسوائی لے گیا
کیا درد و کرب آہ و فغاں کا نہیں علاج؟
لقمان سے بھی کوئی مسیحائی لے گیا؟
وہ حوصلہ وہ جرأتِ پیغمبرانہ تھی
دُرِّ یتیم شاہوں سے آقائی لے گیا

آئیے پھر اسی محفلِ غزلیہ میں چل کر ایک فکر ایک سوچ، ایک انفرادیت اور ایک اچھوتا انداز کوثر تسنیمی سہارنپوری سے سنئے ؎

حوصلے یاس کے عالم میں بڑھائے رکھنا
ناامیدی میں بھی اک آس لگائے رکھنا
دھوپ در پے ہے ذرا پھولوں پہ سائے رکھنا
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑائے رکھنا
آج زخموں کی تجارت کا چلن عام سہی
عصمتِ درد بہر حال بچائے رکھنا

داد نے پنڈال کو اڑانے کی ٹھان لی ہے اور آپ اسی پُروقار انداز سے عطا کر رہے ہیں ؎

جانے کس وقت زمانے کی سماعت جاگے
میری آواز سے آواز ملائے رکھنا
وہ مقامات جہاں مانگے ہے تاریخ لہو
ایسے جلووں پہ نشانات لگائے رکھنا

پھر آہ اور واہ کا ایک دھماکہ ہوا ہے۔ کئی بار دُہرا کر عنایت کر رہے ہیں ؎

اپنے اس جرم کی اب کیسے تلافی کیجے
دل کے گوشے میں بہت زخم چھپائے رکھنا
فصلِ گل اب کے کبھی دست نہ جانے پائے
سبزہ کچھ گھر کی منڈیروں پہ اگائے رکھنا

کوثر صاحب محفل کو سیراب کر کے داد میں خود بھی ڈوبے کامراں پلٹ رہے ہیں اور ساحل درخواستِ کلام کر رہے ہیں سہارنپو

کے خاموش پُرگو اور اُستاد شاعر حمید قریشی ہے۔ حمید صاحب ایک عرصہ سے مشاعروں سے دُور رہتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شاعری سے بھی تائب ہو چکے ہیں بلکہ یہ کہئے حمید صاحب شاعری کا ایک اسکول چلا رہے ہیں۔ نہ جانے کتنے تشنگانِ ادب وہاں پہنچ کر اپنی پیاس دُور کرتے ہیں۔ ہاں تو دیکھئے نہایت دلکشی سے ایک شگفتہ غزل عطا کر رہے ہیں

دیکھنے میں تو بھولے بھالے لوگ ہیں تیری بستی کے
پوری پوری میں چھیل ڈالے لوگ ہیں تیری بستی کے

یوں لگ رہا ہے جیسے اونگھتا ہوا مشاعرہ آنکھیں کھول کر دیکھ رہا ہے پنڈال میں یہ بھونچال کیسا۔ اسی جان لیوا ترنم سے محفل کو گرما رہے ہیں ؎

کس کو اپنا حال سنائیں کس سے اپنا درد کہیں
جانچے پرکھے دیکھے بھالے لوگ ہیں تیری بستی کے
دھن کے بھوکے خون کے پیاسے روپ کے لوبھی من کے چور
کتنے آفت کے پرکالے لوگ ہیں تیری بستی کے
یہ بستی اک پریم نگر ہے باراون کی لنکا ہے
پگ پگ اگنی بان سنبھالے لوگ ہیں تیری بستی کے
کون کسی کا دُکھ بانٹے کون کسی کا رنج سہے
اپنے ہی غم دل میں پالے لوگ ہیں تیری بستی کے

حمید صاحب محفل کو گرما کر داد و تحسین کی جھولیاں بھرے کامران پلٹ رہے ہیں اور اب آ رہے ہیں حکیم رفعت فتحپوری کا۔ ارشاد ہوا ہے ؎

وہ کون سی ہے ذاتِ مکرم نہ پوچھئے
ہو کر جدا یہ جس نے دیا غم نہ پوچھئے
غمگین ہر ادیب ہے شاعر فسردہ دل
بزمِ ادب میں کس کا ہے ماتم نہ پوچھئے
دل میں سما گئی ہے کلیمِ حزیں کی یاد
ہوگا نہ اضطراب کبھی کم نہ پوچھئے

رفعت صاحب محفل کو سوگوار بنا کر چلتے بنے اور اب اس رنگ کو بدلنے کے لئے آ رہے ہیں مشہور مترنم اور غزل گو اُستاد شاعر منشی غفور سہارنپوری قبلہ غفور صاحب لحن داؤدی میں غزل سرا ہیں ؎

ساقی نے سیاست کے پیمانے تراشے ہیں
رندوں کے لئے نذرانے تراشے ہیں
ہم نے تو حقیقت کو معراجِ یقیں سمجھا
دُنیا نے حقیقت کے افسانے تراشے ہیں
تم شہرِ تمنّا سے آکر تو ذرا دیکھو
وحشت نے مری کتنے ویرانے تراشے ہیں
پھر دل پہ اُبھر آئیں ارمان کی تصویریں
پھر گود سے کعبے کی بت خانے تراشے ہیں
اربابِ تفکر نے مفہوم و مطالب کے
کچھ گوشے بنائے ہیں کچھ خانے تراشے ہیں

قبلہ غفور صاحب کو جو داد و تحسین سے نوازا گیا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اس سنگلاخ زمین میں غزل کہنا آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ اس عالمِ غنودگی اور اونگھتی ہوئی محفل کو چونکا کر کامران پلٹ رہے ہیں اور ساتھ ہی محترم خواجہ مظاہر حسن زخمی فتحپوری صاحب رواں دواں مُسکراتی جگہ آ رہے ہیں اور اِدھر اس مشاعرہ کے صدر محترم ڈاکٹر صدیق صاحب رائے بریلوی یوں محفل پر کرم فرما رہے ہیں ؎

چھپ کے بیٹھے ہیں مگر دیتے ہیں دکھلائی بھی — اک عجب راز ہے یہ انجمن آرائی بھی
جلوہ فرما کبھی وحدت میں کبھی کثرت میں — ایک ہی ذات ہے محتاط بھی ہرجائی بھی
اسکی محفل میں جسے پایا تڑپتا پایا — کشتۂ ناز ہے ذی عقل بھی سودائی بھی
وار پر وار بھی صدیق وہ کرتے ہیں مگر — ایک سے ایک ہے اندازِ مسیحائی بھی

محترم صدیق صاحب خوب خوب داد و تحسین وصول کئے اپنی جگہ شاداں و فرحاں پلٹ رہے ہیں اور آپ کے ساتھ ہی اس یادگاری محفل شعر و سخن کا پہلا دَور نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی جناب نسیم فتحپوری اور واصف نظامی طاہرپوری کی دستار بندی کی رسم ادا ہو رہی ہے نسیم و واصف مولانا کلیم مرحوم فتحپوری کے مشہور شاگردانِ رشید میں۔ لہٰذا آج کے اس مشاعرہ میں جناب راؤ گلزار علیخاں، قاضی بشیر احمد، شمس الحج، حکیم رفعت محمد نسیم راؤ الیاس، سجاد حسین، راؤ شرافت حسین یدہ معان شعرائے کرام اور اہل بستی کی موجودگی میں سب کی رائے سے ہر دو حضرات کی دستار بندی ہوئی اور کلیم صاحب کے جانشین قرار دیئے گئے! خدا حافظ

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

یہ ہیں اُردو کے محافظ　ناطقہ سربہ گریباں...

قصہ میرے اُردو امتحانات کا

بیدل سرحدی ادیب کامل (ہاپوڑ)

بھارت کے مختلف بڑے شہروں میں محکمہ تعلیم سے منظور شدہ ایسے متعدد پرائیویٹ ادارے ہیں جو صرف امتحان لے کر اسناد تقسیم کرتے ہیں۔ ان اسناد کو کسی نہ کسی اعتبار سے بالترتیب ہائی اسکول، انٹرمیڈیٹ، بی اے حتیٰ کہ ایم۔ اے کی اسناد کے مساوی تسلیم کیا جاتا ہے۔ محکمہ تعلیم کی یہ شاخیں اُردو کو فروغ اور ہندی کو بھی تسلی دینے کے نام پر چل رہی ہیں مگر ان کی لغزیدہ کارگزاری اور رفزی اسٹائل یعنی بےضابطہ و بےترتیب طرزِ عمل کے سبب امتحان دینے والوں کو کس قدر دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس کی جیتی جاگتی مثال کے طور پر ذیل میں دو خطوط کی نقل قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ پہلا خط جو میں نے جامعہ اُردو علی گڑھ کے رجسٹرار حضرت حشمت حسین صاحب عثمانی کو لکھا تھا اور دوسرا خط جو جامعہ اردو سے جواباً مجھے موصول ہوا تھا۔　(بیدل سرحدی)

یدل سرحدی
ٹیلیفون ایکسچینج سیانہ ضلع بلندشہر (یو۔پی)
سیانہ پن 245412　مورخہ ۵ را پریل ۱۹۷۰ء
گرامی قدر حشمت حسین صاحب عثمانی

آداب و نیاز!

آج میں اُس ساعت کو کوس رہا ہوں جب میں نے ہاب کے اصرار پر جامعہ اُردو کے امتحانات دینے کا ارادہ کیا تھا۔ جامعہ اُردو جیسے باوقار ادارے کے مسلسل غیرذمہ دارانہ عمل نے میرے دماغ کی تمام نرچولیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور ے جسم کو بےطرح جھنجھوڑ دیا ہے مختصراً تفصیل ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ ادیب کی سند میں میری تاریخ پیدائش غلط درج ں گئی تھی۔ مہتمم سنٹر نے اس ضمن میں کسی طرح کی مدد کرنے میں ی ظاہر کی مجبوراً آپ کو خط لکھا گیا اور آپ کے ارشاد سیل میں سند مذکور بذریعہ رجسٹری آپ کو بھیجی گئی جو بات مہینے تک متعدد خطوط لکھنے کے بعد درستی تاریخ پیدائش واپس موصول ہوئی۔ وصول کردہ سند کو سند کہنا میری ت میں لفظ "سند" کی توہین کے مترادف ہے کیونکہ پر آپ کے دستخط نہیں ہیں۔ رجسٹرار کے دستخط کے بغیر سند کی کیا اہمیت ہوتی ہے اسے تو کوئی بھی کم فہم شخص بخوبی جان سکتا ہے۔

۲۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اس پر DUPLICATE ڈپلیکیٹ کی طویل قامت مہر بھی لگادی گئی تھی۔ آپ طویل قامت کے لغوی معنی پر مت جایئے۔ میری مراد یہ ہے کہ اس بھاری بھرکم مہر کی وجہ سے وہ سند کم اور DUPLICATE زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ میرے خیال میں آپ کے آفس کے کلرک صاحبان ڈپلیکیٹ کے لغوی معنوں سے ناآشنا ہیں کیوں نہ آپ انہیں انگریزی کی ایک ڈکشنری لے دیں جسے وہ اپنی اپنی میز کی دراز میں بحفاظت رکھیں اور بوقت ضرورت استعمال کر لیا کریں اس سے جہاں اُن کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ وہاں ہمارے امتحان دینے والے بےجا پریشانیوں سے بڑی حد تک نجات پائیں گے۔ ڈپلیکیٹ سند میں کسی طرح کی ترمیم و تنسیخ کی گنجائش ہرگز نہیں معلوم ہوتی۔ اس کا اصل سند کی ہوبہو نقل ہونا ضروری ہے تاریخ پیدائش کی تبدیلی یا درستی کے بعد یہ ہوبہو نقل نہیں رہ جاتی۔ پھر آپ بھی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عموماً اصل سند گم یا ضائع ہو جانے پر انسان ڈپلیکیٹ سند کے لئے بروقت چارہ جوئی کرتا ہے لہٰذا ڈپلیکیٹ

کی مُہر میرے لئے ناکردہ خطاؤں کی الزامات کی میلی چادر ہے مگر جامعہ اُردو کی غفلت شعاری و لاپرواہی پہ ایک حسین پردہ ہے۔

۳۔ غیر معمولی تاخیر سے بچنے کے لئے وہ سند میں نے سیانگے باشندہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طالب علم جناب احتشام الحق خاں کے ہاتھ آپ کی خدمت میں دوسری مرتبہ برائے درستی بھیجی تھی۔ آپ نے کرم فرما کر اُس پر دستخط تو کر دیئے مگر DUPLICATE والی مُہر پر توجہ نہیں فرمائی اس طور پر آپ نے اصل سند کے حقدار کو اس سے محروم کر دیا جسے اُس نے بادلِ ناخواستہ قبول کر لیا اور یہ قصّہ یوں تمام ہوا اور ایک دوسرے قصّہ کی ابتدا ہوئی۔

۴۔ جامعہ اُردو کے قواعد کی رُو سے 'ماہر' کے امتحان میں مجھ سے نصف فیس لی جانی چاہیئے تھی کیونکہ ادیب کے امتحان میں میں نے درجہ اوّل میں کامیابی حاصل کی تھی مگر مہتمم سنٹر نے باوجود پروٹسٹ مجھ سے پوری فیس وصول کی۔ آخر آپ ایسے حضرات کو مہتمم سنٹر کیوں بنا دیتے ہیں؟ جو جامعہ اُردو کے قواعد و ضوابط سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے۔

۵۔ اخبار میں 'ماہر' کے نتائج میں میرا رول نمبر درجہ دوم میں کامیاب ہونے والوں کی فہرست میں تھا۔ مگر جامعہ اُردو نے مہتمم سنٹر کو نتائج کی جو فہرست بھیجی اس میں درجہ سوم درج تھا بعد ازاں کارڈ نمبرات محصلہ موصول ہوا تو بھی ہر مضمون میں مایوس کن حد تک درجہ سوم کے نمبر تھے۔

۶۔ صرف یہی نہیں کارڈ نمبرات محصلہ میں میرا نام اور اندراج نمبرات تو ٹھیک تھا مگر رول نمبر 729 کے 728 تحریر تھا۔ مہتمم سنٹر نے پھر اس بارے اپنے طور پر کوئی کارروائی کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی اس لئے ایک بار پھر مجھے بذریعہ خط آپ کو زحمت دینا پڑی۔ آپ نے میرے خط کے جواب میں کارڈ نمبرات محصلہ برائے تصحیح واپس بھیجنے کی ہدایت فرمائی اور مجھے مطلع فرمایا تھا کہ میں دوم میں کامیاب ہوا ہوں۔" حسب ہدایت کارڈ نمبرات محصلہ آپ کو بذریعہ رجسٹری ارسال کیا گیا تھا جو کئی مہینے کی خط و کتابت کے بعد مجھے بعد تصحیح موصول ہوا اور یوں 'ماہر' کے امتحان کا قصہ تمام ہوا۔ اب دیکھیے کامل کے امتحان جامعہ اُردو کون سے نئے گل کھلاتا ہے؟

اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا پاتے رہے
ہم سے جب کچھ نہ ہو پایا تو پچھتاتے رہے

(ریکا) غیر ضروری طوالت کے پیشِ نظر میں دیگر معمولی واقعات کو احاطہ تحریر میں لاکر آپ کا بیش قیمت وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا مگر مندرجہ ذیل امور کے جوابات جاننے کی شدید خواہش کو دبا بھی نہیں سکتا:۔

(i) سند میں تاریخ پیدائش کا اندراج غلط کیونکر ہوا؟
(ii) اس ضمن میں مہتمم سنٹر نے کوئی کارروائی کیوں نہیں؟
(iii) سند کی درستی میں سات آٹھ مہینے کا عرصہ کیونکر صرف ہوا؟
(iv) تمام تر مراحل طے کرنے کے بعد سند آپ کے دستخط کے بغیر ڈسپیچر کے پاس کیسے پہنچی؟
(v) آپ نے دستخط کے بغیر ڈسپیچر نے سند کیوں سپرد ڈاک کی؟
(vi) ادیب کی سند پر ڈپلیکیٹ کی مُہر کیوں لگائی گئی؟
(vii) 'ماہر' امتحان میں مہتمم سنٹر نے باوجود پروٹسٹ نصف کی بجائے پوری فیس کیوں وصول کی؟
(viii) جامعہ اُردو نے 'ماہر' کے نتائج کی جو فہرست مہتمم سنٹر کو بھیجی اُس میں مجھے درجہ دوم کی بجائے درجہ سوم میں کیوں رکھا گیا؟
(ix) 'ماہر' کے کارڈ نمبرات محصلہ میں نام اور اندراج نمبرات تو ٹھیک مگر رول نمبر 729 کی بجائے 728 کیوں کر لکھا گیا؟
(x) 'ماہر' کے کارڈ نمبر محصلہ کی درستی کے سلسلہ میں مہتمم سنٹر نے پھر اپنے طور پر کارروائی کرنے سے کیوں گریز کیا؟
(xi) جامعہ اُردو کے جن حضرات پر مندرجہ بالا کوتاہیوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیا آپ نے اُن کے خلاف کوئی ایکشن لیا؟
(xii) کیا میں آپ سے یہ پوچھنے کی جرأتِ رندانہ کر سکتا ہوں کہ جامعہ اُردو کے ترکش میں مشقِ ستم کے لئے جو بھی بے ضابطگیوں کے تیر تھے اُن کے لئے مجھ جیسے

نیم جان طالب علم کے سینے کو ہی کیوں آماجگاہ بنایا گیا!

(۱۱۱۷) غیر ضروری خط و کتابت میں جو رقم میں نے صرف کی ہے، جو وقت برباد ہوا ہے اور ذہنی اذیت کے سبب میری صحت پر جو بُرا اثر پڑا ہے کیا جامعہ اُردو کسی طور اُس کی تلافی کر سکتا ہے؟

(۱۱۱۸) کیا جامعہ اُردو مجھے کسی ایسے مسلمان دوست کا نام اور پتہ بتانے کی زحمت فرما سکتا ہے جس کے ساتھ اس نے ایسا سلوک کیا ہو جیسے کہ میرے ساتھ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے تاکہ میں اُس شخص سے بغلگیر ہو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکوں، اور اپنے ذہن سے یہ غلط خیال نکال کر پھینکوں کہ جامعہ اُردو نے ایک بین الاقوامی ذہنیت رکھنے والے شخص کو محض ہندو سمجھ کر اُسے سزا دی ہے۔

اُردو ادب سے مجھے کس قدر والہانہ عشق ہے۔ اس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں بآسانی کر سکتے ہیں:۔

۱۔ میں نے اُردو کی تعلیم باقاعدہ کسی اسکول سے حاصل نہیں کی بلکہ راستہ چلتے جب کسی مولانا پر نظر پڑی اُسے اسکی سہولت کے مطابق زحمت دی اور تھوڑا بہت پڑھ لیا۔

۲۔ میں نے اپنے خاندان سے بغاوت کر کے ہندی بھاشا کے پیدائشی نام تیاگ کر بیدلؔ سرحدی کہلانا پسند کیا۔

۳۔ میں نے اپنی شریکِ حیات کو خود اُردو لکھنا پڑھنا سکھایا ہے، نتیجتاً وہ نہ صرف اُردو کے اخبارات و رسائل پڑھ لیتی ہے بلکہ خط و کتابت بھی اُردو میں کر لیتی ہے

۴۔ میرے افکار گزشتہ دس برس سے بشکل نظم و نثر ملک کے مختلف اخبارات و رسائل میں چھپ رہے ہیں۔ ثبوت کے طور پر چند تراشے اسی خط کے ساتھ ملف کر رہا ہوں۔

۵ ضمنی تذکرہ کے طور پر یہ لکھ دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ میرا کلام دو مرتبہ آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر ہو چکا ہے۔

۶۔ میں نے قصبہ پلکھوہ میں "انجمن فروغِ ادب" کی بنیاد رکھی تھی جو گزشتہ آٹھ برس سے اُردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی کے لئے گرمجوشانہ کوششیں کر رہی ہے

اُردو بھی تو بھارت کی زباں ہے یارو
یہ ربط و محبت کا نشاں ہے یارو
یوں اور بھی اچھی ہیں زبانیں لیکن
یہ حُسن یہ انداز کہاں ہے یارو　　(بیدلؔ)

۷۔ میں نے ادیب کامل کے کورس کی مکمل کتابیں خریدنے کے لیے اپنی سائیکل تک فروخت کر دی اور اب "اُردو معلم" کا امتحان دینے کی شدید خواہش کے باوجود جامعہ اُردو کے بے رحمانہ سلوک کے پیش نظر ارادہ ترک کر دیا ہے

۸۔ میں محکمہ ٹیلیفون کی موجودہ =/590 روپیہ ماہانہ کی ملازمت چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر مجھے اُردو پڑھانے کے لئے صرف چارسو روپیہ ماہانہ کی مستقل ملازمت مل جائے۔

الفاظ کے آئینوں میں عکس اُتاریں
جذبات کی شدت کہیں محصور ہوئی ہے!　(بیدلؔ)

آپ سے انصاف کی توقع کے ساتھ اپنے اس خط کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ فقط

نیازمند
ستم رسیدہ بیدلؔ سرحدی۔

(جامعہ اُردو علی گڑھ کا خط اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے)

Phone 68

JAMIA URDU

جامعہ اردو علی گڑھ

جامعہ اردو ۱۹۳۹ فروغ دو مادری زبان کو

Ref. No. 843 125/41 ALIGARH 24-4-77

مکرمی تسلیم و نیاز

آپ کا طویل خط بذریعہ رجسٹری موصول ہوا۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے لیکن محترم یقین یقین فرمایئے یہ سب کچھ ارادتاً نہیں کیا گیا۔ سہواً اور اتفاقاً ہوا۔ ان اتفاقات میں جو آپ کو ذہنی پریشانی ہوئی ہم اُس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

آپ کا کلام پڑھ کر بے حد لطف آیا۔ آپ کی اُردو اور جامعہ اُردو سے رغبت قابلِ قدر ہے۔ خدائے تعالیٰ ان جذبات میں اضافہ فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ مستقبل میں اُردو کے بہی خواہوں کی جو فہرست مرتب ہوگی۔ آپ کا نام بھی اُس فہرست میں رہے گا۔ انشاء اللہ۔

امید کہ آئندہ آپ خط و کتابت جاری رکھ کر اپنے چیدہ اشعار اور مناسب مشوروں سے مستفیض کرتے رہیں گے۔ فقط

(دستخط ندارد)

نیاز مند

Head Clerk

(مہر) JAMIA URDU

ALIGARH

غزل

(بقید یک قافیہ)

قاسم رسا (رودیشا)

صلیب و دار کے قصے رواں دواں کہیے
"غزل میں عظمتِ آدم کی داستاں کہیے"

سجا کے اپنی جبیں پر کسی کے نقشِ قدم
فروغِ عہدِ تمنا کی داستاں کہیے

ابھی تو جسم پہ باقی ہیں کچھ شکستہ لباس
ابھی نہ آدم و حوا کی داستاں کہیے

علم اٹھائیے انسانیت کا دنیا میں
ہوا سے دیپ جلانے کی داستاں کہیے

مشینی دور کا انساں سمجھ نہ پائے گا
نہ اس سے قلبِ پریشاں کی داستاں کہیے

ہنسی اڑائیے لیکن اس امتیاز کے ساتھ
نہ ہم سے وامق و عذرا کی داستاں کہیے

نظر سے زخم سے پھولوں سے رنگِ دشت سے بھی
کہاں سے پیش کروں اپنی داستاں کہیے

رسا یہاں تو قیامت کی بات تو یہ ہے
جہاں میں کس سے محبت کی داستاں کہیے

مشاہیر شعراء

تنویر بھدرواہی ایم اے

محمد الیاس ملک نام اور تنویر تخلص ہے۔ ۱۹۴۰ء میں مقام امرتسر ننھیال میں پیدا ہوا۔ ویسے عمر تو یہیں بھدرواہ جموں (کشمیر) بیت رہی ہے اور یہی میرے آباؤ اجداد کا وطن ہے محکمہ تعلیم میں مدرس ہوں۔ شعر گوئی کا شوق سات آٹھ سال کی عمر سے دل میں موجزن ہوا۔ حالانکہ میرے خاندان میں دور دور تک کسی شاعر کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ یہ شوق اُس زمانے میں شاید گراموفون اور ریڈیو کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ہمارا خاندان چونکہ سب سے زیادہ متمول تھا اس لئے اپنے بچپن میں اس پسماندہ اور دور دراز علاقہ میں ہمیں زندگی کی ہر نعمت میسر تھی۔ لیکن گردشِ زمانہ نے ہر خوشی چھین لی۔ کالج میں تعلیم کے دوران کئی ناول، ڈرامہ اور کئی افسانے لکھے مگر طبیعت زیادہ تر شعر و شاعری ہی کی طرف مائل رہی اور شاعری میں بھی تغزل ہی کا دلدادہ ہوں۔

شاعری میں جناب پنڈت کیلاش ناتھ کول میکش کشمیری کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ "ادب برائے زندگی" اور "جمالیات" کا بھی حامی ہوں۔ شاعری کو شاعری ہی کی طرح دیکھنا چاہتا ہوں، اسے معمّا بازی بنانے کا قائل نہیں۔ میرے ٹوٹے پھوٹے اشعار میرے جذبات و کیفیات کے آئینہ دار ہیں۔ ان اشعار میں ویرانی بھی ہے لیکن زندگی اس سے زیادہ ویران ہے۔ محبت اور انسان دوستی اپنا مسلک ہے۔ چند غزلوں کے اشعار پیشِ خدمت ہیں

درخشندہ خورشید و قمر سے　　زمیں تابندہ ہے اہلِ نظر سے
رواں ہیں اشک میری چشمِ تر سے　　نہ اب ابرِ کرم رہ رہ کے برسے
ذرا دیکھئے تو یہ رنگِ زمانہ!　　بشر! پھر اسکو نفرت ہر بشر سے؟
ستم فتنہ ساماں توبہ توبہ!　　دو عالم ہو گئے زیر و زبر سے

یہ عالم اب دلِ وحشت زدہ کا　　کسی کی یاد بھی آتی ہے ڈر سے
نہ تھا پہلو میں دل جب اس نے دیکھا　　ادا سے ناز سے ترچھی نظر سے
جہاں ہمت رہی ہے پا شکستہ　　وہ رستہ طے کیا ہے ہم نے سر سے
نظر آتی نہیں تنویر منزل
مگر روشن ہے دل عزمِ سفر سے

یہ بات کیا ہے کہ کچھ دل پہ اختیار نہیں
وہ میرے پاس رہا پھر بھی مجھے قرار نہیں
خزاں کے رنگ میں ڈوبی ہوئی بہار آئی
نسیمِ صبح کہاں؟ گل بھی مشکبار نہیں
اسیرِ رنج و اَلم کیا کیا زمانے نے
کہ اب خیال میں بھی شوقِ وصلِ یار نہیں
گلہ کسے ہے زمانے کی کم نگاہی کا
تری نوازشِ پیہم بھی سازگار نہیں
تھکی تھکی سی نگاہیں ہیں یاس کے ساگر
"چلے بھی آؤ کہ اب تابِ انتظار نہیں"
یہ آدمی نہیں مدفن ہیں آرزوؤں کے
یہ دہر شہرِ خموشاں ہے نغمہ زار نہیں
کبھی تو آئے گی تنویر صبحِ خنداں بھی
یہ جان لے کہ شبِ غم کو بھی قرار نہیں

آؤ گائیں گیت ملن کے　　ہنس ہنس کاٹیں دن جیون کے
یاد آتے ہیں دن بچپن کے　　رِستے ہیں ناسور بدن کے
نین کٹورے مدھ کے پیالے　　کھلے دریچے ہیں جوبن کے
کاش وہ میرے سامنے آئیں　　میں دیکھوں دیوانہ بن کے
لاکھ برہمن پھیرے مالا　　پھر بھی نہ من مالا کے منکے
کوئی نہ دیکھا پریم پجاری　　سب متوالے دیکھے دھن کے

میں کیا جانوں رقصِ بہاراں دل دھڑکے جب پائل چھنکے
ٹوٹے ٹوٹے خواب ہمارے بکھرتا رے نیل گگن کے
کوئی نہ اے تنویر دُکھی ہو
زخم بُرے ہوتے ہیں من کے!

گُل خلیقی

میرا پورا نام گُل محمدؔ ہے۔ تخلص گُل خلیقی ہے۔ قوم سے پٹھان پیدائش سنہ ۱۹۴۳ء۔ راجستھان کی راجدھانی جے پور میں ایک متوسط گھرانے میں ہوئی کیونکہ میرے والدِ محترم پولیس میں حکومت کے وفادار اور ایماندار سپاہی تھے اور ان کی تنخواہ پر ہی پورے خاندان کا گذارہ ہوتا تھا اور یہی وجہ رہی کہ میں زیادہ تعلیم نہ پاسکا صرف ہائر سکنڈری تک ہی تعلیم ہو سکی۔ قریب دس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ جب گورنمنٹ کی طرف سے میرے والدِ محترم کی پنشن ہوئی تو سرکار کی طرف سے کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو اپنی جگہ اپنے لڑکے کو نوکر رکھا سکتے ہیں۔ میرے والد نے جب مجھ سے کہا کہ تم پولیس میں نوکر ہو جاؤ تو میں نے انکار کر دیا کیونکہ اس وقت تک مجھ میں شاعری کے جراثیم پیدا ہو چکے تھے اور میں نے کہا کہ مجھ سے نوکری نہ ہو سکے گی میں کوئی اپنا بزنس کر کے ہی ادب کی کچھ خدمت کر سکوں گا اور آج اللہ کے فضل و کرم سے حالات کے مطابق جس طرح بھی بن پڑتی ہے ادب کی خدمت کرتا ہوں۔

شعر و شاعری کا شوق آج سے قریباً ۱۵ سال پہلے ایک رومانی واقعہ کے تحت، پیدا ہوا تھا اور زندگی میں پہلی بار یہ شعر زبان پر آیا تھا:۔

اُن سے کوئی گلہ نہیں دل ٹوٹنے کے بعد
لُوٹیں گے اب کسے وہ مجھے لُوٹنے کے بعد

اِس شعر کو سُن کر دوست احباب نے کہا کہ تم میں شعر کہنے کی صلاحیت ہے اگر تم کسی اچھے شاعر کی شاگردی میں آجاؤ تو بہت اچھے شاعر بن سکتے ہو۔ دوستوں کی طرف سے دادِ تحسین پا کر اس غزل کے کچھ شعر اور کہے اور غزل پوری کی جس کا دوسرا شعر یہ ہے ؎

تیرے کرم سے تھی چمنِ زیست میں بہار
آئی نہ اِس چمن میں ترے روٹھنے کے بعد

مقطع

دُنیا میں کیا رہے گا بتا گُل کے واسطے
اے جانِ آرزو ترا در چھوٹنے کے بعد

اس غزل ہی سے میری شاعری کا آغاز ہوا اور اس غزل کو کافی لوگوں نے پسند کیا اور حوصلہ افزائی کی اس سے میرا حوصلہ کافی بڑھا اور پے در پے غزل کہنے لگا اور چند مُنگ شاعروں سے اصلاح لیتا رہا اور اب اسے حُسن اتفاق کہئے یا میری خوش نصیبی کہ آج سے تقریباً پانچ سال پہلے حضرت مولانا عبدالخالق خلیق دہلوی سے ایک نشست میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میرا کلام سُنا اور پسند کیا۔ اس کے بعد قریب ۳ سال تک میں ان سے اصلاح لیتا رہا میرے کلام میں اور بھی نکھار آنے لگا اور لوگ میرا کلام بہت پسند کرنے لگے تو میں نے ان سے گزارش کی کہ آپ مجھے اپنی باقاعدہ شاگردی میں قبول فرما لیجئے۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا مگر میرے دوستوں کی سفارش پر مجھے شاگردی میں لے لیا۔

محترم مولانا خلیق صاحب دہلی کے مشہور غزل گو استاد حضرت مخمور دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور چونکہ حضرت مخمورؔ کا رجحان غزل کی طرف تھا۔ اس لئے یہی رجحان مجھ ناچیز کو بھی ورثہ میں ملا اور اسی صنفِ سخن میں طبع آزمائی میرا محبوب مشغلہ ہے۔ دیگر اصناف میں بہت کم کہتا ہوں۔

استادی مولانا خلیق صاحب کی شاگردی میں آنے کے بعد میں نے جس مشاعرے میں پہلی بار پڑھا وہ نعتیہ مشاعرہ تھا۔ میری نعت کو جے پور کے شعرا نے بہت پسند کیا کیونکہ کچھ تو نعت کے شعر بہت اچھے تھے اور کچھ ترنم اور لہجے کی سحر آفرینی کو دخل تھا۔ اس کے بعد مجھے جے پور کے ہر مشاعرے میں بلایا جانے لگا اور خاطر خواہ داد پاکر میرا حوصلہ بڑھنے لگا اور آج اللہ کے فضل و کرم سے باہر کے مشاعروں میں بھی جانے لگا ہوں اور آل انڈیا مشاعروں میں بھی شرکت کا کئی بار موقع ملا ہے۔

میں اپنے احباب واساتذہ کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا ممنون ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ آئندہ بھی وہ مجھے اپنے خلوص وعنایت سے نوازتے رہیں گے اور میں ان کی نیک تمناؤں اور دعاؤں کے زیرِ سایہ اپنی منزلیں طے کرتا رہوں گا۔ "ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"۔

چند غزلیں بطور نمونہ قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش خدمت ہیں:۔

مری چشمِ تصور میں تری تصویر ہے ساقی
کہ تیری یاد ہر عالم میں دامنگیر ہے ساقی
مثالِ آئینہ روشن تری تصویر ہے ساقی
کہ تیرا حسن ہی خود حسن کی تفسیر ہے ساقی
جدھر بھی دیکھتا ہوں بس اُدھر ہیں تیرے دیوانے
تری ایک اک ادائے حسن عالمگیر ہے ساقی
کرم ہی پر ترے موقوف تیری دید ہے ورنہ
مرے نالوں میں ایسی تو کہاں تاثیر ہے ساقی
تری کم التفاتی کا کوئی شکوا نہیں تجھ سے
سمجھتا ہوں کہ میری ہی کوئی تقصیر ہے ساقی
غزل کہنے کو کہتے ہیں سخنور آج بھی لیکن
غزل پر دسترس کس کو برنگِ میرؔ ہے ساقی
کبھی تو دیکھ اک بیمارِ غم پر کیا گزرتی ہے
کبھی تو سوچ گلؔ کیوں اسقدر دلگیر ہے ساقی

ب شبِ ہجر تری یاد ستائے ہے مجھے
غم سے ڈوبی ہوئی ہر شے نظر آئے ہے مجھے
کے نزدیک اک آواز سی آئے ہے مجھے
یوں لگے ہے کوئی پاس بلائے ہے مجھے
شا اللہ یہ ترے عارضِ تاباں کی دمک
ایک شعلہ سا لپکتا نظر آئے ہے مجھے
یں جلنے لگے ہے ترا عشق خدا خیر کرے
دیکھنا ہے کہ یہ کیا رنگ دکھائے ہے مجھے

کیا مرے دل پہ گزر جائے ہے یہ مجھ سے نہ پوچھ
یاد اے جانِ وفا جب تری آئے ہے مجھے
دل تو پہلے ہی محبت میں رہین غم ہے
تو بھی اے گردشِ ایام ستائے ہے مجھے
دشتِ غربت کی سیہ رات کے سناٹے میں
گلؔ یہ کس کی ہے صدا کون بلائے ہے مجھے

نہ پوچھو کہ دل کو میں کیا دے رہا ہوں
متاعِ غمِ دلربا دے رہا ہوں
محبت کو خونِ جگر نذر کر کے
محبت کو رنگِ وفا دے رہا ہوں
وہ شاید ترے پیار کا حادثہ ہے
میں دانستہ جس کو ہوا دے رہا ہوں
غمِ بیکراں اور تیری تمنا
یہ کیسی میں دل کو سزا دے رہا ہوں
میں اک رشکِ گل کو نظر میں بسا کر
تخیل کو رنگیں فضا دے رہا ہوں
میں ہر امتحانِ وفا سے گزر کر
زمانے کو درسِ وفا دے رہا ہوں
کسی کی محبت میں خوں رو کے اے گلؔ
میں اشکوں کو رنگِ حنا دے رہا ہوں

شمیم احمد شمیم

اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے ایک عجیب سی الجھن محسوس کر رہا ہوں کیونکہ اپنی تعریف کی جائے تو اپنے احباب بھی ناراض ہوتے ہیں اور احساسِ کمتری کا شکار ہو کر اصلیت پر پردہ ڈالنا بھی میں اپنی کمزوری سمجھتا ہوں اور یہ کام مجھے سب بادل ناخواستہ بھی کرنا پڑتا ہے۔

میں بھوپال کے ایک ممتاز گھرانے کا سب سے چھوٹا اور زندہ یمین کا بیٹا ہوں۔ زندگی کی پچیس بہاریں دیکھ چکا ہوں

اور زندگی کے اس مختصر سے سفر میں جو کچھ بھی پایا یا کھویا اسی کو مشعلِ راہ بنا کر اپنے آپ میں رہ کر ادبی سفر میں نظریات زندگی کا سہارا لے کر تنہا چل پڑا ہوں۔

میں وقت شاجاپور دودھ ڈیری میں انسپکٹر کے عہدے پر فائز ہوں اور اپنے پیشے کے ساتھ پورا انصاف کرتا ہوں۔ شعر و شاعری کا شوق اور میوزک کا شوق بچپن ہی سے ہے۔ تعلیم کے اعتبار سے میں نے بی۔ایس۔سی کر لیا ہے اور کلکتہ سے ڈیری فارم کی ٹریننگ بھی کر چکا ہوں ریڈیو سے بھی اپنی ہی آواز میں اپنے نغمات گا چکا ہوں والدین کا سایہ بچپن میں ہی اُٹھ گیا تھا۔ بھائیوں کے تعاون سے آج جو بھی کچھ بن سکا ہوں، ہوں، زندگی کا سفر ابھی تنہائی میں کر رہا ہوں۔ شریک زندگی بننے کے امیدواروں کی لمبی لسٹ میں ابھی کسی کا انتخاب نہیں کر سکا ہوں، زندگی بہت ہی آسودگی اور بے فکری میں گزر رہی ہے۔ زندگی کی بڑی خواہش یہ ہے کہ اپنے نام اور تخلص کی طرح گلستان ادب اپنی حسین اور رنگین تخلیقات سے ہر دم مہکاتا رہوں۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

تم کو پا بھی نہ سکوں تم کو بھلا بھی نہ سکوں
درمیاں اتنی فصیلیں کہ ڈھا بھی نہ سکوں
ایسے حالات نہ دشمن کو بھی پیش آئیں کبھی
میں اگر چاہوں تو دو اشک بہا بھی نہ سکوں
ہم اکیلے ہیں یہاں آپ اُدھر ہیں تنہا
دو کنارے جنہیں آپس میں ملا بھی نہ سکوں
ہم زمیں پر ہیں قدم ان کے فلک پر ہیں شمیم
اُن کو چھو بھی نہ سکوں اور جھکا بھی نہ سکوں

نظم معرا

آج وہ وقت نہیں ہے مری محبوب کہ میں
زلف و رخسار کی جنت میں کہیں گم ہو کر
اور دہراؤں وہی قصۂ پارینہ پھر
گنگناؤں وہی دل سوز فسردہ نغمے
حُسن اور عشق کی بوسیدہ روایات لئے
اپنی آنکھوں میں حسیں جلووں کی سوغات لئے
بھول جاؤں کہ مجھے اور بھی کچھ کرنا ہے
صرف اپنے نہیں اوروں کے لیے جینا ہے
میں نہیں کہتا چلو اور کہیں بھاگ چلیں
شہر سے بستی سے جنگل میں کہیں بھاگ چلیں
آج وہ وقت نہیں ہے مری محبوب کہ میں
بوڑھے برگد کے تلے رات کی تاریکی میں
پیچھے مندر کے کھنڈر میں ابھی تری راہ تکوں
شام کے سرمئی خاموش دھندلکوں میں کہیں
تیری پازیب کی سہمی ہوئی جھنکار سنوں
نقشِ پا راہ گزر کے نا بنوں
آج وہ وقت نہیں ہے مری محبوب کہ میں
اب ترے حُسن مرے عشق کا رنگین خمار
ٹوٹتا جاتا ہے یہ خواب فسانوں کا طلسم
آج میں تجھ سے یہ کہتا ہوں بغرضِ خاطر
آج آغاز کا انجام بھلانے کو شمیم
آج وہ وقت نہیں ہے مرے محبوب کہ میں

ڈاکٹر صدیقی ملکاپور پانگرا

راقم الحروف کو ڈاکٹر صدیقی کہتے ہیں۔ وطن مالوف ملکاپور پانگرا جو بلڈانہ ضلع کے مہکر تعلقہ کا ایک تاریخی مقام ہے ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ایک تعلیم یافتہ متوسط گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم مقامی مدرسوں میں ہوئی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد میں داخلہ لیا مگر بدقسمتی سے... گھریلو کاروبار کی ذمہ داریوں کی وجہ سے سلسلۂ تعلیم منقطع کرنا پڑا شاعری کا شوق بچپن ہی سے ہے۔ مقامی مدرسوں میں قومی پروگراموں میں حصہ لینے کی وجہ سے شاعری کے ذوق و شوق کو جلا ملتی رہی۔ شاعری کا خبط ذہن پر مسلط تھا

لہٰذا مشقِ سخن کو اپنے طور پر جاری رکھا مگر کسی اچھے قابل رہنما سے ابھی تک محروم رہا۔ حُسنِ اتفاق سے مقامی اُردو مدرسہ میں گزشتہ آٹھ ماہ پہلے ایک نہایت ہی مخلص شخصیت کا صدر مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ خوش قسمتی کہ صدر موصوف ایک نامی گرامی شاعر نکلے۔ یعنی ضیا زخمی کھام گانوی۔ موصوف سے شرفِ ملاقات کے بعد ایک مخلص رہنما کی کمی پوری ہوئی۔

محترم ضیا زخمی صاحب نے احقر کی گزارش پر اپنی سرپرستی قبول فرمائی۔ آج کل انھیں کی سرپرستی میں شعر کہہ رہا ہوں۔

ابھی تک کسی اخبار یا رسالے میں کلام چھپنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ محترم ضیا زخمی کی ہدایت پر شان ہند کی خریداری حاصل کر رہا ہوں اور پہلی مرتبہ اپنا کلام مع تعارف کے شان ہند کو بھیج رہا ہوں۔ تین غزلوں کے اشعار نمونہ کلام کے طور پر پیش ہیں۔

پتھر بھی ہوئے پانی دھرتی بھی لرز اُٹھی
ناکردہ گناہوں کی جب میں نے سزا پائی

خلوت کے تصور میں دیکھی جو جھلک ان کی
شرمائی حیا ان سے کچھ اُن کو حیا آئی

برگشتہ مقدر کا ذاکر یہ کرشمہ ہے
اب خود ہی تماشا ہوں اب خود ہی تماشائی

تجھ سا جہاں میں اور کوئی خوبرو نہ ہو
اب اتنی آرزو ہے کوئی آرزو نہ ہو

مرنے سے ہم کہاں بچے تیرے وصل کی لگن
پھر اس کے بعد دل میں کوئی جستجو نہ ہو

ساقی جو کائنات نہ ڈھالے شراب میں
ان میکشوں کے ہاتھ میں جام و سبو نہ ہو

ذاکر کہاں سے لائیں اشارے وہ لاجواب
اظہارِ مدعا ہو مگر گفتگو نہ ہو

تارے بجھا دیں نہ ساتھ کریں بھی تو کیا کریں
کٹتی نہیں جو رات کریں بھی تو کیا کریں

غم بھی ملا ہے درد بھی آنسو بھی زخم بھی
کیا کیا ہیں واردات کریں بھی تو کیا کریں

جب دو دلوں کے فاصلے ہی کم نہ ہو سکے
ذاکر کسی سے بات کریں بھی تو کیا کریں

قطعہ

فنا کی راہ سے جو پار ہو گئے ہوتے
پھر انقلاب کے شہکار ہو گئے ہوتے
تمہارے ستم سے جو بیزار ہو گئے ہوتے
اجل کے ہم بھی طلبگار ہو گئے ہوتے

غزل

نکہت شاجاپوری

زندگی میں جب کسی کو ٹوٹتا پاتی ہوں میں
اپنے ہی سائے سے اکثر چونک سی جاتی ہوں میں

دوست کے پردے میں دشمن جلوہ گر پاتی ہوں میں
زندگی کو اب باندازِ دگر پاتی ہوں میں

آرزوئیں جوڑتی ہیں حسرتوں کے لخت لخت
زیست سے مایوس ہو کر جب بکھر جاتی ہوں میں

گردشِ سوزِ الم فکرِ مآلِ زندگی
صفحۂ ہستی کو اکثر منتشر پاتی ہوں میں

آج پھر نوچا گیا نکہت کسی کا آشیاں
صحنِ گلشن میں کسی کے بال و پر پاتی ہوں میں

مثنوی مالوہ

قسط ۶

نازک الہ آبادی

وہ ہے دست قدرت کا بہتر کمال
یہ ہے اُس کے دو آبروؤں کی مثال
لوؤں میں کرن پھول کی جوڑیاں
وہ جھمکے ہیں شانوں پہ ایسے سجے
ہیں جھمکوں میں ہیرے بڑے آبدار
ہے سر سے کمر تک جو چوٹی پڑی
رسیلے لبوں کی بھی دوں کیا مثال
ہے ٹھوڑی پہ چاہِ زنخداں عمیق
ہے طوطے کی منقار سی اُسکی ناک
ہے گالوں میں جو اُس کے لالی بھری
کبوتر سی گردن ہے اُس کی حسیں
[illegible] یہ قشقہ ہے سندور کا
وہ رخ اُس کا ہے اک شگفتہ کمل
بیلے اُس کی ہیں آستینوں میں ناگ
بھری ہیں کلائی میں جو شوخیاں
حنائی ہتھیلی میں ہے دھوپ چھاؤں
جب اُٹھتی ہیں الماس سی اُنگلیاں
ہے سینے پہ اُس کے بلا کا اُبھار
شکم مشک نافہ کی تصویر ہے
ہے کمخواب کا اُس نے محرم کسا
ہے محرم کے اوپر شلوکا نفیس
ہیں پیچھے غرض اس کے بس وزن دار
ہیں زانو بھی کیلے کے چکنے تنے
غرض اُس کے پیروں کی دو پنڈلیاں
ہیں پائل میں گھنگھرو گندھے بے شمار

کوئی حور ہے وہ بچشم غزال
تنی گویا دو دو ہیں تیغ ہلال
پھر اُن میں ہیں جھومتی ہوئی جھمکیاں
کہ شاخ گندم میں ہیں جھولے پڑے
کہ جن کی چمک پر ہے سورج نثار
وہ ناگن سی پھن کھول کر ہے کھڑی
تراشیدہ ہیں جو بدخشاں کے لعل
کہ جس میں ہیں اہل نظر ہی غریق
جسے دیکھ کر اہل دل ہیں اواک
تر و تازہ گل کی سی ہیں پنکھڑی
وہ ہے خوبصورت بلا مہ جبیں
جو ہے نقش خود جلوۂ طور کا
بھنور گنگناتے ہیں جس پر غزل
اُگلتے ہیں لہرا کے جو منہ سے آگ
فدا اُن پہ نیلم کی ہیں چوڑیاں
جڑی جن میں ہے باہمی پیچ داؤں
تو جھکتی فلک پر ہیں خود بدلیاں
بنا ہے جو اُس کی جوانی کا بار
کہ وہ نقطۂ گاہ تنویر ہے
جو ہے زوج گل میں مکمل بسا
جو ہے میری بیوی کا پیارا آئیں
جو سیمیں کمر کے بنے ہیں خمار
جو ہیں مرمریں آرٹ خود ہی ڈھلے
سنہری چمک دار ہیں مچھلیاں
جو اپنی ہی دُھن میں ہیں خود پر نثار

(باقی آئندہ)

جوہر باسودوی ایک خادم ایک شاعر

(محمد قاسم سا)

جناب عبدالحمید التخلص بہ جوہر باسودوی سرزمین مالوہ کے ایک نامور شاعر ہی نہیں بلکہ اُردو زبان و ادب کے ایک سچے خدمت گزار بھی ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ علم و ادب کے شعبوں پر نچھاور کرتے ہوئے صحافت۔ ادب اور شاعری کو جلا بخشنے میں اسے نکھارنے سنوارنے کا مقدس فریضہ انجام دینے میں گزرا اور شاعری کو اعلیٰ فکر و شعور کے جواہر سے مالامال کیا۔ جس طرح پھول کی خوشبو آفتاب کی روشنی اور کائنات کا حسن کسی ملک یا فرقے کی ملکیت نہیں ہوتی اسی طرح فن بھی کسی ملک کسی فرقے کی میراث نہیں بنائی جا سکتی۔

آپ نے اپنے قلم سے تنگ نظری عصبیت اور ناانصافی کے خلاف جہاد کیا۔ آپ نے اپنے فن سے عوام اور سماج کو آئینہ دکھایا۔ شعری یا نثری تخلیقات کو جنم دینے ہی سے زبان و ادب کی خدمت پوری نہیں ہو جاتی جب تک زبان کے پڑھنے اور سمجھنے والے پیدا نہ کئے جائیں۔ لہٰذا جوہر صاحب نے اسی نظریئے کے تحت اپنی خدمات کا آغاز ۵۷-۱۹۵۶ء سے انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ گنج باسودہ ضلع ودیشہ (مدھیہ پردیش) جیسی چھوٹی سی جگہ میں انعقاد کر کے اولاً اردو پرائمری اسکول کی صورت میں کیا۔ جو گوناگوں ترقیوں کے ساتھ اُردو مڈل اسکول کی حیثیت میں زبان و ادب کی خدمت کر رہا ہے۔ خدا کا شکر ہے یہ اردو اسکول اس علاقے میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے تعلیم پا کر سینکڑوں نونہالان قوم و وطن زندگی کے مختلف شعبوں میں کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔

انجمن ترقی اُردو کے روز قیام سے اب تک جوہر باسودوی اس شاخ کے عہدہ صدارت پر فائز ہیں۔ حالات اور زمانے کے سینکڑوں طوفانوں سے گزر کر بھی موصوف میں جذبۂ خدمت زبان و ادب اب بھی اُسی طرح موجزن ہے جس طرح روز اول تھا۔

آپ کے والد محترم وکیل محمد علی خاں صاحب (مرحوم) کا شمار ضلع ودیشہ کے بہترین وکلاء میں ہوتا تھا۔ وہ بہت ہی خدا پرست اور نیک انسان تھے۔ انتقال بھی مغرب کی نماز پڑھتے ہوئے سجدے کی صورت میں ہوا۔ ایسی برگزیدہ ہستی کے گھر جنم لے کر جوہر صاحب کی زندگی مجموعۂ جواہر نہ بنتی تو اور کیا بنتی۔ والد محترم کے انتقال پُر ملال کے بعد تعلیم کا سلسلہ زیادہ نہ چل سکا۔ کیونکہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی کفالت کا بار انھیں کو اٹھانا پڑا۔

جوہر صاحب نے اپنی قابلیت کی بنا پر عزت، شہرت اور کمالِ فن حاصل کیا۔ بڑے بڑے مشاعرے سر کئے۔ کئی مشاعروں میں حضرت جگر (مرحوم) کا بھی ساتھ ہوا۔ جگر صاحب آپ کی شاعری سے بہت حظ اندوز ہوا کرتے تھے۔ ایک مشاعرہ جو ریلوے کالونی بھوپال میں منعقد ہوا تھا جس میں جگر صاحب بھی شریک تھے۔ انہوں نے جوہر صاحب کے اس شعر کو تقریباً کئی مرتبہ پڑھوایا تھا:

"ہائے اُن معصوم پلکوں کے قریب
کچھ ستارے جھلملا کر رہ گئے"

اسی طرح ایک مشاعرہ نواب زادہ رشید ظفر خاں صاحب بہادر نے شملہ پیلس بھوپال میں بصدارت انجہانی لال بہادر شاستری منعقد کیا تھا جس میں جگر صاحب بطور خاص مدعو تھے اور بھوپال کے تمام مشاہیر شعرا بھی شریک ہوئے جگر صاحب اور دیگر شعرا حضرات نے جوہر صاحب کے منہ ...

شعر کو کافی پسند فرما کر بار بار پڑھوایا ؎

تیری محفل وہ محفل ہے ترے جلوے وہ جلوے ہیں
جہاں بیساختہ دیوانہ بن جانے کو جی چاہے

ڈاکٹر اشفاق (مرحوم) جو ہر صاحب کے بہترین دوستوں میں تھے اور موصوف کو اکثر و بیشتر جوہر صاحب کے اس شعر کی تعریف کیا کرتے تھے ؎

کس قدر نامعتبر ہے یہ بہارِ کائنات
کس قدر اپنی نظر کو معتبر پاتا ہوں میں

شعر کی تخلیق سے قبل شاعر پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ کم و بیش ہر شاعر پر یکساں ہوتی ہے مگر شعر کی تخلیق کے بعد جوہر صاحب پر میں نے ایک عجیب کیفیت دیکھی ہے۔ ایک غزل کہنے کے بعد اس غزل کا ایک ایک شعر پڑھتے تھے اور بے ساختہ روتے جاتے تھے۔ وہ اشعار میرے حافظے میں اب تک محفوظ ہیں جو حسب ذیل ہیں ؎

دارا مری طرح نہ سکندر مری طرح
کس کو نصیب ہوگا مقدر مری طرح
ہے کوئی جو کہ ہمت و جرأت کے باوجود
دکھلائے یوں ڈبو کے سفینہ مری طرح
دیوانہ کوئی بھٹکے گا کوچے میں آپ کے
کھائے گا کون لوگوں کے پتھر مری طرح
پھولوں پہ کبر و ناز سے چلنا تو کھیل ہے
دکھلائے کوئی کانٹوں پہ چل کر مری طرح
محبوب جمالِ حسن کا عالم نہ پوچھیے
خود آئینہ بھی رہ گیا ششدر مری طرح
کہنے کو یوں تو سب کو محبت ہے آپ سے
دکھلائے کوئی آپ کا بن کر مری طرح
حرماں نصیب پیکرِ غم تشنۂ کرم
کوئی نہ ہو زمانے میں جوہر مری طرح

مندرجہ بالا اشعار جوہر صاحب کی زندگی کے ان واقعات کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ جب والیٔ ریاست گوالیار آنجہانی مہاراجہ جیواجی راؤ سندھیا ان پر حد درجہ مہربان تھے اور انہیں اپنی ریاست کا ایک بلند مقام شاعر تصور کرتے تھے۔ لوگوں نے دیکھا اور سنا ہے کہ مہاراجہ صاحب ریاست سے سبکدوش ہونے پر کفِ افسوس ملتے ہوئے کہتے تھے۔ "افسوس میری حکومت نہیں رہی ورنہ میں جوہر صاحب کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا۔" مہاراجہ صاحب سے ذاتی مراسم ہونے کے باوجود جوہر صاحب نے اُن کے آگے یا کسی اور کے آگے اپنا دامنِ طلب نہیں پھیلایا۔ مگر اُردو کے لئے اسکول کے لئے انہوں نے ادنیٰ و اعلیٰ کا خیال کئے بغیر جھولی پھیلائی۔ یہ موصوف کے عظمت و کردار کی ایک بلند مثال ہے۔

جوہر صاحب نہایت حساس اور ہمدرد انسان ہیں اور ان کی اسی حساسی کی وجہ سے شاید مندرجہ ذیل اشعار کی تخلیق عمل پذیر ہوئی ؎

کوئی رہبر ہے نہ ملتے ہیں نشانِ منزل
کس جگہ چھوڑ دیا تم نے اکیلا مجھ کو

کچھ ضروری نہیں بیداد ہی کرنا اُن کا
وہ اگر چاہیں کرم سے بھی مٹا دیتے ہیں

ہر نفس تازہ گرفتارِ بلا ہوں اے دوست
کیا قیامت ہے شبِ ہجر میں تنہا ہونا

رابطہ دل سے نہ جب تک کہ صدا پیدا ہو
میرا ہر تارِ نفس ساز بنائے رکھئے

یہ راز اہلِ خرد کی سمجھ میں کیا آئے
جسے نواز دیا شانِ سروری دیدی

ہمیں نے ذوقِ عمل زندگی کو بخشا ہے
ہمیں نے مرنا بھی سیکھا ہے زندگی کے لئے

جوہر صاحب نے جب عالم شعور میں قدم رکھا اُردو شاعری پوری طرح رجعت پسند خیالات سے چھٹکارا نہیں پا سکی تھی۔ وہی دور اُردو شاعری کے انقلاب کا دور بھی تھا۔ ڈاکٹر اقبال، جوش ملیح آبادی، چکبست، مرزا یاس یگانہ چنگیزی، علامہ سیماب اکبر آبادی اور جگر مراد آبادی و دیگر کئی شعرائے کرام شاعری میں نئے نئے گل کھلا رہے تھے۔ جنگِ آزادی میں شعراء منہمک ہو چکے تھے۔ لہٰذا جوہر صاحب بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ؎

وہ نامرادِ قوم ہے غدارِ قوم ہے
جس دل میں پاسِ عظمتِ ہندوستاں نہیں

کچھ پاسِ وطن ہے نوا اے ارضِ وطن والو
مل کر ہمیں کرنا ہے تعمیر محبت کی!

خوشبو سے جن کی سارا زمانہ مہک اٹھے
پھولوں میں ایسی بوئے وفا چھوڑ کے چلو

انہیں وقت کا ناقوس بھی جگا نہ سکا
میں تنگ ظرفوں کے حالات سوچتا کیسے

جوہر صاحب نے اپنی شاعری میں شوکتِ الفاظی کی طرف دھیان نہ دیتے ہوئے سیدھے سادے الفاظ میں اپنے دل کی بات کہنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔ نتیجہ میں دو دیوان "انوارِ غزل" اور "تصویرِ جوہر" طباعت کے لئے تیار ہیں۔ خدا کرے جلد ہی ان کا کلام شائع ہو کر منظرِ عام پر آئے جس سے عوام الناس استفادہ حاصل کر سکیں۔ مجھے جوہر صاحب کی غزلیات کے اشعار نے زیادہ متاثر کیا ہے۔ اس لئے میں نے زیادہ تر وہی نمونے کے طور پر پیش کئے ہیں۔ مختلف نظریات کے تحت اُن کے مجموعہ کلام سے اخذ کئے گئے چند اشعار اور بھی پیش کر رہا ہوں۔ ان اشعار میں ان کے شاعرانہ مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ؎

متاعِ روح سکونِ حیات مانگے ہے
یہ تو نہ مجھ سے تیری کائنات مانگے ہے

اچھا ہوا جو میں تجلی میں کھو گیا
پہروں پھرے کی اُن کی نظر ڈھونڈتی مجھے

ہلکی سی روشنی پہ ٹھہرتی نہیں نظر
خورشید سے نگاہ ملا لے کے دن ـــ

نہ جانے کون سی اقتضا اور باقی ہے
بہت حسین میری زندگی لگے ہے مجھے

پیکرِ عمل بن کر محوِ جستجو ہو جا
راہ میں اندھیروں کے منتظر اجالے ہیں

غزل

راز لائل پوری

اُن کی کسی کے قلب و جگر پر نظر نہ جائے
جائے اگر، تو بے دل و بیتاب کر نہ جائے
اُلفت سی ہو گئی ہیں صیاد سے کہو
قیدِ قفس سے وہ ہمیں آزاد کر نہ جائے
تا عمر ہاتھ ملتے رہیں وہ ہمارے بعد
اُن کو ہماری موت کی ہرگز خبر نہ جائے
آزادیوں تو پھرتی رہے ہر طرف مگر
بندش شمیم زلف پہ ہے میرے گھر نہ جائے
ساقی وہ کیا شراب جو پی اور اُتر گئی
ایسی پلا کہ جس کا ابد تک اثر نہ جائے
اے جوشِ گریہ سُن ذرا اتنا خیال رکھ
یوں روتے روتے سوکھ کہیں چشمِ تر نہ جائے
دُنیائے سنگ زار میں اے راز ہوشیار
شیشے کی طرح ٹوٹ کے ہستی بکھر نہ جائے

بہ کوئے دوست باندازِ محرمانہ گزر

سرورؔ تونسوی

"مجھے آپ اچھی لگتی ہیں" پڑھنے والوں کو اس قدر اچھا لگا کہ سینکڑوں خطوط کے ذریعے اور ٹیلیفون پہ بے شمار احباب اور قارئین کرام نے یہ حکم دیا ہے کہ شانِ ہند میں ایک ایسا مستقل عنوان قائم کیا جائے جس میں مدیر شانِ ہند ایسے واقعات قلم بند کرے جو ناقابلِ فراموش ہونے کے ساتھ ساتھ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد کے عام حالات اور اردو کی تاریخ پر صحیح طور پر روشنی ڈال سکیں۔ چنانچہ یہ مستقل سلسلہ "بہ کوئے دوست باندازِ محرمانہ گزر" عنوان سے شروع کیا جا رہا ہے۔ یقین فرمایئے کہ آپ اس سلسلے کو پسند فرمائیں گے۔

سرورؔ تونسوی

چونکہ یہ شاعرہ مسلمان ہونے کے باوجود برقع میں دکھائی دینا ضرورت کے وقت استعمال کرنے کی عادی نہیں تھیں اسلئے اس زمانے کے اکثر و بیشتر مسلمان اس بے پردگی پر دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ ایک سرکاری کلرک جو اپنے آپ کو شاعرِ اعظم سمجھتے ہیں۔ ان صاحبہ پر بُری طرح عاشق ہوگئے۔ چونکہ شرعی اور مذہبی لوگ اکثر اپنے سفلی یا جنسی جذبات کی تکمیل کے لئے نکاح کا سہارا لیتے ہیں۔ لہٰذا ان شاعر صاحب (جو حضرت جوشؔ ملیح آبادی کی مخالفت محض اس لیے کرتے تھے کہ وہ شراب پیتے ہیں اور کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کی تعریف اس لئے کرتے تھے کہ ان کی بدولت اُن کی ملازمت قائم تھی۔ حالانکہ شراب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ بھی پیتے ہیں) کی بدقسمتی کہ انہیں نہ معلوم یہ "خوش فہمی" کیسے ہوگئی کہ یہ دلی کی جانِ محفل اس ریش دراز متشاعر جو جمعے کے جمعے کو نواحی سے ملحقہ مسجد میں بغیر صابن کے غسل فرماتے تھے، سے نکاح فرمالیں گی۔ لہٰذا یہ صاحب جس طرح غیر موزوں مصرع لال قلعہ کے مشاعرے میں حضرت جوشؔ ملیح آبادی کی شراب نوشی کے خلاف پڑھ گئے تھے (یہ مشاعرہ ریڈیو پر بھی ساتھ ساتھ براڈکاسٹ ہو رہا تھا) عین اسی طرح انتہائی غیر موزوں وقت پر غیر موزوں تجویز لے کر اس آفتِ جاں کے ہاں پہنچے۔ ان محترمہ نے داروغہ جہنم سے ملتی جلتی شکل کے اس متشاعر کو پہلی بار اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کی وجہ نہایت شریفانہ انداز میں دریافت فرمائی تو این حضرت نے حضور رسول اکرمؐ کی پیدائش سے لے کر اس وقت تک کی تمام اسلامی تعلیم، اسلامی فتوحات، اسلامی اخلاق، اسلامی عقد و نکاح کے قوانین اور بے پردگی کے خلاف بلند آواز سے "بہارِ شریعت" کچھ ایسے لب و لہجے سے شروع کی کہ ان صاحبہ نے ایک دو گھنٹے تک تو یہ وعظ سنا اور قطع کلام کے لئے معافی چاہتی ہوں، کہتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنا مدعا فرمایئے کہ کس لئے آپ نے یہاں تشریف لانے کی تکلیف فرمائی۔

اس پر یہ حجاج نما ڈاڑھی ہلاتے ہوئے بولے کہ میں نہیں چاہتا کہ دو دو پیسے کے لوگ آپ کے بارے میں ایسی ویسی باتیں کریں اور آپ جب مشاعروں میں جائیں تو سامعین آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آپ کو دیکھیں۔ اس لئے میری یہ مخلصانہ درخواست ہے کہ آپ میرے رشتۂ ازدواج میں آجائیں اور میرے غریب خانہ میں ایک باعزت خاتون کی طرح بیٹھ جائیں۔

ان کا یہ کہنا تھا کہ بیگم صاحبہ کے دل و دماغ میں ایٹم بم (اُن دنوں بموں کی خطرناک اقسام میں ایٹم بم ہی سرفہرست تھا) کے پھٹنے کا سا دھماکہ ہوا اور اس "دھوش" کے بعد جب فضا کچھ صاف ہوئی تو یہ حضرت وہاں سے صاف ہو چکے تھے اور بیگم صاحبہ تھیں کہ غصہ کے باعث ہائی بلڈ پریشر کو دور کرنے کے لئے اس احمق اور جاہلِ مطلق کی سادہ لوحی اور "خوش فہمی" پہ دیوانہ وار قہقہہ بنی ہوئی تھیں۔

(جاری ہے)

ایک خوش فہمی کا ازالہ

ہم اپنی تحریر میں جناب متین ایم اے سے مخاطب نہیں کیونکہ جناب ذاکر عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ "اس سلسلے میں ت یہ ہے کہ بعدِ ترمیم میرا جواب متین کا جواب بن گیا ہے۔ لہذا متین کے پُرزے کو سامنے رکھ کر میری غلطیوں کو ظاہر کیجئے۔ مجھے اس کی خوشی ہے کیونکہ ......"

اور آگے لکھتے ہیں کہ "باقی غلطیوں کے سلسلے میں مجھے خوش فہمی میں مُبتلا رہنے دیجئے کیونکہ وہ سب میرے نزدیک درست ہیں۔ شبہ صرف مذکورہ بحر صریم پر ہے۔"

اوّل تو بحکمِ علاّم عشق آبادی ہم تمام اغلاط کی پردہ داری کرتے ہیں اور کسی غلط جواب بھیجنے والے کا نام تک ظاہر نہیں کرتے لیکن جہاں اس قدر خوش فہمی مُسلط ہو جو سطور بالا میں ہے تو ہم مجبور ہو کر ظاہر کرتے ہیں۔ انعام سے محرومی کے لئے تو صرف ایک غلطی ہی کافی ہے جسے خود ذاکر صاحب نے ...... بلفظ شبہ لکھا ہے۔ اب دیگر اغلاط بھی دیکھیے۔ (ہم نے یہ واضح کر دیا تھا کہ جہاں جہاں رکن سالم آیا ہے ہم نے لکھ دیا ہے پھر بھی غلط لکھ دیا۔ ہم نے زحافت قطع اور بتر کہیں استعمال نہیں کیا لیکن ذاکر صاحب کے رکن مقطوع اور املا ہجا کے اغلاط سے بھی چشم پوشی کی گئی ہے)

چارٹ مثمن

ر	بحر	صدر / ابتدا	حشو	حشو	عروض / ضرب	صدر / ابتدا	حشو	حشو	عروض / ضرب
۳	مشاکل	فاعِ لاتن	مفعولن	فاعِ لاتن	مفعولن	سالم / مکفوف	سالم مخنق	سالم / مکفوف	سالم مخنق
۹	مضارع	مفعولن	فاعِ لاتن	مفعولن	فاعِ لاتن	اخرم	سالم / مکفوف	سالم مخنق	سالم

یہ سالم / مکفوف کیا بلا ہے؟ اگر رکن سالم مانیں تو مخنق کا حرفِ اول کہاں گیا؟ اور مکفوف مانیں تو سالم کیا معنی؟

چارٹ مُسدس

شمار	بحر	صدر / ابتدا	حشو	عروض / ضرب	صدر / ابتدا	حشو	عروض / ضرب
۹	حریم	مفعولن	مفعولن	فع	اخرم	محذوف مقصور	محذوف مقصور
۱۸	مشاکل	فعلُ	مفاعیلن	”	مجبوب	مکفوف مخنق	مجبوب مخنق
۲۵	مقتضب	مفعولُ	فعلن	فعلن	مرفوع	مطوی مسکن	احذ محذوف
۲۷ مزید	اصیم وسیع	فعلن ”	مفعولن ”	” ”	مجبوب مخبون مسکن	سالم مخنق مطوی مسکن	محذوف مقصور مخبون مسکن

حریم پر :۔ محذوف مقصور کا اجتماعی نام لکھنا چاہیئے تھا جو سدسی سد عروض و ضرب کا زحاف ہے حشو میں کس طرح وارد ہوگیا ہے؟

ہم نے مفعولن مفعولن فع پوچھا تھا اور اس غلط زحاف سے مفعولن فعلن فعلن بنتا ہے (واہ ری خوش فہمی)

مشاکل پر : مکفوف مخنق کا میم کہاں اُڑ گیا؟ اس طرح تو فعلن مفعولن فع بنتا ہے جو غلط در غلط ہے اور ایک سبب خفیف کم ہو جاتا ہے

مقتضب پر :۔ ہمارا وزن دیا ہوا اوپر دیکھیئے اور ذاکر صاحب کے عمل زحاف سے وزن بنا مفعولُ مفعولن فع۔ جو غلط ہے۔

اصیم پر :۔ محذوف مقصور کی جگہ اجتماعی ”...ف“ لکھنا چاہیئے تھا۔

وسیع پر :۔ مسدس کے عروض و ضرب میں مستفعلن ہے اور خوش فہم ذاکر صاحب فاعلن سمجھے جو مخبون مسکن لکھا۔

اور اس پر فرماتے ہیں :

”ایک بات کھل کر عرض کر دیتا ہوں کہ اصلاح کرنے میں آبر صاحب کا ثانی ہوا ہے نہ ہوگا۔ اسی طرح عروض میں علاّم عشق آبادی کا ثانی ہوا ہے نہ ہوگا مگر خود ستائی کا شبہہ نہ ہو تو مزید عرض کر دوں کہ (میں جاذب کی ذات) دونوں باتوں میں طاق ہوگی۔“

جہاں تک ہوگا۔ یعنی مستقبل کا سوال ہے۔ اس پر حضرت علاّم مد اللہ ظلہ العالی فرماتے ہیں ”کار ونما گیے تمام نکرد“ فردا معبودِ انبیاء و مسجود قلندران کے قبضے کی چیز ہے نہ کہ انسان کے۔“

جب آپ کی ذات طاق ہوگی تو ہم بھی آفریں کہیں گے۔

(ادارہ)

"حضرت ساقی مرحوم خلد آشیاں کی یاد میں"

مرتبہ (غازی سکروڈہوی)

صرف یادِ غمِ بیکراں رہ گئی
مرثیہ لا آگیا داستاں رہ گئی

اس جہانِ رنگ و بو میں کیسے کیسے لوگ آئے اور چلے گئے۔ کتنی ہی عظیم شخصیت ہو۔ مگر کسی کیلئے اس آئینِ فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ خود مرحوم ہی کے الفاظ میں :-

اپنی بربادی کا ماتم کیا کریں
"ہونیوالی بات" کا غم کیا کریں

اس جانکاہ سانحہ پر میں اپنی چالیس سالہ رفاقت بیشمار رشتوں اور علمی تعلقات کا ذکر ذرا تفصیل سے کروں تو یہ میرے لئے مشکل ہے۔ کیونکہ

اپنی ہی نعش پہ خود بیٹھ کے شب بھر رونا
کتنا دشوار ہے یہ مرحلۂ نوحہ گری
(ساغر نظامی)

مگر ہاں۔ بغیر کسی تمہید و تکلف کے اتنا عرض کرونگا کہ ایک مخلص انسان اور منفرد انداز کا شاعر اُٹھ گیا "اناللہ وانا الیہ راجعون"۔ بہت سی عظیم شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو نہ شہرت کی تمنار کھتی ہیں نہ صلہ کی پرواہ تمام عمر خاموشی کیساتھ اپنے فن اور کردار کی خونِ دل سے آبیاری کرتی رہتی ہیں اور ہمیشہ اس وضعداری پر قائم رہتی ہیں کہ (ہر سر بزم مرا نام نہ آنے پائے)

کچھ ایسا ہی مزاج حضرت ساقی مرحوم نے بھی پایا تھا۔ یا بنا لیا تھا۔ "کبھی خود نمائی" کی کوشش نہیں کی۔ کبھی اپنے کلام کو رسائل اور اخبارات کو بھیجنا پسند نہیں کیا۔ مشاعروبازی سے ہمیشہ تائب رہے۔ کبھی اردو کے "مینا بازار" کی رونق نہیں بنے۔ آخر بہت سے شاعروں اور ادیبوں کی طرح انکی زندگی کی کہانی بھی "واہ" سے شروع ہو کر "آہ" پر ختم ہوگئی۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں سکروڈہ ضلع سہارنپور کے نامور رئیس اعظم نواب زادہ محمد معصوم علیخانصاحب مرحوم کے گھر پیدا ہوئے۔ نام راؤ احمد زماں خاں سنہ ۱۹۲۵ء میں میخانۂ ادب کا ساقی بنا اور ۴ اکتوبر سنہ ۱۹۷۷ء تک جام و مینا میں اپنا خونِ دل انڈیلتا رہا۔ اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانیسے آخر وہ وقت آہی گیا۔ کہ

میکدے کی ہائے رے ویرانیاں
شیخ بھی با دیدۂ پرنم چلے

اس عظیم سانحہ پر نیازمندانِ ساقی اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ

نہ جانے چھلکائے جام کتنے نہ جانے کتنے سبو اچھالے
مگر مری تشنگی کو اب بھی تری نظر سے شکایتیں ہیں
(شوق)

یہ بھی کتنی عجیب بات ہے؟ کہ جاگیرداری نظام کے ماحول میں ناز و نعم کیساتھ پرورش پانے والا ساقی سکروڈہوی اتنا مخلص اتنا ہمدرد اتنا دلنواز۔ اتنا ایثار پسند بھی ہو سکتا ہے؟ فطرت کی اس دین کو کیا کہا جائے۔ کہ

میری ہوس کو عیشِ دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل لہو بھرا
(فانی بدایونی)

میں ان مختصر سطور میں مرحوم کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا نہ آپ کو اپنی رائے کا پابند بنانا چاہتا ہوں صرف مرحوم کے مجموعۂ کلام (موج مے) سے کچھ متفرق اشعار پیش کر کے غور و فکر کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔

کیوں اہلِ حشر ہے کوئی نقادِ سوزِ دل
آیا ہوں دل کے داغ نمایاں کئے ہوئے
(فانی بدایونی)

انتخاب پیش کرنیسے پہلے اتنا اور واضح کر دوں؟ کہ مرحوم کی ساری عمر غزل سرائی میں گذری۔ مگر خدا کی شان کہ ان پر ہی کے قربان جائیے۔ کہ دمِ واپسیں زبان پر ذیل کے نعتیہ اشعار آگئے خدا وسیلۂ نجات بنائے۔ آمین

"بارگاہِ رسالت مآب میں"

اک نظر سیدِ ابرار رسولِ عربی
میرے آقا مری سرکار رسولِ عربی

کاش مل جائے ترا دامنِ رحمت کہ مجھے
لوگ کہتے ہیں گنہگار رسولِ عربی

آج دنیا میں جسے ایمان کی دولت کہئے
بک رہی ہے سرِ بازار رسولِ عربی

آپ کی ذات ہے منجملۂ اسبابِ نجات
ورنہ میں اور یہ آزار رسولِ عربی

رہ نہ جائے ترا ساقی کہیں محرومِ جمال
تیز ہے وقت کی رفتار رسولِ عربی

مرحوم نے جو فطرتِ خود دار پائی تھی۔ اسکی عکاسی کے لئے ایک قطعہ ملاحظہ ہو

لو تم جو چاہو میں فیصلہ کر لیں
میں کسی کو برا نہیں کہتا

یہ حقیقت مگر مسلّم ہے
ناخدا کو "خدا" نہیں کہتا

وقت کا کاروان تاریخ کی کتنی سنگین حقیقتوں کو اپنے جلو میں لئے رواں دواں ہے۔ اس حقیقت کو شاعرانہ انداز میں سنئے۔

ساز تو ہے مگر نہیں ہوتا
درد کی کوئی لے نہیں ہوتی

وقت کے زر نگار ساغر میں
خون ہوتا ہے مے نہیں ہوتی

اور شعرا کی زمین کتنے قیامت خیز مناظر پیش کرتی ہیں؟ مگر مرحوم کا انداز بیان کچھ اور ہے۔ غزل کا ایک شعر ہے

آرہی ہے شام ہی سے ان کی یاد
رات گذرے گی بڑے آرام سے

عابدوں اور زاہدوں کے لئے خلد بریں کا حصول مقصد حیات قرار پاتا ہے۔ مگر ایک رند مشرب کی معراج کچھ اور ہے۔ کس خوبی کے ساتھ اسکا اظہار کیا گیا ہے۔

پہونچے ریاض خلد میں یاران تیز گام
میں تھک کے بارگاہ الٰہی میں رہ گیا

رئیس المتغزلین حضرت جگر مرادآبادی نے اپنے مخصوص انداز میں ایک بڑی بے تکلف اور اچھوتی بات کہی ہے۔

نوید بخشش عصیاں کا شکریہ لیکن
گنہگار کو یارب گنہگار نہ کر

مگر یہاں اس خیال کو ایک نئے زاویۂ نگاہ سے پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

گنہگار کو جنت قبول ہے ساقی
یہ اسکی شان کریمی کا فیصلہ ٹھہرا

اسی زمین کا ایک اور شعر ارباب سیاست کیلئے "سوالیہ نشان" کی حیثیت رکھتا ہے۔

بہت قریب سے دیکھا تھا میں نے منزل کو
پھر اسکے بعد کہاں جا کے قافلہ ٹھہرا

دنیا کی زبان کو کون بند کر سکتا ہے؟ یہ بات کیسے حسین پیرائے میں کہی گئی ہے۔

مجھے تو آپ سے شکوہ نہیں تباہی کا
یہ فیصلہ تو زمانے کا فیصلہ ٹھہرا

ان کی حسرتیں نمایاں کسے یاد نہیں آتیں۔ مگر خود فراموشی کے اس حقیقی عالم سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

کتنی [illegible] حیرانی ہی
بیوفا یاد بھی نہیں آتی

اس زمین میں ایک نفسیاتی بات بڑے اچھوتے انداز میں کہی گئی ہے۔

روٹھنا پیار کی علامت ہے
تم سے بیداد بھی نہیں آتی

اسی غزل کے ایک شعر میں کتنی یاس انگیز اور دردناک کیفیت ہے اللہ کی پناہ

دل کی بربادیاں ارے توبہ
اب تری یاد بھی نہیں آتی

کسی کا مشہور قول ہے۔ "خدا مجھے دوستوں سے بچائے" یہی بات شعر کے سانچے میں ڈھلکر کیا مزا دے رہی ہے

وفا کے نام پہ کھائی ہیں کتنی برچھیاں میں نے
بہت کچھ کھو کے پایا ہے "مزاج دوستاں" میں نے

ایسے شعر کہنے والے شاعر کے بارے میں آپ کیا رائے قائم کرینگے؟ مجھے اس سے کوئی بحث نہیں "پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا۔" لیکن شاعری اگر واردات قلب کا نام ہے تو مرحوم نے ایک ایک شعر میں اسکا حق ادا کیا ہے۔

میں اپنی بات مرحوم ہی کے ایک شعر پر ختم کر رہا ہوں۔

جانیوالے تو جا چکے ساقی
رہ گئیں کچھ نشانیاں ان کی

بقیہ "معیار کی کسوٹی پر" صفحہ ۳۷ سے آگے

ذوق طلب و جستجو: اخلاق حسین عارف افسانہ نویس کی حیثیت سے تو خوب جانے پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن ادھر انھوں نے اپنے تنقیدی شعور کا اظہار بھی کافی سنجیدگی کے ساتھ کیا ہے غالب پر ان کی دو تنقیدی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں انھوں نے غالب کے ذہنی تحرکات کا بھرپور جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔

ذوق طلب و جستجو بھی ان کی ایسی ہی کتاب ہے جس میں انھوں نے بعض اہم شعراء کے تعلق سے کچھ نئے گوشوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں شامل اکثر مضامین کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عارف کسی شاعر پر سرسری سی نظر ڈال کر محض تعارفی انداز میں مضامین لکھنے کے قائل نہیں بلکہ وہ اس شاعر کے کسی اہم ذہنی تحرک کا بھرپور جائزہ لینے کی جانب توجہ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے مضامین "مومن میں جنگ آزادی کی تڑپ"، "شبلی کی قومی شاعری" "نظیر اکبرآبادی کے کلام میں ہندوستانی تہوار اور میلے اور "ثاقب لکھنوی کی ادبی محفل" کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

(باقی صفحہ پر)

عارف نے ان مضامین میں مذکورہ شعرا کے سلسلے میں عام روایت سے ہٹ کر ان پہلوؤں کی تلاش وہی کی ہے جو عام قاری کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ ان مضامین کے مطالعے سے مذکورہ شعرا کی شخصیت اور فن کے بعض اہم گوشوں کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی عارف کے یہ مضامین لائق تحسین ہیں کہ ان بعض اہم شعرا کی شخصیت کو مکمل طور پر سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

اسی طرح عارف نے بعض ایسے شعری و ادبی پہلوؤں کو تلاش کرنے کی بھی کوشش کی ہے جن کا تعلق شعری و ادبی روایت سے بہت گہرا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے مضامین خواجہ امیر خسرو، عرفی کا ایک قصیدہ، غالب اور اقبال کا آرزو، نظیر اکبرآبادی کی ایک نظم جنم کنہیا جی، میر انیس و دبیر کا آخری مرثیہ گو، خبیر لکھنوی وغیرہ میں انہوں نے چند قدیم ادبی روایتوں کو ایک بار پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان مضامین کی روشنی میں خسرو، عرفی، غالب، نظیر، خبیر لکھنوی وغیرہ کے اصل مقام کو سمجھنے میں مدد ضرور مل سکتی ہے۔

جس طرح عارف کے افسانوں کی زبان دل کش اور اسلوب موثر ہوتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے تنقیدی مضامین میں بھی اس بات کا پورا پورا خیال رکھا ہے کہ ان مضامین کی زبان اور اسلوب گنجلک نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے یہ مضامین جہاں معلوماتی اعتبار سے دل و ذہن کو چھوتے ہیں وہیں زبان و اسلوب کے لحاظ سے بھی دل پر کافی گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔

۲۵۶ صفحات کی یہ کتاب جس کی قیمت دس روپے ہے ۱۵ ادارہ خانہ لکھنؤ یا مکتبہ شانِ ہند نئی دہلی ۲ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

(عزیز اندوری)

ہلی پٹ کا سفر، گلیور کے دلچسپ اور مشہور زمانہ سفرنامہ سے ماخوذ یہ کتابچہ جو ناتھن سوئفٹ کی تصنیف ہے اور جسے م۔ ا۔ ندیم نے بہت ہی اچھے طریقے سے اردو میں ڈھالا ہے۔

یہ سفرنامہ اس قدر دلچسپ ہے کہ کتاب شروع کرنے بعد آپ ختم کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ باوجود اس کے چند بہت ہی دلچسپ حصے جو انگریزی کتاب میں تھے وہ اس ترجمہ میں نہیں دیئے گئے پھر بھی یہ کتابچہ ۴۸ صفحات کا یہ بہت ہی مقبول اور ملک میں شائع شدہ سفرنامہ ضرور پڑھیے۔ قیمت دو روپے دس پیسے۔ اردو ترقی بورڈ نئی دہلی یا دفتر شانِ ہند سے خریدا جا سکتا ہے۔

غزل

ذرارات کی رات

حضور سہرانی

آپ آجائیں اگر پاس، ذرارات کی رات
مجھ کو آجائے وفا راس، ذرارات کی رات

میں ادھر تڑپوں، ادھر کروٹیں بدلے تو
جاگ اٹھے تیرا بھی احساس، ذرارات کی رات

تیری آمد سے مہک جائیں مرے دل کے گلاب
ان میں بس جائے تری باس، ذرارات کی رات

میرے آنگن سے بہت دور ہے سبزے کا وجود
کیسے اگ آئے یہاں گھاس، ذرارات کی رات

آسمانوں سے اتر آئے مری چھت پہ قمر
زیست آجائے مجھے راس، ذرارات کی رات

میرے پہلو میں ذرا دیر تو زخموں کو بھی
کر محبت کا مری پاس، ذرارات کی رات

کس لئے آج کی شب مجھ سے گریزاں ہیں حضور
کیوں نہیں آئے مرے پاس، ذرارات کی رات

ناقابلِ فراموش از سردار دیوان سنگھ مفتون
قیمت ۲۵ روپیہ۔ دفتر شانِ ہند دہلی ۲

معیار کی کسوٹی پر

نوح ناروی۔ حیات اور شاعری : ۱

اُردو شاعری میں "داغ اسکول" کو اس لحاظ سے بھی انتہائی اہمیت حاصل رہی ہے کہ اس کے ذریعہ زبان و بیان کے حسن اور تزئین کی ایسی مثالیں قائم کی گئیں جنھیں اُردو شاعری کا "قیمتی سرمایہ" کہا جا سکتا ہے۔

داغ نے دلی کی ٹکسالی زبان کا استعمال تمام تر شعری محاسن اور اصولوں کے تحت جس طرح کیا اس نے اُردو شاعری کو چٹخارے اور لطافت زبان سے بڑی حد تک قریب تر کر دیا جس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اُردو شاعری اپنے لطیف تر تاثرات کی وجہ سے عوام الناس میں بھی بڑی حد تک مقبول ہو گئی۔ اس طرح "داغ سکول" کی اس "خدمت" کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے متعلق تقریباً ہر شاعر نے اُردو شاعری کو "عوامی شعور" سے بھی نزدیک کیا۔

نوح ناروی کا شمار اردو کے ان شعراء میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی شاعری میں "داغ سکول" کی تمام تر روایتوں کو زندہ کر کے اُردو شاعری اور بطورِ خاص غزل کے اس رجحان کو مقبول کیا جسے داغ دہلوی کے نام سے مخصوص کیا جا سکتا ہے۔

نوح ناروی کا شمار داغ کے ان شاگردوں میں بھی کیا جاتا ہے جنھوں نے اپنے ذہنی ارتقا میں باوجود تمام تر شعور کے صرف پیروی داغ کو ہی مقدم سمجھا۔ اور ان پہلوؤں کی جانب کوئی توجہ نہیں دی جو ان کے عہد تک دنیا کے شعر و ادب میں سیاسی اور سماجی سطحوں پر ابھر کر سامنے آ چکے تھے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام ظفر نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں نوح ناروی کی حیات اور ان کی شاعری کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کو پیشِ نظر رکھا ہے کہ نوح کس لئے "داغ سکول" کی تقلید سے سرمو منحرف نہیں ہوئے اور انہوں نے صرف ان شعری روایتوں ہی کو اختیار کیا جو اس سکول کا سرمایہ تھیں۔

ظاہر ہے نوح نے جس شعری ماحول میں آنکھیں کھولیں اس پر رنگِ داغ ہی کا تسلط تھا۔ ہر چند حالی اور سرسید کی اصلاحی تحریکات کا اثر بھی قبول کیا جا رہا تھا لیکن ان کی مقبولیت رنگِ داغ کے مقابلے میں کچھ "پھیکی پھیکی" سی نظر آتی ہے۔ خاص طور پر اس طبقے پر ان اصلاحی تحریکات کا کوئی اثر نہیں تھا جو اُردو شاعری کی قدیم روایتوں سے انحراف کو تیار نہ تھا۔ ظاہر ہے نوح کا شمار بھی اسی طبقے میں ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر انہوں نے اُردو شاعری کی قدیم روایتوں کی تقلید کو مقدم سمجھا تو اس سے ان کے شاعرانہ شعور اور خلاق ذہن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس لئے ضروری ہے کہ جدید رجحانات شعری پر بھرپور کام کرنے کے ساتھ ہی قدیم روایتوں کی صحیح طور پر نشاندہی کی جائے۔ اس لحاظ سے ڈاکٹر ظفر نے قدیم روایتی کے اس "سرمایے" کو (جو نوح ناروی تک) ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا یکجا کر کے اس کی "تازگی" اور "بالیدگی" سے آشنا کرانے کی جو کوشش کی ہے اسے نگاہِ قدر سے دیکھا جانا چاہیئے۔

اس مقالے میں ڈاکٹر ظفر نے وہی رویہ اختیار کیا ہے جو ایک بڑی شخصیت سے ذہنی قربت حاصل کرنے اور اس سے پورے طور پر متعارف ہونے کے لئے ضروری ہے۔ ڈاکٹر ظفر اپنے اس رویے میں بڑی حد تک کامیاب ہیں۔

۲۷۸ صفحات کی یہ کتاب جس کی قیمت ۱۶ روپے

ہے۔ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی مناسب ہے۔ ایسے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے علاوہ دفتر شانِ ہند نئی دلّی سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ہفت رنگ غالب :

غالب سے متعلق اب اگر کسی تازہ "تصنیف" کا مطالعہ کرتا ہوں تو اکثر میرے ذہن میں ایک بات بڑی تیزی سے اُبھرتی ہے کہ غالب پرستی کا حق ادا کرنے اور غالب شناسی کو بہتر صورتوں میں پیش کرنے کی گنجائش ہر دور میں نکلتی رہے گی۔

لیکن ایک بات اور بھی میرے ذہن کو اکثر چھو جاتی ہے کہ غالب جیسے نکتہ داں، نکتہ سنج اور نکتہ شناس کی ذہنی سطحوں تک پہنچنے کے لئے جس ادبی شعور اور بالغ نظری کی ضرورت ہے کیا اس کا حق ادا کرنے کے لئے غالب پرست اور غالب شناس خود کو مستعد پاتے ہیں۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ غالب کے کلام میں نئے "گوشوں" کی تلاش کے لئے نئے اندازِ فکر کو پیدا کرنے کی اہمیت سے آشنا ہوئے بغیر اگر قلم اٹھایا جائے تو پھر چند اوراق کو محض سیاہ کرنے کے علاوہ کسی قلم کار سے زیادہ توقع رکھنی بھی بیکار ہی ہے۔

غالب اُردو کا وہ پہلا شاعر تھا جس نے نکتہ دانی کے نئے نئے پہلوؤں کو اُردو والوں کے سامنے پیش کیا۔ ان پہلوؤں کی اہمیت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کی تلاش اور ان تک صحیح طور پر رسائی البتہ قدرے مشکل کام ہے۔

پھر بھی نکتہ داں، نکتہ رس، نکتہ سنج غالب سے شناسائی کے لئے جس ذہنی استعداد اور فکری عمل کے ثبوت اردو والوں نے دیئے ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ایک صدی تک جس شاعر کے مختلف پہلوؤں پر اجارہا ہو اور نئے نئے پہلوؤں کی تلاش جاری ہو اس پر مزید قلم اٹھانے کے لئے ذہنی جرات کی ضرورت ہوتا ہے۔

اخلاق حسین عارف نے "ہفت رنگ غالب" میں اسی ذہنی جرات کا اظہار کیا ہے اور بعض ایسے گوشوں کی طرف سنجیدگی کے ساتھ دھیان دینے کی کوشش کی ہے جن سے غالب کو ایک نئی شکل میں سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ان مضامین سے قطع نظر جن پر عارف سے قبل بعض ذہین قلم کار اظہارِ خیال کر چکے ہیں عارف نے کچھ ایسے پہلوؤں کو بھی ابھارا ہے جنھیں غالب کے کلام کے بعض نئے گوشوں کی اہمیت کو سمجھنے کی ابتدائی کوشش کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً اس سلسلے میں ان کے دو مضامین غالب اور احساس برتری اور صنم گر نقاش کا ذکر بے محل نہیں ہوگا۔ اول الذکر مضمون میں غالب کی ذہنی کشمکش پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح صنم گر نقاش میں عارف نے غالب کی نفسیات کا صحیح تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

غالب شناسی کے لئے عارف نے جس تجزیاتی عمل اور بھرپور شعور کا اظہار کیا ہے اس نے ان کے اسلوبِ بیاں کو یقیناً موثر اور دلکش بنا دیا ہے۔

۱۶۰ صفحات کی یہ کتاب جس کی قیمت چھ روپے ہے مصنف سے ۱۵ بارود خانہ لکھنؤ یا دفتر شانِ ہند نئی دہلی ۲ سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

بقیہ ص۲۲ پر

دیال سنگھ کالج

کرنال

مُشترکہ پنجاب میں نصف صدی اور کرنال (ہریانہ) میں چوتھائی صدی سے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ دیال سنگھ کالج کرنال میں طلباء کو ہمیشہ ڈسپلن، قومی یکجہتی اور مُلک کی ہر طرح سے حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور اُنہیں ایک اچھا شہری اور ایک ذمّہ دار ہندوستانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اہلِ کرنال اور گردونواح کے طلباء کے لئے دیال سنگھ کالج ایک نعمت ہے اپنے بچّوں کو اگر آپ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک اچھا شہری بنانا چاہتے ہیں تو دیال سنگھ کالج کرنال کی خدمات سے فائدہ اٹھائیے۔

دیال سنگھ کالج کرنال (ہریانہ)

اراکینِ منتظمہ کمیٹی

ٹیلیفون نمبر ۲۷۸۸۸

رجسٹرار آف نیوز پیپر آف انڈیا کا رجسٹریشن
نمبر ۶۴۴/۵۷

قیمت سالانہ
بارہ روپے

ماہنامہ

ایڈیٹر
سرور تونسوی

فی پرچہ
ایک روپیہ پچیس پیسے

شانِ ہند دہلی

شمارہ ۱۲	جنوری ۱۹۷۸ء	جلد نمبر ۳۸

۲۶ جنوری

کو ہمارے ملک میں جشن جمہوریت منایا جاتا ہے ۔ جشن جمہوریت ہمارا ایک ایسا قومی تہوار ہے جس پر ہر ہندوستانی اپنے طور پر حلف لیتا ہے کہ وہ جمہوری طرز حکومت میں یقین رکھتا ہے اور وہ اپنے ملک کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی جان تک قربان کر سکتا ہے ۔

۲۵ رجون ۱۹۷۵ء کی نصف رات کو ہندوستان میں موجود ڈکشنریوں میں جمہوریت کے معنی بدل دیئے گئے اور ہندوستان کی جمہوری حکومت محترمہ اندرا گاندھی کی کوٹھی کی چار دیواری میں نظر بند کردی گئی ۔

۱۹ رماہ کی طویل مدت کے بعد جمہور (جنتا) نے اپنے اس پیدائشی حق یعنی جمہوری حکومت کو نظر بندی سے آزاد کرانے کے بعد جنتا پارٹی کے ہاتھوں میں دیا ہے ۔

کیا "جنتا پارٹی" عوام کی سونپی ہوئی اس امانت کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتی ہے ؟ اس کا جواب شانِ ہند کی اشاعتِ خاص "جشنِ جمہوریت نمبر" میں ملاحظہ فرمایئے ۔ جو ۲۶ رجنوری ۱۹۷۸ء کو شائع ہو رہا ہے ۔

جنتا پارٹی حکومت

کے دور میں یہ ۲۶ رجنوری پہلی بار آرہی ہے ۔ اس لئے گزشتہ دس ماہ میں اس حکومت کی کارگزاری کا ایک دیانت دارانہ تبصرہ پڑھنے کے لئے شانِ ہند کی اس اشاعتِ خاص کو حاصل کرنے کے لئے ابھی سے انتظام کر لیجیے جس کا ایک ایک لفظ مولانا ابوالکلام آزاد کے "الہلال" کی طرح "الحق مُر" ۔ مہاتما گاندھی کے اخبار "ہریجن" کی طرح ستیم شوم سندرم ۔ سردار دیوان سنگھ مفتون کے اخبار "ریاست" کی بے باکی (بیباک ہیں) اور مولانا عبدالماجد دریا بادی کے "صدقِ جدید" کی سچی باتوں کا آئینہ دار ہوگا ۔

(ادارہ)

افکار و واقعات

محکمہ ڈی۔ اے۔ وی۔ پی بدستِ طفلاں

"بدستِ طفلاں" کے لفظی معنی ہیں۔ بچوں کے ہاتھوں میں مگر اس کے لغوی معنی شاید جنتا پارٹی کی حکومت کے ارکان میں دو چار حضرات ہی جانتے ہوں گے محکمہ ڈی۔ اے۔ وی۔ پی وزارتِ اطلاعات ونشریات کا ایک اہم شعبہ ہے اور اس شعبہ کو امن۔ جنگ نیز داخلی اور خارجی ایمرجنسی کے زمانہ میں ذمہ دارانہ رول ادا کرنا ہوتا ہے۔

کانگریس کی حکومت میں یہ محکمہ سرکاری اشتہارات کی تقسیم میں قصداً اور مجبوراً اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناانصافی نہیں بددیانتی کرتا رہا ہے۔ مجبوراً اس لئے کہ مثال کے طور پر محترمہ اندرا گاندھی کے حلقۂ انتخاب۔ رائے بریلی کے ایک ہفتہ وار اخبار (یعنی جب ضرورت ہوئی اخبار شائع کرلیا) ر... غالباً یہی نام تھا) کی آٹھ صفحات کی ایک اشاعت میں سات سرکاری اشتہارات دیئے گئے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ ایک ہی اشتہار دو صفحات پر الگ الگ چھپا ہوا تھا کیونکہ اس آٹھ صفحات کے اخبار پر دو ہفتوں کی مشترکہ اشاعت کی تاریخیں درج تھیں اور یہ اشتہار ان دونوں تاریخوں کے لئے دیا گیا تھا اور قصداً اس لئے کہ شراب اور عورت کی دوستی بڑی پکی اور خوشگوار ہوتی ہے لہٰذا کچھ اشتہارات ایسی دوستی کے زیر اثر بھی دیئے جاتے رہے ہیں۔

سردار ہرنام سنگھ میڈیا ایگزیکٹیو ڈی۔ اے۔ وی۔ پی نے شاہ کمیشن کے سامنے جو شہادت دی ہے وہ ہمارے اس نظریہ کی نہ صرف تصدیق کرتی ہے بلکہ انہوں نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ اُس وقت کسی ایماندار افسر کے لئے اس محکمہ میں کام کرنا ناممکن ہوگیا تھا۔

جنتا پارٹی کی حکومت آئی تو یہ محکمہ کیبنٹ کے ایک ایماندار۔ دیانتدار۔ انتھک ورکر۔ ایمرجنسی کے زمانے میں کانگریسی ج... کے زخم خوردہ صحافی اور ملک سے دلی محبت کرنے وا... قابلِ تعظیم علم دوست کرشن لال اڈوانی کی تحویل میں دیا گ... اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اڈوانی صاحب نے اپنے قول اور ع... سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ایمانداری او... دیانتداری کی آخری حدوں تک چھونے میں کوئی کسر نہیں چھ... رہے، اخبارات کی آزادی کو بحال کرکے انہوں نے جنتا پارٹ... منشور میں کئے گئے وعدے کو پورا کیا ہے۔ مگر ہمیں اجازت... جائے تو یہ گزارش کرنا ہم اپنا عین فرض سمجھتے ہیں کہ انہوں... جو غلط نظریہ قائم کر رکھا ہے۔ شریمتی اندرا گاندھی کے ز... میں کوئی کام خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ کیا گیا ہو اسے زیر زمی... دفنانا جنتا پارٹی کا عین ایمان ہے۔ مثال کے طور پر کانگری... حکومت نے سرکاری اشتہارات کی اشاعت کے سلسلے میں ہ... اخبارات کو بھی انگریزی اخبارات کے مطابق اُجرت اشتہار... دینا شروع کردیا تھا۔ مگر اڈوانی صاحب نے یہ کہکر کہ کانگر... حکومت نے سرکاری خزانے میں روپیہ ہی نہیں چھوڑا تو ہم اخ... کو اشتہارات کے یہ نرخ کیسے دے سکتے ہیں۔ لہٰذا ورنیکلر اخ... کو پھر انہی نرخ اشتہارات پر لایا گیا جو کہ انہیں پہلے ملتے تھے

کانگریس گورنمنٹ نے بنگلہ دیش کے قضیہ کے وقت پا... فروختگی اشاعت رکھنے والے اخبارات کو بھی سرکاری اشتہار... دینا منظور کرلیا تھا اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب کانگ... کی حکومت عوام میں اس قدر مقبول تھی کہ ہر ہندوستانی اندرا... کے تدبر کے باعث بنگلہ دیش کی کامیابی پر اپنی جان تک... اندراجی پر قربان کرنے کو تیار تھا۔ مگر اڈوانی صاحب نے یہ کہ... کہ ہم اخبارات کو اشتہارات بطور امداد نہیں دیں گے بلکہ میر...

ے لحاظ سے دیں گے لہذا یہ شرط پھر عاید کر دی گئی ہے کہ ایک ہزار سے کم فروختگی اشاعت رکھنے والے اخبارات کو اشتہارات نہیں دیئے جائیں گے ۔ چلئے اڈوانی صاحب کا یہ فرمان بھی سر تسلیم پر کہ وہ سرکاری اشتہارات اخبارات کی امداد یا خیرات کے لئے نہ دیں مگر کس اخبار کی کیا اشاعت ہے اس کا علم یا تو خدا کو ہے یا اخبارات کے مالکان کو۔ کیا ہی اچھا ہو کہ جنتا پارٹی حکومت ایک کمیشن اس سلسلہ میں بھی بٹھا دے جو اخبارات کی اصل اشاعت کا پتہ لگا سکے تو پھر دیکھئے کیا گل کھلتے ہیں۔ کیا غضب ہے کہ ایک ماہنامہ کی اشاعت پریس رجسٹرار کی سالانہ رپورٹ میں ۱۲ ہزار سے زائد چھپی ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ رسالہ آج تک ایک ہزار سے زائد نہیں چھپا ۔ اسی طرح کم از کم اسّی فیصد اخبارات کی اشاعت مشکوک ہے ۔ کیا اڈوانی صاحب خود ؛ انکی وزارت کے سکریٹری صاحبان ۔ ڈائرکٹر اور ڈی اے ۔ وی ۔ پی کے دیگر افسران سوگند اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اس کا علم نہیں ہے کہ اکثر و بیشتر اخبارات کی اشاعت غلط ہے ایسی حالت میں ہم اڈوانی صاحب سے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کونسی تدابیر اختیار کر کے ایسے اخبارات کا تحفظ کر سکتے ہیں جو اپنی اشاعت سو فیصد صحیح بتاتے ہیں اور جنہیں اس جرم کی پاداش میں سرکاری اشتہارات سے محروم کر دیا جا رہا ہے ۔

اڈوانی صاحب آپ کے عملہ ڈی اے وی ۔ پی کے ڈائرکٹر واقعی اپنے فرائض کی انجام دہی کی اہلیت نہیں رکھتے دوسری بات ہے کہ آپ اپنی ضد یا کسی اور وجہ کے باعث ——— اگر ان پر جلائے رکھنا چاہتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ محکمہ ملک بھر کے اخبارات کی خاصی تعداد کو سرکار کا مخالف بنانے میں نہایت تیز رفتاری سے اپنے کانگریسی فرائض انجام دے رہا ہے ۔ بے شک رموزِ سلطنت بادشاہ جانتے ہیں مگر اتنا تو بتا دیجئے کہ چھوٹے اخبارات کے سرکاری اشتہارات بند کر کے آپ نے کون سی ملک کی خدمت کی ہے ۔ ایک طرف تو آپ کی حکومت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ سرکاری پالیسیوں

سے دیہات کے رہنے والوں کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرایا جائے اور دوسری طرف آپ انہیں اخبارات کا گلا دبانے میں راحت محسوس کر رہے ہیں جو ان دیہاتیوں کے یہاں پہنچتے ہیں۔

آپ کا محکمہ کہتا ہے کہ سرکاری اشتہارات اب تجارتی اصول پر دیئے جائیں گے یعنی جن اخبارات سے اشتہارات کا اصل مقصد پورا ہو گا انہیں ہی اشتہارات دیئے جائیں گے۔ مگر حال ہی میں "مرقع اقبال" کا اشتہار جن اخبارات میں دیا گیا ہے ۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ "مرقع اقبال" کا اشتہار دینے پر جو سرکاری روپیہ ان اخبارات کو دیا گیا ہے وہ ہمیں کال تک اس کتاب کی فروختگی سے بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ ترقی اردو بورڈ کی مطبوعات کا اشتہار جب دیا جاتا ہے تو وہ لوگ اپنی رائے بھی ڈی ۔ اے ۔ وی ۔ پی والوں کو دیتے ہیں کہ یہ اشتہار کن کن اخبارات و رسائل میں فائدہ مند رہے گا مگر محکمہ ڈی ۔ اے ۔ وی ۔ پی یہ اشتہارات ایسے رسائل و اخبارات میں بھجواتی ہے جن سے ان کتابوں کا ایک آرڈر بھی نہیں آ سکتا ۔ ماہنامہ شان ہند میں ترقی اردو بورڈ کی مطبوعات پر تبصرے شائع ہوتے رہے ہیں جب قدر ان بورڈ کی خواہش دفتر شان ہند کی معرفت آئی ۔ وہ یقیناً ان جملہ اخبارات و رسائل میں آئی فرمائشات سے زائد مالیت کی تھی جن کو ہزاروں روپیہ دے کر یہ اشتہارات دیئے گئے کیونکہ تبصرہ کرتے وقت کتاب ملنے کا پتہ پبلشر کے علاوہ ہم دفتر شان ہند کا بھی دے دیتے ہیں اور ترقی اردو بورڈ اس کا گواہ ہے کہ رسالہ شان ہند نے جس قدر ان کی کتابیں خریدی ہیں۔ کسی دوسرے رسالے کی معرفت یہ کتابیں اتنی فروخت نہیں ہوتیں جن کو کہ اشتہارات دیئے گئے ۔ ترقی اردو بورڈ والے یہ لکھتے رہے کہ یہ اشتہار شان ہند کو بھی بھجوایا جائے مگر آج تک ایسا نہیں ہوا ۔

آج کل خاندانی بہبود یعنی کانگریس کی زبان میں نس بندی کا پندرھواڑہ منایا جا رہا ہے ۔ آپ کے محکمہ نے اس سلسلہ میں مختلف اشتہارات جن اخبارات کو دیئے ہیں ۔ ان کی بجائے اگر چھوٹے اخبارات کو یہ اشتہارات دیئے جاتے تو بار آور ہوتے ۔ یہ سب کچھ لکھنے کا مدعا یہ ہے کہ آپ کا محکمہ ڈی اے وی پی

بدست طفلاں کے مصداق سرکاری روپیہ کی بربادی کر رہا ہے۔ اور [illegible] میں اخبارات کو حکومت کا دشمن بنا رہا ہے۔ اس لئے نہایت ادب سے گزارش ہے کہ آپ اپنی پالیسی پر نظر ثانی کریں اور [illegible] ایسی لچک پیدا کریں کہ سرکار اور اخبارات میں تال میل بنا رہے۔ بے شک بڑے بڑے اخبارات میں آپ وزیر ولیڈر اپنی تصاویر کو دیکھ کر خوش ہو لیتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ حکومت وزارت۔ ملک کی خوشحالی میں جو کردار چھوٹے اخبارات نے ادا کیا ہے بڑے اخبارات اس کی ہوا کو بھی نہیں پہنچے۔

آپ کا یہ محکمہ مذہبی منافرت پھیلانے میں بھی ایک خطرناک چال چل رہا ہے۔ کیا آپ کے اس محکمہ کی نظروں میں دیوالی، ہولی، مہاویر جینتی، [illegible] نانک [illegible] دن، کرسمس [illegible] جیسے [illegible] تہوار "عید" کے مقابلہ میں کم درجہ اور [illegible] میں [illegible] نیز منافرت پھیلانے والے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کا [illegible] ہے کہ "عید مبارک" کے اشتہارات سرکاری طور پر دیئے گئے۔ کیا آپ ایمانداری کے ساتھ اس اصلیت سے انکار کر سکتے ہیں کہ ایسا صرف مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے نہیں کیا گیا؟ یعنی جو چالیں کانگریس حکومت مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر اپنی ووٹیں محفوظ رکھنے کے لئے چلتی رہی تھی [illegible] آپ بھی چل رہے ہیں۔ آپ کو کیا علم کہ ملک کی دوسری اقلیتیں اور اکثریت آپ کے محکمہ کی اس حماقت پر کس قدر نا خوش ہے۔ آپ کی حکومت ہریجنوں کی بھلائی کے لئے ہر روز آنسو بہاتی ہے کیا آپ کو یہ خیال آیا کہ بالمیکی [illegible] (جو خالص ہریجنوں کا تہوار ہے) ایسا اشتہار دیا جاتا تاکہ غریب طبقہ اپنی مالی حالت سدھارنے کے لئے حکومت کی بچت اسکیموں میں حصہ لے سکتا۔ آپ کی حکومت کو یہ کرنا چاہیئے تھا کہ عید مبارک کے اشتہارات غیر مسلم اخبارات میں دیتی اور دوسرے مذاہب کے تیوہاروں کے اشتہارات مسلم اخبارات میں۔ نیز ہریجنوں کے تہوار کا اشتہار ہر اخبار میں دیتی۔ تب تو دکھائی دیتا کہ آپ کی حکومت ایمانداری سے تمام ہندوستانیوں کو ملک کی جنتا سمجھتی ہے۔ صرف مسلمانوں کے [illegible] میں عید مبارک کا اشتہار دے کر تو آپ ملک کی اکثریت کو یہ [illegible] کرتے ہیں کہ جنتا پارٹی کو صرف مسلم ووٹوں کی ہی ضرورت ہے۔

ایڈیٹر صاحب اس حقیقت کو نہ بھولیے کہ ہر ہندوستانی [illegible] بھائی بھائی ہے۔ ملک کی یک جہتی، قومی یک جہتی سب کا ایمان ہے۔ کسان اور ہریجن اس ملک کی اصل دولت ہیں اور جنتا پارٹی حکومت سب ہندوستانیوں کی مشترکہ حکومت اگر یہ اصل بنیاد آپ اور آپ کا محکمہ ڈی۔ اے۔ وی۔ پی سمجھ لے تو ملک کا بھلا ہو سکتا ہے۔ آکاش وانی اور دور درشن اگلی اشاعت میں ملاحظہ فرمایئے گا۔

طرحی غزل

شبیر علی خاں شبیر کانپوری

نازاں ہوں کہ تزئین بہاراں میں لگے ہیں
آنسو مرے تعمیر گلستاں میں لگے ہیں

ڈر ہے کہ مرے قتل کا الزام نہ آئے
کچھ خون کے دھبے ترے داماں میں لگے ہیں

کچھ ہوش بھی ہے تیر نظر پھینکنے والے
آ آ کے کئی تیر رگ جاں میں لگے ہیں

فرصت ہی نہیں ہے کہ رخ زیست نکھاریں
دن رات ہم آرائش ارماں میں لگے ہیں

شبیر ہمیں چاند ستاروں سے غرض کیا
ہم لوگ تو گل کاری داماں میں لگے ہیں

...ہی شہابی ملند شہری کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا

...جے پور سے متعدد خطوط موصول ہوئے جن میں یہ لکھا گیا ...ہے کہ بعض شکیب کے مشاعرہ جے پور میں جناب حق بنارسی نے ...غزل سنا کر کہا کہ جے پور کا ایک شاعر جو کہ یوپی کا ہے یہ ...غزل کئی سالوں سے اپنے نام سے مشاعروں میں سنا رہا ...وہ مجھ سے ویسے ہی کلام مانگ لیا کرے وغیرہ وغیرہ۔

ان خطوط میں اس سلسلے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ لہٰذا ...نے کل جناب گاندھی صاحب سے جے پور فون پر اس سلسلے ...اصل معاملہ دریافت کیا تو پتہ چلا کہ یہ محض راہی شہابی ...صاحب کو بدنام کرنے کی کوشش ہے۔ وگرنہ حق بنارسی نے ...لکھ کر دے دیا ہے کہ یہ بات قطعاً غلط ہے اور دونوں حضرات ...آمنے سامنے بیٹھ کر اپنی اپنی غزلیں جے پور کے سخن فہم ...حضرات کو سنا چکے جس پر حق صاحب نے یہ لکھ کر دیا ہے کہ راہی ...صاحب واقعی غزل میری نہیں ہے۔

...افسوس ہے کہ جے پور کے کچھ مفسدہ پرداز حضرات جناب ...راہی شہابی کو بدنام کرنے میں نہ معلوم اس قدر کیوں کوشاں ...ہیں۔

ان بدنام کرنے والوں میں سے کسی جناب عزیز بیگ صاحب ...بھاش چوک باندری کا ناکا جے پور کا لمبا چوڑا خط ...تھا مگر جب انہیں اس کا جواب دیا گیا تو یہ خط واپس آگیا ...اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غلط ناموں یا غلط پتوں ...سے خطوط لکھ کر کسی شریف آدمی کو بدنام کرنا محض راہی ...صاحب کی مخالفت کو ہی ہوا دینا ہے۔

...عت سروش کی غیر ذمہ دارانہ روش

جناب رفعت سروش آل انڈیا ریڈیو پر ایک معزز ...عہدے پر ہیں اور اردو پروگرام کے انچارج ہونے کی وجہ ...سے انہیں بیرونی اور مقامی مشاعروں میں بطور شاعر مدعو ...کیا جاتا ہے اور منتظمین مشاعرہ اس خیال سے کہ ریڈیو پر ...مشاعرہ کی رپورٹنگ اچھی ہو جائے گی۔ انہیں معاوضہ

بھی معقول دیتے ہیں۔

حال ہی میں یوم رسا کے سلسلے میں جو مشاعرہ ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا۔ اس مشاعرہ میں نقیب الشعرا کے فرائض جناب رفعت سروش کے سپرد تھے۔ مگر یہ بات نہایت افسوسناک ہے کہ انہوں نے دیدہ و دانستہ کئی شاعروں کو ناکام کرانے کی کوشش کی اور اکثر شعرا کے بارے میں کہا کہ ہم تو انہیں جانتا بھی نہیں۔ ویسے ان کا کلام سنیئے ۔ دیکھئے کہ یہ کیا گل کھلاتے ہیں۔ اس طرح سے شعرا کو ہوٹ کرانے میں رفعت صاحب نے مدد کی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ رفعت صاحب اگر ریڈیو میں نہ ہوتے تو انہیں کبھی کوئی نہ جانتا۔ یہ صرف ریڈیو کی ملازمت اور اردو سروس کا انچارج ہونے کی ہی بدولت ہے کہ آپ آج دوسرے شعرا پر فقرے کسنے کی جسارت کر رہے ہیں اور یہاں تک کہ اپنی صاحبزادی تک کو شاعرہ کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ قطعاً شاعرہ نہیں ہیں۔

یوم رسا کا مشاعرہ قطعاً کانگریس نواز حضرات کی طرف سے منعقد کرایا گیا تھا۔ اول تو رفعت صاحب کو سرکاری ملازم کی حیثیت میں ایسے مشاعرہ کی نظامت ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اور اگر یہ حماقت کی ہی تھی تو حدِ اعتدال میں رہنے پر تو کوئی لائسنس فیس ادا کرنا نہیں ہوتی۔ گلزار دہلوی اس مشاعرہ میں بہت کامیاب رہے جس پر رفعت صاحب نے فقرہ کسا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ گلزار صاحب کو دہلی کے کسی مشاعرہ میں اتنی داد ملی ہے اور انہیں سنجیدگی سے سنا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ گلزار صاحب نے یہ ریمارکس کس طرح برداشت کر لئے اور انہوں نے رفعت صاحب کو اسی وقت مائیک پر ہی یہ جواب کیوں نہ دیا کہ گلزار دہلی میں مشاعروں کا شہزادہ رہا ہے اور آپ سے جو داد دہلی کے مشاعروں میں مل چکی ہے وہ رفعت صاحب کو اگلے جنم میں بھی نہیں مل سکتی۔

کیا گلزار دہلوی جنتا پارٹی حکومت کے خلاف ہیں؟

یوم رسا کے مشاعرے میں گلزار صاحب نے جو کلام سنایا اور جس پر بقول رفعت سروش صاحب اس قدر داد ملی

...کلام سراسر جنتا پارٹی حکومت کے خلاف تھا۔ گلزار صاحب ایک نیم سرکاری محکمے میں افسر ہیں اور اسی محکمہ کے رسالہ سائنس کے ایڈیٹر بھی ہیں اور یہ رسالہ صرف اور صرف سرکاری روپیہ پر نقصان میں چلایا جا رہا ہے۔ گلزار صاحب اگر کانگریس حکومت کو پسند کرتے تھے اور اب بھی وہ کانگریس والوں کو جنتا پارٹی سے بہتر سمجھتے ہیں تو ان خیالات اور نظریے کی انہیں پوری طرح اجازت ہے اور اُن پر اپنے خیالات اور نظریے کے بارے میں کھلے بندوں اظہار کرنے کی بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔

مگر ایک سرکاری کارندہ ہونے کے باعث یہ اُن کا فرضِ اوّلین ہے کہ وہ ان خیالات اور نظریے کا اظہار سرکاری ملازمت ترک کرنے کے بعد کرتے بہتر ہوتا۔ کیونکہ جس سرکار کے آپ ملازم ہیں اگر آپ ہی اُس کے خلاف اس طرح کھلے بندوں غیر ذمہ دارانہ انداز میں محض کانگریسی نظریہ رکھنے والے قارئین سے واہ واہ حاصل کرنے کے لئے ایسا کلام پڑھیں گے تو پھر سرکار کا بھی فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ماتحت کام کرنے والوں کی بابت سنجیدگی سے سوچے کہ حکومت کا وفادار کون ہے اور کون نہیں۔ حکومتِ وقت کی وفاداری عین ایمان ہے۔ جب کانگریس کی حکومت تھی تو اُس کی وفاداری لازمی تھی۔ اب جنتا پارٹی کی حکومت ہے تو گلزار صاحب کا فرض ہے کہ وہ اپنی حکومت کے خلاف ایسا پرچار نہ کریں اور اگر انھیں ایسا کرنا ہی ہے تو وہ ملازمت چھوڑ کر جو چاہیں کریں کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس مشاعرہ میں حکومتِ ہند کے معزز وزیر جناب سکندر بخت صاحب اور میونسپل کارپوریشن کے نائب میئر جناب امداد صابری صاحب بھی موجود تھے۔ ان دونوں حضرات کی فراخدلی ہے کہ وہ کانگریس نواز مشاعرہ میں بھی بلانے پر چلے گئے۔

شری کیدارناتھ ساہنی کا وعدہ

مشاعرہ لال قلعہ ١٩٧٧ء کے سلسلے میں جو معروضات شان ہند کی اشاعت اکتوبر ١٩٧٧ء میں کی گئی تھیں اُن کے بارے میں میٹروپالیٹین کونسل کے سربراہ شری کیدارناتھ ساہنی نے اپنے حالیہ خط میں ایڈیٹر شان ہند کو مطلع کیا ہے کہ اُنہوں نے شان ہند کے اس ادارتی نوٹ کو غور سے پڑھا ہے اور وہ اس سلسلے میں موثر کارروائی کر رہے ہیں۔

کہا جا رہا ہے کہ امسال لال قلعہ کے اردو مشاعرہ کا انتظام ہندی پریشد والوں کو دیا جا رہا ہے اگر ایسا ہی نہیں تو ہم نہایت ادب سے گزارش کریں گے کہ اس حماقت کا مظاہرہ اگر نہ ہی کیا جائے تو بہتر ہے۔

غیر طرحی غزل

حکیم شبیر علی خاں، شبیر کانپوری

گیسوؤں کا حسیں سلسلہ چاہیئے
مجھ کو دن رات اک مشغلہ چاہیئے

ساری دُنیا نے دیوانہ مجھ کو کہا
اب مجھے آپ کا فیصلہ چاہیئے

عشق کا نام لینا تو آسان ہے
عشق کے واسطے حوصلہ چاہیئے

مُشکلیں آج بھی ہمنوا ہیں مری
مجھ کو دشوار ہر مرحلہ چاہیئے

اِذنِ آرائشِ زُلف درکار ہے
زندگی کو نیا مشغلہ چاہیئے

صبحِ نَو کے لئے راہ ہیں منتظر
مہ جبینوں کا اک قافلہ چاہیئے

دل میں شبیر کے آگ بھڑکے گی یوں
اُلفت و حُسن میں فاصلہ چاہیئے

بہ کوئے یار باندازِ محرمانہ گزر

سرور تونسوی

جناب دھرم پال گپتا وفا ایڈیٹر ہفت روزہ "تیج" ان بیگم صاحبہ کے ہاں آنے والوں میں "حاضر باش" قسم کے ذہنی طور پر عشقیہ مریضوں میں سے تھے۔ وفا صاحب، اپنے جلو میں نئے چند نیتیم اور اسی قسم کے دو چار دیگر حواری ٹائپ کے جی حضوریوں کو بھی لئے رہتے تھے۔ تاکہ بیگم صاحبہ کے ہاں کچھ دیر شعر و شاعری کی آڑ میں اپنے ذوقِ جمال کو دہلوی تہذیب و ثقافت کے دائرہ میں تسکین پہنچا سکیں۔ جناب گوپال متل نے اپنی مشہور تصنیف "لاہور کا جو ذکر کیا" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ لاہور کی ایک گانے والی طوائف نے اپنے ہاں آنے والے حضرات میں سے ایک مشہور متین اور شریف شاعر کے بارے میں کہا تھا کہ یہ صاحب تحریک کا جذبہ تو ہمارے ہاں سے لیتے ہیں اور اس پر عمل گھر جاکر کرتے ہیں۔ بالکل یہی کیفیت جناب وفا کی تھی۔

بیگم صاحبہ اب ایک دوسرے محلے میں مکان تبدیل کرا چکی تھیں اور اس محلے کے مسلمان پرانی دہلوی تہذیب و تمدن کے دلدادہ تھے۔ اس زمانے میں متوسط درجے کی مسلمان عورتوں میں ساڑھی باندھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اب جو اس محلے والوں نے ایک مسلمان نوجوان اور اس پر آفتِ جاں چلتی پھرتی قیامت کو بغیر برقعہ کے ساڑھی میں ملبوس آتے جاتے دیکھا اور اس پر طرہ یہ کہ اکثر و بیشتر شعرائے کرام کوئی گاندھی ٹوپی سر پہ رکھے، کوئی شیروانی میں بنا سنورا، کوئی نفیس سوٹ پہنے تو کوئی شرعی پاجامے کے باعث ٹخنے دکھاتا اس نووارد خاتون کے مکان پر تانتا باندھ کر آنے لگے تو محلہ والوں نے ان بیگم صاحبہ کے بارے میں اِدھر اُدھر سے دریافت کرنے کی کوشش کی۔ اتفاقاً مدیر شانِ ہند کا مکان بھی اسی محلے میں تھا۔ ایک دو بار مجھے ان محترمہ کے ہاں آتے جاتے دیکھ کر محلے کے کچھ بڑے بوڑھوں (جن میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے) نے ان صاحبہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہیں سمجھایا گیا۔ آپ ایک مشہور شاعرہ ہیں۔ الیکشن کے جلسوں میں اچھی تقریریں کر سکتی ہیں۔ اس لئے برقعہ وغیرہ سے بے نیاز ہیں اور ان کے ہاں آنے والے حضرات سے آپ قطعاً مطمئن رہئے وہ محلے کی بہو بیٹیوں کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ پہلے ہی اپنی ذہنی غلطی کی وجہ سے یوں کے باعث محض شعر کہنے تک ہی کی الٹی سیدھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ میرے سمجھانے پر محلے کے مسلمانوں کی بے چینی کسی حد تک کم ہو گئی۔ مگر یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ اور پانچ چھ ماہ تک ان صاحبہ سے میری ملاقات بھی نہ ہو سکی۔ سنہ ۱۹۵۲ء کی ایک دوپہر کو میں اپنے دفتر میں کام کر رہا تھا کہ ایک صاحب تشریف لائے اور کہنے لگے کہ فلاں بیگم صاحبہ نے آپ کو دریا گنج کے تھانہ میں بلایا ہے۔ کچھ گرید نے پر پتہ چلا کہ محلے کے باشندگان نے بیگم صاحبہ کے بارے میں افسرانِ اعلیٰ کو شکایت کی ہے کہ یہ مسلمان ہو کر ایک خالص مسلمان محلے میں بغیر پردہ کے رہتی ہیں جس سے ہماری بہو بیٹیوں میں برقعہ سے نجات حاصل کرنے کے جراثیم پھیل رہے ہیں اور ان صاحبہ کے ہاں آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ دراصل ان صاحبہ کے مالک مکان مرحوم سردار پٹیل کی وزارت میں انڈر سکریٹری تھے اور وہ ان سے مکان خالی کرانا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے محلے والوں کے کندھوں پہ بندوق

رکھ کر اپنا اُوسیدھا کرنا چاہا چونکہ یہ مالک مکان ہوم
منسٹری میں تھے اس لئے پولیس کی مدد بھی انہیں آسانی سے
حاصل ہونے کی راہیں موجود تھیں۔ لہذا ان کی انگیخت پر
محلے والوں کی درخواست پر افسران اعلیٰ نے ایک ڈی ایس
پی کو یہ معاملہ سپرد کر دیا کہ وہ تحقیقات کرکے اصل معاملے کا
پتہ لگائے۔ لہذا یہ ڈی۔ ایس۔ پی تھانہ دریا گنج میں تحقیقات
کے لئے آئے ہوئے تھے۔

[illegible] معاملے کی نوعیت... کا اچھی طرح سے پتہ چلنے کے بعد
میں تھانہ دریا گنج پر پہنچا تو میرے محلے کے سب ہندو مسلمان
بڑے بوڑھے لمبی لمبی ڈاڑھیوں سمیت خاصی تعداد میں
موجود تھے اور ایک کرسی پر یہ محترمہ تشریف فرما تھیں۔
جس پر تعجب ہوا بقول ؎

میرے ساتھ جو ڈوبنا چاہتے تھے
کنارے سے ہی کر گئے وہ کنارا

[illegible] صاحبہ کے سینکڑوں مفروضہ اور ذہنی عاشقوں اور
ہمدردوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔ ڈی۔ ایس۔ پی۔
صاحب سے میں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ کہنے لگے کہ یہ
سب حضرات اُن صاحبہ کے خلاف دی گئی درخواست
کے حق میں .... گواہی دینے
کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ اور یہ صاحبہ کہتی ہیں کہ میں
اس محلے میں صرف ایک ہی شخص کو جانتی ہوں اور وہ ہیں آپ۔
لہذا آپ ہی ان کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں۔ ڈی۔ ایس پی
کی گفتگو خلاف توقع پولیس کی مخصوص زبان کی بجائے قدرے
ادیبانہ بلکہ شاعرانہ قسم کی محسوس ہوئی تو میں نے اپنے محلے والوں
پر ایک اُچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ جب اُن میں بابو عوض علی
(مرحوم) اور دینا جاٹ چودھری کو دیکھا تو احتراماً اُن سے
علیک سلیک کے بعد میں نے ڈی۔ ایس۔ پی صاحب سے
کہا کہ میں اس سلسلے میں طرفین کی غیر موجودگی میں آپ سے
کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس پر اُنھوں نے سب حضرات سے
کہا کہ آپ لوگ باہر چلے جائیں۔ جب کمرہ خالی ہوا تو میں نے
ڈی۔ ایس۔ پی کو بتایا کہ اس عورت کا صرف یہ قصور ہے

کہ ع لے روشنی طبع تو برمن بلا شدی
یہ عورت وطن پرست ہے۔ خوش مزاج اور با
ذوق ہے۔ سوشل تعلقات بہت زیادہ رکھتی ہے
بدقسمتی سے شاعرہ ہے اور مشاعروں ادیبوں،
صحافیوں کی خاصی تعداد محض مفت کی چائے پینے اور
اس کی خوبصورتی سے آنکھیں سینکنے کے لئے اس کے
آتی جاتی ہے جسے محلے والے جو قدامت پسند ہیں۔
باتوں کو پسند نہیں کرتے اور مالک مکان محض اس
سے کہ وہ سردار پٹیل کی ہوم منسٹری میں اپ انڈر سیکرٹری
ہیں۔ اسی لئے انہوں نے محلے والوں کو بہکا کر اس قسم کی
دلوائی ہیں۔ کیونکہ اُسے یہ یقین ہے کہ ہوم منسٹری میں
کے باعث مقامی پولیس اس کی ناجائز طور پر مدد کرے۔
ڈی۔ ایس۔ پی انگریزی حکومت کا بنایا ہوا ڈ
پی تھا۔ اس لئے وہ سارے معاملے کو میرے ان چند
کو سننے کے بعد سمجھ گیا اور انھوں نے محلے والوں سے ک
کہ آپ صاحبان چلئے میں ابھی موقع دیکھنے آ رہا ہوں
اصل معاملہ ڈی۔ ایس۔ پی جان ہی چکے تھے۔ لہ
انھوں نے افسران بالا کو اصل حالات سے آگاہ کر
یہ معاملہ ختم ہونے کے بعد ذہنی مریضوں کی آمد
پھر شروع ہو گئی۔ (باقی)

گوشۂ عقیل

آل انڈیا مشاعرہ برسی حضرت ابر احسنی گنوری مرحوم

متین بدایونی - ایم - اے

یہ گنور کا تحصیل گراؤنڈ ہے اور اس خوشنما اور وسیع پنڈال میں سحابِ سخن علامہ ابر احسنی گنوری مرحوم کی چوتھی برسی کا آل انڈیا مشاعرہ ہونے والا ہے ابھی بجلی نہیں آئی ہے (یہ گنور کی قدیم بدقسمتی ہے) لہذا گیس بتیاں جلائی جا رہی ہیں ٹیوب لائٹ اور رنگ برنگے بلب خاموش پڑے ہیں۔ ... لو

یہ لو، کھانے سے فارغ ہو کر مہمانانِ خصوصی اور شعرائے کرام تشریف لا رہے ہیں۔ آؤ اب ہم بھی پنڈال میں چلیں۔ ارے یہ مجمع کثیر اور فرش کم، بھئی یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ جناب چیرمین صاحب (انیس گنوری) فرش کے مزید انتظام کے لئے کسی سے کہہ رہے ہیں۔ ادھر جناب حیرت بن واحد صاحب جنھوں نے قائم مقام صدر آل انڈیا بزمِ ابر حضرت شوق اثری کے مشورے سے اس سال برسی کا کل انتظام کیا ہے مہمانوں کو ڈائس پر بٹھا رہے ہیں۔ اب جناب فاروق علی صاحب ایڈوکیٹ سابق چیرمین میونسپل بورڈ گنور مہمانوں کا مختصر تعارف کرانے کے بعد عالی جناب اشرف علی خاں صاحب ریٹائرڈ کلکٹر سے صدارت فرمانے کی درخواست کر رہے ہیں، جس کی تائید جناب حیرت بن واحد نے کی ہے اور کلکٹر صاحب موصوف مسندِ صدارت پر متمکن ہوئے ہیں اب پروفیسر نسیم قریشی ہیڈ آف اردو ڈپارٹمنٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے افتتاح فرمانے کی درخواست کی جا رہی ہے۔ جسے موصوف نے قبول فرماتے ہوئے ابر صاحب اور اردو اور مشاعروں سے متعلق نہایت شستہ اور پرجوش تقریر فرمائی ہے۔ اب مشاعرے کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔ چنانچہ چیرمین صاحب نے جناب کیلاش چند ناز قائم مقام سکریٹری آل انڈیا بزمِ ابر سے ناظم کے فرائض انجام دینے کو کہا ہے۔ جسے موصوف نے نہایت خوش اسلوبی سے شروع کیا ہے۔

چونکہ بزم کے مستقل صدر جناب مختار ہاشمی صاحب کا اسی سال انتقال ہوا ہے۔ لہذا ناز صاحب ذکرِ مختار کے عنوان سے کلام پیش کرنے کے لئے کچھ صاحبان سے درخواست کر رہے ہیں۔ چنانچہ جناب فہد گوپالی شفق امام جاوید شہبازی، اقبال بھارتی اور حیرت بن واحد صاحبان نے اس سلسلہ میں کلام پیش کیا ہے۔ بعد ازاں حضرت جوہر گوپالی سے یادِ ابر عنوان کی نظم پیش کرنے کو کہا ہے۔

لیجئے اب غزل کا دور شروع ہوتا ہے اور ناز صاحب بلا رہے ہیں۔ گنور کے نوجوان شاعر شمس گھنوری کو۔ آپ تحت میں فرما رہے ہیں۔ ایک شعر جو مجھے پسند آیا ہے آپ بھی سن لیجئے ؎

تم نہ آئے تو رہی یاد تمہاری باقی + کوئی تسکین کا پہلو تو رہا دل کیلئے

اب بلائے جا رہے ہیں تابش بن ابر احسنی گنوری۔ آپ ہلکے ترنم میں عطا کر رہے ہیں ؎

تمہارے سوا کون ہے میرا پیارا — مرے حال پر رحم کھاؤ خدارا
یہ فرقِ من و تو ہمارا تمہارا — ہیں اب طبیعت کو اپنی گوارا

واجبی داد مل رہی ہے۔ لیجئے اب آ رہے ہیں ڈاکٹر کنول ضیائی۔ آپ نے ایک قطعہ حضرت مختار ہاشمی مرحوم سے متعلق اور ایک نظم حضرت ابر سے متعلق پیش کی ہے۔ اور اب آ رہے ہیں مینا گنوری۔ تحت میں پیش کر رہے ہیں آپ بھی سنئے ؎

ان کے کوچے میں کہاں صحرا ہیں — وحشیوں کا کوئی [illegible] نہیں
دامِ الفت میں مبتلا ہے ہر اک — اور ظاہر میں کوئی دام نہیں

افسوس کہ آپ کو ابر صاحب کا سایہ بہت کم دنوں کے لئے نصیب ہوا۔ مرحوم کے بعد کسی اور کا دامن پکڑنا شاید ان کی طبیعت نے قبول نہیں کیا لہذا (بڑا المیہ ہے) پیچھے رہ گئے۔

لیجئے اب ناز صاحب پکار رہے ہیں۔ ایک خوبرو نوجوان شاعر خان آصف رامپوری کو موصوف نے نہایت حسین گیت

پیش کیا ہے اور خوب داد لی ہے۔ اب زحمت دی جا رہی ہے جناب ... گنوری (فاروق علی ایڈوکیٹ سابق چیرمین) کو آپ نے حضرت اکبر کے ... سے متعلق چند قطعات اور ایک نظم بعنوان "گنور کی زمین" پیش کی ہے اور خوب سراہے گئے ہیں۔ اب آ رہے ہیں ... چندوسی۔ آپ جدید رنگ میں کہتے ہیں۔ خوب داد پا رہے ہیں۔ اب ناز صاحب بلا رہے ہیں۔ نسیم چندوسوی کو۔ آپ دلکش ترنم میں لہک رہے ہیں۔

اپنی ہستی پہ کیوں اترا تا ہے ناداں اتنا
یہ محل ریت کا ہے جلد ہی دھنس جائے گا
آج ہے جس کے کناروں پہ حکومت تیری
کل تو اس دریا کے پانی کو ترس جائے گا
اس قدر پیاس تیری دید کی ہے مجھ کو نسیم
ایک سمندر مری آنکھوں ہی میں بس جائیگا

نسیم میاں خوب داد پا کر چلتے بنے۔ اب بلائے جا رہے ہیں ایک اور نوجوان مزاحیہ شاعر جناب ساحر بریلوی: آپ نے چند چٹ پٹے قطعات پیش کر کے محفل کو زعفران زار بنا دیا ہے۔ ایک اور کی آواز ... میں ناز صاحب پکار رہے ہیں۔ طاہر فراز رامپوری کو۔ افسوس کہ آپ نے وہی اشعار یہاں بھی پڑھے ہیں جو ابھی تین دن پہلے چندوسی میں پڑھے تھے۔ اب تشریف لا رہے ہیں۔ جناب رشک بریلوی فرماتے ہیں ؎

اک زمانہ ... لبوں پر تھا ترانہ اپنا
ہائے اب یاد وہ آتا ہے زمانہ اپنا

داد تو ملی ہے لیکن وہ حشو ہے یا وجہ تعقید" ایک آواز۔ ارکلام تو تعقید لفظی ہیں۔ "ایک بھٹکے ہوئے پنچھی کی طرح شام کے وقت ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم لوگ ٹھکانا اپنا" لیجئے اب آ رہے ہیں جاوید شہبازی۔ فرماتے ہیں۔ میں اپنے ہاتھ میں آندھی چھپائے ... ہوں + کہ تیرے شہر ... میں ریت کے مکان بہت۔ جدید رنگ ہے۔ اشاریت کا نمونہ۔ واہ واہ، سبحان اللہ۔ اب ناز صاحب زحمت دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر ماہر چاندپوری کو۔ آپ ایک قطعے کے بعد غزل کا مطلع نہایت اچھے ترنم میں پیش کر رہے ہیں ؎

فیض عام رندوں پر آج ساقیا ہوتا
بدلیوں کے سائے میں جام مئے دیا ہوتا

داد عروج پر ہے اور آپ عنایت کر رہے ہیں ؎

موسم خزاں کو کیا تم بہار سمجھے ہو + اب تو اپنے دامن کو دیکھو
اٹھ کے دیر و کعبہ سے میکدے گئے جو + شیخ اور برہمن کا آج تصفیہ

واہ واہ کا شور ہے لیکن پروفیسر ولی حسن پوری تصفیہ کے قافیہ پر معترض ہیں۔ میں نے وضاحت کی ہے "ہائے مہملہ الف سے بدلی جا سکتی ہے"۔ اب آ رہے ہیں یاور گنوری۔ آپ حضرت ... متعلق قطعات پیش کر رہے ہیں ایک آپ بھی سنیئے۔

حسن سحر میں آپ شفق کی ہیں دلکشی
گیسو گھٹا ہیں آپ کے آنکھیں ہیں ...
جینے کو جی رہے ہیں تمہارے بغیر بھی
یہ اور بات ہے کہ میسر نہیں خوشی

اب جناب صہبا رامپوری کی باری ہے۔ آپ آئے رواں دواں کلام سنا رہے ہیں کچھ آہ کچھ واہ لیجئے اب گرج رہے ہیں جناب دلکش بدایونی معاون سکریٹری آل انڈیا بزم ... چند قطعات مزاحیہ اور طنزیہ۔ آپ جگر تمام کے بیٹھو۔ بیحد لبوا ترنم سے پڑھ رہے ہیں۔ تاباں مراد آبادی ؎

جب حقیقت نہیں پائی گئی افسانوں کی
یاد آئی تیرے بھولے ہوئے پیمانوں کی

مطلع ہی سے داد عروج پر ہے۔ لیکن اس شعر نے تو ریکارڈ توڑ دیا ؎

ذہن پر چھوڑ دیئے چند غلامی کے نقوش
اور دیواریں گرا دی گئیں زندانوں کی

آپ نے ہر شعر پہ بے پناہ داد پائی۔ اب آ رہے ہیں حافظ گنوری۔

ناسور ہیں سینے میں تو آنکھیں مری پرنم
کیا کیا مری ہستی پہ محبت کے کرم ہیں
صیاد رگ جاں میں کیوں ہاتھ ہمارے
کیا ہم پہ ستم برق کے گلزار میں کم ہیں

آپ نے مناسب داد پائی ہے اور اب زحمت دی گئی ہے

اقبالؔ بہاری کو سنیئے۔

گستاخیٔ نظر سے تمہیں دیکھتا نہیں + ڈر آگیا ہے ہم پہ مری چھ خطا نہیں
دنیا میں کوئی کسی پہ بھروسہ بھلا کرے + میں جھکا ہو گیا ہوں وہ میرا ہوا نہیں

افسوس کہ یہ بھی اکبر صاحب کا سایہ جلد سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے کچھ رہ گئے۔ داد تو ملی لیکن کم۔ لیجئے اب نمبر ہے نور کوہلی کا۔ آپ بڑے نشے سے پڑھتے ہیں فرماتے ہیں ؎

کیفِ حیات و کیفِ نظر کون لے گیا + میری رداؔ درد جگر کون لے گیا
خاکِ حیات کے جلتے میرے شعور میں + وہ کرکے مجھ کو زیر و زبر کون لے گیا
میری خودی چرالی گئی سب کے رو برو + یہ بات کھل سکی نہ مگر کون لے گیا۔

آپ واہ واہ کے شور میں رخصت ہو رہے ہیں اور اب آ رہے ہیں عابد سجنوری ؎

کہیں لب پہ آہ و زاری کہیں جشنِ شادمانی
بڑا درس آفریں ہے یہ رُخِ حیاتِ فانی
میری آرزوئے دل کا ہے یہ خون درحقیقت
جسے تم سمجھ رہے ہو میرے آنسوؤں کا پانی
غمِ دل کو میرے عابدؔ نہ سمجھ سکا زمانہ
کبھی میرے ہر نفس نے مرے درد کی کہانی

دلکش ترنم، شستہ کلام۔ داد ہے کہ سب رکارڈ توڑ رہی ہے مشاعرہ شباب پر ہے اور اب سلیس گنوری اپنی سلاست کلام کا لوہا یوں منوانے چلے ہیں ؎

پردے سے تیرے دل ہے بہت پیچ و تاب میں
جی چاہتا ہے آگ لگا دوں نقاب میں
انسان کو کہیں بھی تو جائے اماں نہیں
شائد یہ پھنس گیا ہے خدا کے عذاب میں

واہ واہ کا شور کم ہوا تو ناز صاحب نے یاد کیا ہے شہاب مراد آبادی کو۔ فرماتے ہیں ؎

تھا دل میں جوش قدم جادۂ حیات میں تھا
وہ دن بھی کیا تھے کہ جب ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا
اسی کے حسن کی گرمی ہے دن کے سورج میں
وہی تجلی ہے مہتاب جی کے رات میں
شفق و دھنک گل و لالہ سب اس کی خاطر ہیں
جو وہ نہ ہوتا تو کیا ... کائنات میں تھا۔

سنجیدہ کلام، دلنشین انداز۔ آپ داد میں شرابور تشریف لے چلے تو ولی حسن پوری آئے

سہتے ہیں یہی سوچ کے ہم جور بھی غم بھی
شائد کہ ہو مائل بکرم چشمِ ستم بھی
اچھا ہی ہوا آپ نے دل لے لیا ورنہ
ہو جاتے کہیں ورنہ یہیں یاس بھی غم بھی

آپ داد کے بوجھ سے لدے مائک چھوڑ رہے ہیں اور اب ناز صاحب دعوتِ کلام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر تسخیر فہمی کو آپ دلنشین ترنم میں یوں مجمع کو مسخر کر رہے ہیں۔

وہ مرحلہ انسان کا جہاں بس نہ چلا ہے
تقدیر الٰہی سے وہ منسوب ہوا ہے
یاروں نے مجھے طنز سے دیوانہ کہا ہے
کیا خوب میری سادہ مزاجی کا صلہ ہے
تقدیر زمانے کی بدلنے کو ہے شاید
دیوانہ کئی روز سے کچھ سوچ رہا ہے

اور مجمع واقعی موصوف کے حسنِ کلام میں ڈوبا ہوا سوچ بھی رہا ہے اور واہ واہ بھی ہو رہی ہے کہ اتنے میں نازؔ صاحب خود کو ہی پیش کر رہے ہیں۔ بڑے کھنکتے ہوئے ترنم میں فرماتے ہیں۔ دھر کہیں گنگنائیں تو میں کیا کروں، نہ انکے ہی گیت گائیں تو میں کیا کروں داد ہر ٹونگ میں تبدیل ہو رہی ہے اور آپ اسی طمطراق سے پنجابی لہجہ اختیار کئے ہوئے بجلی گرا رہے ہیں۔

ہوں وفا پر جفائیں تو میں کیا کروں
وہ مجھے آزمائیں تو میں کیا کروں
میری قسمت میں مٹنا تو تھا اُن سے بھی
ہو گئیں کچھ خطائیں تو میں کیا کروں

یہ خطائیں نہیں ان کا جد تھا۔ لہذا لیجئے اب حضرت جوہری ایڈیٹر "گر تویہ" کو سنیئے

اب اور کیا دیں جنونِ وفا کا تجھ کو ثبوت
یہ دیکھ دامن صد تار تار ہو کے چلے
جہاں سکون و مسرت کی تھی فراوانی

وہیں سے اہلِ وفا بے قرار ہو کے چلے

آپ بڑے دلنشین انداز میں تحت اللفظ پڑھ رہے ہیں اور داد لوٹ رہے ہیں۔ اور اب صدر استقبالیہ کمیٹی چیرمین کو حضرت انیس کو سماعت فرمائیے۔

محرومیِ نگاہ کے ساماں ہوئے تو ہیں
وہ خیر سے قریبِ رگِ جاں ہوئے تو ہیں

کیا پیشتر ہی وقت سے آنے کو ہے بہار
بے وقت چاک چاک گریباں ہوئے تو ہیں

شاید یہی سفینہ کو ساحل پہ لا سکیں
پیدا ہر ایک موج سے طوفاں ہوئے تو ہیں

واہ واہ کا شور ہے اور انیس صاحب ویسے ترنم میں گلفشاں ہیں۔ لیجئے اب شفق امام علیگڈھی کا نام آیا آپ نے پرسوں چندوسی میں بھی یہی اشعار پڑھے تھے خیر آپ بھی سن لیجئے ؎

اپنی وقعت میرا معیار گرا سکتا ہے
دل کا کیا ہے کسی پتھر پہ بھی آسکتا ہے

اے مرے دوست یہاں تیرے سوا میرے خلاف
کیا کوئی اور بھی آواز اٹھا سکتا ہے

مختلف زاویوں سے دیکھ تو خود کو لیکن
آئینہ ایک ہی تصویر دکھا سکتا ہے

آپ موزوں داد پاکر رخصت ہو رہے ہیں اور اب آرہے ہیں جناب رئیس علیگڈھی۔ فرماتے ہیں،

موجود رہا ہوں کبھی معدوم رہا ہوں
ایک عقدۂ ہستی موہوم رہا ہوں

میں ذہنِ پریشاں میں لیے خواب پریشاں
صحراہیں بگولوں کی طرح گھوم رہا ہوں

موصوف داد و تحسین میں نہائے رہے تھے کہ مجھے آواز دی گئی میں نے بڑا بڑا کاغذات ایک طرف کئے اور اسٹیج پر جا رہی غزل داغ دی ہے لیکن محسوس کر رہا ہوں کہ اگر ایک دو قطعات پڑھ کر غزل چھیڑتی ہوتی تو زیادہ اچھی تھی مگر شکر ہے کہ حسنِ مطلع نے کسر پوری کر دی آپ بھی سنئے۔

تو اب اپنا خطا اپنی خدا اپنا خودی اپنی
ہمیشہ کر ہم سے اٹے واعظ نہ کر بے عزتی اپنی

اس کے بعد اس شعر پر بھی خوب داد مل رہی تھی ؎

چلو ہم چاہنے والے کسی کے بھی نہیں بنتے
مگر للہ تم بھی چھوڑ دو جادوگری اپنی

خیر صاحب اب جناب شرف رحمانی کو سنئے اور سر دھنئے ؎

اُن کے جلوؤں سے معمور ہو جائیں گے
اب تو دل دل نہیں طور ہو جائیں گے

چارہ گر تو نے مرہم لگایا اگر
زخمِ دل بڑھ کے ناسور ہو جائیں گے

واہ واہ۔ یہ عمر اور یہ ترنم۔ واقعی یہ حضرت اکبر ہی کا فیضان ہے بلکہ ورثہ ہے۔ مرحوم کا ترنم بھی آخر تک رو رہا۔ اب حضرت بزمی بھی آج تشریف لائے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

یہ خبر کب تھی کہ ایسا وقت بھی آجائے گا
رات کو دن اور دن کو رات سمجھا جائے گا

اپنی دانستہ خطا کو یوں نبھایا جائے گا
ان کی بیگانہ روی پر مسکرایا جائے گا

واہ واہ۔ سبحان اللہ اور کوئی ہوتا تو شرف صاحب کے بعد جم نہ پاتا چنانچہ آپ کامران پلٹ رہے ہیں اور اب بہ اصرار حیرت بن واحد کو زحمت دی جا رہی ہے۔ موصوف معلوم نہیں کیوں پڑھنا نہیں چاہتے تھے لہٰذا مقام بھی گڑبڑ ہو گیا۔ خیر...

حیرت سے تم بھی کہتے ہو کھانا خراب ہے
یارو میرے خلوص کا یہ ہی جواب ہے

دیکھے ہیں اتنے خواب کہ اب اپنے روبرو
ان کو بھی دیکھ لوں تو سمجھتا ہوں خواب ہے

آپ مناسب داد پاکر رخصت ہو رہے ہیں اور اب زحمتِ سخن سید بدلا کو دی جا رہی ہے۔ شوق اثری رامپوری کو لیجئے یہ اس مشاعرے کے آخری شاعر ہیں انہیں خوب جی بھر کر سنئے اور یہ سناتے بھی جی بھر کر ہیں۔ چند متفرق اشعار کچھ مزاحیہ کچھ سنجیدہ کچھ پرسوں چندوسی میں پڑھے ہوئے کچھ نئے۔ چندوسی میں تو آپ نے دل کھول کر پڑھا تھا آج کچھ افسردہ نظر آرہے ہیں لیکن اپنے حصے کی داد خوب وصول کر رہے ہیں یکایک یہ کیا ہوا۔ طلسم

مفتون کوٹوی

جناب جوش ملسیانی کی مرصع سازی

شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

شاعری کو معنوی طور پر جزو پیغمبری کہا جاتا ہے۔ اسکی ظاہری حیثیت مرصع سازی کی ہے، بیان و حیاں کی خوبیوں اور آرائشوں کے ساتھ جب کسی مفہوم کو ادا کیا جائے تو اس کی تاثیر و گیرائی میں بے پناہ وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں شاعر کی قادرالکلامی اور بلند خیالی کا بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ فیوض ربانی کے ساتھ اکتساب و محنت، مشق و مہارت اور کوشش و ریاضت بھی نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ لیکن یہ ایک روز دو روز کی بات نہیں۔ برسوں کی کاوش و کاہش ایسے اثرات و ثمرات پیدا کرتی ہے۔ پھر تو نقش کاری اور مرصع سازی فطرت و عادت میں ایسی رچ بس جاتی ہے کہ فنکار کے ہر نقش و نگار میں اسکا ظہور خود بخود عمل میں آجاتا ہے۔ رجحانات، التفات و توجہات اور سونے پر سہاگہ کا کام کرتی ہے۔ جناب جوش ملسیانی کو خدا نے زبان کی روانی، فصاحت اور سلاست تو عطا کی ہی تھی، جس کے طفیل انہیں ارباب ادب نے ابوالفصاحت کہہ کر پکارا۔ لیکن بلاغت معنوی فکر و نظر کی بلندی، اور الفاظ کی مرصع سازی، ان کی مشق و مہارت اور کوشش ریاضت کے وہ ثمرات تھے، جن سے ان کا کوئی نقش خالی نہیں۔ مفہوم بلند ہو، ساتھ ہی اسے فصاحت و بلاغت رکھ رکھاؤ اور احتیاط سے ادا کیا جائے تو یہ شاعر کی عظمت و صلاحیت پر دل و دماغ کو مائل کرتی ہے ان کی ایک رباعی ملاحظہ کیجئے ؎

ہر ایک جواں پیر نظر آتا ہے + سہما ہوا نخچیر نظر آتا ہے
اس پر بھی زن و مرد ہیں آئینہ بدست + کیا عالم تصویر نظر آتا ہے

فیشن کی برائیاں ظاہر کی جا رہی ہیں۔ بتایا جا رہا ہے کہ ظاہری صحت و تندرستی میں نوجوان پیر کے مانند سہمے ہوئے نخچیر کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ بایں ہمہ آرائش و زیبائش کی طرف توجہات اسقدر مبذول ہیں کہ ہر ایک آئینہ بدست ہے اسی لحاظ سے عالم تصویر کا عالم دکھایا گیا ہے۔ دوسری رباعی میں بھی فنی مہارت کے ساتھ اس سے زیادہ وضاحت سے اظہار خیال کیا گیا ہے ؎

اب ناچنے گانے میں برائی نہ رہی
عریانی تن پہ جگ ہنسائی نہ رہی
آوارگی طبع سے نفرت تو کجا
ظاہر کی بھی انگشت نمائی نہ رہی

پوشش و آرائش میں تو ان دنوں فیشن کے تحت مرد و زن برابر ہو گئے ہیں۔ اب اختلاف تن باقی رہ گیا ہے۔ اس کے لئے بھی طعن و طنز سے کام لیا جا کر کہا جا رہا ہے کہ اسے بھی مٹ جانا چاہیئے۔ فیشن کے دامن پر اتنی تمیز کرنے والا دھبہ بھی کیوں باقی رہے ؎

اغلب ہے کہ ہر نقش کہن مٹ جائے
ظاہر کی تمیز مرد و زن مٹ جائے
تکمیل ہنر اس میں ہے اے اہل ہنر
باقی جو ہے اختلاف تن مٹ جائے

اس خواہش کے پس پردہ شاعر کے دل و دماغ میں، کیا لاوا ابل رہا ہے۔ اس کا جائزہ لیجئے ؎

جو ہے وہ "تصنع" پہ مٹا جاتا ہے
اس زہر سے جاں بلب ہوا جاتا ہے
رحمت کی گھٹا نہیں تو آندھی ہی اٹھے
فیشن کی ہوا میں دم گھٹا جاتا ہے

زہر کی خاصیت جاں بلب کر دینا ہے۔ ایسے عالم میں ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب دم گھٹنے کا ماحول ہے ایسے

[illegible] رحمت کی گھٹا نہ اٹھے تو آندھی ہی اٹھے۔ کسی طرح تو طبیعت کو سکون حاصل ہو۔ نفرت کے اظہار کے سلسلے میں تصنع اور زہر تباہ کیا ہے اس کی ہوا کو دم گھٹانے والی بتا کر جاں بلب ہونے کا باعث، آندھی کی تباہی شدت اور تندی و تیزی بھی گوارا کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ نفرت کی اس منظر کشی کے ساتھ خوف اور لرزیدگی کا عالم اس شعر میں دیکھئے ؎

خدا جانے صبا ہر روز کیا پیغام لاتی ہے
کہ پہروں کانپتے رہتے ہیں تنکے آشیانوں میں

تشبیہ کی تصویر اس شعر میں کتنے بہتر انداز اور مرغوب الفاظ کے ساتھ کھینچی گئی ہے ؎

ترے انداز پہ ہر روز کچھ شک گزرتا ہے
لے جاتی ہے تو مجھ کو کدھر آہستہ آہستہ

بربادی کا منظر دیکھئے ؎

وہ تو وہ اُن کا تصور بھی گریزاں ہی رہا
کون ٹھہرے میرے اُجڑے ہوئے کاشانے میں

اُجڑے ہوئے کاشانے کے لحاظ سے گریزاں ہونا۔ اور ٹھہرنا لفظوں کے رکھ رکھاؤ کے تحت ہیں۔ تصور کو اس کا فاعل قرار دینا معنوی بلاغت و رفعت ہے۔ لفظوں کا رکھ رکھاؤ اور ملاحظہ ہو ؎

کھائے جاتی ہے اسے ترکِ تمنا کی خطا
پہلے مشکل دل میں تھی اب دل مرا مشکل میں ہے

مرگرمِ سفر رکھتا ہے دردِ دلِ بیتاب
اُٹھے نہ اگر یہ تو قدم اُٹھ نہیں سکتا

کامل ہی جو پوچھو تو خضر بھی نہیں کامل
جینا اسے آتا ہے تو مرنا نہیں آتا۔

گریۂ شبنم [illegible] سے اور رسوائی ہوئی
داغِ عصیاں میں نے دھو دھو کر نمایاں کر دیا

آنسو گناہ کے لیے نمود۔ اور برباد کرنے کا آخری ذریعہ ہیں کیونکہ اس سے اعترافِ جرم کے ساتھ قصور اور خطا پر شرم و پریشانی کا بھی اظہار ہوتا ہے بلکہ کہا جائے کہ یہ ذریعہ رسوائی کا باعث ہو گیا۔ داغ گناہ آنسوؤں سے دھوتے جانے پر اور زیادہ نمایاں ہو گیا۔ رسوائی کا ایک اور پہلو ؎

کر گئی موت مجھے اور بھی رسوائے جہاں
اس نے الزام یہ رکھا کہ وفادار نہ تھا

خاک اڑانے کی معنی آفرینی اور سخن پروری کا لطف لیجئے ؎

ایک فضا میں ہی تو ناکام نہ آیا ظالم
خاک اڑاتی ترے کوچے سے صبا بھی آئی

اس شعر میں ملاحظہ کیجئے تفصیل اجمال اور وسعت و اختصار کا منظر ؎

نزع میں پیشِ نظر ہیں عمر بھر کے واقعات
ساری دُنیا کا مرقع آخری منظر میں ہے

محاورہ بندی اور لفظوں کا ہیر پھیر فصاحت و سلاست کی آئینہ داری کر رہے ہیں۔

کاش اس کو مجھ کو باہم گلے ملا دیں
دو آدمی یہاں کے دو آدمی وہاں کے

نہ لطف ہی نہیں اب وہ بات ہی نہیں اب
یا میں بدل گیا ہوں یا تو بدل گیا ہے۔

اک عالم تو عطا کر اے کریم
یہ بھی کیا کچھ قید کچھ آزاد ہوں

مدت ہوئی کہ بابِ اثر بند ہو گیا
میں نے دعا سے ہاتھ اٹھایا نہیں ہنوز

جو کہہ سکیں نہ ہم وہ کہا ہی نہیں ابھی
جو سن سکو نہ تم وہ سنایا نہیں ہنوز

ہوئے جو خوگر غم عیش کان پر اثر کیا ہو
خوشی کو وہ خوشی سمجھیں جو غم کو غم سمجھتے ہیں

جناب جوشؔ تخلص کے لحاظ سے اسم بامسمیٰ تو نہ تھے لیکن سادگی اور سادہ مزاجی کے باوجود شوخیٔ طبع فرد در رکھتے تھے۔ دو تین شعر دیکھئے۔ ردیف کی قدرت اور لفظوں کی مرصع سازی کے ساتھ دعویٰ بالدلیل پر بھی غور فرمائیے ؎

منحصر تو بس [illegible] ہے دوا مندی
دیکھ تو زور میں موجود ہے زرد و سیاہ تین ارتم
ملک الموت سے [illegible] نہیں کوئی

جس کو کہتے ہیں نذر اسمیں ہے زرد و بیٹے نین
خاموخوت کرو آہ کو سمجھو نہ حقیر
لفظ اللہ میں اس کا اثر دو بیٹے تین

غرض جناب جوش شاعرانہ رنگ و مزاج کے لحاظ سے ایک منفرد حیثیت رکھتے تھے اور شعری مہارت و ریاضت کے فقاشنظر بڑی عظمت و صلاحیت کے مالک تھے ؎

انکار کیجئے نہ کمالاتِ جوش سے
کم گو سہی مگر وہ سخن ور ضرور تھا

قطعات

حضور سہسوانی

گل کو بخشی ہے نزاکت کس نے خار کو کس نے یہ سختی دی ہے
جس پہ لکھے وہ حکایاتِ چمن کس نے گل چیں کو وہ تختی دی ہے

دور سے سوم جنکو سمجھا ہے در حقیقت بھول نکلے ہیں
جن کو سونگھا ہے جان کر اصلی وہ بھی کاغذ کے پھول نکلے ہیں

پیار کا تھا چمن تر و تازہ وا تھے سب باب ہم پہ رحمت کے
جب وہ جانِ بہار دور ہوا پھول مرجھا گئے مسرت کے

زندگی میں تجربوں کیواسطے چوٹ اک ہر روز کھاتے جائیے
دشمنوں کا ذکر تو بے کار ہے دوستوں کو آزماتے جائیے

ضروری گذارش

۱۔ جب بھی آپ دفتر شانِ ہند کو خط لکھیئے تو اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیئے۔ یہ نمبر آپ کے پتے کی چٹ کے اوپر لکھا ہوتا ہے اس سے آپ کے احکامات کی تعمیل فوری طور پر ہو سکے گی۔

۲۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی خط بھی بھیجئے

مینیجر

دماغی ورزش

ماہ دسمبر ۱۹۷۷ء کے شان ہند میں لال قلعہ کے مشاعرہ میں پڑھے گئے مختلف شعرائے کرام کے چالیس اشعار دیئے گئے تھے اور یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ان اشعار میں سے مجروح اشعار کی نشاندہی کرنے والے حضرات کو پچاس روپیہ انعام دیا جائیگا ۔ ذیل میں ان اشعار کے بارے میں صحیح رائے پڑھیئے

"ایڈیٹر"

عزیزی زارؔ علامی کا جواب قریب قریب ٹھیک ہے لیکن انہوں نے لکھوایا ہے ۔ "انعام سے بے نیاز" اور ان کا یہ کہنا بجا ہے کیونکہ وہ علامی ، جو ہیں میں دعا دیتا ہوں کہ معبودِ قلندر انھیں خوش اور آباد رکھے ۔ (آمین)

دوسرا جواب میرے پیارے ہمدم (بی ۔ اے منشی فاضل) کا ہے ۔ وہ بھی انعام سے بے نیاز ہو کر فرماتے ہیں : "گر قبول افتد زہے عز و شرف" ! میں دعا دیتا ہوں کہ "معبودِ قلندر انھیں عمر کے ساتھ علم و سعادت عطا کرے " (آمین)

صحیح جواب دیکھئے (لیکن باختصار)

(۱) ہر اچہ معنی ؟ ۔ جان مونث ہے ۔ جان بہار آئی نہ کہ مطلع بنانے کی ہوس میں مصحفی کی طرح جان کو مذکر لکھا ۔ بہاراں میں الف نون (ردف ورَوی) زائد ہیں اور گلستاں میں اصلی ہیں ۔ اس عیب کو شائگاں کہتے ہیں ۔ پہلا مصرع اس طرح ہونا چاہئے تھا "آیا وہ میرے عیش کا ساماں نظر آیا" (زارؔ)

" آیا وہ سکوں بار دل و جاں نظر آیا " (ہمدم)

(۲) تجلی طور تو کلیم اللہ بھی نہ دیکھ سکے ۔ شاعر کیا دیکھے گا غلو بے ثبوت ہے ۔ نگاہیں سرمگیں نہیں ہوتیں چشم سرمگیں ہوتیں ہیں ۔

(۳) قافیہ ندارد (اگر دوسرے مصرع میں سنا فرض کر لیا جائے تو بھی ایطائے جلی ہے) یعنی کی ی ساقط کر دی ۔

(۴) ازدحام (عربی ہے) اژدہام کوئی لفظ نہیں ۔ ناتمام کی جگہ خوشں مرام ہونا چاہیئے ۔

(۵) پہلا مصرع بے وزن ہے ۔ اُجڑے ہوئے گھر میں شمعوں کے جلنے کی کیا تک ہے ۔

(۶) نجانے کی جگہ جانے مہمل ہے دونوں مصاریع دو لخت ہیں پھولوں کے مسلنے میں خیر کا کیا کام !

(۷) ریگ صحرا پر نقش پا ہوا کے جھونکوں سے مٹ سکتا ہے بشرطیکہ ریگ خشک ہو ۔

فرش برفی پہ نقش پا ہوں میں (زارؔ)

اُف یخستاں میں نقش پا ہوں میں (ہمدم)

(۸) یہ شعر نہیں ۔ بے تکی نثر ہے ۔

(۹) ششتر گربہ زمانی ہے (تھا کہ جگہ ہے چاہیئے) لفظ کو حشو ہے ۔ شوق کی جگہ خبط چاہیئے ۔

(۱۰) میرا اپنا (را نا) دونوں حرف جار ہیں ۔ یہ فصحا کی زبان نہ

(۱۱) شکوے اور گلہ ۔ تکرار معنی ہے ۔ گلہ کی جگہ ادا کہنا چاہئے تھا ۔ اور لب کی جگہ دل میں کہنا مناسب ہوتا شعر یوں ہوتا ۔ دل میں یوں تو ہزار شکوے تھے ، روبرو اُسکے کچھ ادا نہ

(۱۲) ہی (حرف حصر) ماہ پاروں سے وابستہ ہونا چاہیئے ۔ وہ مہ پاروں میں ہوتی ہے نہ ستاروں میں ۔

(۱۳) تنہائی کی ی ساقط کر دی ۔ تنہائی کی رنگیں مہمل بات

(۱۴) گرداب کے لیئے تند و پیچیدہ موجوں کی شرط غلط اور گرداب میں سمندر اور خشکی دونوں کا کر و مگیں لینا بیہودہ پن ہے قافیہ بھی غلط ہے

(۱۵) زمانہ ماضی کو اگلی کہنا دو سو سال پرانی زبان ہے

(اگلے وقتوں کے ہیں۔ یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو) کام اور
دہن کے کیا معنی ہیں۔ ماضی میں دہن کی آزمائش سے کیا
مراد ہے۔ تلخاب آرزو کون سی پیا و سرِ عام تھا!
(۱۶) راہزنِ تنہائی کی کلفت میں اضافہ تو ضرور کر سکتا
تھا کو فت مٹا نہ سکتا تھا۔ (اگر شاعر خود راہ زن ہے تو شعر
صحیح ہے۔ ہمدم)
(۱۷) پہلے مصرع کا جواز نہیں۔ ذکر ہے ذاکر کا پتا نہیں۔
ہمقافیہ ردیف کا عیب ظاہر ہے۔
(۱۸) نظر کی ظا ساکن کر دی۔ چشم لکھنا بجا ہوتا۔
(۱۹) ہے حشو قبیح۔
(۲۰) شمع سے شام ہجر تو معدوم نہیں ہو سکتی۔ شمع نصیب
بھی ہو تو دل تو ہجر میں برابر جلتا ہی رہے گا۔ کر یہ شام
ہجر چہ معنی۔
(۲۱) درد کا سایہ اعجوبہ ہے۔
(۲۲) یہ مقطع مہمل ہے۔ زیتون کا شراروں سے کوئی واسطہ
نہ فاختہ سے سروکار۔
(۲۳) شاعر راون اور رام کی حقیقت سے ناآشنا ہے۔ بل
تو نکل بھی سکتا ہے۔
(۲۴) دل کس سے باتیں بنا رہا ہے۔ مخاطب کا فقدان ہے
لہجے حشو ہے۔
(۲۵) لفظ عجیب ہے کہ مجوبہ۔ (اعجوبہ آٹھواں کہو ہندوستان
میں ہی صحیح تھا۔
(۲۶) یہ ایک آنسو اور ایک آنکھ کی کیا تک ہے۔ زمین اور
فلک ہمقافیہ ردیف کا عیب ہے۔ آنسو ٹپک کر نیچے گرے گا
نہ کہ فلک پر چڑھ جائیگا۔
(۲۷) اپنے نقشِ پا کو اپنے سجدوں سے سجانا عجیب وارد ہے
بے معنی شعر ہے۔
(۲۸) پہلے مصرع میں جیسے تعصب کا اندھیرا ہے ایسے ہی
دوسرے مصرع میں محبت یا خلوص کے چراغ کہنا تھا۔
ایطائے جلی ہے۔
تم تعصب کے اندھیرے کو بڑھاتے ہی رہے۔
ورا لفت کے چراغوں کو بڑھاتے ہی رہے۔
دونوں جگہ بڑھاتے لکھنے سے حسن قافیہ ہو گیا یعنی پہلا
بڑھانا، بنے صحیح عروج آیا اور دوسرا بجھانے کے معنی پر۔
(۲۹) مزاج چلتا نہیں بدلتا ہے۔ دماغ چلنا محاورہ ہے۔
ایسے گردش چلنا مہمل ہے۔
(۳۰) لفظ شمشیر بیائے مجہول صحیح ہے۔ اس لئے عیب
سناد ہے۔
(۳۱) آدمی پیدائش سے ابد تک مجبور ہے۔ آزاد
نہیں۔ قانون قدرت اور آئین حکومت میں جکڑا ہوا۔
دور نہیں کی تکرار بیجا ہے۔
(۳۲) یہ شعر نہیں بے تکی نثر ہے۔
(۳۳) ایطائے جلی ہے۔ غزل کے ساز چہ معنی۔
(۳۴) پہلے مصرع میں تعقیب ہے (وابستہ ہیں کے بیچ میں
" تم سے " لانے کی وجہ سے یہ عیب پیدا ہو گیا اور شتر گربہ
(تم۔ جا) اور ان کو پہلے مصرع میں جکانا تضمین کا عیب ہے
(۳۵) لفظ کرہ بغیر تشدید صحیح ہے۔ انتظار شوق سے بیگانہ
ہے۔ شعر بے کار ہے۔
(۳۶) صف ماتم بچھی ہوئی ہم نے کبھی دیکھی نہیں جاہلوں کو کہتے
سنا ہے۔ جان مونث ہے۔ گیا برائے تذکیر آتا ہے۔ یہاں شاعر
کو ناز غزل یا حسن غزل یا فخر غزل لکھنا بجا تھا۔
۳۷ - ۳۸ - ۳۹ - ۴۰ یہ شعر بے داغ ہیں

غزل

قربان سہارنپوری

ہر آدمی دُنیا میں انسان نہیں ہوتا۔
ہر سنگ تراشیدہ بھگوان نہیں ہوتا
ہم سے یہ کوئی پوچھے ہم کھیلے ہیں موجوں سے
ہر موج میں پوشیدہ طوفان نہیں ہوتا۔
وہ آئے تو تحفے میں بیمار نے جاں دیدی
دُنیا میں کسے پاسِ مہمان نہیں ہوتا
کہنے ہی ہر ایک سے وہ لطف آتا نہیں کچھ بھی
محفل میں میری جب دل قربان نہیں ہوتا

دلکش ساگری

اسماعیل ذبیح

مدھیہ پردیش کے جدید شاعروں کا انتخاب کیا جائے تو اس فہرست میں دلکش ساگری کو ایک نمایاں مقام حاصل ہوگا۔ اس کے ہر شعر میں ندرت اور جدت ہے۔ شاعری میں اس کا منفرد مقام ہے۔ اس نے شاعری کی ابتدا ایسی دنیا میں کی جو داغ اور امیر کی دنیا تھی لیکن اس کے موضوعات پر بیسوں صدی کی غزل کی چھاپ ہے۔ اس کے یہاں وہی تبدیلیاں ہیں جو اس کو دوسرے ہم عصروں سے شگفتہ رہے پہلے کی غزل سے ممتاز کرتی ہیں۔ اس کے یہاں خیال کی وقعت زبان سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے موضوعات بھی روایتی شاعری سے مختلف ہیں اردو کی روایتی اور گھسی پٹی ڈگر سے ہٹ کر اس نے جو غزلیں لکھیں وہ اردو شاعری کا ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔ اس نے صرف اشعار ہی نہیں لکھے قلم سے تیشے کا کام بھی لیا ہے۔ اس شخص کی شاعری میں قد آور ہے۔ اس کا بلند و بالا مرتبہ کوئی نہیں چھین سکتا۔ اور میرا تو خیال ہے کہ جوں جوں زمانہ روشن خیال ہوتا جائے گا۔ اس کے مرتبہ میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ ؎

مجھ کو ملا ہے ذہن نیا روشنی نئی۔
جھوٹی روایتوں کا میں قائل نہیں رہا۔

کہتا تو ہوں غزل مگر اس معذرت کے ساتھ
وہ جو ہیں مہ رخوں کے طرفدار جل نہ جائیں

مجھے بھی کھوج لگا لو شناور روا کدن
کہ پانیوں سے گھر رہیں بھی اک جزیرہ ہوں

وہ معرضہ حیات ہو یا محفلِ طرب
عنوانِ داستاں ہی رہے ہم جہاں رہے

اس صدی نے بخشا ہے مجھ کو اک نیا لہجہ
مجھ سے چھٹ نہیں سکتی جدتِ بیانِ یار

کوئی تو موج آکے ہمیں بھی اچھال دے
کب تک پڑے رہیں صدفِ تہ نشیں سے

غمِ محبوب اور جذبۂ عشق کی ناآسودگیوں سے ابھرنے والے تاثرات کو موضوع بنا کر دلکش نے اپنے مخصوص انداز میں کافی دلکش، خوبصورت اور کسک آمیز اشعار کہے ہیں۔ حسن و عشق کے باہمی ربط کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا وہ غزل کے بدلے ہوئے لہجوں سے واقف ہے۔ اس کے اشعار میں علامتوں اور نئی آواز کی گونج سنائی دیتی۔

آپ کو نہ راس آئی انجمن تو کیا ہوگا
ہم تو کاٹ ہی لیں گے اپنے روز و شب تنہا

اور ہم کدھر جائیں کس سے روشنی مانگیں
شہر میں تمہیں تو ہو ایک مہ لقب تنہا

یاد آتا ہے اکثر کڑی دھوپ میں
چاندنی کی طرح تیرا اجلا بدن

ان سے بیٹھے ہیں یوں لو لگائے ہوئے
جیسے ناداں سے امیدِ دادِ سخن

ہم وہ صحرا نورد ہیں جن کا
نجد پھیلا ہوا ہے آسمانوں میں

جب وہ گیسوئے طرحدار مہک اٹھتے ہیں
روح میں سینکڑوں گلزار مہک اٹھتے ہیں

ہم وہ جانباز ہیں جب آتے ہیں سرِ مقتلِ ناز
بوئے خوں سے رسن و دار مہک اٹھتے

جہاں تک علامت کا تعلق ہے تو وزیر آغا خود بھی اچھے علامتی شاعر ہیں۔ علامت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم

ہیں۔ "بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علامت کے معنی کسی بنیادی ضابطہ کے تابع نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر شخص کی ذہنی استعداد سے اپنی صورت قریب کر لیتے ہیں۔ ساری غلطی اسی نظریہ کے اختیار کرنے سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ علامت قاری کو ایک ایسے تصور کی طرف لے جاتی ہے جو تمام انسانوں کا مشترکہ تجربہ ہے۔

دلکش کے اشعار میں علامت اس کے آزادانہ سوزشِ خیال کا حصہ بن کر مجذوب کی بڑ نہیں بنی۔ اس میں فریق ثانی کے شرکت کے امکانات قطعی طور پر ختم نہیں ہوئے۔ دلکش کو تنہائی کا احساس ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ دلکش کے یہاں علامت کا استعمال اگرچہ کم ہے لیکن وہ سمندر میں ایک تنہا جزیرہ کی مانند نہیں ہے۔

کتنے سورج پڑے ہیں خون آلودہ
آپ دیکھیں تو خاک داں میں

چاہا کہ اس کی گلی سے گزر جاؤں تیز تیز
اک بیل میرے پاؤں میں آکر لپٹ گئی

پتھروں کے شہر میں بھیجا ہے کیوں۔
پتھروں سے اپنا سر ٹکرائیں کیسا

جلے جلے بازو لہو لہان بدن
یہ آدمی تو پیمبر دکھائی دیتا ہے

یہ ارتقاء نوعِ بشر ہے دیدنی
ہم نے لہو نچوڑ لیا ہے خلاؤں کا

ان اشعار میں جو الفاظ آئے ہیں مثلاً سورج۔ بیل۔ پتھروں کے شہر پیمبر خلاؤں۔ وہ محض الفاظ نہیں بلکہ ان کا استعمال علامت کے طور پر کیا گیا ہے۔ اور اس خوبی کیساتھ کہ مافی الضمیر بھی قاری پر پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس نے ماضی کی جاندار روایتوں سے منہ نہیں موڑا۔ شعر و ادب کی ارتقائی کڑیوں کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ قدامت روایت، جدت اور اجتہاد کو باہمی رشتہ میں منسلک رکھا۔ اس نے جدت کی بے راہ روی اور اندھے فیشن کی

خاطر ماضی کے روشن جذبات اور سنہرے احساس پر کالک نہیں پوتی۔ نئے لہجے اور نئے انداز سے شعریت کے مجروح ہونے اور تشنگی کے دم گھٹنے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ غزل کی روح اور اس کے مزاج کی لطافت ہر شعر میں نظر آتی ہے۔

شہر و ذرا میں سایۂ دیوار ڈھونڈ لوں
اس دھوپ میں ترے رخسار جل نہ جائیں

آپ مضمحل نہ ہوں دل کی واردات پر
پھول تھا جھلس گیا رنگ تھا نکھر گیا

تیرا آنچل فضاؤں میں بسرا گیا
میری تخیل کو مل گیا پیرہن

اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں نہیں ہے شاید
ہائے وہ زلف جو کھل جائے مقدر کی طرح

دیکھا تمہیں تو جیسے مجھے یاد آگیا۔
بھولا ہوا سبق کوئی دل کی کتاب کا

رومانی شاعروں نے بھی مسجد۔ منبر اور مقبروں کا ذکر کیا ہے۔ ان چیزوں کے توسط سے انہوں نے اپنی افسردگی محزون یا حرماں نصیبی کا بیان کیا ہے۔ لیکن انھوں نے ان چیزوں کو رومانی بنا کر پیش نہیں کیا۔ ان کا حزن و ملال ایک آدمی کے دل میں بھی عجیب کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن ان کا اسلوب بلند اور آہنگ خطیبانہ نہیں ہے۔ دلکش نے مسجد۔ منبر محراب اور مقبرے کا جس جذباتی تجربہ سے اظہار کیا ہے اس تجربہ میں اس نے ہر قاری کو شریک کرنے کی کوشش کی ہے اس کے علاوہ اس قسم کے ہر شعر میں وہ جو ہر موجود ہے جو انسان کو جذباتی طور پر متاثر کرتا ہے۔

تجھ کو ملا ہے حکم اذاں تو اذان کہہ
صحرا میں کوئی مسجد و منبر نہیں تو کیا

ہے لہو شہیدوں کا نقش جاوداں یارو
مقتلوں میں ہوتی ہے صبح بھی اذاں یارو

عظمتِ میخانہ سے جو بے خبر ہیں
گنبد و مینار و محراب و کلس

چونکہ نہ مفتیانِ سیاست تو دیکھنا
طفلانِ بے ادب سرِ منبر بھی آئیں گے

فرد کی الجھنوں اور نفسیاتی نظام کے ردِعمل کو دلکش نے بہت کامیابی سے پیش کیا ہے۔ فنی نقطہ نظر سے ان امور پر روشنی ڈالی ہے۔ صنعتی نظام پُرشور اور ہنگامہ خیز ہے اس لئے صنعتی عہد کی گھن گرج اور ہنگامہ آرائی سے دلکش متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اپنے جس تجربہ کی ترجمانی کی ہے۔ اور چھلنی ہوئے زخمی اعصاب پر مہربان انگلیوں سے مرہم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ حسب ذیل اشعار فن کار کی اسی کشمکش کے آئینہ دار ہیں۔ جدید تمدنوں کے شکنجے میں جینے والے شخص کا مقدر ہیں۔ صنعتی عہد کا تمدن مرد کو آہستہ آہستہ ان سرچشموں سے دور کرتا جا رہا ہے۔ جن سے اس کی تہذیبی زندگی ہزاروں سال سے وابستہ تھی۔

ہم جگر فنکاروں کی اس ادا کو کیا کہئے
بیٹھتے ہیں سب مل کر سوچتے ہیں سب تنہا

چاند بھی ستاروں کو ساتھ لے کے چلتا ہے
جانے کیوں بھٹکتے ہیں لوگ بے سبب تنہا

نسلِ آدم نکل کے غاروں سے
آ گئی ہے کتاب خانوں میں

شہرِ آشوب میں چیزوں کا کوئی قحط نہیں
زخم ملتے ہیں دکانوں میں گُل تر کی طرح

میں بھی بڑا عجیب ہوں سورج کے شہر میں
پھرتا ہوں ڈھونڈتا ہوا سایہ سحاب کا

دلکش نے اپنی شخصیت کو دوسروں پر تھوپنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دوسروں کو اس آئینہ میں اپنا عکس نظر آ جائے گا۔

اب ان کا میرا تعلق ہے اس شمار کیساتھ
تکلفات زیادہ ہیں روشنی کم ہے

نوا مرا نغمہ مرا شعور و مزاج
حدِ وقت سے باہر دکھائی دیتا ہے

تنہائی کا احساس اس دور میں چاروں طرف بکھرا ہوا ہے۔ لیکن انسان تنہا رہتے ہوئے بھی تنہا نہیں ہے۔ اگر دلکش کو ساتھی نہیں ملتا تو وہ سرابوں سے ہی اپنا رشتہ جوڑ لیتا ہے محفل کی اگر ضرورت نہ ہو تو اسے مفر بھی نہیں۔

آخر کو ہم بھی سنگِ سرِ راہ تو نہ تھے
تجھ سے جدا ہوئے تو سرابوں سے جا ملے

دلکش نے دو شعری مجموعے شائع کرائے "بھوپال میں غزل" اور "گمنام گوشے" اس کے حالات زندگی اور اس کی شخصیت کے نفسیاتی تجزیہ کے لئے اطہر حسن صاحب صابری ایم۔ اے۔ ایل۔ بی گرلس ڈگری کالج کی رائے کا اظہار کیا جانا ہی مناسب ہے۔

"میں آج تک خود کو نہیں سمجھ سکا کسی اور کو پہچاننے کا دعویٰ کس طرح کروں۔ بہرحال جتنا کچھ جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ دلکش ساگری کٹر مارکسٹ ہے۔ باغی ہے۔ پاگل ہے واقعی شاعر ہے اس دُبلے پتلے آدمی سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ اسے کبھی غصہ نہیں آتا۔ لیں وہ تو اپنے کسی بہت چھوٹے سے جملہ سے ایسا جادو جگاتا ہے کہ سامنے والے پر وجدانی کیفیت طاری ہو جائے۔ اور پھر اسوقت اس کے ہونٹوں میں مچلتی ہوئی مُسکراہٹ بڑی قاتل ہوتی ہے۔ کسی کٹار کی طرح تیز اور خمدار۔

مسلسل بھٹکتا رہتا ہے اور ٹھوکروں کی دولت سنبھالے یوں خوش رہتا ہے جیسے کسی لائبریری کا مالک ہو۔ پاگل ہے اس دور میں ڈھلتے ہوئے سورج کا احترام کرتا ہے۔ جب مجھے لکھنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ وہ پہلا شخص تھا جس سے مجھے ہمدردی۔ خلوص اور پیار ملا۔ خواب بہت دیکھتا ہے نہ دیکھے تو شاید مر جائے۔ بہت عجیب ہے اتنا عجیب کہ اپنا دیوان چھپوانے کے بجائے "بھوپال میں غزل" چھپوا رہا ہے بلا کا حُسن پرست ہے۔ میں وہ رات نہیں بھولتا۔ وہ چند باقی تھا۔ اس نے کہا تھا "یہ بے پناہ سکوت اس کے بے پناہ حسن کا اثر ہے۔ اور اس میں چھپا سنگیت اس کی آواز ہے وہ چاندنی کی قبا سج سنور کر آئی ہے دیکھنا کبھی نہ کبھی میں اسے اپنے گیت میں ضرور ڈھال لوں گا"

جس طرح جناب اطہر صاحب کے اس بیان سے دلکش ساگری کا نفسیاتی تجزیہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح جناب "سید متین" کی "دریافت" سے دلکش ساگری کے شعری مزاج کو سمجھنے میں مزید مدد ملتی ہے۔ موصوف گمنام گوشے میں دلکش پر رقمطراز ہیں کہ دلکش کا شعری مزاج نئی غزل کے مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اس کی غزل خلاقانہ بصیرت اور اجتہادی جسارت کی عمدہ مثال ہے۔

افسوس کہ اس عظیم شاعر کو موت نے ہم سے چھین لیا۔ کینسر کے مرض نے اس کی عمر کا آفتاب غروب کر دیا۔ احباب اس کی موت پہ اداس تیرگی میں جمع ہو گئے اور اس کی زندگی کے عوض اس کی موت کے سیاہ سر پر پھولوں کی بارش فرما دی وہ ان کے عطا کردہ پھولوں سے اپنے کفن کو بسا کر میٹھی نیند سو گیا

سچ ہے احسان کا بھی بوجھ بہت ہوتا ہے۔
چار پھولوں سے دبی جاتی ہے تربت میری

غزل

ندیم القادری منظرنگر

نگاہِ یار نے کچھ اس طرح پیام دیئے
کسی کو تشنہ لبی دی کسی کو جام دیئے

شبِ الم تیری یاد نے ضیا بخشی
جلا دیئے میری پلکوں پہ وقت شام دیئے

زمانہ اور جفاکار بن گیا اے دوست
وفا کے ہم نے زمانے کو جب پیام دیئے

سہارا تنکے کا مجبور کو بہت کچھ ہے
قفس نصیبوں کو تنکے قفس کے کام دیئے

غم فراق میں تو بھی بجھا بجھا سا رہا
فریب تو نے بھی دل کو چراغ شام دیئے

کہیں پہ قیس، کہیں کوہ کن، کہیں منصور
مری نظر نے محبت کو وہ مقام دیئے

ندیم اب تو یہ ہے مشغلہ محبت کا
بدل بدل کے نئی زندگی کو نام دیئے

غزل

از اُمید ادیبی شجر الکوپہ ضلع شیموگہ

اُدھر ہی رنگِ بوستاں ہے میاں
چھا گئی ہر طرف خزاں ہے میاں

مجھ کو صحرا نوردی کرنے دو۔
میرا جوشِ جنوں جواں ہے میاں

دردِ الفت سے دل ہو جو خالی
زندگانی یہ رائیگاں ہے میاں

اب ہوس رانی و غرض مندی
چپہ چپہ پہ حکمراں ہے میاں

کوئی اسکو نہ پھونک ڈالے کہیں
ایک بیکس کا آشیاں ہے میاں

اہلِ دل کیسے کیسے آئے تھے
باقی ان کا کہاں نشاں ہے میاں

آج بے وادیوں کا شہر ہے
بند حق کی ہوئی زباں ہے میاں

مجھ سا ہوگا کیا بدنصیب کوئی
گم منزل پہ کارواں ہے میاں

اپنی روداد کیا سناؤں تمہیں
درد کی ایک داستاں ہے میاں

کیا جہنم نما یہ دنیا ہے
اپنی تو زندگی گراں ہے میاں

عشق و الفت بھی کوئی کھیل نہیں
الحذر اور الاماں ہے میاں

آشیاں اپنا کیا بنائے کوئی
تاک میں برقِ بے اماں ہے میاں

دہرِ فانی کے اس سمندر میں
کشتیٔ عمر تو رواں ہے میاں

امتحانِ وفا نہیں کب تک
دیکھو امیدِ ناتواں ہے میاں۔

ہماری درس گاہوں کی سیاہ تصویریں

بیدآل سرحدی بی۔ اے ادیب کامل

ہندوستان کبھی تہذیب اور اخلاق کا گہوارہ تھا۔ دُنیا کے تمام ممالک میں ہندوستان ہی واحد مُلک تھا جو اعلےٰ تہذیب اور بلند اخلاق میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ آج اسی ہندوستان میں چوری، ڈکیتی، جیب تراشی، قمار بازی، رنڈی بازی، خنجر زنی، اور غنڈہ گردی کی وارداتوں میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ منشیاتی اشیاء کی غیر قانونی خرید فروخت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ قماربازی کے اڈے کھلے عام جاری ہیں۔ اور جُوآ کھیلنے والے قطعی طور پر محفوظ ہیں کیونکہ جُوآ کھلوانے والوں کو طے شدہ ماہانہ خراج باقاعدگی سے مل جاتا ہے۔ متعلقہ حلقوں کی پولیس کے ماہانہ وظیفے مقرر ہیں۔ دادا لوگوں کی ماہانہ آمدنی بندھی ہوئی ہے۔ غیر قانونی پیشوں سے وابستہ لوگ اپنے اصولوں پر سختی سے پابند ہیں جب کہ زندگی کے کسی اور شعبہ میں اصول پرستی کی ایسی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی آج مُلک میں ایسے مذہبی پیشوا اور سیاسی رہنما اُنگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہیں جن کے دامن عیش پرستی اور رنگین مزاجی کے جراثیموں سے داغدار نہیں، مُلک میں صداقت، ایمانداری اور سچائی کا منہ کالا ہے اور جھوٹ مکر و فریب وریاکاری کا بول بالا ہے۔ جیب تراشی کے جرم میں انڈر گریجویٹ لڑکیوں کی گرفتاری میں بھی ترقی ہو رہی ہے بھارت ورش کی فیشن پرست، تعلیم یافتہ لڑکیوں کا ایک خاص طبقہ افیون، گانجا، چرس، اور کچی شراب کا ناجائز دھندہ کرنے پر خود کو مجبور سمجھتا ہے۔ دہلی، کلکتہ، بمبئی، مدراس، کانپور، احمد آباد غرضیکہ مُلک کے تقریباً ہر بڑے شہر میں تعلیم یافتہ لڑکیوں کا موٹر کاروں کو ہاتھ کے اشارے سے روک کر لفٹ کے لئے درخواست کرنا اور پھر کار والوں سے روپیہ پیسہ طلب کرنا ایک عام سی بات بن گئی ہے۔ مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں یہ کمبخت غیر مہذب طور طریق اپنانے سے بھی گریز نہیں کرتیں، شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر زور زور سے چلانے لگتی ہیں "ہائے میں مرگئی" "مجھے بچاؤ" "مجھے اغوا کیا جارہا ہے" وغیرہ وغیرہ ——— ایسا کرنے پر بھی اگر انہیں کام بنتا نظر نہیں آیا تو اپنی دراز زلفیں بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر بکھیر لیتی ہیں، خوبصورت گال نوچ ڈالتی ہیں۔ چھاتی کے قریب نرم و نازک سفید جلد کو اپنے لمبے اور نوکیلے ناخنوں سے کھرچ ڈالتی ہیں۔ الغرض ایسا حال بنا لیتی ہیں جیسے حقیقتاً ان کے ساتھ زنا بالجبر کی کوشش کی گئی ہو ایسی حالت میں بے چارے موٹر کار والے حضرات اپنی عزت و ناموس کی خاطر ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور دو چار سو روپیہ دے کر چھٹکارا پا نا ہی مناسب خیال کرتے ہیں۔ چند واقعات ایسے بھی ظہور میں آئے ہیں کہ تیز و طرار لڑکیوں نے پستول کا سہارا لے کر بے چارے موٹر کار والوں کی جامہ تلاشی؛ اور علاوہ دھن دولت کے کار میں رکھی ہوئی دیگر قیمتی اشیاء مثلاً فوٹو کیمرہ، گھڑی، ٹرانسسٹر، تھرماس وغیرہ بھی لے اُڑیں۔

ایک سو سال سے زائد انگریزی عہد حکومت نے ہندوستان کو ایسے رنگ میں رنگ دیا کہ خود ہندوستانی اپنی تہذیب اور اخلاق کا مذاق اڑانے لگ گئے۔ انگریزی شہنشاہیت نے ہندوستانی عوام کی ذہنیت کو غلام بنا کر رکھ دیا۔ سونے کی چڑیا کہلانے والے دیش کو لوٹ کھسوٹ کر مفلس و قلاش بنا دیا نتیجتہً ہندوستانیوں میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی خواہش انتہا کی حد تک پہنچ گئی۔ ان میں آرام و سکون کی زندگی کے لئے ایک تڑپ پیدا ہو گئی۔ آزادی کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً ہر شخص اپنی تہذیب اور کہنہ روایات کو چھوڑ کر دولت کے پیچھے سرپٹ بھاگ رہا ہے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ دُنیا کے کسی حصے میں کبھی تہذیب کے زیر اثر ہر طرح سے مکمل انسان پیدا نہیں ہوتے۔ کیونکہ انسان ہمیشہ سے خواہشات کا غلام رہا ہے۔ خواہش کے

ہوری ہو جانے پر بھی غیر مطمئن رہنا انسانی فطرت میں داخل ہے ہر زمانہ میں غریبوں کی تعداد امیروں کی نسبت زیادہ رہی ہے امیر یا دولت مند ہو جانے سے کوئی شخص مطمئن نہیں ہوتا اور صرف غریبی کی وجہ سے کوئی آدمی دکھی نہیں ہوتا۔ موجودہ مشینی دَور میں بے شمار امیر لوگ غریبوں کی نسبت زیادہ ذہنی پریشانیوں اور دُنیاوی مصائب میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لہذا مفلسی اور خواہشات کی غلامی کو کسی ملک کی اخلاقی گراوٹ یا تہذیب کے زوال کی کم از کم بنیادی وجہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان تمام تلخ حقائق کے باوجود ملک میں عوام کا فطری جھکاؤ یا رجحانِ طبع پستی کی جانب بڑی تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے جو انتہائی تشویشناک ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ باپ بیٹے، بھائی بھائی، اور میاں بیوی کے درمیان عزت و احترام ہمدردی و محبت اور اعتماد و یقین نام کی کوئی چیز نہیں رہی محض ایک کاروباری سا خشک تعلق رہ گیا ہے یا یوں کہیئے کہ مشین کے مختلف پرزوں کی طرح مجبوراً ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے ہیں۔ اپنے بزرگوں سے جب ہم پرانے زمانے کی باتیں سنتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے۔ پُرانے زمانے کے لوگ دن بھر اپنے اپنے دھندوں میں کڑی محنت و مشقت کر کے سارا سارا دن ہل چلا کر اور جھونپڑوں میں رہ کر بھی خوشحال، تندرست اور مطمئن تھے اور اس کے برعکس آج کے ترقی یافتہ دَور میں انسان کو زندگی کے آرام و آسائش کی ان گنت سہولیات میسر ہیں۔ رہنے کے لئے خوبصورت ٹائیلوں کی خوشنما عمارتیں، سفر کے لئے سائیکل، موٹر سائیکل، رکشا، تانگے کاریں، ریل اور ہوائی جہاز ــــ گھروں میں گرمی کے موسم میں بجلی کے پنکھے، کولر ــــ سردی کے موسم میں بجلی کے ہیٹر اور تفریحِ طبع کے لئے ریڈیو، ٹیلیویژن وغیرہ ...... لیکن ان تمام تر سہولیات کے باوجود آج کا انسان اخلاقی طور پر پست جسمانی لحاظ سے کمزور اور مجموعی اعتبار سے انسانیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہے۔

دنیا کی تواریخ کے گہرے مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ملکوں یا قوموں کو زندگی عطا کرنے میں تعلیم کا ایک اہم رول رہا ہے۔ کسی بھی ملک کی بہتری و بہبودی اور ترقی و خوشحالی کی بنیادی وجہ وہاں کے باشندوں کی سیم ـ، درسگاہیں ہی شخصیت سازی کا کارخانہ ہوا کرتی ہیں۔ طلباء کی فکری، ذہنی، نظری اور عملی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جاتا ہے پہلے کے قابلِ قدر اساتذہ جماعتوں میں صرف درس دینے پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے۔ بلکہ طالب علموں کی شخصیت کو ابھارنے اور ان کی سیرت کو بنانے میں ایک خاص قسم کی جدوجہد کرتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت سے طلباء وہ سب کچھ حاصل کر لیتے تھے جس کی زندگی کو ضرورت ہوتی تھی۔ لیکن اب یہ درسگاہیں شخصیت سازی کے بجائے ڈگری تقسیم کرنے کا کارخانہ بن گئی ہیں، اور سیاست کا اکھاڑہ بن چکی ہیں، نہ وہ اساتذہ رہے اور نہ وہ طلباء رہ گئے۔ کسی ملک میں اچھی تعلیم کی ذمہ داری وہاں کی حکومت کے علاوہ وہاں کی درسگاہوں کے مالکان و منتظمان پر ہی عائد کی جا سکتی ہے بدقسمتی سے ہندوستان میں ایسے لاتعداد تعلیمی ادارے ہیں جن کی باگ ڈور نا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، جو اس مقدس فریضہ کو ایک منافع بخش تجارت سمجھ کر انجام دے رہے ہیں۔ کوئی بھی تعلیم یافتہ بیکار شخص اس تجارت میں تھوڑا سا سرمایہ لگا کر تھوڑے ہی عرصہ میں امیر کبیر آدمی بن سکتا ہے۔ اس کا شمار شہر کے معزز آدمیوں میں ہو سکتا ہے۔ اس کے اثر و رسوخ میں روز بروز ترقی ہو سکتی ہے اس کی قدر و منزلت بڑھ سکتی ہے۔ یقین نہ آئے تو آزما کر دیکھ لیں۔ اور میری ذاتی و فراہم کردہ معلومات سے استفادہ کریں۔ شہر کی میونسپل حدود سے دو چار قدم کے فاصلے پر کوئی عمارت سستے کرایہ پر لیجئے۔ اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اپنی بیوی اور چند تعلیم یافتہ بیکار نوجوان اور ان کی پڑھی لکھی بہنوں کے تعاون سے ایک پرائمری اسکول کا واجبی افتتاح کر ڈالیئے افتتاح کی آڑ میں آس پاس رہنے والے چند سرکردہ اور معزز آدمیوں کو اچھی خاصی دعوت دیجئے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں کلرکوں کو کچھ دے دلا کر اسکول جلد رجسٹر کرا لیجئے حلقہ کے ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول جسے عام زبان میں ڈپٹی کہا جاتا ہے کو ہر طرح سے خوش رکھیئے کیونکہ

ـ سفارشات پر آپ سرکار سے بڑی بڑی رقمیں بطور امداد لے سکتے ہیں۔ اور برائے نام سود پر ہزاروں روپیہ بطور قرض لے سکتے ہیں۔ ڈپٹی لوگوں کی تنخواہیں چونکہ کم ہوتی ہیں اس لئے انہیں رام کرنے میں کوئی خاص دشواری نہیں اٹھانا پڑتی۔ طلباء سے من مانی فیسیں لے کر بھی رسیدیں مت دیجئے۔ اس طرح کرنے سے آپ اپنے اسکول میں بچوں کی تعداد کے مطابق فیس کی رقم باقاعدہ ہر ماہ سرکاری خزانہ سے بھی حاصل کر سکتے ہیں اتنا کر لینے کے بعد اسکول میں بطور ماسٹر اور ماسٹرنیوں کے فرائض انجام دینے والے واقف کاروں اور ان کی بہنوں کو تنخواہ کا جائز مطالبہ کرنے سے پہلے اپنی حکمت سے نکال باہر کیجئے۔ اور ان کی جگہ نوجوان بیوہ عورتوں یا انتہائی غریب گھرانوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں یا لڑکوں سے پر کر لیجئے۔ ان کی مفلسی، مجبوری اور بے بسی کا پورا پورا فائدہ اٹھایئے۔ اور اگر آپ کا ضمیر گوارا کرے تو بیوہ عورتوں اور غریب ماسٹرنیوں کو ترقی وغیرہ کا لالچ دے کر ان کی عزت سے کھیلئے۔ ناکامی کی صورت میں کچھ بھی الزام لگا کر ملازمت سے برطرف کر دیجئے۔ کسی بھی ماسٹر یا ماسٹرنی کو مستقل طور پر مت رکھیئے۔ بلکہ ہر سال نئے ٹیچرز کی خدمات حاصل کیجئے۔ بصورت دیگر پرانے ٹیچرز سے استعفے لے کر از سر نو تقرر کیجئے۔ اور ساٹھ ستر روپیہ تنخواہ دے کر ان سے ایک سو بیس یا ایک سو پچاس روپیہ کی رسیدیں حاصل کیجئے، اس تجارت کو فروغ دینے کے لئے اور بھی حربے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ایک بجلی کا پنکھا مبلغ چودہ روپیہ ماہوار کی آسان قسطوں پر خرید لیں ظاہر ہے کہ ایک پنکھا بہ یک وقت پانچ کلاسوں میں تو چلایا نہیں جا سکتا مگر پنکھے کی فیس اسکول کے تمام بچوں سے بحساب چار آنہ فی بچہ وصول کیجئے۔ اگر آپ ذرا ہنر مندی سے کام لیں تو سردی کے موسم میں بھی پنکھے کی فیس لے سکتے ہیں۔ لڑکیوں کے سلائی و کڑھائی کے امتحانات میں رومال پیٹی کوٹ، تکیے کے غلاف، میز پوش، ٹی کوزی اور لڑکوں کے بک کرافٹ کے امتحانات میں بنوائی گئی تمام اشیاء کو اسکول کی ملکیت بلکہ ذاتی ملکیت میں شامل کر لیجئے۔ اسکول کے بچوں کی مخصوص پوشاک کے لئے ہر سال شہر کی نئی دکان تجویز فرمایئے جہاں سے آپ کو نسبتاً زیادہ کمیشن مل سکے قصہ کوتاہ معمولی پونجی اور تھوڑی سی کوششوں سے یہ تجارت چمک سکتی ہے۔ اگر آپ اس پر بھی مطمئن نہ ہوں تو اپنے تقریباً بہی خواہوں پر مشتمل ایک انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل عمل میں لایئے اور ایک ہائی اسکول کا افتتاح کر ڈالیں انتظامیہ کمیٹی میں اپنے تقریباً بہی خواہوں کے علاوہ شہر کے کچھ ایک عیاش بارسوخ سرمایہ داروں کو بھی شمولیت کے لئے رضامند کر لیں تاکہ بروقت ضرورت آپ ان کے اثر و رسوخ اور سرمایہ کو بروئے کار لا سکیں اسی طرح ہائی اسکول سے انٹر کالج اور انٹر کالج سے ڈگری کالج کھولتے جایئے اور راقم الحروف کو دعائیں دیجئے۔

صوبائی سرکاروں کے تحت مختلف دیہی علاقوں کی درسگاہوں کی نسبت ہندوستان کی راجدھانی دہلی کے حالات مقابلتاً زیادہ ابتر ہیں وہاں پرائیویٹ کوچنگ سنٹروں جنہیں تعلیم فروش ادارے کہنا زیادہ مناسب ہوگا کی تعداد میں لگاتار اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ان اداروں کے پرنسپل عموماً مالکان ہوتے ہیں اور ان کی بیویاں ہی منتظم کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ اسی قسم کی درسگاہوں کا حدود اربعہ بھی عموماً مالکان کی رہائش گاہوں کے چند مختصر کمروں تک محدود ہوتا ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے کمروں میں طلباء کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسی درسگاہوں میں بطور ٹیچر یا ٹیچرس کام کرنے والوں یا والیوں کی زیادہ تعداد قلیل تنخواہ پانے والے سرکاری ملازموں کی ہوتی ہے۔ جو بیچارے خانگی ضروریات زندگی کے اخراجات کو پورا کرنے کی غرض سے چوری چھپے پڑھانے کا کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ان ٹیچروں کی تنخواہیں پچاس روپیہ سے لے کر سو یا ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ سے زیادہ نہیں ہوتیں۔

طلباء کو اپنی شخصیت اور گفتگو سے جو شخص جتنا مرعوب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے مالکان اسے اتنی ہی زیادہ تنخواہ دیتے ہیں۔ گویا ان کی تنخواہوں کے تعین میں تعلیمی ڈگریوں کی اہمیت کو نظر انداز کر کے شعبدے بازی سے کام لیا جاتا ہے یعنی ایک بی۔ اے پاس شخص ایم۔ اے کے طالب علموں کو بھی پڑھا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں مالکان حضرات طلباء اور ان کے والدین کی مجبوریوں کا حتی الامکان فائدہ اٹھاتے ہیں۔ داخلے کے وقت ایڈمیشن فیس کے نام پر پچاس ساٹھ روپیہ لے لینا تو شاید انہوں نے اپنے خود ساختہ آئین میں شامل کر لیا ہے۔ اسی طرح کھیل کود اور لائبریری وغیرہ کے نام پر بھی خاصی رقم وصول کرنا بھی انہوں نے اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ مہینہ میں ایک دو بار تواریخی مقامات کی سیر کروانے کے بہانے یا یوں کہئے پکنک کے نام پر بھی کافی رقم سیدھی کر لیتے ہیں۔ غرضیکہ تعلیم کے نام پر ایک ایک دن میں دو دو تین تین شفٹیں چلا کر رات دن دونوں ہاتھوں سے روپیہ بٹورنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔

کیا ہماری حکومت ان حقائق سے بے خبر ہے؟ آخر ہماری حکومت اعلیٰ درسگاہوں اور قابل اساتذہ کی خاطر خواہ فراہمی کے باب میں فوری توجہ فرمانے کی زحمت گوارا کیوں نہیں کرتی؟؟ جب کہ موجودہ حالات اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ملک میں اعلیٰ درسگاہوں کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے قابل اساتذہ کی خدمات حاصل کی جائیں۔ موجودہ ناقص طریقہ تعلیم و نصاب میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں تاکہ ملک کے نونہالوں کو اچھی تعلیم و تربیت مل سکے اور وہ آئندہ ملک و قوم کے صحیح معمار بن سکیں۔ ہمارے دیش بھارت ورش میں تعلیم کا مسئلہ نہایت اہم اور فوری توجہ کا متقاضی ہے۔ کیونکہ تعلیم کے ذریعہ ہی ہم اپنے ملک کا مزاج بدل سکتے ہیں۔ بلاشبہ ہماری حکومت نے اس ضمن میں ٹیچرز کی تنخواہوں کے گریڈ مقرر کرنے میں اور ان کی تنخواہوں کی ادائیگی بذریعہ بینک چیک کرنے میں کچھ ضابطے ضرور اختیار کئے ہیں۔ مگر غیر مصدقہ اطلاعات ظاہر کرتی ہیں کہ شاطر مالکان و منتظمان نے حکومت کے مقرر کردہ ضابطوں میں لچک پیدا کرنے کے لئے راستے ہموار کر لئے ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ سنجیدہ غور و فکر کے لئے اب بھی فریاد کناں ہے۔ کیا حکومت اس نوعیت کی تمام درسگاہوں کو براہ راست اپنی تحویل میں لے کر دانشمند ماہرین تعلیم کی مدد سے موجودہ طریقۂ تعلیم و نصاب میں مناسب تبدیلی نہیں کر سکتی؟ آخر ہمارا ملک دانشمند ماہرین تعلیم سے محروم تو ہے نہیں؟؟

تاریخ شاہد ہے کہ ہٹلر نے طریقۂ تعلیم و نصاب میں تبدیلی کر کے جرمنی کے عوام کو "نازیت" کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ مصطفیٰ کمال نے تعلیم کے ذریعہ ہی ترکوں کی تہذیب و معاشرے میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ مثال کے طور پر فرانس اور امریکہ کے "تاریخی واقعات" بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔

غزل

اخلاق سہسوانی

پھر ہے تڑپنے کا ہنگام — پھر ہونے کو آئی شام
آنکھوں کا تھا سارا کام — دل تو ہوا ناحق بدنام
دیکھ تو زاہد کالی گھٹا — توبہ ہے ایسے میں حرام
تم نے اٹھائی تو ہے نظر — ترسیں گے ہونٹوں کو جام
فاقہ کشی، بدحالی، بھوک — ہم کو بدلنا ہے یہ نظام
تم تھے اور آغوشِ خیال — کتنی دلکش تھی وہ شام
ہائے تھکے بھی ہم تو کہاں — منزل تھی بس دو اک گام
اف یہ تیری دزدیدہ نظر — ہو گیا دل کا کام تمام

شبنم روتی ہے اخلاق
دیکھ کے پھولوں کا انجام

ایس۔ایم عابد نقوی
لندن

شہزادے کے آنسو

بارش کا قطرہ نہیں ہے شہزادے کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو ہے۔

ایک شہزادے کا مجسمہ ایک قدیم شہر میں اونچے چبوترے پر نصب تھا۔ چبوترا اتنا اونچا تھا کہ شہزادہ اب بھی سارے شہر کو دیکھتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ مجسمہ کی سطح پر سونے کے باریک پتر جڑے ہوئے تھے۔

آنکھوں کی جگہ دو چمکدار نیلم جڑے تھے۔ شہزادے کے تلوار کے دستہ میں ایک قیمتی لعل جڑا ہوا تھا۔ لوگ جب اس مجسمہ کو دیکھتے تو اس کی خوبصورتی چمک دمک اور مسکراتے ہوئے چہرے کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

ایک شام کو ایک ابابیل شہزادے کے اوپر سے اڑتا ہوا آیا۔ وہ کسی گرم علاقہ کی طرف جارہا تھا۔ کیونکہ اس ملک میں سخت سردی پڑتی تھی اور وہ ہر سال اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح گرم ملک کی طرف نکل جاتا تھا۔

پرندہ سارا دن اڑتے رہنے کی وجہ سے تھکا ہوا تھا۔ اس نے رات اسی شہر میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اتنے میں اس کی نظر شہزادے کے مجسمہ پر پڑی وہ یہ خیال کرکے نیچے اتر آیا کہ رات اس چبوترے پر اطمینان سے گذاری جاسکے گی۔

سارے دن کا تھکا ہوا پرندہ جلد ہی سو گیا۔ اچانک پانی کا ایک قطرہ اس کے اوپر گرا اور ابابیل جاگ اٹھا حیرت سے اس نے اوپر نگاہ ڈالی آسمان بالکل صاف تھا۔ کہیں بادل کا نام و نشان نہ تھا۔ پرندہ بہت حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ آخر پانی کا قطرہ کہاں سے آیا۔ ابھی وہ اس سوچ میں تھا کہ اس کے اوپر ایک اور قطرہ گیا ابابیل وہاں سے اٹھ کر کہیں اور جانے کی سوچنے لگا۔ اور اس خیال سے وہ اوپر اٹھا تو دیکھا کہ شہزادے کے سنہرے رخساروں پر آنسو کے قطرے جھلملا رہے تھے۔

ابابیل نے پوچھا تم کون ہو؟ اور کیوں رو رہے ہو؟

مجسمہ نے جواب دیا میں شہزادہ ہوں۔ جب تک میں زندہ تھا میں نے بڑی بے فکری اور پرمسرت زندگی گذاری کیونکہ میرے ملک کے سب ہی لوگ خوشحال تھے۔ میرے مرنے کے بعد میرا مجسمہ اتنا اونچا نصب کردیا گیا کہ اب میں شہر میں غریب عوام پر ٹوٹتی ہوئی مصیبتیں اور ظلم دیکھ سکتا ہوں۔ اتنا کہہ شہزادہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا

تھوڑی دیر بعد اس نے ابابیل سے کہا۔ وہ دیکھو یہاں سے کچھ فاصلہ پر ایک چھوٹی سی تنگ گلی ہے۔ اس میں ایک ٹوٹا سا مکان ہے جس کی آدھی چھت کھلی ہے۔

ایک غریب درزن بیٹھی ایک فراک سی رہی ہے۔ یہ خوبصورت فراک ایک دولتمند سیٹھ کی بیٹی کا ہے۔ قریب ہی درزن کا بیمار بچہ پڑا بخار میں تڑپ رہا ہے۔ اور سارا دن سنترے مانگتا رہا۔ مگر بیچاری بیوہ درزن اسے نمکین پانی کے سوا اور کچھ نہیں دے سکی۔ اس کے پاس دوا کے لئے بھی پیسہ نہیں۔ اس کا شوہر اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہوئے لڑائی میں مارا گیا۔ حکومت نے اس کے بیوہ اور یتیم بچوں کے لئے کوئی انتظام نہ کیا۔ اے ابابیل تم میری تلوار کے دستہ سے لعل نکال لو اور اس غریب درزن کو دے آؤ۔ اسے اس کی ضرورت ہے۔ ابابیل کے دل میں بھی ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھا۔ اس نے تلوار کے دستہ سے لعل نکالا اور درزن کو دینے کے لئے اڑتا ہوا ایک خوبصورت بڑی عمارت پر سے گذرا۔ اس نے دیکھا ایک لڑکی اپنی سہیلی کے ساتھ کھڑی اس ریشمی فراک کی بات کررہی ہے جسے وہ پہن کر کسی کی سالگرہ پہ ناچ میں جائے گی۔

پھر ابابیل بڑے بڑے بیوپاریوں کے محلہ پر سے گذرا اس نے دیکھا کہ سیٹھ لاکھوں روپے کے نوٹ گن گن کر

یوں میں بند کر رہے ہیں۔

آخر وہ درزن کے گھر پہنچ گیا۔ اس کا بچہ بے قراری سے ریں مبتلا تھا۔ ابابیل اپنی چونچ سے لعل اس کی میز پر رکھ کر آیا۔ دوسرے دن ابابیل نے شہزادے سے اجازت ، اور کہا میں اپنے سفر پر روانہ ہوتا ہوں۔ لیکن شہزادے درخواست کی کہ آج کا دن اور میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ ابابیل مند ہوگیا۔ شام کے وقت شہزادے نے ابابیل سے کہا ری آنکھوں میں سے نیلم نکال لو۔ اور یہ اس کہانی اور مضمون ننے والے ملک کے بوڑھے ادیب کو دے آؤ جو مضمون لکھتے تے اور سوچتے ہوئے تھک چکا ہے۔ عوام اور ملک کی بھلائی ، لئے عمر گزاردی اور آنکھوں کی بینائی بھی کمزور کرلی ہے ن وہ ادیب بھوکا ہے۔ کوئی ادب کا قدرداں نہیں جو اس بھوک مٹا سکے۔ اور سردی بھی اسے پریشان کررہی ہے۔ مگر ، کے پاس کچھ نہیں ہے۔ سوائے پھٹے ہوئے کپڑوں کے اور کاغذ چند ٹکڑے کے جس سے وہ اپنی سردی یا بھوک مٹا سکے۔

ننھے پرندے نے بڑی مشکل سے چونچ سے شہزادہ کی نکھ سے نیلم نکالا اور دے کر اڑتا ہوا اس ضعیف ادیب کے پاس یلے سے رکھ آیا۔ ادیب نے نیلم دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ اور پنے دل میں کہنے لگا میری ادبیت بھی آخر قدر کی نگاہ سے دیکھی نے لگی۔ اور یہ پڑھنے والوں میں سے کسی نے رکھوایا ہے۔

تیسرے دن ذرا سردی بڑھ گئی تو ابابیل نے شہزادے خدا حافظ کہا اور رخصت چاہی لیکن شہزادے نے پھر اسے ک لیا۔

ابابیل نے کہا اچھے شہزادے سردی بہت بڑھ گئی ہے ، لئے مجھے جانے دو لیکن شہزادے کا چہرہ مرجھا گیا اور اداسی ٹپکنے ے۔ ابابیل اس کا چہرہ دیکھ کر پھر ایک دن کے لئے رک گیا۔

ن رات شہزادے نے کہا۔ اے میرے دوست ابابیل۔ وہ دیکھو نیچے چوک میں ایک ماچس بیچنے والی چھوٹی ، لڑکی پھٹے لباس میں کھڑی ہے اس کی دیا سلائی کی ری ڈبیاں نالی میں گر گئی ہیں اور وہ ڈر کے مارے گھر یں جارہی ہے۔ کیونکہ اس کا غریب اندھا باپ اس

لتو مار ان کو برداشت نہ کرسکے گا۔ تم میری دوسری آنکھ سے نیلم نکالو اور اس بچی کو دے آؤ۔ ابابیل نے ایسا ہی کیا لڑکی چمکتے ہوئے نیلم کو دیکھ کر خوش ہوگئی اور گھر چلی گئی۔

شہزادے کی رحمدلی اور ہمدردی کا ابابیل کے دل پر گہرا اثر ہوا اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ ہمیشہ اس اندھے شہزادے کے پاس رہے گا۔

چنانچہ وہ رات اس نے شہزادے کے قدموں کے پاس گذاری۔ اگلے دن وہ اڑ کر شہزادے کے کندھوں پر بیٹھ گیا اور اسے دوسرے ملکوں کے عجیب وغریب حالات سنانے لگا۔ شہزادے نے اس کی سیر کا قصہ سننے کے بعد حیرانی سے کہا۔ زیادہ پریشان کن حالات ان لوگوں کے ہوتے ہیں۔ جو ملک کی اور قوم کی خاطر کام کرتے ہیں۔

ابابیل سے اس نے کہا جاؤ ذرا شہر کے حالات تو دیکھ کر آؤ۔

ابابیل شہر کے اوپر اڑتا ہوا مختلف جگہوں پر گیا۔۔۔۔ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ اپنے خوبصورت مکانوں میں عیش کررہے ہیں۔ سیٹھ تجوریاں بھر رہے ہیں۔ گداگر اور بھکاری ان کے دروازہ پر بھیک مانگنے گئے اور انہیں بھیک کے بجائے دھکے مل رہے ہیں۔

مزدور منوں بوجھ لادے ادھر ادھر بھاگے پھرتے ہیں اس نے ایک ادیب کے لڑکے کو دیکھا جس کے کپڑے پرانے تھے۔ ماسٹر نے اسکول کی فیس ادا نہ کرنے پر کلاس سے باہر نکال دیا تھا۔

ابابیل نے واپس آکر شہزادے کو سارا حال سنایا۔

شہزادے نے کہا میرے دوست میرے جسم پر جتنے بھی سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں انہیں آہستہ آہستہ اتار کر ان غریب یتیموں اور طالب علموں میں تقسیم کردو۔

ابابیل نے اپنی چونچ سے رفتہ رفتہ شہزادے کے جسم پر چڑھا ہوا تمام سونا اتار کر غریبوں میں تقسیم کردیا۔ اب شہزادے کا مجسمہ بے رنگ بے رونق نظر آنے لگا۔ اس رات کو سردی بڑھ گئی اور اتنی برف پڑی کہ ابابیل سردی کی تاب نہ لاکر مر

گیا ۔ ذرا دیر بعد ۔
اس مجسمے کے اندر سے تڑاخ کی آواز آئی
معلوم ہوتا تھا شہزادے کا دل بھی ٹوٹ گیا ہے
کچھ دن بعد صدر بلدیہ اور شہر کے میونسپل کمشنر صاحب مجسمہ کے پاس سے گزرے تو صدر بلدیہ نے کہا یہ ایک بھدا مجسمہ یہاں کیوں نصب کر رکھا ہے ؟ پھر انہوں نے حکم دیا کہ اس مجسمہ کو اکھاڑ کر اور اس کی دھات پگھلا کر اور کسی کام میں لائی جائے ۔ چنانچہ مجسمہ کو اکھاڑ کر پگھلا یا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن مجسمہ کا دل نہ پگھلا ۔ اور اسے اٹھا کر کوڑے کرکٹ کے ڈرم میں پھینک دیا گیا ۔
کہتے ہیں کہ انہیں دنوں میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ دنیا سے جا کر دو تحفے لاؤ یہ تمہارا امتحان ہے ۔
فرشتے جو اچھے برے کا علم رکھتے تھے دنیا سے دو تحفے لے گئے ۔ ان تحفوں میں سے ایک تو تھا ننھا پرندہ ۔ مردہ ابابیل اور دوسرا نیک شہزادے کا زخم خوردہ دل ۔

اپنی اپنی راحتوں سے جب کبھی فرصت ملے
دوسروں کا درد بھی دل میں جگا کر دیکھئے

غزل

مرتو ۔ بارہ بنکوی (ترجمہ)

کون جانے دل سکوں پائے کہاں
دیکھئے تقدیر لے جائے کہاں
مرمٹے ہم اُن کی خاطر مرمٹے
اُن کی نظروں میں سما پائے کہاں
دل سکوں لینے نہیں دیتا کہیں
اُن کی محفل سے کوئی جائے کہاں
زندگی گزری ہے غم کی دھوپ میں
تیری زلفوں کے حسیں سائے کہاں.
دل کے داغوں میں مہک ہے آج بھی
حسرتوں کے پھول مرجھائے کہاں
میکدہ سے آپ کو کیا واسطہ
بھول کر واعظ ادھر آئے کہاں
سننے والا اب نہیں کوئی مراد داستاں دل کی یہ دہرائے کہاں

دل نہ دارد کہ نہ دارد با خداوند اقرار

(سعدی شیرازیؒ)

انجم وزیر آبادی سیمابی لاہور

چشمِ بینا کے لئے ہر شے میں ہے اس کا ظہور
ذرہ ذرہ کائنات حسن کا ہے کوہ طور
آدمی آئینہ ہے اس کی ذاتِ پاک کا
پھر بھی ہے منکر تو ہے عرفان کے جوہر سے دور

انجم و شمس و قمر میں کون ہے جلوہ نما؛
کس کی صنعت کا کرشمہ ہے دو عالم کی ضیا؛
جس کو یہ نیرنگیٔ قدرت نظر آتی نہیں
اس کی آنکھیں رہ گئی ہیں بن کے اندھا آئینا

جن و انسان مور و ماہی سب پہ ہے اس کی نظر
کرم وہ بھی پل رہا ہے جس کا ہے پتھر میں گھر
بابِ رحمت سے طلب کر جو تجھے درکار ہو
یہ وہ در ہے جس پہ جھکتے ہیں شہنشاہوں کے سر

مہر میں ماہ میں تاروں میں ضیا کس کی ہے؟
ہر جگہ جلوہ گری ! صبح و مسا کس کی ہے !
آنکھ والے تو نظر آتے ہیں لاکھوں انجم !
یہ بتا دو کہ نظر عقدہ کشا کس کی ہے !

ناچیز ۔ انجم وزیر آبادی (سیمابی)

لطیف صہبا

معرفت
انجمن شعرائے کمایوں
لالہ بازار ۔ الموڑہ

۵ر جولائی ۱۹۳۶ء کو کاشی پور (ضلع نینی تال) میری پیدائش ہوئی۔ عالمِ وجود میں آیا تو عبداللطیف انصاری ہوا۔ اور جب شاعری کے آب لطیف کا متوالا ہوا تو خود کو صہبا کہنے لگا۔ شاعری کا جذبہ فطری ہے اور اوائل عمری سے اس جذبہ کی حسبِ بساط تسکین کرتا رہا ایک زمانہ ہوا کہ کاشی پور چھوڑ کر الموڑہ وطن بنالیا اور مستقل سکونت اختیار کرلی۔ الموڑہ بذاتِ خود قدرتی مناظر سے مزین ہے۔ دامنِ ہمالہ میں آباد ہے اور یہاں سے اس کی صاف و شفاف برف پوش چوٹیاں انتہائی دلکش اور جاں افروز انداز میں نگاہوں کے سامنے رہتی ہیں۔

قلب کو احساس کا مادہ کچھ زیادہ ہی عطا ہوا ہے، ہر چھوٹی بڑی بات یا کوئی حادثہ جو خلافِ معمول ہو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ میری شاعری کا باقاعدہ آغاز ۱۹۵۵ء سے ہوا۔ ابتدا میں علم عروض کا درس جناب مولانا عبدالواحد صاحب قاسمی ہلدوانی اور جناب عبدالستار ناز صاحب الموڑوی سے حاصل کیا۔

میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ ابتدائی ملازمت میں میرے تبادلے ادھر ادھر ہوتے رہے جس کی وجہ سے ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۵ء تک کا زمانہ ذاتی الجھنوں کی نذر رہا اس کے علاوہ اس درمیان ادبی ماحول کی فضا سے بھی محروم رہا لیکن اگست ۱۹۶۵ء میں پھر الموڑہ واپس آنے کے بعد میرے دوست احباب کا مجھ پر بڑا کرم رہا کہ جنہوں نے میرے خوابیدہ شعور کو بیدار کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ ورنہ میری صلاحیتِ شعری مفقود ہوچکی تھی اور پھر سونے پہ سہاگا یہ کہ میں اسے حسنِ اتفاق کہوں یا اپنی بے پناہ خوش نصیبی کہ ایک طرف ماہ جون، ۷۴ء ۱۹ کی ایک شام حدِ نظر تک اپنے اثرات چھوڑ کر خودی میں سمٹ چکی تھی اور رات آہستہ آہستہ اپنی سیاہ چادر عالمِ وجود پر پھیلا رہی تھی تو دوسری جانب انسانی ارتقا کی بستیاں تاریک نرغہ سے نکل جانے کی جد و جہد میں چرخ کی تقلید میں معروف تھیں کہ سرِ بازار حضرت دلکش آفریدی صاحب مرادآبادی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے اپنی تمام زندگی اصلاحِ سخن اور فروغِ ادب کے لئے وقف کردی ہے۔ یہ ایک ایسی مثال ہے کہ جس کو ہم اور آنے والی نسلیں مدتوں فراموش نہ کرسکیں گی آپ کے پرخلوص طرزِ عمل اور بے انتہا شفقت و محبت نے مجھے اس مقام تک پہنچا دیا کہ جہاں سے میں آج قلم کا سہارا لے کر شانِ ہند کے پڑھنے والوں سے مخاطب ہو رہا ہوں۔

میرا اندازِ فکر کیا ہے؟ حقیقت پسندی اور صاف گوئی میرے کلام سے کہاں تک ظاہر ہے۔ اس کا فیصلہ شانِ ہند کے قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ لطیف صہبا

سوغات

۱۔ اپنے محور پہ ذرا گردشِ ایام ٹھہر
غم کے بکھرے ہوئے حالات مرتب کرکے
میں سناؤں تجھے حدیثِ غمِ جاناں کو
اپنے پژمردہ خیالات مرتب کرکے

۲۔ وہ تھی ایک زہرہ جبیں ملتے ہی جس سے آنکھیں
کھل اٹھے تھے مری معصوم امیدوں کے کنول
جیسے دھڑکن کی طرح شاہ جہاں کے دل میں
جلوہ افروز دلنوازیہ ہو ممتاز محل۔

۳ اور وہ اُس کی عنایت کے سنہری لمحات
شہر سے دُور بہت دُور چناروں کے تلے
کتنے خورشید فضاؤں میں ضیا بار ہوئے
کتنے مہتاب مرے پیار کے ساغر میں ڈھلے

۴۔ لیکن افسوس کہ وہ دُور محبت نہ رہا
میری آشاؤں کے سب تاج محل ٹوٹ گئے
راس آئیں نہ محبت کی سہانی راتیں
حادثے گردشِ دوراں کے مجھے لُوٹ گئے

۵۔ اس سے پہلے کہ پہنچ جاتا میں منزل کے قریب
اس نے تنہا رہِ ہستی میں مجھے چھوڑ دیا
اپنی موہوم محبت کا سہارا دے کر
کیا قیامت ہے کہ پیمانِ وفا توڑ دیا۔

۶۔ کیسے لبِ شکوہ بلب آج ہوا جاتا ہوں
ورنہ کہنے کی کہاں ہوتی ہے دل کی برسات
خوش ہوں اے گردشِ ایام کی اُس نے مجھکو
رنج و آلام کی بخشی ہے انوکھی سوغات

غزل

یہ تو آغازِ سفر تھا تیز دھاروں کی طرف
آپ نے کیوں موڑ دی کشتی کناروں کی طرف

ذرے ذرے میں دھڑکتا ہوں کسی دل کی طرح
تم سنبھل کے پاؤں رکھنا تیز دھاروں کی طرف

یہ کہاں ہیں آئینہ خانے جو گر کر چور ہوں
پھینکئے پتھر دریں سے آبشاروں کی طرف

میں ترے شہروں کی آنکھوں کا اگر شہتیر ہوں
لے چلا جاتا ہوں میں تاریک غاروں کی طرف

اب خلا بھی خون کا پہنے گی شاید پیرہن
چشم آدم ملتفت ہے چاند تاروں کی طرف

چیر کر سینوں کو ہم نے راز افشا کر دیئے
اٹھ گئیں جب اپنی نظریں کوہساروں کی طرف

ہوں گنہ گارِ محبت پر نہ پتھر ماریئے
پھول برساؤ نگران سنگساروں کی طرف

رس رہا ہے آج بھی ہر زخم سے دل کا لہو
کیوں نظر اٹھتی ہے پھر پھر بہاروں کی طرف

غزل

اشفاق ۔ (محمدی)

ناآشنا جو ہوتا تو شکوا نہ تھا مجھے
افسوس ہے کہ تو نے کہا بے وفا مجھے

کافی ہے زندگی کے لئے وعدۂ کرم
اتنا بھی آسرا ہے بہت آسرا مجھے

عمر دراز میں بھی دمِ نزع یہ لگا
کچھ کام زندگی کا ابھی رہ گیا مجھے

ایک اک مقامِ حسن پہ لایا گیا مجھے
آیا نہ کچھ پسند تمہارے سوا مجھے

طوفان میں گھرا ہوں مگر مطمئن سا ہوں
کچھ یوں نگاہِ ناز نے سمجھا دیا مجھے

پوچھا گیا جو مجھ سے سرِ دار مدعا
شرما کے تیرا نام بتانا پڑا مجھے

دویا پرکاش سرور ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے بینقو کے صفحات خواجہ پریس چھتہ شیخ منگلو جامع مسجد دہلی اور سرورق پاکٹ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر شان ہند، غلیفہ بوہ انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع کیا۔

مثنوی مالوہ

قسط ۶

نازک الہ آبادی

نہیں من موہنی پاؤں کی انگلیاں
پھنسی جن میں سونے کی ہیں چھلیاں

لباس اُس کا ہے ریشمی پیرہن
چھلکتا ہے جس میں سے وہ گلبدن

وہ محبوب میرا ہے ماہِ صیام
کہ بلور کا ہے حسیں مست جام

وہ جانانِ جاناں ہے جانِ مجاز
جو ہے سرو قد خود بہ قامت دراز

مرے محترم دوست پیغام بر
ذرا مجھ پہ رکھ کر کرم کی نظر

سراپا جو کھینچا ہے محبوب کا
لگانا پتہ اُس سے مطلوب کا

پہونچ کر کے سالکا پُری دیکھنا
نظر اپنی چاروں طرف پھینکنا

نظر آئے جلوہ جو وہ سوئے بام
توکرنا ذرا عقل مندی سے کام

مرے غم میں وہ غم زدہ سیم بر
پڑی ہوگی سوکھی ہوئی سیج پر

اترنا سُبک گام ہوکر وہاں
وہ تصویرِ غم خود پڑی ہو جہاں

وہاں دیکھنا تم کھٹکنا نہیں
غرض بن کے بجلی چمکنا نہیں

ادب سے مرا پہلے کہنا سلام
تو پھر بعد میں اُس سے کرنا کلام

جہاں تم ہو کہنا کہ "یکش" ہے وہیں
نہیں دوست من یوں نہیں یوں نہیں

یہ کہنا ترا "یکش" اب ہے جہاں
تمہیں تم ہو اُس کی رگوں میں نہاں

نہیں 'یہ نہیں' وہ نہیں، کچھ نہیں
یہ کہہ دینا وہ ہے نہ زندہ کہیں

نہیں دوست من ان سے بگڑے کا کام
سنبھل کر ذرا اُس سے کرنا کلام

یہ کہنا وہ ہے آرزو کا غبار
بتانا مفصل مرا حالِ زار

ہے جینا ہی جب اُس کو بارِ گراں
کرے بھی وہ کیا اور جائے کہاں

زباں پر شکایت نہ آتی ہے، مجبور ہے
وہ الکا پُری سے بہت دور ہے

وہ عاشق ہے اور عشق کے نام پر
بنا "یکش" کا جیوں پیغام بر

نہ اُٹھنے کی باقی ہے اس میں سکت
وہ رکھتا ہے بس موت ہی کا برت

کہا تھا پروں میں ہوا دہ بھروں
پہونچنے میں تا کہ نہ دیری کروں

تھا مقصد یہی تم سے جلدی ملوں
کچھ اُس کی سنا کر تمہاری سنوں

مرا حال سن کر نہ دل تھام لے
ذرا کچھ تحمل سے وہ کام لے

گزارش تھی اُس کی یہی بار بار
کہ غم میں نہ ہو میرے وہ بے قرار۔

عوام کے اپنے نئے انتظامیہ کا پختہ عہد

باشندگانِ دلی کی زندگی کے ہر پہلو کی ترقی۔

صاف ستھرا اور مستعد انتظامیہ کا بندوبست۔

کم لاگت والے پروجیکٹوں کے ذریعہ روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا کرنا۔

گندی دسلم، غیر مجاز بستیوں دنوآباد کالونیوں اور دیہی علاقوں کے باشندوں کو بہتر اور راحت والی سہولتیں۔

دوسرے خصوصی ترقیاتی پروگرام

ہر سال ۸۰،۰۰۰ ہزار رہائشی اکائیوں کی تعمیر۔

ہریجنوں کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کیلئے آسان شرحوں پر قرضے اور خام مال کا بندوبست۔

سماج بہبود پروگراموں پر خصوصی زور۔

عوام کی خواہشات اور ضروریات کے مطابق نظام تعلیم کی از سر نو تنظیم و تشکیل۔

بہتر اور باقاعدہ ٹرانسپورٹ سروس۔

سرکاری کام کاج میں ہندی کا زیادہ سے زیادہ استعمال۔

پالیسی طے کرنے میں عوام سے صلاح و مشورہ اور اشتراک۔

آیئے! ہم سب ملکر دلی کو ہندوستان کا ایک آدرش شہر بنائیں۔

جاری کردہ:۔ محکمۂ اطلاعات و اشاعت دِلّی انتظامیہ دِلّی۔

گلہائے رنگ رنگ

غزلیات

جیمنی سرشار سونی پت

دیدۂ اشک بار تو اور نہ اشک بار کر
وقت اگر خراب ہے وقت کا انتظار کر

ہونے نہ دے لب آشنا نالۂ جاں گداز کو
حسن کی آبرو بڑھا عشق کو باوقار کر

اتنی طویل منزلیں ایسے مہیب راستے!
ڈرتا ہوں ہم سفر کہیں بیٹھ نہ جائیں ہار کر

اشک رواں سے کی عطا تو نے چمن کو زندگی
خونِ جگر بہا کے اب دشت کو لالہ زار کر

میرے لئے گناہ کی یاد کا بوجھ کم نہیں
مجھ کو مرے گناہ پر اور نہ شرمسار کر

اہلِ جنوں کی بات سن جوشِ جنوں سے کام لے
ہوش کا کام اب کہاں ہوش کو ہوشیار کر

عشوۂ سحر کار سے ضبط و سکوں کو مات دے
تیرِ نگاہِ ناز سے قلب و جگر فگار کر

اہلِ زمیں کے ظلم بھی اہلِ زمیں پہ کم نہیں
جور و جفائے چرخ کا شکوہ نہ بار بار کر

عشق کے امتحان میں موت کو زندگی سمجھ
مہر و وفا کی راہ میں قلب و جگر نثار کر

تیرا یہ تیرِ نیم کش دل کے لئے عذاب ہے
یا اسے دل سے کھینچ لے یا اسے دل کے پار کر

انکی نگاہِ فیض کے فیض سے فیضیاب ہو
زخمِ جگر دکھا انہیں حالِ دل آشکار کر

موت قریب آ گئی نبضِ حیات سست ہے
کون چلا ہے سر سے یہ بارِ الم اتار کر

خان نیازی امروہی

پاؤ گے زیبِ کوچۂ دلدار ایک دو
عاشق پڑے ہوئے پسِ دیوار ایک دو

لو روز قتل عاشقِ بیمار ایک دو
اس دلربا کے ہاتھ میں تلوار ایک دو

محوِ خیالِ کوچۂ دلدار ہو کے ہم
طے کر گئے ہیں منزلِ دشوار ایک دو

ہر صبح و شام وعدۂ فردا پہ آپکے
دیتے ہیں جان طالبِ دیدار ایک دو

اٹھتی ہے جب بھی انکی نظر بزمِ ناز میں
بیہوش پائے جاتے ہیں ہر بار ایک دو

قربت کے تیری لاکھوں طلبگار ہیں مگر
پہنچے ہیں بس ہنوز سرِ دار ایک دو

کر دیگی میری آبلہ پائی کا یہ علاج
[illegible] میں جو دیگی پُر خار ایک دو

اُمید ادیبی خیرالکوپہ ضلع کھمّم

شبِ فرقت خدا ہی جانتا ہے کیسے کٹتی ہے
مرے جذبات مجھ کو صبح تک تارے گناتے ہیں

زمانے میں کسی کو کیا سمجھ کر دل لگا بیٹھیں
وہی بیگانہ بنتا ہے جسے اپنا بناتے ہیں

حسینوں کی طبیعت میں جفا بھی ہے ستم بھی ہے
یہ اپنے چاہنے والوں سے کب آنکھیں لڑاتے ہیں

کوئی بے درد سمجھے عاشقوں کا حال کیا جانے
ستم سہہ سہہ کے جیتے ہیں ہزاروں غم اُٹھاتے ہیں

خبر کچھ بھی نہیں تجھ کو کہ ہم پر کیا گزرتی ہے
ہم اپنے دل کو تیری یاد میں تڑپائے جاتے ہیں

حسینوں کا یہ برتاوا انوکھا ہے نرالا ہے
کبھی اک دن ہنساتے ہیں تو پھر برسوں رُلاتے ہیں

چلو اچھا ہُوا تم خود چلے آئے ہو محفل میں
سنو بربادئ دل کی کہانی ہم سُناتے ہیں

کہیں تیری طرح اُمید وہ بھی تیر کھا بیٹھے
جو حالِ دل سُناتے تھے وہ اب ہم سے چھپاتے ہیں

ڈاکٹر مدّنا منظر (بنگلور)

بتائیں کس طرح بادِ صبا کو رازداں اپنا
نہ گل اپنا، نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا

یہ مانا مختصر سی زندگی مجھ کو ملی لیکن
حیاتِ جاوداں بن جائے گا۔ دردِ نہاں اپنا

وہ ناداں دوست ہی نکلا جسے ہم رازداں سمجھے
نہ سوچا تھا کبھی ہم نے، نہ تھا وہم و گماں اپنا

رُخِ آتش کے شعلے ہیں، تبسم کے شرارے ہیں
نہ عقل و ہوش ہی باقی، نہ دل ہی پاسباں اپنا

جہاں پہنچی صدائے دل، ہوئی کافور ظلمت بھی
زمانے سے جُدا ہے دیکھئے طرزِ فغاں اپنا

چھپا کر بجلیوں کو دل میں اکثر مسکرایا ہوں
یہی طرزِ محبت ہے، یہی جذبِ نہاں اپنا

کہیں ہے بزم آرائی، کہیں ہے رنگ و رعنائی
کہیں ہے جلوہ فرمائی، کہیں آرامِ جاں اپنا

جہاں معراجِ اُلفت ہے، وہیں تیری خدائی ہے
جھکے جس جا شہنشاہی، وہی ہے آستاں اپنا

تصوف کے مناظر ہیں، وہ منظر سات رنگوں کا
خرد بھی محوِ حیرت ہے، جہاں ہے اک جہاں اپنا

رؤف جاوید

دن بھر کی میٹھی میٹھی تھکن نے سُلا دیا
بستر پہ آکے صبح کرن نے جگا دیا

مُورت ہمارے پیار کی تم نے بنائی تھی
میں نے تو اُس پہ پھول سا چہرا لگا دیا

چھٹ کر کسی سے اور کہیں دوستی نہ کی! میں نے کسی کے پیار کا قرضہ چکا دیا
ہم تھے رواں دواں کبھی دریا کے روپ میں حالات نے مگر ہمیں پتھر بنا دیا
اِتنی تو آبرو ہے ہماری بھی شہر میں! جو بھی ملا سلام کیا مسکرا دیا
آؤ نئے سرے سے کریں زندگی شروع
جاوید وقت نے ہمیں سب کچھ سکھا دیا

ڈاکٹر خنجر خیرآبادی

جفا تمہاری وفا سے بھلی لگے ہے مجھے جو غم ملے ہے وہی اب خوشی لگے ہے مجھے
جنونِ عشق کی جادوگری لگے ہے مجھے کہ دشمنی بھی تری دوستی لگے ہے مجھے
سکوت ایسا ہے دورِ حیات پر طاری یہ زندگی کوئی تصویر سی لگے ہے مجھے
یہ کیسی بزم ہے میں بھی ہوں اجنبی جس میں جو اجنبی نہیں وہ اجنبی لگے ہے مجھے
خلیق لوگوں کے جب دل میں جھانک کر دیکھا اُجالا گھر کا نہیں باہری لگے ہے مجھے
پڑھا ہے جب سے جوابِ پیامِ شوق اپنا اک ایک خط تری تحریر سی لگے ہے مجھے
اب انتظارِ قیامت نہیں رہا خنجر
قیامت اب تو مری زندگی لگے ہے مجھے

نبی احمد اطہر مظفرپور

سناؤں حالِ دل کس کو جہاں میں بلا کا کرب ہے اس داستاں میں
اک اک رہزن بنا پھرتا ہے رہبر چلے کیسے کوئی اب کارواں میں
بھلا کب تک جفا کرتے رہو گے وفا کا درس بھی سیکھو جہاں میں
کلی دل کی کھلے گی اک نہ اک دن اگر اخلاص دل کا ہو زباں میں
نہیں اطہر وہ انساں مردِ کامل
جو اُلجھا رہ گیا سود و زیاں میں

متین بدایونی

یہ آدمی جو بہت ہی کھرا لگے ہے مجھے کسی کے پیار میں جلتا ہوا لگے ہے مجھے
ہے سایہ دار تناور بھلا لگے ہے مجھے درخت یہ تو کوئی دیوتا لگے ہے مجھے
نہ کوئی مونس و ہمدم نہ کوئی خویش و عزیز خود اپنا شہر کسی اور کا لگے ہے مجھے
تمہارے نام سے پہلے تمہارے نام کے بعد مرا ہی نام سا لکھا ہوا لگے ہے مجھے
بڑے سکون سے جو سی رہا ہے دامن کو یہ اجنبی تو بڑا دل جلا لگے ہے مجھے
سبھی سے ملتا ہے خوش ہو کے بانہیں پھیلا کر یہ آدمی تو بڑے کام کا لگے ہے مجھے

کبھی دلوں میں سیاست کے ہر قدم چکّر — زمانہ آپ کی زُلفِ دوتا لگے ہے مجھے

نہیں یہ ہوتا جدا ایک پل بھی مجھ سے متینؔ
کسی کا غم تو بڑا باوفا لگے ہے مجھے

میکش بریلوی

راز غمِ فراق نمایاں تو کیجئے — پلکوں پہ اپنی جشنِ چراغاں تو کیجئے
ترکِ تصورِ رُخِ جاناں تو کیجئے — دل کو بھری بہار میں ویراں تو کیجئے
حل ہو تو جائے عشق کی شوکت کا مرحلہ — دیوانگی میں درد کا درماں تو کیجئے
معراجِ عشق آپ یقیناً ہی پائیں گے — شوقِ جنوں میں چاکِ گریباں تو کیجئے

میکش حرم کی راہ میں جائیں گے سر کے بل
کافر ہیں آپ پہلے مسلماں تو کیجئے

سلیم احمد زخمی بالودوی

وہ جن کو بُرے کہتے ہیں دُنیا کے سبھی لوگ — ملجاتے ہیں ایسوں ہی میں اچھے بھی کئی لوگ
جب بات ہے ایسی تو چلو ختم کرو بات — کہتے ہیں بھلی ہم تو سمجھتے ہیں بُری لوگ
ہر فرد ہے بے عیب تو ہر شخص ہنرمند — یہ شہر بھی اچھا ہے کہ اچھے ہیں سبھی لوگ
کچھ اور ہی آتا ہے نظر حالِ زمانہ — کچھ اور ہی آتے تھے نظر ہم کو ابھی لوگ
رہ جائیں گے آنکھوں میں لرزتے ہوئے آنسو — لے جائیں گے سب لوٹ کے ہونٹوں کی ہنسی لوگ
ماضی کے فسانوں میں جھلکتے ہیں جو کردار — کیا پتہ ہے کہ ایسے بھی تھے دُنیا میں کبھی لوگ
دیدہ ونکے وہ بستے ہوں کہ قرآں کے جزداں — رکھتے ہیں اسی ڈھب سے بغل میں بھی چُھری لوگ

زخمی تھے کئی شعر تصوف کے بیاں میں
غالب ہی کے جیسے تو نہیں یہ بھی دلی لوگ

سید شاہد علی شاہد

خار کا جنگل ہے راہوں میں زخم جگر ہیں آبلہ پا ہوں — زُلفوں کی مہکار کو لیکر صحرا صحرا ڈھونڈ رہا ہوں
دیر و حرم سے مجھ کو غرض کیا میخانے سے کیا مطلب ہے — میں تو تمہاری یاد کو لیکر ارمانوں کو ڈھونڈ رہا ہوں
ایک مسافر راہِ وفا کا میں ہی اکیلا ہوں نہ جہاں میں — پیار بھری فریادیں لیکر ان سپنوں کو ڈھونڈ رہا ہوں
متوالا ہوں بیخود ہوں میں پاگل ہوں سودائی بھی — پہلے اُنکو ڈھونڈ رہا تھا اب شاہد کو ڈھونڈ رہا ہوں

عاجز ہنگن گھاٹی

ہم پر کوئی اُچٹتی نظر تک نہ پڑ سکی — مٹی کے دیوتا کو پجارن نئی ملی
ہر چند ان ہواؤں نے شاخوں سے چھیڑ کی — پکنے سے قبل تلخ نبولی نہیں گری
کل رات بھر صداؤں کی یلغار وہ ہوئی — سر پر مرے سکوت کی دیوار گر پڑی
ٹھہرے ذرا قدم تو زمانہ بچھڑ گیا — جھپکی ذرا جو آنکھ تو دُنیا بدل گئی
عاجز جسے سفالِ ادب کا نہ تھا شعور — اُس نے تمام شہر کی مٹی خراب کی

حیرت بستوی ایم۔اے

اپنی تقدیر جلوہ فشاں ہو گئی
زندگی گشتۂ جانِ جاں ہو گئی

لذتِ تلخیِ ہجر کیا خوب ہے
ذکرِ محبوب سے تر زباں ہو گئی

تھی بڑے کام کی نو بہارِ شباب
آہ انمول شے رائیگاں ہو گئی

گرمیٔ عشق سے کوئی جب تپ گیا
آگ اس کے لئے گلستاں ہو گئی

حشر میں جن کے اشکِ ندامت کے دُر
رحمتِ ایزدی شادماں ہو گئی

خاکساری کا رتبہ یہ ہے خاک میں
شانِ حق [illegible] کی قدرداں ہو گئی

یہ ستم یا کرم ہے نئے دور کا
اُن کی پابند میری زباں ہو گئی

عزم و ہمت کا جس کو اُجالا ملا
اُس کی ہر آرزو ضوفشاں ہو گئی

عرش تک ہے دعائے سحر کا اثر
میری شہرت کہاں سے کہاں ہو گئی

دیر و کعبہ سے وہ آ بسے قلب میں
اُن کی حیرت نوازی عیاں ہو گئی

راز لائل پوری

کب ہم نے کہا جلوۂ سرِ عام ہمیں دو
نظارۂ مخصوصِ لبِ بام ہمیں دو

جس نام سے بھی چاہو مخاطب کرو ہم کو
آوارہ و سودائی، کوئی نام ہمیں دو

بر آئے کبھی حسرتِ دیدِ رخ و گیسو
نورِ سحر و تیرگیٔ شام ہمیں دو

قسّامِ ازل نے ہمیں مے نوش بنایا
رندی کا نہ یوں دوستو الزام ہمیں دو

اک ساغرِ صہبا کی ضرورت ہے سحر دم
اک جام مئے ناب سرِ شام ہمیں دو

رہ رہ کے نہ یاد آؤ، نہ تڑپاؤ شب و روز
دم بھر کے لئے راحت و آرام ہمیں دو

جی جاں سے بجا لائیں گے احکام تمہارے
جو چاہو بڑے شوق سے احکام ہمیں دو

گردن ہی اڑا دو کہ مٹے روز کا جھگڑا
اے راز کہو اُن سے یہ انعام ہمیں دو

نکہت شاجاپوری

وہ پریشاں نظر آتے ہیں مجھے
غم کے ساماں نظر آتے ہیں مجھے

ان نگاہوں کی جھجکی پلکوں پر
لاکھ ارماں نظر آتے ہیں مجھے

یہ محبت ہے جنوں کی تمہید
لوگ حیراں نظر آتے ہیں مجھے

ہر صدا پر میرے بیتاب ارماں
گلبداماں نظر آتے ہیں مجھے

یہ کنارے یہ مچلتی موجیں
پھر تری یاد دلاتے ہیں مجھے

کچھ کمی ہے جو مجھے اب نکہت
خواب ویراں نظر آتے ہیں مجھے
